MARCH 2011
ماہنامہ
کرن
سالگرہ نمبر
کیک اسپیشل

سالگرہ نمبر

مکمل ناول

ناولٹ

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) — 500 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ — 4000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا — 5000 روپے

مارچ 2011

جلد 33 شمارہ 12

قیمت 40 روپے

ادارتی خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ کرن، 37-اردو بازار، کراچی۔

پبلشر آزر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872
Email: khawateendigest@hotmail.com , info@khawateendigest.com

اداریہ

سالگرہ نمبر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

وقت خوشی اور غم کا احساس لیے لمحہ لمحہ کر کے ہاتھوں سے نکل جاتا ہے۔ اپنے پیچھے تلخ و شیریں لمحوں کا جو کارواں چھوڑ جاتا ہے۔ اس پر بہت سی داستانیں رقم ہوتی ہیں۔ اس سفر میں جس کا لمحہ لمحہ صدیوں پر محیط ہے۔ ہم نے اپنے قارئین کے لیے بہت سی محبتیں رقم کی ہیں۔ قارئین کی محبتیں اور اعتماد ہمارے سفر کی صعوبتوں کو آسان بناتا رہا۔ ہماری محنتیں ہر لمحہ قارئین کی دلچسپی کے لیے سرگرم عمل رہیں۔

میر کارواں محمود بابر فیصل کا لگایا ہوا یہ پودا یقیناً آج اپنے آپ پر فخر کر رہا ہوگا کہ اس کی بنیادوں میں ایک ایسے شخص کی محنتیں، شفقتیں اور ریاضتیں شامل حال رہی ہیں۔ محبت و خلوص جس کی زندگی کا واحد مشن تھا۔ زندگی کے سارے رنگ محبت و خلوص سے ہی عبارت ہیں۔ اور محمود بابر فیصل نے ان ہی رنگوں سے کرن کی آبیاری کی۔

ماشاءاللہ سے آج کرن کامیابی کا ایک اور سال مکمل کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ سب کی محبتیں ہمیشہ ہمارے ساتھ رہیں اور ہم کرن کو سجا سنوار کر پیش کرتے رہیں۔

سالگرہ نمبر آپ کو کیسا لگا۔ ہمیں اپنی رائے سے ضرور آگاہ کیجیے گا۔

اس شمارے میں،

- کرن کی سالگرہ کے موقع پر قارئین سے دلچسپ سروے،
- اداکار "عمران عباس" قارئین کی عدالت میں۔ نازیہ کنول نازی کا کرن کی سالگرہ کے موقع پر نیا سلسلہ،
- اداکار "دانش تیمور" دو کے پہاڑے کے ساتھ،
- "پیا کا گھر پیارا لگے" میں اداکارہ بشریٰ انصاری سے ان کے پیا کے گھر کی باتیں،
- "دردِ دل" بیلا عزیز کا سلسلے وار ناول،
- "عشق آتش" سعدیہ راجپوت کا مکمل ناول اختتامی مراحل میں،
- نایاب جیلانی اور صدف زیب کے طویل مکمل ناول،
- "گوشۂ عافیت" شگفتہ بھٹی کا دلکش ناولٹ اپنے اختتام کی طرف،
- ام ثمامہ، آصفہ عنبرین قاضی، فاخرہ گل اور نادیہ جمال کے افسانے اور مستقل سلسلے،

مفت،

کرن کتاب "کیک اسپیشل" کرن کے ہر شمارے کے ساتھ مفت پیشِ خدمت ہے۔

حمد باری تعالیٰ

زباں پہ مہر لگا دے جلال ایسا ہے
نظر کی تاب سے باہر، جمال ایسا ہے

کہیں دکھائی نہ دے اور ہر طرف موجود
گماں یقیں میں بدل دے، کمال ایسا ہے

وہ نور جس کی سمائی نہیں کسی دل میں
بشر کی سوچ سے باہر، خیال ایسا ہے

ہر اک چیز نظر آتی ہے زیادہ صاف
ہماری روح کے شیشے میں بال ایسا ہے

عروج پر ہے مقدر بفیض چشم کرم
یہ میرِ عمرِ رواں کا زوال ایسا ہے

وہ مسکرائیں گے سن کر پلٹ کے دیکھیں گے
ہمارے لب پہ مچلتا سوال ایسا ہے

کوئی بھی وقت ہو امجد یہ پھیلا رہتا ہے
دلوں میں فضلِ خدا کا نہال ایسا ہے

امجد اسلام امجد

نعت رسول مقبول ﷺ

میں اپنی ذات کی تکمیل کرنا چاہتا ہوں
مدینہ آنکھ میں تحلیل کرنا چاہتا ہوں

غلامِ مصطفیٰ ﷺ کہہ دے زمانہ دیکھ کر مجھ کو
میں خود کو اس قدر تبدیل کرنا چاہتا ہوں

جہاں تک ہو سکے بھر لوں نظارے سبز گنبد کے
میں اپنی آنکھ کو زنبیل کرنا چاہتا ہوں

وسیلے آپ ﷺ کے میری دعائیں معتبر ہوں گی
دعائیں آپ ﷺ کو ترسیل کرنا چاہتا ہوں

مرے الفاظ سے امجد زمانہ روشنی پائے
میں اپنی سوچ کو قندیل کرنا چاہتا ہوں

امجد بخاری

قارئین کی عدالت میں

عمران عباس

نازیہ کنول نازی
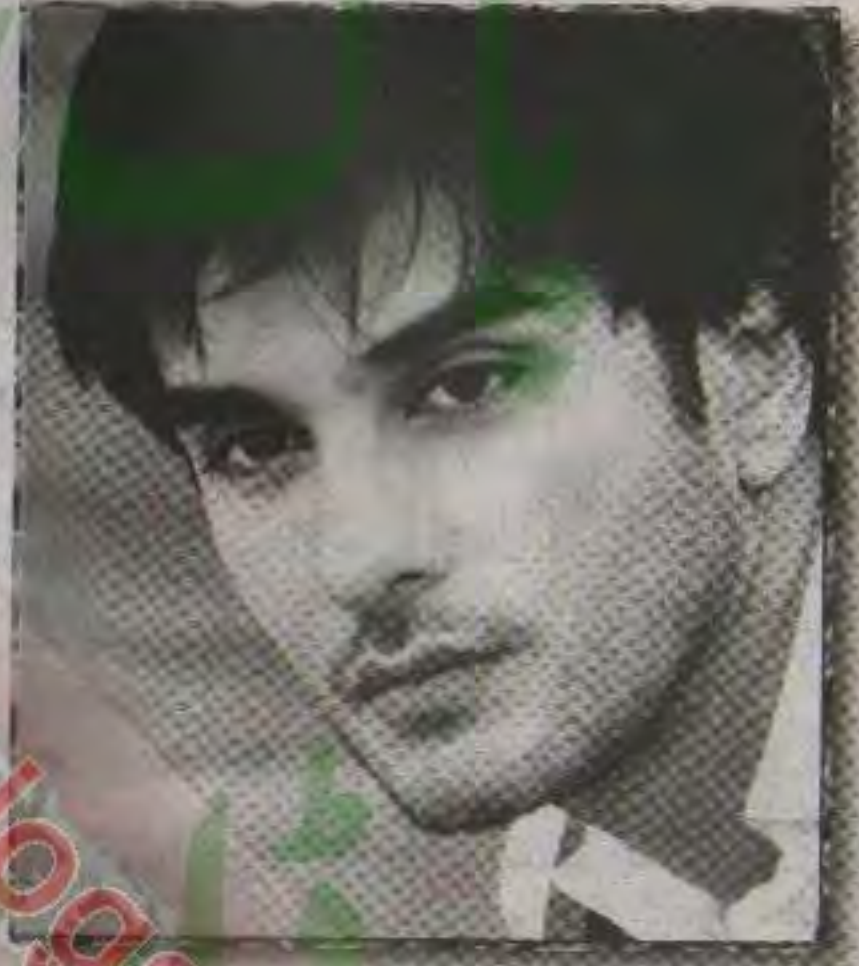
کرن کی سالگرہ نمبر کے موقع پر "قارئین کی عدالت" کے تحت ایک نیا سلسلہ شروع کیا جارہا ہے۔ جس میں ہر ماہ شوبز کی کسی ایک معروف شخصیت سے قارئین اپنی پسند کے سوالات کر سکیں گے۔ اس ماہ اس سلسلے میں ہر دل عزیز ٹی وی آرٹسٹ عمران عباس قارئین کے سوالوں کے جوابات دے رہے ہیں۔ آئندہ ماہ کی شخصیت "جگن کاظم" ہوں گی۔ قارئین اپنے سوالات پندرہ مارچ تک ارسال کر دیں تاکہ آپ بھی اس سلسلے کا حصہ بن سکیں۔

(1) کیفہ خان ..... حیدر آباد

★ "کیسے ہیں آپ؟ "میری ذات ذرہ بے نشاں" آپ کی بہت یادگار سیریل رہا مبارک باد؟"

✼ "شکریہ جی ..... الحمد للہ میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں سیریل کی پسندیدگی کے لیے بے حد شکریہ۔"

(2) صدف آرزو ..... تنکانہ صاحب

★ "سال 2010ء تمام پاکستانیوں کے لیے غم اور مصیبت کا سال رہا مگر اس سال نے آپ کو بہت کامیابیاں اور محبتیں دیں آپ نے اس سال کو کیا دیا؟"

✼ "میں نے تو اس سال کو تو کیا دینا تھا" ہاں اپنے چاہنے والوں کو بہت کچھ دیا ہے۔ "ملال" "منصب" "میری ذات ذرہ بے نشاں" "بابل" "عشق دل سے دل تک" "پیار کے بعد" "بارڈر" یہ سب لفٹ ہی تو ہے اس سال کے لیے۔"

(3) انیلا آصف ..... وینہ

★ "کئی سالوں سے آپ کو ایسا ہی ینگ اسمارٹ اور ایکٹو دیکھ رہے ہیں کیا آپ کی عمر نہیں بڑھتی سچ بتایئے گا؟"

✼ "بہت شکریہ اگر آپ کو ایسا لگتا ہے تو ویسے میڈیا میں صرف عورتیں ہی نہیں مرد بھی اپنی عمر چھپاتے ہیں۔ میرے بارے میں تو سب ہی جانتے ہیں، کوئی ایسی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ جب میرا پہلا کمرشل آیا تھا تو میں بالکل اسکول بوائے تھا اور یہ بہت زیادہ پرانی بات نہیں ہے۔"

(4) ..... رحیم یار خان

★ "آپ نے اپنی اب تک کی زندگی کے تجربے سے کیا سیکھا ہے؟"

✼ "میں اپنی اب تک کی زندگی سے بہت خوش ہوں۔ جہاں تک مطمئن ہونے کی بات ہے یا زندگی سے کچھ حاصل کرنے کی بات ہے تو میں سمجھتا ہوں اس میں وہی ہے جو لوگوں کا پیار ہے ——— یہ وہ چیز ہے جو ہمیشہ آپ کے پاس نہیں رہتی آج اگر ایک کروڑ لوگ مجھے پیار کر رہے ہیں تو کل ایک بھی نہیں کرے گا۔ لہٰذا اس پیار میں میری فیملی اور اس کی محبت زیادہ اہم ہے میرے لیے۔"

(5) عاصمہ صدیق ..... فورٹ عباس

★ "آپ کی کوالیفکیشن؟"

✼ "میں نے ایم سی کالج لاہور سے انجینئرنگ کی ڈگری لی ہوئی ہے۔"

(6) ذکیہ ابراہیم ..... وہاڑی

★ "موجودہ مقام تک پہنچنے کے لیے کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا؟"

✼ "دیکھئے میں ہمیشہ اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ اگر آپ کے اندر ٹیلنٹ ہے تو وہ کبھی چھپ نہیں سکتا۔ یہ سچ ہے کہ آپ کو محنت و جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ لیکن اگر آپ ٹیلنٹڈ ہیں تو آپ کو کوئی روک نہیں سکتا۔ آپ کو کسی کی سفارش کی کوئی ضرورت نہیں پڑتی ہے۔ میں نے کبھی کسی کا سہارا نہیں لیا۔ اب میں اپنی تعریف نہیں کر رہا مگر یہ سچ ہے کہ میں نے جو کیا اپنے بل بوتے پر کیا پاکستان اور پاکستان سے باہر جتنا کام میں نے کیا لوگوں نے اسے سراہا ہے بھارت میں میں فلم کے لیے بھی گیا ہوا ہے اسی میں ماڈلنگ کی امریکہ میں بھی ماڈلنگ کے لیے بلایا گیا۔ انٹرنیشنل نیٹ پر اگر آپ دیکھیں تو most good looking man میں میرا نام ہے اگر یہ تمام تر صلاحیتیں آپ میں موجود ہیں اور اللہ آپ پر مہربان ہے تو ضرور کامیابی ملتی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ میں بہت بہتر ہوں یقیناً مجھ سے بھی بہت بہتر لڑکے لڑکیاں اس فیلڈ میں موجود ہیں بس اپنے اللہ پر یقین رکھنا چاہیے اور اپنے ٹیلنٹ پر بھروسہ ہونا چاہیے کامیابی ضرور ملتی ہے۔"

(7) فوزیہ احسان رانا ..... حاصل پور

★ "آپ اتنے گڈ لکنگ اور اسمارٹ ہیں، فلموں میں کام کیوں نہیں کیا؟"

✼ "فلم میں نے بہت پہلے کی تھی۔ دبئی میں انڈین ڈائریکٹر نے بنائی تھی۔ وہ بہت برا ایکسپیرینس تھا اب جو پروجیکٹ ہیں۔ ان کا پتا نہیں کیا ہوگا۔"

(8) عروج فاطمہ ..... لاہور

★ "آپ کی ڈیٹ آف برتھ اور جائے پیدائش؟"
✳ "پندرہ اکتوبر اور میں اسلام آباد میں پیدا ہوا۔ اسلام آباد ہی سے پری انجینئرنگ کی اور ایئر فورس میں پائلٹ ہوا۔"

(9) حمیرا لطیف ۔۔۔ جھلوال
★ "آپ کا پہلا ٹی وی ڈرامہ؟"
✳ "میرا پہلا ٹی وی ڈرامہ "شاید کہ بہار آئے" حسینہ معین صاحبہ کا تھا اور راشد شیخ اس کے ڈائریکٹر تھے۔"

(10) طاہرہ بانو ۔۔۔ اسلام آباد
★ "کبھی کسی سے محبت ہوئی؟"
✳ "محبت کسی نہ کسی لیول پر کرنی پڑتی ہے۔ لیکن ہم نے بہت عجیب عجیب سے جذبوں کو محبت کا نام دے دیا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ "جذبہ" بہت بدنام ہو کر رہ گیا ہے۔ اب تو جذبوں میں اتنی ملاوٹ ہو گئی ہے کہ کچھ سمجھ نہیں آتی۔ پیسے کی عجیب سی دوڑ نے انسان کے دل سے ہر خالص جذبہ نکال پھینکا ہے۔ پاکیزگی جیسے ختم ہو کر رہ گئی ہے۔"

(11) طیبہ ارم ۔۔۔ بہاول نگر
★ "ٹیلی ویژن کی طرف لانے میں کس کا ہاتھ رہا؟"
✳ "سلطانہ صدیقی صاحبہ کا۔"

(12) عاصمہ ۔۔۔ لاہور
★ "عمران صاحب اللہ نے آپ کو اتنی شہرت، مقبولیت، خوب صورتی، پیسہ دیا کبھی غرور ہوا اپنے مقام پر؟"
✳ "جی نہیں، میں سمجھتا ہوں یہ حسن، یہ شہرت، یہ نام، یہ خوب صورتی اور پیسہ ہمیشہ آپ کے پاس رہنے والی چیزیں نہیں ہیں۔ پھر ایسی چیز پر غرور کیا کرنا۔ یہ چیزیں اس وقت آپ کو بہت تکلیف دیتی ہیں جب یہ آپ کے پاس نہیں ہوتیں۔"

(13) کرن وفا ۔۔۔ کراچی
★ "اپنی زندگی کے موجودہ مقام سے کتنے مطمئن ہیں؟"
✳ "میں اپنی زندگی میں کبھی بھی مطمئن نہیں رہا ہو سکتا ہے ایکٹنگ کے بعد میں کچھ اور شروع کر دوں کیونکہ میں اپنے آپ کو ہمیشہ ڈسکور کرتا رہتا ہوں اور یہ سفر ساری زندگی چلتا رہتا ہے۔ شوبز سے پہلے میں ایئر فورس میں پائلٹ تھا۔ مگر نہ وہ میری منزل تھی نہ شوبز میری منزل ہے۔ میری منزل، میری خوشی، میری دعائیں اور ہے اور میں اس کی تلاش میں ہوں شاید اور آگے جاؤں کہاں جاؤں یہ مجھے نہیں معلوم۔"

(14) رخسانہ جاوید مغل ۔۔۔ کورنگی کراچی
★ "ٹی وی اور ماڈلنگ کی طرف کون لایا؟"
✳ "ٹی وی کی طرف مجھے سلطانہ صدیقی صاحبہ لائیں۔ اس سے پہلے خاور اعظم صاحب نے مجھے ماڈلنگ کے لیے آفر کیا تھا۔"

(15) طاہرہ کنول سمیرا کنول ۔۔۔ بہاولپور
★ "اگر کوئی آپ سے آپ کی ذات کا تعارف مانگے تو؟"
✳ "میں مناسب نہیں ہوں۔ میں ویسا ہی ہوں جیسا سب کو نظر آ رہا ہے۔ میں کبھی کسی کا برا نہیں چاہتا۔ مجھے آج تک جو کامیابی ملی ہے وہ اسی وجہ سے ملی ہے کہ بس اپنے کام سے کام رکھتا ہوں اور کبھی کسی کا برا نہیں چاہا۔ اللہ کا شکر ہے میں نے ہمیشہ اللہ پر یقین رکھ کر صرف اپنے کام سے دلچسپی رکھی ہے میرے پاس اتنا وقت بھی نہیں ہوتا کہ کسی سے بات کروں بس گھر آتا ہوں اور سو جاتا ہے۔"

(16) ارم گل ۔۔۔ آزاد کشمیر
★ "کس سیریل یا اشتہار سے پہچان ملی؟"
✳ "امراؤ جان ادا" جسے نواب سلطان صاحب نے پیش کیا تھا۔"

(17) شگفتہ خان ۔۔۔ جھلوال
★ "زندگی کو کس نظریے سے دیکھتے ہیں اور اپنی زندگی سے کتنے مطمئن ہیں؟"
✳ "زندگی اللہ کی امانت ہے اور الحمد للہ 100% اپنی زندگی سے مطمئن ہوں [illegible] ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو [illegible] پیچھے چلا جاؤں۔ میں آج جو ہوں [illegible] نہیں تھا۔"

(18) صائمہ اسلم ۔۔۔ چشتیاں شریف
★ "آپ کی فیملی میں کتنے لوگ ہیں اور آپ کی سب سے زیادہ انڈر اسٹینڈنگ کس کے ساتھ ہے؟"
✳ "میری فیملی میں مجھے ملا کر تین بھائی اور تین بہنیں ہیں اور ماشاء اللہ ہماری فیملی کی جو بانڈز ہیں وہ بہت اسٹرونگ ہیں۔ میرے والد انجینئر تھے۔ جہاں تک انڈر اسٹینڈنگ کی بات ہے تو ہم سب بہن بھائی وہ ایک دوسرے سے بہت کلوز ہیں۔ میرے تقریباً تمام بہن بھائی ملک سے باہر ہیں شادی شدہ ہیں اس [illegible] ہمارا آپس میں رابطہ رہتا ہے۔"

(19) نوشین اقبال نوشی ۔۔۔ کھاریاں
★ "کبھی سوچا تھا کہ اتنی شہرت اور مقبولیت حاصل کر لیں گے؟"
✳ "جی نہیں میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ میرا اللہ مجھے اتنی شہرت اور مقبولیت سے نوازے گا۔ مجھے لگتا ہے کہیں میرا اللہ مجھے دے کر آزما تو نہیں رہا اور اگر میں اس کی آزمائش پر پورا اتر [illegible] آخر کو ایک عام سا انسان ہی ہوں نا [illegible] پیغمبر تو نہیں۔"

(20) گل صنوبر ۔۔۔ سرگودھا
★ "کھانے پینے کے کتنے شوقین ہیں، کھانے میں شوق سے کیا کھاتے ہیں؟"
✳ "بالکل شوقین نہیں ہوں۔ میری صحت دیکھ کر اندازہ ہو گا۔ کھانے میں کھچڑی، پاستا جو میری ممی بہت اچھا بناتی ہیں شوق سے کھاتا ہوں۔ اس کے علاوہ [illegible] کھانے پسند ہیں، یہ ہیوی کھانے میں نہیں کھا سکتا۔"

(21) حمیرا لطیف ۔۔۔ لاہور
★ "آپ کی کاسٹ؟"
✳ "میں سید فیملی سے تعلق رکھتا ہوں۔ اور الحمد للہ پانچوں وقت کی نماز باقاعدگی سے پڑھتا ہوں۔"

(22) ام مریم ۔۔۔ فیصل آباد روڈ جڑانوالہ
★ "عمران صاحب شعر کا جواب شعر میں دیں
شہرت ملی تو نیند بھی اپنی نہیں رہی
بے نام زندگی تھی تو کتنا سکون تھا؟"
✳
وہ بچپنے کی نیند تو اب خواب ہو گئی
کیا وقت تھا کہ رات ہوئی اور سو گئے
وہ نیند تو واقعی اب خواب ہو گئی ہے لیکن میں اب بھی سوتا ہوں تو اطمینان سے سوتا ہوں کہ میرے دل پر کوئی بوجھ نہیں ہے کیونکہ میں نے کسی کا دل نہیں دکھایا۔"

(23) ثمرین افتخار ۔۔۔ ڈونگہ بونگہ
★ "کوئی عزیز دوست ناراض ہو جائے تو کیسے مناتے ہیں؟"
✳ "اس معاملے میں میں بہت برا ہوں کہ مجھے منانا نہیں آتا جو میرے بہت عزیز دوست ہیں وہ اب میری اس نیچر کے عادی ہو چکے ہیں۔ اس لیے اگر ناراض ہوتے ہیں تو پھر خود ہی مان جاتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ مجھے منانے کے طریقے نہیں آتے۔"

(24) شازیہ اسلم ۔۔۔ ہارون آباد
★ "زندگی کا کوئی خوب صورت یادگار لمحہ؟"
✳ "جب میں پہلی بار گھر سے باہر نکلا۔ جب میں نے پہلی بار جہاز اڑایا۔"

(25) دعا تاتی ۔۔۔ کوہاٹ
★ "آپ صورت اور سیرت دونوں میں بہت اچھے ہیں کیا وجہ ہے؟"
✳ (مسکراتے ہوئے) "یہ ساری چیز مطلب ویلیو سسٹم ہے جو آپ کی فیملی سے آتی ہے۔ میں یہ نہیں کہوں گا کہ میں کوئی بہت ویل آف فیملی سے تعلق رکھتا ہوں مگر جو قدریں ہوتی ہیں نا اس کا تعلق پیسے سے نہیں ہوتا۔ اس کا تعلق تربیت سے ہوتا ہے۔ بہت متوسط گھرانے میں بھی آپ کو وہ چیز مل سکتی ہے جو پیسے والے گھرانے میں نہیں مل سکتی۔ میں انسان کے اخلاق اور اس کے شخصی وقار کو زیادہ اہمیت دیتا ہوں۔ یہ شوبز، یہ شہرت، یہ پیسہ میرے لیے میٹر نہیں کرتا۔"

(26) تہمینہ مشتاق۔۔۔ فقیروالی

★ "عمران عباس صاحب کیا آپ اسٹارز پر یقین رکھتے ہیں یا نہیں؟"

✻ "جی نہیں میں اسٹارز پر زیادہ یقین نہیں رکھتا۔"

(27) اریبہ شاہ۔۔۔ بہاول پور

★ "ہر انسان کی زندگی میں کوئی آتا ہے اور دل و دماغ پر چھا جاتا ہے آپ کے ساتھ یہ حادثہ ہوا کہ نہیں؟"

✻ (مسکراتے ہوئے) "ابھی تک تو میں انتظار ہی کر رہا ہوں کہ کوئی آئے اور چھا جائے۔ ابھی تک تو کوئی نہیں آیا۔ ہاں کچھ لوگ تھے جو آئے اور چلے گئے۔ شاید ان کا چلے جانا ہی میرے لیے زیادہ خوشی کا باعث ہے۔ کیونکہ جو آپ کے ہوتے ہیں وہ کبھی آپ کو چھوڑ کر نہیں جاتے اور جو آپ کے نہیں ہیں وہ جتنی جلدی چھوڑ کر چلے جائیں اتنا ہی اچھا ہے بقول پروین شاکر۔

تمام عمر کی نا معتبر رفاقت سے
کہیں بھلا ہے کہ پل بھر ملیں یقین سے ملیں

(28) آنسہ مریم عباس۔۔۔ ملتان

★ "کچھ یاد ہے اب تک ٹی وی کے لیے کتنے پروجیکٹ کر چکے ہیں؟"

✻ "سو سے زیادہ ہی ہو گئے ہیں۔"

(29) لبنیٰ نذیر چوہدری۔۔۔ کوٹ رادھا کشن ضلع قصور

★ "اپنے بہترین دوستوں میں کسے شمار کرتے ہیں؟"

✻ "وہی جو میرے بچپن کے دوست ہیں۔ عظمیٰ، حنا، امتیاز، شعیب یہ سب میرے بہت اچھے دوست ہیں۔"

(30) نگاہ علوی۔۔۔ فیصل آباد

★ "اپنے علاوہ ٹی وی کے کن اسٹارز سے بے حد متاثر ہیں؟"

✻ "طلعت حسین، عظمیٰ گیلانی، صبا حمید اور بشریٰ انصاری۔ یہ لوگ ہمارا اسٹیشن ہیں خالد حمید اور فیصل قریشی یہ وہ لوگ ہیں جن کے ساتھ کام کر کے آپ نا صرف بہت انجوائے کرتے ہیں بلکہ بہت کچھ سیکھتے بھی ہیں۔"

(31) صائمہ عابد۔۔۔ عثمان والا ضلع قصور

★ "عمران صاحب ہمارے دوسرے اسٹارز کی طرح کیا آپ نے بھی انڈیا میں کام کیا کہ نہیں؟"

✻ "جی میں نے انڈیا میں ایک سیریل کیا تھا جو اے آر وائی کی پروڈکشن تھی۔ پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ پاکستانی چینل نے انڈیا میں ہاؤس ورک کیا۔ انڈین ٹی وی کو میں زیادہ پسند نہیں کرتا میں سمجھتا ہوں ہمارا ٹی وی زیادہ بہتر ہے۔"

(32) اُمید چوہدری۔۔۔ سیالکوٹ

★ "عمران صاحب سنا ہے آپ پانچ ٹائم نماز بڑی پابندی سے پڑھتے ہیں؟"

✻ "جی ہاں الحمدللہ مگر اس کے باوجود میں سمجھتا ہوں شاید میں اپنے رب سے محبت کا صحیح حق ادا نہیں کر پا رہا۔"

(33) شائلہ انجم۔۔۔ خانیوال

★ "آپ کی فیوچر پلاننگ؟"

✻ "بہت اسٹرونگ ہیں۔ ان شاء اللہ بہت جلد آپ دیکھ لیں گی۔"

(34) مسرت شاہین۔۔۔ ملتان

★ "عمران عباس جی! کیا آپ کو شعر و شاعری سے کوئی دلچسپی ہے یا نہیں؟"

✻ "دلچسپی ہے۔ میری فیملی میں بھی اس کا رجحان تھا۔ کیونکہ ہمارے گھر مشاعرے ہوتے تھے جن میں پروین شاکر، احمد فراز، جوش ملیح آبادی سب کا آنا جانا تھا۔"

(35) فائزہ تنویر۔۔۔ بہاول نگر

★ "آپ کے بارے سنا ہے کہ آپ نے کسی انڈین ڈرامے میں کام کیا ہے؟"

✻ "جی انڈیا میں، میں نے [illegible] سیریل کیے ہیں 'دستوری' 'ہم تم' [illegible] میں وغیرہ وغیرہ۔"

(36) ناہید [illegible]۔۔۔ فیصل آباد

★ "عمران صاحب آپ اتنے مصروف آرٹسٹ ہیں کیا گھر والوں کے لیے ٹائم نکال پاتے ہیں کہ نہیں؟"

✻ "بہت مشکل سے بہت کم گھر جا پاتا ہوں۔"

بہت بہت شکریہ عمران عباس صاحب آپ کے قیمتی ٹائم کا۔

☆ ☆

بشریٰ انصاری

شاہین رشید

بشریٰ انصاری نئی اور پرانی نسل کے لیے ایک جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ طویل عرصے سے اس فیلڈ سے وابستہ بشریٰ انصاری کا نعم البدل ابھی تک کوئی سامنے نہیں آیا بے شمار صلاحیتوں کی مالک بشریٰ انصاری شوبز کی ہر فیلڈ میں نگینے کی طرح فٹ نظر آتی ہیں ان کے گلے میں سر ہے۔ لکھنے کی صلاحیت ہے ' تحریر میں ان کا نام پڑھ کر کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ تحریر ناکام ہوگی ' حال ہی میں ختم ہونے والا سیریل "دل ہے چھوٹا سا" بے انتہا پسند کیا گیا۔ اداکاری میں اپنی مثال آپ ' کمپیئرنگ میں الفاظ کے استعمال سے لوگوں کو پروگرام دیکھنے پر مجبور کردیتی ہیں۔ پیروڈیز کرنے میں لاجواب۔ مطلب یہ کہ کون سی فیلڈ ایسی ہے شوبز کی کہ جس میں بشریٰ انصاری کو ناکامی ہوئی ہو ' قسمت کا ستارہ ان پر بچپن سے مہربان ہے۔ بچپن اس لیے کہا کہ بشریٰ انصاری بچپن سے اس فیلڈ سے وابستہ ہیں۔

انکل سرگم کے پروگرام کلیاں سے انہوں نے اپنی فنی زندگی کا آغاز کیا تھا۔

فنکارانہ صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ وہ ایک بہت ہی اچھی خاتون خانہ بھی ہیں تقریباً "تیس سال ہوگئے ہیں ان کی شادی کو اور آج تک کوئی اسکینڈل کوئی برائی بشریٰ انصاری کے حصے میں نہیں آئی اور اس کی وجہ ان کا بلند کردار ہے۔ اس عظیم فنکارہ نے پیا کا گھر پیارا کرنے کے لیے قربانیاں بھی دیں اس لحاظ سے کہ عروج کے زمانے میں شادی کی ' بچے بھی پالے اچھی بیوی بہو اور ساتھ ساتھ شوبز میں بھی اپنی خوبیوں کی بدولت ہر دل عزیز رہیں۔ آج "پیا کا گھر پیارا لگے" کے لیے بشریٰ انصاری سے بات ہوئی۔ بشریٰ انصاری بہت زیادہ مصروف رہتی ہیں اس لیے تھوڑی گفتگو کو بھی بہت جانیے گا۔

★ "کیسی ہیں بشریٰ انصاری صاحبہ؟"

✳ "اللہ کا کرم ہے۔"

★ "آپ کے بارے سب لوگ سب جانتے ہیں۔ لیکن ہوسکتا ہے کہ لوگوں کو ایک بھی ہو۔ آپ کے بارے میں جاننے کی اس لیے ایک مختصر سا انٹرویو لینا چاہوں گی؟"

✳ "ہاں ضرور۔"

★ "...ہوا شادی کو... اور اقبال انصاری صاحب سے ملاقات کہاں ہوئی؟"

✳ "شادی کو تو ماشاء اللہ تقریباً "تیس سال ہوگئے ہیں اور جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ میری دو بیٹیاں ہیں ماشاء اللہ سے اور دونوں شادی شدہ ہیں اور دونوں نے مجھے نانی کے رتبے سے سرفراز کیا ہے اور اب آجاؤ اقبال سے ملاقات کی تو آپ سب کو یہ بھی معلوم ہی ہو

گا کہ میں بچپن سے ہی اس فیلڈ میں ہوں۔ بچوں کے پروگراموں میں حصہ لیا کرتی تھی تو ہر وقت ٹی وی آنا جانا لگا رہتا تھا۔ تو بس اسی میں سلسلہ چل پڑا۔"

★ "آپ کو کب احساس ہوا کہ اقبال صاحب آپ کو پسند کرتے ہیں؟"

✳ "مجھے کوئی احساس نہیں ہوا اور نہ ہی میں نے ایسا کچھ سوچا تھا۔ ماحول بھی بہت کھلا نہیں تھا۔ پروگرام کے بعد اکثر گھر تک چھوڑنے جاتے تھے اور مجھے قطعی یہ احساس نہیں تھا کہ یہ مجھے پسند کرتے ہیں... میری تو وہاں سب سے ہی دعا سلام رہتی تھی۔"

★ "پھر کب احساس ہوا کہ کچھ گڑبڑ ہے؟"

✳ "جب انہوں نے مجھے پرپوز کیا۔ ورنہ تو میں انہیں اسی طرح جانتی تھی جس طرح دیگر پروڈیوسرز کو جن کے ساتھ میرا ہر وقت کا اٹھنا بیٹھنا ' ہنسنا بولنا ' کھانا پینا وغیرہ رہتا تھا۔ انہوں نے جب پرپوز کیا تو ظاہر ہے کہ میں حیران تو ہوئی کیونکہ میں نے تو ایسا سوچا بھی نہیں تھا۔"

★ "پھر؟"

✳ "پھر میں نے وہی کیا جو مجھے کرنا چاہیے تھا۔ اقبال گھر والوں سے ملے اور بس ' آج اس بات کو ماشاء اللہ تیس سال ہوگئے ہیں۔"

★ "کیسے گزرے یہ تیس سال اور آپ کی مرضی کا کتنا عمل دخل تھا؟"

✳ "بہت اچھے... الحمدللہ بہت اچھے اور اگر میں گھریلو طور پر مطمئن نہ ہوتی تو شاید آج اتنی کامیاب

بھی نہ ہوتی۔ اقبال کا بھرپور تعاون میرے ساتھ رہا کہ جن کی بدولت آج میں اس فیلڈ میں کامیاب ہوں اور آپ سب مجھے پسند کرتے ہیں اور شادی میں میری پسند بھی پوچھی اور مجھے کوئی اعتراض نہیں تھا۔"

★ "زندگی میں کبھی ایسا وقت آیا جب آپ نے سوچا ہو کہ مجھے یہ فیلڈ چھوڑ دینی چاہیے گھریلو لائف ڈسٹرب ہو رہی ہے؟"

✱ "نہیں چھوڑنے کا میں نے کبھی نہیں سوچا کیونکہ مجھے اپنی ذمہ داریوں کا احساس تھا اور جب میری بچیاں چھوٹی تھیں تو میں نے خود ہی کام کم کر دیا تھا اور ایسا بھی نہیں ہوا کہ کام کی وجہ سے گھر نظر انداز ہوا ہو۔ ماشاء اللہ بہت اچھا وقت گزرا ہے۔"

★ "آپ سے تو آپ کی مرضی پوچھی گئی اور یقیناً آپ نے اپنی بیٹیوں سے بھی پوچھا ہو گا۔ یہ بتائیں کہ لڑکیوں کی رضامندی کتنی ضروری ہے؟"

✱ "بہت ضروری ہے۔ زندگی انہوں نے گزارنی ہوتی ہے اس لیے ان کی رائے ضرور پوچھنی چاہیے چاہے لڑکی ہو یا لڑکا۔ اکثر گھرانوں میں اس بات کو معیوب سمجھا جاتا ہے اور والدین اپنی مرضی سے بچوں کی شادیاں کر دیتے تھے اور بعد میں مسائل پیدا ہوتے تھے۔"

★ "آپ ماشاء اللہ اتنی بولڈ اور بے شمار خوبیوں کی مالک ہیں۔ آپ کی بیٹیاں بھی کچھ کم نہیں ہوں گی وہ کیوں نہیں ہیں اس فیلڈ میں؟"

✱ "میری بیٹیوں کو کبھی بھی شوق نہیں رہا اس فیلڈ میں آنے کا ورنہ ان کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ ماشاء اللہ وہ بھی کافی ٹیلنٹڈ ہیں۔ اب اپنی گھرداری میں بہت خوشگوار زندگی گزار رہی ہیں۔"

★ "آپ کی منگنی ہوئی یا ڈائریکٹ شادی ہوئی؟"

✱ "نہیں ڈائریکٹ شادی نہیں ہوئی۔ منگنی کی رسم تو ہر گھر میں ہوتی ہے اور یہ ایک روایتی شادی تھی لو میرج نہیں تھی۔ اقبال مجھے پسند کرتے تھے ... نے ایسا کچھ ظاہر نہیں کیا تھا حالانکہ ... اچھے لگتے تھے۔ خیر ہماری منگنی تقریباً ... رہی۔

★ "میل ملاقات ہوتی تھی' اور شادی سادگی سے ہوئی یا دھوم دھام سے؟"

✱ "ہاں کیوں نہیں ــــ ٹی وی میں آنا جانا رہتا تھا کام کے سلسلے میں تو ملاقات بھی ہوتی تھی اور بات چیت بھی ــــ اور سب کے سامنے۔ ایسی کوئی کہانی نہیں ہوئی جیسی کہ آج کل ہوتی ہے اور شادی بھی دھوم دھام سے ہوئی تھی ٹی وی کے بہت سے لوگ آئے۔"

★ "تمام رسمیں ہوئیں اور آپ نے رسمیں انجوائے کیں؟"

✱ "بالکل' تمام رسمیں ہوئیں اور انجوائے تو کیں۔ مگر آپ کو پتا ہے اس زمانے میں شرم و حیا بہت زیادہ ہوتی تھی تو بندہ کھل کے اظہار نہیں کر سکتا تھا۔"

★ "نئے گھر' نئے ماحول میں جانے کا کوئی ڈر خوف تھا یا بہت ایزی فیل کر رہی تھیں؟"

✱ "ایزی فیل تو نہیں کر رہی تھی اور نہ ہی بہت زیادہ ڈر خوف تھا۔ بس وہ خوشی تھی جو کہ عام طور پر لڑکیوں کو ہوتی ہے کہ نئی زندگی ہو گی' نیا ماحول ہو گا۔ آس پاس سب پیار کرنے والے لوگ ہوں گے۔"

★ "پھر ایسا ہوا؟"

✱ "بالکل ہوا ــــ مجھے بہت اچھا سسرال ملا' سب نے بھرپور استقبال کیا۔ بہت پیار دیا اور اقبال کو تو میں بہت قریب سے جانتی تھی۔"

★ "ذمہ داریاں بڑھیں یا میکے ... زیادہ اچھی زندگی تھی؟"

✱ "میکے کے ماحول اور سسرال کے ماحول میں بہت فرق ہوتا ہے ... ذمہ داریاں ہوتے ہوئے بھی اس کا احساس نہیں ہوتا اور سسرال میں ذمہ داریاں نہ ہوتے ہوئے بھی ذمہ داریوں کا احساس ہوتا ہے۔ تو بالکل مختلف ہوتی ہے سسرال کی زندگی اور میں سمجھتی ہوں کہ جب سسرال جا کر ذمہ داریاں پڑتی ہیں تو پھر بڑے ہونے کا احساس ہوتا ہے کہ ہم بڑے ہیں تب ہی تو ہم پر یہ ذمہ داریاں ڈالی گئی ہیں۔"

★ "آج کل کے ماحول اور گزرے زمانے کے ماحول میں بہت فرق ہے۔ گھر میں اداسی کی کیفیت ہوتی

... ہوا تھا؟"

★ "آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ گھر میں سب اداس تھے اور رخصتی سے ایک دن پہلے گھر والوں نے بہت زیادہ خیال رکھا اور سب ہی بہت اداس تھے۔"

★ "آپ کے تیکھے نقش بہت تیکھے ہیں روپ بہت آیا ہو گا؟"

★ "لوگوں نے تو یہی کہا کہ روپ بہت آیا ہے اور مجھے بھی اپنا روپ اچھا لگا اور گھر پر ہی ... نے میک اپ کیا تھا۔"

★ "شادی سے پہلے اقبال انصاری صاحب کی ڈائریکشن میں کام کرنے کا موقع ملا تھا؟"

✱ "ہاں ایک آدھ مرتبہ انہوں نے کہا تھا لیکن پتا نہیں ... وجہ سے میں نے کام کرنے سے انکار کر دیا ... پڑھائی میں مصروف تھی۔ یا پھر زیادہ ... کرنے کی خواہش نہیں تھی۔"

★ "بچپن میں کچھ بننے کی خواہش تھی۔ پڑھائی کے سلسلے میں یا سوچ لیا تھا کہ اس فیلڈ میں نام کمانا ہے؟"

✱ "اپنی صلاحیتوں کا آہستہ آہستہ ہی پتا چلتا ہے۔ لیکن یہ بات تو میں کم عمری میں ہی سوچا کرتی تھی کہ مجھے گلوکارہ بننا ہے اور مجھے ڈرامہ رائٹر بھی بننا ہے۔ اور ایسا ہی ہوا۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے جو کامیابیاں دی ہیں اس کے لیے تو میں جتنا بھی شکر کروں کم ہے۔ ہاں کبھی کبھی میرا دل چاہتا تھا کہ میں ایئر ہوسٹس بن کر ساری دنیا کی سیر کروں مگر ایسا ہو نہ سکا۔"

★ "کیوں؟"

✱ "بس جلدی شادی ہو گئی اور پھر ضروری تو نہیں کہ انسان جو سوچے وہ اسے مل بھی جائے اللہ وہی کرتا ہے جو انسان کے حق میں بہتر ہوتا ہے ــــ اگر میں ایئر ہوسٹس ہوتی تو آج میری پہچان نہ ہوتی' عام خواتین کی طرح ہوتی۔"

★ "یہ بات تو میں برملا کہوں گی کہ بے پناہ شہرت کے باوجود بھی میں نے آپ میں غرور نہیں دیکھا ورنہ تو

تھوڑی سی شہرت کے بعد ہی خواتین و حضرات آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔ لوگ پہچان کر اردگرد ہوتے ہیں آپ کے تو آپ کو برا نہیں لگتا؟"

✱ "نہیں کیوں برا لگے گا' شہرت پا کر انسان کے پر تو نہیں نکل آتے' بلکہ جب اللہ اتنی نوازشیں کرے تو اس کا زیادہ شکر گزار ہو جانا چاہیے۔ لوگ مجھ سے پیار اور محبت سے ملتے ہیں تو مجھے اچھا لگتا ہے۔ یہ تو لوگوں کی محبت ہے کہ ہم سے محبت کرتے ہیں۔"

★ "اقبال صاحب کو مزاجاً کیسا پایا؟"

✱ "اقبال مزاجاً بہت اچھے ہیں۔ کوئی غلط بات ان سے برداشت نہیں ہوتی وقت کو ضائع کرنا ان کو برداشت نہیں اس لیے غصہ جلدی آجاتا ہے اور لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ غصے کے تیز ہیں۔"

★ "اقبال صاحب کے لیے کوئی دو چار جملے' یعنی ان کی شخصیت کو کس طرح واضح کریں گی؟"

✱ "اس طرح کہ اقبال اپنے کام میں مگن رہنے والے ایک سنجیدہ اور بارعب اور انتہائی بردبار اور بہت زیادہ شریف انسان ہیں اور بہت ہی قابل اور بہت ہی ذہین انسان ہیں۔"

★ "آپ شرارتی نٹ کھٹ سی اور اقبال صاحب

سنجیدہ گھر میں بوریت تو ہوتی ہوگی؟"
* "نہیں ایسی بات نہیں گھر میں تو نارمل ہی حالت میں رہتے ہیں جہاں ماحول نٹ کھٹ سا ہوتا ہے وہاں پر یہ بھی انجوائے کرتے ہیں۔"
★ "سجنے سنورنے کا شوق اب زیادہ ہے یا نوجوانی میں زیادہ تھا؟"
* "نہ پہلے تھا اور نہ اب ہے۔ بس اچھا لگنا تو ہر خاتون کی خواہش ہوتی ہے اور میرا بھی دل چاہتا ہے کہ میں کچھ پہنوں تو اچھی لگوں۔ میں بھی سادگی پسند ہوں اور اقبال کو بھی سادگی پسند ہے۔"
★ "پھر تو آپ فضول خرچ بھی نہیں ہوں گی؟"
* "نہیں.... نہیں اب ایسی بھی بات نہیں ہے۔ ضروری نہیں کہ وہ زیورات اور بہت مہنگے لباس پر خرچ ہوں۔ مجھے اچھے اچھے کپڑوں کا شوق ہے میری دیگر ضروریات ہیں۔ گھر کو سجانے سنوارنے کا شوق ہے۔ خرچ کرنے کے لیے ضروری نہیں کہ وہ فیشن پر ہی خرچ ہو۔ تو میں فضول خرچ نہیں ہوں مگر کنجوس بھی نہیں، جو چیز پسند آجائے اسے خریدنے سے نہیں گھبراتی۔"
★ "اور اقبال صاحب؟"
* "وہ بھی ایسے ہی فضول چیزوں کے لیے فضول خرچ نہیں ہیں۔ ہم دونوں ہی کام کی چیزوں پر خرچ کرتے ہیں۔"
★ "میں نے گزشتہ رمضان المبارک میں آپ کو کوکنگ کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ تو اندازہ ہوا کہ آپ کو کوکنگ کا بھی شوق ہے؟"
* "بہت زیادہ شوق تو نہیں، لیکن میں اچھا خاصا پکا لیتی ہوں اور میں سمجھتی ہوں کہ ایک عورت کو گھر کے ہر کام آنے چاہئیں اور یہ عورت کے لیے بڑے فخر کی بات ہوتی ہے کہ اسے گھر کے ہر کام آتے ہوں۔"
★ "سب سے اچھا کیا پکا لیتی ہیں؟ آپ کی پسندیدہ ڈش کیا ہے؟"
* "تقریباً سب ہی کچھ پکا لیتی ہوں مگر مجھے بھنڈی پیاز بہت پسند ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ میں بھنڈی پیاز پکانے کھڑی ہوئی اور پیاز کو بھون کر اس کے اندر بھنڈی ڈالی اور بھون رہی تھی کہ کوئی کام یاد آ گیا۔ میں نے آگ ہلکی کی اور ہانڈی پہ ڈھکن رکھ کر اندر کمرے میں گئی واپس آئی تو بھنڈی سفید سفید ہو رہی تھی اور میں حیران کہ میں نے تو اس میں نہ پانی ڈالا نہ کچھ اور پھر اسے کیا ہو گیا ہے۔ پھر خیال آیا کہ میں تو اس کے اوپر ڈھکن دے کر گئی تھی وہ بھی غائب ہے تب اچانک میں نے اپنا سر پکڑ لیا کہ جو ڈھکن میں ہانڈی کے اوپر دے کر گئی تھی وہ تو پلاسٹک کا تھا جو آنچ لگنے پر پگھل گیا تھا۔ اف میرے خدایا اس وقت اپنی حماقت پر بہت ہنسی آئی کہ کبھی کبھی ایسی بے وقوفیاں بھی سرزد ہو جاتی ہیں۔"
★ "بہت دلچسپ قصہ تھا۔ تھکن اتارنے کے لیے کیا کرتی ہیں؟"
* "سمندر کے کنارے ٹہل لیتی ہوں 'مطالعہ' کرنا مجھے بہت اچھا لگتا ہے مطالعہ کر لیتی ہوں۔ اچھا میوزک سے دل بہلاتی ہوں 'یا پھر کچھ لکھنے کا موڈ ہو تو لکھ لیتی ہوں۔ تخلیق کے لیے وقت نکالنا بھی تھکن اتارنے کے مترادف ہے۔"
★ "چلیں، بہت ... نام لیا۔ اب چلتے چلتے یہ بتا دیں کہ دلہن کے روپ میں دیکھ کر اقبال صاحب نے کیا کہا تھا۔ اگر آپ بتانا چاہیں تو؟"
* "بہت ... ہے۔ اقبال کو بہت زیادہ میک اپ پسند نہیں، انہوں نے کہا جاؤ پہلے منہ دھو کر آؤ پھر باتیں کریں گے۔ آپ اس سے اندازہ لگائیں کہ وہ کتنے سادگی پسند ہیں۔"
اور اس کے ساتھ ہی ہم نے بشریٰ انصاری سے اجازت چاہی۔

دو کا پہاڑہ

دانش تیمور

شاہین رشید

1 "کوئی دو نام جن کے لیے آپ سوچتے ہیں کہ کاش یہ میرے ہوتے؟"
* "مجھے تو اپنا نام بہت پیارا لگتا ہے۔ بہت برکت والا نام ہے اور ویسے مجھے تیمور بہت اچھا لگتا ہے اور رامس بہت پسند ہے۔ ڈرامہ سیریل "کیمسٹری" میں میرا نام رامس ہے۔"
2 "آپ کے دو لکی نمبرز؟"
* "سات اور آٹھ۔"
3 "دو تاریخی ادوار جن میں آپ جانا چاہتے ہیں؟"
* "میں آنحضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں جانا چاہتا ہوں اور دوسرا مغلیہ دور میں جانا چاہوں گا۔"
4 "وہ دو افراد کے ایس ایم ایس کے جواب فوراً دیتے ہیں؟"
* "امی اور ابو کے۔"
5 "دو بری عادتیں جن سے چھٹکارا پانا چاہتے ہیں؟"
* "رات کو دیر سے سونا اور اس کے علاوہ اور کوئی بری عادت ہی نہیں ہے جیسے کہ آج کل کے نوجوانوں کی ہوتی ہے اور دوسری عادت یہ ہے کہ غصہ خطرناک آتا ہے۔"
6 "دو جھوٹ جو آپ اکثر بولتے ہیں؟"
* "میں کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ اس لیے دو جھوٹ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"
7 "اپنے بارے میں کن دو باتوں کو سن کر غصہ آتا ہے؟"
* "جھوٹ سن کر اور ایسی تنقید جس کی کوئی بیس ہی نہ ہو۔"
8 "حالات حاضرہ کے دو اینکرز جو پرچی سے آئے ہیں؟"
* "ارے نہیں سارے اتنے ذہین ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بہت دیر میں آئے ہیں۔ انہیں جلدی آنا چاہیے تھا۔ اگر یہ جلدی آجاتے تو ملک اور بھی بہتر

ہو جاتا۔ حامد میر، کاشف عباسی اور دیگر بہت ہی اچھے ہیں۔"

9 "مارننگ شو کے دو اینکرز جو آپ کی نظر میں بہترین ہیں؟"

* "سویرا ندیم اور ڈاکٹر شائستہ واحدی۔"

10 "دو دوست جن پر بھروسہ کر سکتے ہیں؟"

* "ایک دوست ضیاء ہے اور دوسری دوست صنم بلوچ ہے۔"

11 "دو مشہور شخصیات جن کے ساتھ آپ دنیا گھومنا چاہتے ہیں؟"

* "کرینہ کپور اور رو پیکا۔"

12 "دنیا کی دو ایسی شخصیات جن کی قسمت پر رشک آتا ہے؟"

* "شاہ رخ خان اور عاطف اسلم۔"

13 "دو تہوار جو آپ اہتمام سے مناتے ہیں؟"

* "تمام اسلامی تہوار میں اہتمام سے مناتا ہوں۔ لیکن پھر بھی رمضان المبارک نہایت احترام سے گزرتا ہے اور دونوں عیدیں جوش و خروش کے ساتھ مناتا ہوں۔"

14 "دن کے چار پہر میں سے کون سے دو پہر اچھے لگتے ہیں؟"

* "شام کا پہر اور رات مجھے بہت اچھی لگتی ہے۔"

15 "پہلی ملاقات میں کون سے دو جملے لازمی بولتے ہیں؟"

* "سلام کرتا ہوں اور How are you۔"

16 "دو کھانے جنہیں کھا کر کبھی بور نہیں ہوتے ہیں؟"

* "کوبھی گوشت اور کوفتے۔"

17 "دو افراد جن سے معافی مانگنے میں شرم محسوس نہیں کرتے؟"

* "اگر میری غلطی ہوتی ہے تو میں کسی سے بھی معافی مانگنے میں شرم محسوس نہیں کرتا۔"

18 "دو پسندیدہ کھلاڑی جن کی وجہ سے آپ کرکٹ میچ دیکھتے ہیں؟"

* "شعیب اختر، ان کے علاوہ سارے ہی اتنی خراب پرفارمنس دکھاتے ہیں کہ کسی کا نام لینے کو۔۔۔ اور اگر کوئی قابل بھروسہ ہے تو پھر شاہد آفریدی ہے کبھی کبھی ٹیم کو جتوا تو دیتا ہے۔"

19 "کن دو خوب صورت دنوں کے منتظر ہیں؟"

* "گزشتہ ڈیڑھ دو سالوں سے بہت خوب صورت دن چل رہے ہیں اور آگے بھی بہت خوب صورت دن آنے والے ہیں ان شاء اللہ۔"

20 "دو چیزیں جنہیں لیے بغیر آپ گھر سے نہیں نکلتے؟"

* "اپنی گھڑی اور کریڈٹ کارڈ۔"

21 "دو الفاظ یا محاورے جو بہت زیادہ استعمال کرتے ہیں؟"

* "بہت زیادہ تو کوئی لفظ استعمال نہیں کرتا نہ ہی کوئی میرا تکیہ کلام ہے اور کسی جملے کو دوہرانا یا تکرار بالکل بھی نہیں کرتا۔"

22 "دو پسندیدہ صحافی؟"

* "صحافت میں مجھے زیادہ دلچسپی نہیں ہے اور اس لیے مجھے ان کے بارے میں معلومات بھی نہیں ہے۔ مگر حامد میر اور ڈاکٹر شاہد مسعود پسند ہیں۔"

23 "سات دنوں میں کون سے دو دن اچھے لگتے ہیں؟"

* "جمعہ اور ہفتہ۔"

24 "بارہ مہینوں میں کون سے دو مہینے اچھے لگتے ہیں؟"

* "فروری اور [illegible]"

25 "دو پسندیدہ جگہیں؟"

* "اپنا [illegible] اور ٹی وی لاؤنج۔"

26 "گھر کے دو کام جو آپ کو کرنا پسند نہیں؟"

* "دو کام۔۔۔ ویسے تو کوئی بھی کام کرنا پسند نہیں، لیکن اپنا روم صاف کرنا تو بالکل پسند نہیں چیزیں ادھر ادھر بکھیر دیتا ہوں کہ خود ہی ماسی صاف کرتی رہے گی اور بازار سے چیزیں لانا بھی پسند نہیں۔"

27 "دو پسندیدہ پتنگ پوائنٹس؟"

* "کراچی میں یا پاکستان میں پتنگ منا نہیں پاتا۔

میری پتنگ تو تب ہوتی ہے جب میں ملک سے باہر جاتا ہوں۔ آئرلینڈ میں پتنگ منانا بہت اچھا لگتا ہے۔ وہاں ساحل سمندر کا منظر بہت خوبصورت ہے۔"

28 "دو سیاست دان جو ملک کے لیے بوجھ ہیں؟"

* "یہ نہ پوچھیں آپ اور ویسے بھی سچی بات یہ ہے کہ مجھے سیاست سے کوئی لگاؤ بھی نہیں ہے۔ میں تو اپنی فیلڈ میں مست رہتا ہوں۔"

29 "دو سیاست دان جو ملک کو سنوار سکتے ہیں؟"

* "کبھی کبھی مجھے عمران خان کی باتیں اچھی لگتی ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ قائداعظم اور لیاقت علی خان جیسے لیڈر پھر نہیں آسکتے۔ وہ بہت عظیم لیڈر تھے۔"

30 "کن دو ممالک کی ترقی سے متاثر ہیں؟"

* "بنکاک یعنی پورا تھائی لینڈ اور دوسرا چین ان دونوں ممالک نے بہت ترقی کی ہے۔"

31 "کون سے دو رنگ کے لباس پسند ہیں؟"

* "بلیک اور وائیٹ۔"

32 "اپنے ملک کے دو پسندیدہ شہر؟"

* "کراچی۔۔۔ لاہور۔"

33 "سال کے چار موسموں میں دو پسندیدہ موسم؟"

* "مجھے سارے موسم پسند ہیں۔ کیونکہ میرا کام ایسا ہے کہ مجھے ہر موسم کو سہنا پڑتا ہے تو یہ تو چلتا ہی رہتا ہے لیکن میری پسند تو سردیوں اور بہار کا موسم ہے۔"

34 "لڑکیوں کی دو ناپسندیدہ عادتیں؟"

* "جھوٹ بولنا، اللہ معاف کرے بہت جھوٹ بولتی ہیں اور ان کے پاس باتیں کرنے کا بہت فالتو وقت ہوتا ہے۔"

35 "صبح اٹھتے ہی کون سے دو کام سب سے زیادہ کرتے ہیں؟"

* "ایکسر سائز کرتا ہوں اور پھر ناشتا۔"

36 "دو خواتین جنہوں نے آپ کی زندگی بنانے میں اہم رول ادا کیا ہو؟"

* "میری امی اور دوسری ابھی زندگی میں آئی نہیں۔"

37 "آپ کے نزدیک دنیا کی دو خوب صورت ترین خواتین؟"

* "انجلینا جولی اور کرینہ کپور۔"

38 "دو پسندیدہ پروفیشن؟"

* "کرکٹ اور شوبز۔"

39 "دنیا کے دو بہترین سیاست دان آپ کی نظر میں جو گزر چکے ہیں؟"

* "قائد اعظم اور سر سید احمد خان۔"

40 "والدین کی دو نصیحتیں جو آپ نے گرہ میں باندھ لی ہوں؟"

* "جھوٹ کبھی نہ بولنا اور اپنی ذات سے کسی کو دکھ نہ پہنچانا۔"

41 "اپنے دو ڈرامے جو آپ کبھی فراموش نہیں کر سکتے؟"

* "چودھویں کا چاند اور کیمسٹری۔"

42 "اپنے کیے گئے دو کردار جو بہت پسند ہیں؟"

* "میرے آنے والے ڈراموں میں دو کردار ایسے ہیں جو میرے لیے یادگار ہوں گے۔ لیکن میں ابھی ان کے بارے میں بتانا نہیں چاہتا اور جو کر چکا ہوں ان میں ڈرامہ سیریل "من چلے" کا جبران کا کردار اور کیمسٹری کا رامس میرے پسندیدہ کردار ہیں۔"

43 "اپنے کیے گئے دو فیصلے جو غلط ثابت ہوئے ہوں؟"

* "نہیں جی اللہ کا شکر ہے ابھی تک کوئی فیصلہ غلط ثابت نہیں ہوا۔ آئندہ کے بارے میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔"

44 "کن دو باتوں سے پرہیز کرتے ہیں؟"

* "اوور ڈائیٹ سے پرہیز کرتا ہوں اور ایکسر سائز کی چھٹی کرنے سے پرہیز کرتا ہوں۔"

45 "پانچ وقت کی نمازوں میں کون سی دو وقت کی نمازیں لازمی پڑھتے ہیں؟"

* "کوشش کرتا ہوں کہ پوری نمازیں پڑھوں لیکن فجر قضا ہو جاتی ہے۔"

46 "بیرون ملک شاپنگ میں کون سی دو چیزیں لازمی خریدتے ہیں؟"

* "جوتے اور جیکٹ۔"

47 "دو لوگ جن کے غصے سے ڈر لگتا ہے؟"

* "اپنے غصے سے ڈر لگتا ہے۔ باقی کسی کے غصے سے ڈر نہیں لگتا۔"

48 "کن دو لوگوں کی تعریف میں بخل سے کام نہیں لیتے؟"

* "جو تعریف کا مستحق ہوتا ہے اس کی تعریف ضرور کرتا ہوں دوسروں کی حوصلہ افزائی کرنا مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔"

49 "دو پسندیدہ مشروب جن کے بغیر نہیں رہ سکتے؟"

* "گرمیوں میں تربوز کا جوس اور سردیوں میں اورنج جوس بے حد پسند ہے۔"

50 "ملک میں کون سی دو تبدیلیاں بہت ضروری ہیں؟"

* "دو تبدیلیاں ... دو کروڑ تبدیلیاں ضروری ہیں۔"

51 "آج کے دور کے دو پسندیدہ گلوکار؟"

* "عاطف اسلم اور مومو نگم۔"

52 "شادی کی دو رسمیں جو انجوائے کرتے ہیں؟"

* "مہندی، مایوں پہ ڈھولکی وغیرہ ابھی تو انجوائے کر رہا ہوں دوسروں کی شادیاں۔"

53 "دو باتیں جو آپ کا موڈ خراب کر دیتی ہیں؟"

* "کوئی جھوٹ بولے اور مجھے پتا چل جائے اور ہمارے پرانے لیڈرز جیسے قائد اعظم اور ان کے دور کے لیڈرز کو کوئی برا کہے تو میرا موڈ خراب ہو جاتا ہے۔"

54 "اپنے لباس میں کن دو باتوں کا خاص خیال رکھتے ہیں؟"

* "بالکل صاف ستھرا ہو اور کوئی شکن نہ ہو یعنی بہت اچھی طرح استری ہوئے ہوں۔"

55 "کن دو افراد کے ساتھ بارش انجوائے کرتے ہیں؟"

* "اکیلا اور کوئی نہیں۔"

56 "کن دو کیڑوں سے ڈر نہیں لگتا؟"

* "کسی سے نہیں چھپکلی کو تو ہاتھ سے پکڑ لیتا ہوں۔ بچپن سے بہت بہادر ہوں۔"

57 "دو ریسٹورنٹ جہاں کھانا کھانا پسند کرتے ہیں؟"

* "کارنی، ہوٹل اور تندوری۔"

58 "دو چینلز جو آپ شوق سے دیکھتے ہیں؟"

* "AXN اور اسپورٹس چینلز۔"

59 "اپنے ملک کے دو شاپنگ مال جہاں سے شاپنگ کرنا پسند کرتے ہیں؟"

* "زیادہ تر تو میں ملک سے باہر ہی جا کر شاپنگ کرتا ہوں مگر پھر بھی پارک ٹاور اور فورم۔"

60 "دو تبدیلیاں جو اپنی شخصیت میں لانا چاہتے ہیں؟"

* "تھوڑا سا بڑا دکھنا چاہتا ہوں اپنی عمر سے ... اور بس۔"

61 "کھانے کی ٹیبل پہ کیا دو چیزیں نہ ہوں تو کھانے کا مزا نہیں آتا؟"

* "پانی اور سلاد۔"

62 "دو چیزیں جو آپ کے والٹ میں لازمی ہوتی ہیں؟"

* "پیسے اور کریڈٹ کارڈز۔"

63 "کن دو شخصیات کو اغوا کرنا چاہیں گے اور تاوان میں کیا وصول کریں گے؟"

* "شخصیت کو نہیں، کالج کے دنوں کو اغوا کروں گا اور ان دنوں کو انجوائے کرنا چاہوں گا۔"

☼ ☼

باتیں کچھ معنی بے معنی سی

ریحانہ مجید بخاری

مشعل چوہدری... شخواہین

1۔ کرن کے ہر ناول' ناولٹ افسانے میں کوئی نہ کوئی ایسی بات ہوتی ہے جو دل کو چھو لیتی ہے اسی لیے تو ہم جیسے دیوانے لوگ دو' تین بار پڑھنے کے بعد بھی تشنگی محسوس کرتے ہیں۔

ممتاز مفتی اپنی کتاب "تلاش" میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "شیلر نے دیکھنے کی اہمیت کو اس طرح واضح کیا ان کے مضمون کا عنوان تھا "اوگاسز نے مجھے دیکھنا سکھایا" اوگاسز شیلر کا استاد تھا شیلر لکھتا ہے۔

"جب میں اپنے استاد اوگاسز کی لیب میں داخل ہوا تو انہوں نے ایک ٹین کی تھالی میں ایک مچھلی رکھ دی اور مجھ سے کہا۔ اسے دیکھو غور سے دیکھو اس کے بارے میں

انسان کی زندگی سفر سے عبارت ہے۔ ازل سے انسان حالت سفر میں ہے۔ کبھی اس کا سفر اپنی ذات کی تلاش کے گرد۔ رہتا ہے تو کبھی اس کا مقصد سفر کسی ایسی شخصیت کے لیے ہوتا ہے جو اس کی پہنچ سے دور ہو۔ کبھی اسے پانے اور حاصل کرنے کی لگن و جستجو ہمہ وقت اسے گردش میں الجھائے رکھتی ہے مگر اس کا سفر ہنوز جاری رہتا ہے اور وقت گزر جاتا ہے کیونکہ اس کا کام ہی گزرنا ہے۔

کرن کی سالگرہ کے موقع پر حسب روایت ہم نے قارئین سے کچھ دلچسپ سوالات کیے ہیں۔ آیئے دیکھتے ہیں قارئین نے کیا جوابات دیے ہیں۔

سوالات

(1) 2010ء میں شائع ہونے والے ناول' ناولٹ اور افسانوں میں آپ کا پسندیدہ اقتباس یا چوئیشن؟

(2) شاعر کہتا ہے۔

روز اٹھ کر چاند ٹانگا ہے فلک پر رات کو
اور دن کی روشنی میں رات تک آیا کیے
ہاتھ بھر کے فاصلے کو عمر بھر چلنا پڑا

ایسی کوئی شخصیت جس تک پہنچنے کے لیے آپ نے مستقل سفر کیا ہو پھر بھی فاصلہ طے نہ ہوا ہو؟

(3) اپنے پسندیدہ اداکار و اداکارہ' سیاست دان یا شخصیت کو اس کی سالگرہ کے موقع پر آپ کیا تحفہ دینا پسند کریں گی؟

(4) اگر آپ کو اپنے ماضی میں جانا ہو تو آپ اپنے کون سے دور میں جانا چاہیں گی وجہ بھی بتائیں؟

سے بات کرتا نہ ہی کوئی حوالے کی کتاب پڑھتا جب میں پوچھوں کہ تم نے کیا دیکھا اس وقت مجھے بتانا اس سے پہلے نہیں۔ ایک گھنٹے میں مچھلی کو دیکھتا رہا میں سمجھا میں نے مچھلی کو پورے طور پر دیکھ لیا ہے۔ اب میں امید لگا بیٹھا کہ اوگاسز مجھ سے پوچھے گا۔ اوگاسز میرے قریب ہی تھا لیکن اس نے مجھ سے نہ پوچھا ایک دن گزر گیا' دو دن گزر گئے پورا ہفتہ گزر گیا لیکن اوگاسز نے میری طرف توجہ نہ دی ویسے رسمی علیک سلیک کرتا رہا کبھی کبھی کانی آنکھ سے مجھے دیکھ لیتا۔ میں مجبوری میں مچھلی کو بار بار دیکھتا اور یوں پورے طور پر اس سے واقف ہو گیا۔ آخر اوگاسز میرے پاس آیا اور پوچھا۔

"بتا مچھلی میں کیا دیکھا؟"

"میں نے ایک ایک کر کے ساری باتیں بتا دیں۔" وہ غور سے سنتا رہا پھر بولا۔

"اوہوں ابھی شاید پھر دیکھو۔" یہ کہہ کر وہ چلا گیا میں نے پھر مچھلی کو دیکھنا شروع کر دیا اب کی بار مجھے نئی نئی باتیں نظر آئیں ایسی باتیں کہ میں خود حیران رہ گیا۔ ہفتے کے بعد جب میں نے اوگاسز کو سب کچھ بتایا تو اس نے شاباش نہ دی بلکہ کہا۔

"ہاں کوشش کرو دیکھنا سیکھ جاؤ گے۔"

"اسی طرح ہم بھی رسالوں کو See کی نظر سے نہیں بلکہ Look کی نظر سے پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں "گوشہ عافیت" شروع میں ہمیں عام سا ناولٹ لگا مگر پھر اس تحریر نے آہستہ آہستہ دل میں گھر کر لیا اس کا یہ اقتباس ابھی تک میرا پسندیدہ ہے۔

"جس محبت کو عزت نصیب نہ ہو وہ بہت جلد بوجھ بن جایا کرتی ہے۔ راحت دینے کے بجائے باعث عذاب لگنے لگتی ہے۔ حقیقت میں جینے کے لیے عورت کو معاشرے میں عزت اور وقار کی ضرورت محبت سے زیادہ ہوتی ہے۔ شادی کے بعد خاندان ہی تو عورت کا مان اور محافظ ہوتا ہے خاندان کی طرف سے ملنے والی محبت اور عزت ہی عورت کو ازدواجی زندگی کے مسائل اور صعوبتوں میں حوصلہ دیتے ہیں اور اگر سسرال کی طرف سے کسی عورت کو عزت نہ ملے تو شوہر کی محبت بھی بے معنی اور ادھوری لگنے لگتی ہے۔"

مجھے یہ اقتباس اس لیے پسند ہے کیونکہ اس میں بتایا گیا ہے۔ اگر ہر لڑکی اس پیغام کو سمجھ لے تو میرا خیال ہے کہ اخلاقی طور پر ہم بہت سنور سکتے ہیں۔

2۔

اک عمر جسے خواب کی مانند دیکھا
چھونے کو ملا تو پریشان بہت ہوں
الجھیں گے کئی بار ابھی لفظ سے مفہوم
سادہ ہے بہت وہ نہ میں آسان بہت ہوں

ہاں جی ہماری زندگی میں بھی ایک ایسی شخصیت ہے جسے کھوجنے میں ہم مصروف عمل ہیں۔

کس طرح پہنچ اپنی شہر یار سے محسن
اس کا ہم نشین سایہ' میرا ہم سفر سورج

امید ہے ہم اس سفر میں کامیاب ہوں گے (آپ کی دعاؤں کے ساتھ)

3۔ اس کا جواب میرے پاس کافی الٹ ہے تو جناب اگر ایسا موقع آیا تو میں اس شخصیت سے گفٹ لوں گی بجائے دینے کے اگر جاوید چوہدری کی سالگرہ پر موقع ملا تو انہیں کہوں گی سر پلیز اپنی ساری زیرو پوائنٹ سیریز دستخط کے ساتھ مجھے گفٹ کریں اور اگر ممتاز مفتی کی سالگرہ پر موقع ملا تو کہوں گی۔ سر الکھ نگری' تلاش' پیاز کے چھلکے' لبیک کے علاوہ اپنی ساری کتابیں مجھے گفٹ کریں اور بندی کو دعاؤں کا موقع دیں لیکن کہاں ہم اور کہاں؟

مجھے گفٹ دینے کا موقع ملے تو میں کتابیں ہی گفٹ کروں گی بشرطیکہ اگلا بندہ میرا پسندیدہ اور تھوڑا بہت کتابیں پڑھنے کا شوق رکھتا ہو۔

4۔ آج سے کچھ سال پہلے کے دور میں جانا پسند کروں گی جب کوئی مستقبل کی ٹینشن نہیں تھی پڑھنا۔ پڑھنا اور صرف

پڑھنا ہی کام تھا میرے رسالے، میگزین پڑھنا اور بس اب۔

بڑھا دیتی ہیں عمروں کو نہ جانے یہ کتابیں کیوں
میں چھوٹا تھا مگر سر پر کئی صدیوں کا سایہ تھا

ثمینہ اکرم۔۔۔ بہار کالونی لیاری

سب سے پہلے تو دل کی گہرائیوں سے اپنے پیارے دوست محبوب اور تنہائی کے ساتھی کرن ڈائجسٹ کو سالگرہ مبارک ہو۔ خدا کرے کہ تم (کرن) روز اول کی طرح تاحیات ہر طرف اپنی کرنیں بکھیرتے رہو اور دن دگنی رات چوگنی ترقی کرو (آمین)

پہلا سوال جتنا آسان تھا۔ اس کا جواب اتنا ہی وقت طلب۔ خیر کرن کے لیے اتنی محنت کرنا تو سالگرہ پر اس کا حق بنتا ہے۔ پہلے سوال کا جواب تحریر کرنے کے لیے 2010ء کے تمام ڈائجسٹ کا ذخیرہ نکالا اور لگے از سر نو مطالعہ کرنے۔۔۔

1۔ 2010ء میں ہمیں بہت سی لازوال تحاریر پڑھنے کو ملیں اس میں کوئی شک نہیں کہ جنہوں نے ہمارے دلوں پر انمٹ نقوش رقم کیے۔ میں خاص طور پر بات کروں گی نومبر 2010ء میں شائع ہونے والے لازوال اور ناقابل فراموش ناول کی "عشق آتش" (سعدیہ راجپوت) کی طرز تحریر، کہانی، مکالمہ اور جزئیات نگاری بے مثل اور بے نظیر ہے۔ یہ شاید اس سال کا بہترین ترین ناول قرار پائے گا۔ یہ ایک ایسی تحریر ہے، جس نے چار ماہ سے ہمیں اپنے سحر میں جکڑ رکھا ہے۔ میں یہاں اپنے پسندیدہ ترین یادگار ناول "عشق آتش" ہی سے ایک اقتباس تحریر کرتی ہوں۔ (نومبر 2010)۔

"ہم نے تو بس وقت کو جینا سیکھا ہے زندگی کو تو ہم نے کبھی جیا ہی نہیں۔ اور جب یہی وقت ہمارے پاس ختم ہو جاتا ہے تو عمر بھر زندگی کے کتابچے میں نفع و نقصان درج کرتے رہ جاتے ہیں۔"

مارچ 2010ء میں شائع ہونے والا ناولٹ (شہناز صدیقی) "پھر کرم ہو گیا" کا ایک اقتباس پیش کرتی ہوں۔ "جب انسان گناہ کرنے کے بعد بھی مطمئن زندگی گزارے تو اسے سمجھ لینا چاہیے کہ اس کا رب اس سے بہت دور ہے۔ بے چینی اور بے سکونی اسی وقت انسان کے اندر سرائیت کرتی ہے جب اس کے اندر ضمیر نہ ہو۔ نیکی اچھائی پوشیدہ ہوتی ہے۔"

اب آتے ہیں بہترین افسانہ کی طرف۔ اکتوبر 2010ء میں شائع کردہ افسانہ "زن، زر، زمین" میں راشدہ نیازی نے بڑی خوبصورت بات کہی ہے کہ "زمین کتنی ہی زرخیز کیوں نہ ہو محض پانی اور کھاد کے بل بوتے پر فصل نہیں دے سکتی۔"

2۔ آئیڈیل تو میں نے کبھی بنایا نہیں کیونکہ دنیاوی آئیڈیل محض سراب ہوتے ہیں۔ سراب جو کبھی ہاتھ نہیں لگتا۔ اس لیے میرے ارد گرد تو کوئی ایسی شخصیت نہیں۔ کیونکہ انسان خامیوں سے مبرا نہیں۔

البتہ بحیثیت مسلمان ہونے کے اگر ہم اپنے پیارے آقا و مولا، تاجدار حرم، سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کی پیروی و اطاعت کریں تو دین و دنیا دونوں میں فلاح اور نجات ہے۔ ہمیں کسی اور شخصیت کے پیچھے بھاگنے کی چنداں ضرورت نہیں بلکہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں ہمیں صحیح اور مکمل ہدایات مل سکتی ہیں جس کے فی الواقع ہم محتاج ہیں۔ آپ کے ارشادات و احکامات حکم خداوندی کا درجہ رکھتے ہیں اور آپ کی اطاعت خود اللہ کی اطاعت ہے۔ آپ پر نازل کتاب اللہ کی طرح آپ کی سیرت پاک بھی محفوظ ہے۔ اور اس میں آپ کی زندگی کے ہر پہلو کی اتنی تفصیلات ملتی ہیں جو تاریخ کے کسی دوسرے شخص کی زندگی کے بارے میں نہیں ملتیں۔

اس لیے میں تو ایک مسلمان ہونے کے ناتے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کی کوشش کرتی ہوں۔ اور آپ کی ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ واحد ہستی عظیم ہیں کہ ہم تاحیات بھی آپ کے نقش قدم پر چلیں، آپ کے پاؤں کی دھول کے برابر بھی نہیں ہو سکتے۔ ہم مسلسل بھی سفر کریں تب بھی یہ فاصلے طے نہیں کر سکتے۔ کیونکہ آپ کی برابری آج تک نہ کوئی کر سکا ہے اور نہ ہی کرے گا۔ (ان شاء اللہ)

3۔ پسندیدہ اداکار، اداکارہ کوئی نہیں ہے کہ میں فلمیں تو بالکل بھی نہیں دیکھتی البتہ ٹی وی ڈرامہ کبھی کبھار دیکھ لیتی ہوں۔ پاکستانی سیاست سے تو اللہ معاف کرے لہٰذا کوئی سیاست دان بھی پسند ہونے سے رہا۔

البتہ اگر بات ہو پسندیدہ شخصیت کی تو ڈاکٹر عافیہ صدیقی میری پسندیدہ شخصیت ہیں۔ جو قوم کی بیٹی اور پاکستان کی عزت ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مسلمان ہونے کا خمیازہ بھگت رہی ہیں۔ یہ بے گناہ بیٹی امریکہ کی جیل میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہی ہے۔ اللہ اسے مزید استقامت اور حوصلہ عطا فرمائے۔ (آمین) جس کی رہائی کے لیے پاکستانی شہری جگہ جگہ مظاہرے کر رہے ہیں اس ظلم کے خلاف آواز اٹھا رہے ہیں۔ مگر حکومتی سطح پر ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی رہائی کے لیے کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی جا رہی۔ اس لیے میں ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو ان کی سالگرہ پر اپنی نیک تمناؤں اور دعاؤں کا نذرانہ پیش کرنا چاہوں گی۔ قوم کی بہادر بیٹی کو ان کی سالگرہ پر آنسوؤں کے علاوہ ان کی باعزت رہائی کے لیے دعائیں اور خراج تحسین پیش کرنا چاہوں گی جو اسلام اور پاکستان کی خاطر اپنی جان پر اتنے ظلم سہہ رہی ہیں اور پھر بھی سرنگوں نہیں ہوئیں ان کے پائے استقامت میں ذرا سی لغزش نہیں آئی۔ اللہ ان کو جلد رہائی دے کر اپنے بچوں اور والدین سے ملا دے (آمین)

4۔ اگر ماضی میں جانے کا موقع مل جائے تو کیا ہی کہنے۔ اگر ماضی میں جانا پڑے تو میں بھاگتی دوڑتی ہوئی بچپن کے دور میں جانا پسند کروں گی۔ بچپن کے دور میں جانے کی بہت اہم وجہ ہے۔ یہ دور معصومیت اور بھولپن کا دور ہوتا ہے۔ جب ہم بچے تھے تو ہر قسم کی ٹینشن اور فکر سے آزاد تھے۔ جب بھوک لگی کھا لیا اور جب نیند آئی سو گئے۔

کسی قسم کی کوئی پریشانی اس عمر میں نہیں ہوتی۔ بچپن میں بچے بناوٹ اور تصنع سے پاک ہوتے ہیں۔ ان میں انا نہیں ہوتی اگر آپس میں جھگڑتے ہیں تو فوراً صلح بھی کر لیتے ہیں یہ ریاکاری، جھوٹ، فریب نام کی کسی چیز کو نہیں جانتے۔ بچپن میں ہم بھی کسی کا برا نہیں چاہتے۔ جھوٹ نہیں بولتے ہم ہر قسم کی پابندیوں سے آزاد اور بے فکر لائف گزارتے ہیں۔ ہر قسم کے جھنجھٹ سے آزاد ہوتے ہیں۔ اس دور میں ہمیں نہ فکر معاش ہوتی ہے اور نہ گھریلو پریشانیاں اسی لیے میں دوبارہ سے بچپن کے دور میں جا کر لائف کو انجوائے کرنا چاہوں گی۔ جہاں نہ غم روزگار نہ غم جاناں۔ نہ ارد گرد کے جھمیلے ایسی پرسکون اور بے فکر زندگی میرا خواب ہے جو کہ بچپن کے دور میں جا کر ہی پورا ہو سکتا ہے۔ میرے بچپن کے دن کتنے اچھے تھے دن

آج بیٹھے بٹھائے کیوں یاد آ گئے

میرے بچھڑوں کو مجھ سے ملا دے کوئی
میرا بچپن کسی سے لا دے کوئی

خالدہ نثار۔۔۔ بہاول نگر

1۔ ویسے تو اس رسالے کا ہر ایک سلسلہ اور مکمل ناول ہو یا ناولٹ سبھی مجھے دل و جان سے بھی بڑھ کر عزیز ہیں لیکن یہاں پر صرف ایک ہی سوال پوچھا گیا ہے تو پھر صبر و برداشت کے ساتھ ایک ہی اقتباس لکھنا پڑے گا اور وہ ہے سعدیہ راجپوت کے ناول "عشق آتش" کے آغاز میں کہ "کون کہتا ہے زندگی کبھی اور سمجھائی نہیں جا سکتی جبکہ مردہ جسموں سے بھرے قبرستان قدرت کی یونیورسٹیز ہیں اور وہ گز زمین تلے دبا ہر شخص زندگی کا پروفیسر۔"

2۔

کسی بھی بات پہ اب بھیگتی نہیں آنکھیں
کہ اپنا حال بھی سوکھے چناب جیسا ہے
کسے سناؤں میں اس دل کی داستان واثق
شب فراق کا ہر پل عذاب جیسا ہے

بہت مشکل سوال پوچھا ہے آپ نے دل و دماغ دونوں الجھ گئے ہیں کہ ہم اپنی دلی داستان کو لفظوں میں ڈھال دیں یا پھر ایسے ہی چھوڑ دیں سفر تو کیا ہے۔ بہت زیادہ مگر روحانی طور پر اور یہ سفر جسمانی سفر کے مقابلے میں زیادہ روح کو آسودہ کرنے والا ہوتا ہے کہ انسان اتنی مشقت کے باوجود اپنی منزل تک نہ پہنچ سکے۔

جہاں بھی رہیں خوش و خرم رہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں دنیا و آخرت میں کامیاب کرے (آمین)

حرمت ردا اکرم ۔۔۔ ڈلوال

ہمیں پتا ہی نہیں چلتا، لمحے کب ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے منٹ اور منٹوں سے گھنٹے بنتے چلے جاتے ہیں۔ گھنٹے کب دن اور سالوں میں تبدیل ہوتے صدیوں میں گزرتے ہیں ہمیں احساس ہی نہیں ہوتا۔

پورا سال گزر گیا کرن کی سالگرہ پھر سے آن پہنچی۔

سب سے پہلے کرن کو اپنی سالگرہ بہت مبارک ہو۔

اب آتے ہیں سوالنامے کی جانب جو اس دفعہ بھی بلاشبہ بہت زبردست ہے۔

1۔ بارہ شماروں میں بہت سی کہانیاں پڑھیں، بہت سے خوبصورت پہلو دیکھنے کو ملے۔ بہت سی اچھی باتیں سیکھیں، بہت سے حقائق بے نقاب ہوئے۔ پسندیدہ اقتباس تو مجھے کومل صبا کا ناول "بھنور میں" سے اچھا لگا جو آپ کے حضور پیش خدمت ہے۔

"زندگی میں ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب زندگی میں سب کچھ ٹھیک ہو جاتا ہے۔ ہر چیز توازن میں آجاتی ہے۔ مگر ہم انسان بہت بے صبرے ہیں ہم کبھی بھی سب ٹھیک ہونے کا انتظار نہیں کرتے۔ ہم خواہشات کے پیچھے بھاگتے ہیں اس کی زندگی میں سب کچھ ٹھیک ہو گیا مگر بہت کچھ کھونے کے بعد۔۔۔ کتنے ماہ و سال گزرے۔۔۔ اس کو بے سمت بھاگتے اگر زندگی کا حاصل صرف۔۔۔ تو ہم انسان کیوں پاگلوں کی طرح شہرت اور دولت کے پیچھے بھاگتے ہیں؟ کیوں ہماری آنکھوں پر ہوس کی پٹی بندھی ہوتی ہے۔ کیوں ہمیں سمجھ نہیں آتی کہ جس عروج کے جنون میں دیوانے ہو کے ۔۔۔ در حقیقت زوال ہے

ہم بھاگتے ہیں۔۔۔ اندھا دھند بھاگتے ہیں، چاہے جتنی ٹھوکریں کھانی پڑیں، جتنے بار منہ کے بل گریں۔ پاؤں چھلنی ہی کیوں نہ ہو جائیں۔ ہم بھاگتے ہیں "اپنے جنون" کے ہاتھوں مجبور ہو کر جب ہم منزل پر پہنچتے ہیں تو احساس ہوتا ہے وہ تو منزل تھی ہی نہیں جس کے پیچھے بھاگ رہے تھے وہ منزل نہ تھی بلکہ ایک سراب تھا مگر جب تک احساس ہوتا ہے، ہم کیا کچھ نہیں گنوا چکے ہوتے؟ اپنے رشتے، اپنی محبتیں، اپنے دکھ درد کے ساتھی۔ خالی دل، خالی جھولی اور خالی ہاتھ لیے سوائے ماتم اور پچھتاوے کے ہمارے پاس بچتا ہی کیا ہے۔

3۔ یہ سوال میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں کیسے لکھوں تحفہ لینا اور دینا۔ ویسے تو یہ دونوں چیزیں ہی مجھے بے حد پسند ہیں لیکن سالگرہ میں نے کبھی منائی ہی نہیں کیونکہ سالگرہ جیسی خرافات فرعون کی ایجاد کردہ ہے اور اسلام میں کسی جگہ بھی اس کے منانے کا ثبوت نہیں ملتا اسی لیے میں اپنی تمام قاری بہنوں سے درخواست کرتی ہوں کہ اپنی زندگی کے قیمتی لمحات ایسے فضول موقعوں میں مت گنوائیں۔

4۔

کچھ لمحے ایسے ہوتے ہیں
جو ذہنوں میں رک جاتے ہیں
کچھ گھڑیاں ایسی ہوتی ہیں
جو ساون جل برساتی ہیں

ماضی کا سفر زیادہ تر لوگوں کے لیے جان لیوا ہی ہوا کرتا ہے لیکن اس کے باوجود بھی کچھ خوش کن یادیں ہوتی ہیں جو دلوں کو معطر رکھتی ہیں مجھے اپنے ماضی میں زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں پچھلے سال ہی کی تو بات ہے جب ہم فور اسٹارز یعنی میں، بھٹی، راشدہ اور عمیرا ایک ساتھ تھے ہر وقت ہنسی مذاق، چھینا جھپٹی، ایک دوسرے کا خیال رکھنا، ہماری سوچیں، احساسات و جذبات دکھ سکھ سب مشترک تھے کتنا انڈر اسٹینڈنگ دور تھا اکثر ہی میں سوچتی ہوں اے کاش پچھلا سال ایک دفعہ پھر میری زندگی میں لوٹ آئے لیکن گزرا ہوا وقت واپس نہیں آسکتا اس لیے میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتی ہوں کہ میری ایسی ۔۔۔ دوستیں

قرآن شریف کی آیات کا احترام کیجیے

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

میں خوش قسمت تھی کہ سب گنوانے کے بعد بھی میرے پاس ایک محبت تھی۔"

2۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ کو دن میں بہت سے لوگ ملتے ہیں، کچھ لوگ اتنے عام کہ آپ لاکھ ذہن پہ زور دیں وہ یاد نہیں آتے مگر کچھ اتنے خاص کہ آپ کے ہزارویں حصے میں بھی ان کو شناخت کرسکیں۔

میں فطرتاً لاپروا ہوں۔ ساتھ ساتھ لیو بھی ہوں تو جس کی طرف دھیان نہ دوں نہ دوں مگر آج تک کوئی انسان ایسا نہیں ملا جس کو میں بلاؤں اور وہ میری بات سنی ان سنی کردے۔

ہاں یہ میری اپنی مرضی ہے کہ میں کتنی کوشش کروں اس شخص کو متوجہ کرنے کے لیے مگر آج تک کسی کا دھیان اپنی طرف کرنے کے لیے مجھے زیادہ کوشش نہیں کرنی پڑی۔ مطلب آج تک میں نے جو چاہا مجھے ملا ہے اور جو نہیں ملا اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا سمجھ کر بھلا دیا کہ شاید یہی میرے حق میں بہتر ہو۔ اور شاید یہی راز زندگی بھی ہے۔

3۔ بہت مزے کا اور خوبصورت سوال ہے۔

جناب بہت سے بندے ہیں میری زندگی میں جنہیں میں ان کی سالگرہ پہ کچھ خاص دینا چاہوں گی۔

میری باجی بلکہ اکلوتی باجی! ان کی زندگی میں لاکھوں کروڑوں خوشیاں دینا چاہوں گی۔ میں اپنے اللہ پاک سے گزارش کروں گی کہ وہ میرے حصے کی تمام خوشیاں ان کی جھولی میں ڈال دے۔ اگر خوشیوں کا کوئی وجود ہوتا تو میں وہ اپنی باجی اور بہت بہت پیاری دوست نمن سلیم جن سے میرا صرف الفاظ کا رشتہ ہے ان دونوں کی جھولی میں ڈال دوں گی کیوں کہ جب آپ کے پیارے جن کو آپ چاہتے ہیں وہ اک مطمئن اور خوش حال زندگی گزارتے ہیں تو آپ کو کتنی خوشی ہوتی ہے ناں؟

ناظمہ باجی جن کے خط میں جا... ہوں ان کی برتھ ڈے پہ کچھ ایسا دوں کہ ان کی زندگی کی تمام مشکلات ختم ہوجائیں۔ اگر میرے بس میں ہوتا تو اپنی دوست آسمارہ کرن کو اس کی برتھ ڈے پہ اس کے امی ابو لوٹاتی کہ میں جانتی ہوں ماں باپ کے بغیر اولاد کیسے زندگی گزارتی ہے۔ ماں باپ کے مرجانے کے بعد صبر تو آہی جاتا ہے مگر...... فیورٹ ایکٹر تو میرا زوان ندیم ہے کیونکہ مجھے لگتا ہے اگر میرا کوئی بھائی ہوتا تو وہ بالکل اس کی طرح دکھتا۔ اور اس کی برتھ ڈے پر کیا دوں گی میں کہ بھائیوں اور بھائیوں جیسوں کو فقط لمبی عمر کی دعائیں دی جاتی ہیں۔

یادیں پاگل کر دیتی ہیں
باتیں پاگل کر دیتی ہیں
دن تو خیر گزر جاتا ہے
راتیں پاگل کردیتی ہیں

میں اس دور میں جانا پسند کروں گی جہاں میرے ابو زندہ تھے جب میرے ماموں حیات تھے۔ کچھ دھندلے دھندلے نقوش تو ہیں ذہن میں مگر جو کچھ یاد ہے وہ شاید میرے جیسے ڈیمانڈنگ چائلڈ کے لیے بہت ناکافی ہے۔ چار سال کا بچہ کیا کچھ یاد رکھ پاتا ہے۔

میں اس لمحے میں جینا چاہوں گی جہاں میں اک لاڈلی بیٹی کی طرح اپنے ابو سے لاڈ کرسکوں۔ ان سے اپنے تمام حالات شیئر کرسکوں۔ ان سے اپنی چھوٹی بڑی ضد سب منوا سکوں۔ مگر شاید... نہیں بلکہ شاید کیا یقیناً" آپ سب کو تھوڑا بریشان کرپاتا۔

اک اور بات بتاؤں آپ کو مزے کی۔ میرا اک یہ بھی شوق ہے کہ میں اس دور میں جاؤں جب جنوں بھوتوں کا ... پر راج تھا۔ ہوں ناپاگل۔

کرن کی سالگرہ پہ ہمیں یاد رکھنے کا بہت شکریہ۔ اللہ تعالیٰ اس ادارے کو دن دگنی رات چوگنی ترقی دے (آمین ثم آمین)

(سروے کا باقی حصہ آئندہ ماہ ملاحظہ فرمائیں)

فوزیہ یاسین

دستِ کوزہ گر

زوبیہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ لیکن وہ اس سے بات نہیں کرتی... جبکہ زوبیہ اس سے بات کرنے کے لیے بے چین ہے — اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے۔ جو کالج میں اس کے ساتھ پڑھتی ہے اور روحوں سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔ زوبیہ اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی چھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی روح کو بلائے۔ وہ روح کو بلانے کی کوشش کرتی ہے۔

رومیلہ، سنبل اور نمل کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے۔ اور اسی خوشی میں نمل ان دونوں کو لنچ کی دعوت دیتی ہے۔ اس آفر پر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم زکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب سی شرط کو قبول کر لیتا ہے۔ اور انہیں لنچ کے لیے کہہ دیتا ہے۔

زوبیہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے جبکہ رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے۔ وہ دونوں واپس جانے کے لیے سیڑھیوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چلی جاتی ہے؟ اور کوئی رخسار کو دھکا دے کے زخمی کر دیتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

١٢

بارہویں قسط

عائشہ اختر جب سے گھر آئی تھیں اسی پریشانی میں مبتلا تھیں کہ بلال اختر کو سب کچھ کیسے بتائیں حالانکہ کئی بار انہیں موقع بھی ملا۔

بلال اختر نے آفس سے گھر آتے ہی عائشہ اختر کی پریشانی کو بھانپ لیا تھا مگر وہ ان کے استفسار پر کچھ نہ کہہ سکیں یہاں تک کہ بلال اختر نے انہیں کریدا بھی بہت کیونکہ انہیں معلوم تھا وہ آج ڈاکٹر شکیلہ سے ملنے گئی تھیں۔

"کیا کہا ڈاکٹر شکیلہ نے؟" بلال اختر کے سوال پر عائشہ اختر صرف ان کی شکل دیکھ کر رہ گئی تھیں۔

ایک جنگ چل رہی تھی ان کے اندر اگر انہوں نے خود سے نہیں بتایا تو ڈاکٹر شکیلہ خود فون کر کے بتا دیں گی۔ مگر زبان جیسے تالو سے چپک کر رہ گئی تھی۔

"بولیے نا ایسا کیا کہہ دیا ہے ڈاکٹر شکیلہ نے جو چہرے کا رنگ فق ہو گیا ہے۔" بلال اختر گلے میں پڑی ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے طنزیہ انداز میں بولے تو عائشہ اختر ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہنے لگیں۔

"آپ کیا کریں گے جان کر؟ کون سا آپ کو ان کی ہدایت پر عمل کرنا ہے۔" عائشہ اختر کے بگڑے ہوئے انداز پر بلال اختر ٹھٹک کر انہیں دیکھنے لگے۔

"اب کیا فرما دیا انہوں نے "کیا زوبیہ کی شادی فوراً" کر دینے کا مشورہ دے رہی ہیں۔" بلال اختر جتانے والے انداز میں بولے کہ "مجھے بخوبی یاد ہے کہ ڈاکٹر شکیلہ نے اس کی شادی کر دینے کا مشورہ دیا تھا۔"

عائشہ اختر کھول کر رہ گئیں۔ ایک تو پہلے ہی ان کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی بلال اختر کو کچھ بتانے کی اب تو ان کا موڈ بھی آف ہو گیا تھا۔

ایسا لگ رہا تھا بلال اختر ڈاکٹر شکیلہ کی اس ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اسے فوراً "پاگل خانے" بھیج دیں گے۔

بلال اختر ان کے چہرے پر غصے کے آثار دیکھ کر رسانیت سے کہنے لگے۔

"آپ کو کیا لگتا ہے عائشہ "زوبیہ کی شادی کر دینا اس کی بیماری کا علاج ہے۔"

"تو پھر اس کی بیماری کا علاج کیا ہے کیا ساری زندگی اسے گھر بٹھا کر رکھنا ہے۔" عائشہ اختر ترخ کر بولیں۔

"جب تک وہ ٹھیک نہیں ہوتی اس کی شادی کر دینا اس پر ظلم ہے اور اس سے بھی زیادہ اس لڑکے پر۔" بلال اختر نے ٹائی ایک جھٹکے سے گردن سے کھینچی تو عائشہ اختر بھی غصے سے کھڑی ہو گئیں۔

"تو زوبیہ کا ماحول بدلنے کے لیے آپ اپنے کام میں سے دو تین دن کا وقت نکال لیں اور اسے یہاں سے کہیں دور لے چلیں۔"

"اگلے چھ مہینے تک تو ایسا ممکن نہیں اس کے بعد کوشش کروں گا۔" بلال اختر نے صاف انکار کر دیا۔

"ان چھ مہینوں میں آپ کی اور اگلے چھ مہینوں کی مصروفیت نکل آئے گی آپ اس کے لیے وقت نکالنا چاہتے ہی نہیں ہیں۔" عائشہ اختر غصے سے کہتی کمرے سے نکل گئیں۔

مگر ان کا کمرے سے نکل جانا بات تو ختم نہیں کر دیتا۔ اگلے دن خلاف معمول بلال اختر آفس سے جلدی گھر آ گئے ان کے چہرے پر پھیلی سنجیدگی دیکھ کر عائشہ اختر ٹھٹک گئیں۔

ذہن میں فوراً "ڈاکٹر شکیلہ" کا خیال آیا تھا تبھی ان سے کچھ پوچھنے کی ہمت بھی نہیں ہوئی۔

"زوبیہ کہاں ہے؟" سوال بھی خلاف معمول تھا عائشہ اختر دل کڑا کر کے پوچھنے پر مجبور ہو گئیں۔

"اپنے کمرے میں ہے کیوں کیا ہوا؟"

"ذرا بلوا لاؤ اسے۔"

"خیریت کیا ہے؟"

"کیوں بتاؤں میں آپ کو جب آپ مجھے کچھ نہیں بتاتیں۔ ڈاکٹر شکیلہ نے فون کیا تھا مجھے اور انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں اتنا بے خبر ہوں وہ سمجھ رہی تھیں میں انجان نظر آنے کی اداکاری کر رہا ہوں۔" بلال اختر تلملا کر بولے۔

عائشہ اختر بغلیں جھانکنے لگیں بلال اختر انہیں خاموش دیکھ کر زوبیہ کو آواز دینے لگے کہ عائشہ اختر نے ٹوک دیا۔

"اسے بلا کر کچھ پوچھنے کا فائدہ نہیں وہ خود بہت ڈسٹرب ہے۔"

"تو کیا تمہاری طرح ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاؤں اور وہ لوگوں کو قتل کرتی پھرتی رہے۔" بلال اختر نے دانت پیسے۔

"کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ زوبیہ نے کسی کو قتل نہیں کیا۔ نطاشہ کی موت ایک حادثہ تھی پولیس، پریس سب یہی کہہ رہے ہیں۔" عائشہ اختر تڑپ کر بولیں۔

"مگر یہ ایک حادثہ تھا زوبیہ کو اس حادثے کے متعلق کیسے پتا چلا۔"

"زوبیہ کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہے اسے بلا کر پوچھنا بے کار ہے۔" عائشہ اختر منمنائیں۔

"جواب تو آپ کے پاس بھی کسی سوال کا نہیں ہے آپ سے بھی بات کرنا بے کار ہے۔ ورنہ جس عورت کی جوان جہان بیٹی گھر سے کالج کا کہہ کر سڑکوں پر آوارہ گردی کرتی پھر رہی ہو اس عورت کی تو راتوں کی نیندیں اڑ جائیں۔" بلال اختر کا زہر میں بجھا جملہ عائشہ اختر کو تیر کی طرح لگا تھا وہ بھی ان ہی کے انداز میں بولیں۔

"وہ سڑکوں پر کوئی آوارہ گردی نہیں کر رہی گھر کے پچھلے حصے میں بنے سرونٹ کوارٹر میں جا کر بیٹھ جاتی تھی۔"

"ڈاکٹر شکیلہ نے یہ نہیں بتایا آپ کو۔" بلال اختر ان کے تنک کر بولنے پر مزید تپ کر بولے۔

"اتنی آسانی سے یقین کر لیا آپ نے اس کے فضول بہانے پر جو کبھی آپ خود بنایا کرتی تھیں۔"

ایک زناٹے دار تھپڑ پڑا تھا عائشہ اختر کے منہ پر اور ان کا سارا غصہ اور کھولن بیٹھتی چلی گئی تھی وہ دزدیدہ نظروں سے بلال اختر کو دیکھتی چلی گئیں ان کا خاموش ہو جانا بلال اختر بھی محسوس کر گئے تھے۔ خود انہیں بھی کہنے کے بعد احساس ہوا تھا کہ وہ ایک غلط بات کہہ گئے ہیں لیکن اس وقت وہ اتنے غصے میں تھے کہ شرمندہ ہونا انہیں گوارہ نہ ہوا البتہ اپنی بات کا اثر زائل کرنے کے لیے وہ بڑبڑاتے ہوئے کہنے لگے۔

"زوبیہ کا پاگل پن بڑھ رہا ہے پہلے اس نے رخسار پر حملہ کیا تھا اور اب نتاشا پر۔ خدا کا شکر ہے کہ ابھی تک زوبیہ پر کوئی پولیس کیس نہیں بنا لیکن اگر یہی حالات رہے تو وہ وقت دور نہیں جب وہ جیل میں ہوگی۔"

"تو کیا آپ یہ سوچ رہے ہیں کہ جیل کی بجائے مینٹل ہسپتال بھیج دیا جائے۔" عائشہ اختر کتنی دیر بعد بولنے کے قابل ہوئی تھیں وہ بھی محض اس لیے کہ وہ جلد از جلد یہ جان لینا چاہتی تھیں کہ بلال اختر کا آگے کیا ارادہ ہے۔

ان کے سوال پر بلال اختر نے کھا جانے والی نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

"اسے مینٹل ہسپتال بھیج کر مجھے ساری دنیا کو خود پر ہنسانا نہیں ہے۔" بلال اختر بستر کے کنارے پر بیٹھ گئے۔

"تو پھر؟" عائشہ اختر کو ایک طرف جہاں تھوڑا اطمینان ہوا وہیں ایک نئی فکر نے آن گھیرا کہ آخر پھر بلال اختر نے کیا سوچ رکھا ہے۔

ان کے پوچھنے پر بلال اختر فوری طور پر کچھ نہیں بولے بلکہ ایک گہری سانس کھینچ کر کسی سوچ میں ڈوب گئے۔ عائشہ اختر بدستور انہیں دیکھتی رہیں تو بالآخر بلال اختر سر اٹھا کر ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سرد سے لہجے میں بولے۔

"ڈاکٹر شکیلہ نے کہا ہے ناکہ زوبیہ کا ماحول تبدیل کریں۔ اس کے لیے وقتی طور پر کہیں جانے کی بجائے مستقل طور پر چلے جاتے ہیں۔"

"کیا مطلب؟" عائشہ اختر کی سمجھ میں خاک بھی نہیں آیا جو شخص کچھ دنوں کے لیے بزنس نہیں چھوڑ سکتا وہ مستقل طور پر کہیں جانے کے لیے کیسے رضامند ہو سکتا ہے۔

"مطلب یہ کہ ہم گھر تبدیل کر لیتے ہیں۔" عائشہ اختر کی آنکھیں حیرانی کی شدت سے پھیل گئیں۔

کتنی ہی دیر وہ دونوں بغیر کچھ بولے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ آخر عائشہ اختر اٹکتے ہوئے بولیں۔

"آپ... آپ یہ گھر چھوڑ دیں گے۔"

"صرف چھوڑیں گے نہیں' بلکہ ہم اس گھر کو بیچ دیں گے۔" بلال اختر سابقہ انداز میں بولے۔

عائشہ اختر کی بے یقینی بڑھتی جا رہی تھی کتنی ہی دیر تک وہ کچھ کہنے کے قابل ہی نہ ہوئیں ان کی کیفیت محسوس کرتے ہوئے بلال اختر خود ہی جرح کرنے والے انداز میں بولے۔

"اتنی حیران کیوں ہو رہی ہیں آپ' ہماری جوان بیٹی کو پاگل خانے بھیجنے کی نوبت آچکی ہے' کیا آپ اب بھی اسی گھر میں رہنا چاہتی ہیں۔" بلال اختر سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھتے رہے مگر عائشہ اختر کچھ بھی بولنے کی بجائے ششدر سی کھڑی رہیں۔

پتا نہیں وہ دونوں کب تک بولنے کے قابل نہ ہوتے کہ دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر زوبیہ کمرے میں داخل ہو گئی اس پر نظر پڑتے ہی بلال اختر تو پوری طرح سے اس کی طرف متوجہ ہو گئے جبکہ عائشہ اختر خالی خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔

زوبیہ ان کی حالت بخوبی سمجھ رہی تھی جب بلال اختر نے اسے پکارا تھا وہ کمرے کے سامنے سے ہی گزر رہی تھی اس لیے جیسے ہی اس نے کمرے میں داخل ہونے کے لیے دروازے کا ہینڈل پکڑا اندر سے آتی آوازوں نے اس کا پورا وجود سن کر دیا۔

ڈاکٹر شکیلہ اسے پاگل خانے میں بھرتی کرنا چاہتی تھیں کیونکہ اس نے نطاشہ کو قتل کیا تھا۔

ایک عجیب سا خوف اس کے وجود میں سرایت کر گیا اس کا دل چاہ رہا تھا یہاں سے کہیں دور بھاگ جائے جہاں کوئی نہ ہو۔ ڈاکٹر شکیلہ' اس کے والدین' اس کے کالج کا اسٹاف اور اس میں پڑھنے والی لڑکیاں۔

کتنی دیر وہ کانپتے وجود کے ساتھ کھڑی ان کی گفتگو سنتی رہی آخر جب بلال اختر نے گھر بیچنے کا فیصلہ سنایا تب زوبیہ سے رہا نہ گیا اور وہ دروازہ کھٹکھٹا کر اندر آگئی۔

"پاپا... میں... میں نے کچھ نہیں کیا ہے۔ آپ... آپ کو اپنا آبائی گھر بیچنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ دادا نے کتنے شوق سے یہ گھر بنوایا تھا۔" زوبیہ نے وہ سب دیکھا تو نہیں تھا البتہ [illegible] ضرور تھا۔

اس گھر کی تعمیر تو بلال اختر کے بھی پیدا ہونے سے پہلے ہوئی تھی لیکن از سر نو تعمیر بلال اختر کی شادی کے بعد تک ہوتی رہی تھی۔

تبھی اتنے سال گزر جانے کے باوجود یہ گھر بالکل جدید اور نیا نیا سا نظر آتا تھا اتنا خوب صورت اور شاندار گھر بیچ دینا کوئی عقل مندی نہیں تھی وہ بھی اس صورت میں کہ جس سے ہزاروں یادیں وابستہ ہوں۔

زوبیہ کی بات پر بلال اختر تو کچھ نہیں بولے البتہ عائشہ اختر حواس بحال کرتے ہوئے کہنے لگیں۔

"زوبیہ ٹھیک کہہ رہی ہے گھر بیچنے کی بجائے ہم کرائے پر دے دیتے ہیں اور کچھ دنوں بعد واپس اس گھر میں..."

"مجھے اس گھر میں رہنا ہی نہیں ہے اتنا بڑا گھر کرائے پر چڑھانا آسان نہیں ہے پھر کرائے دار گھر خراب کر کے

اچانک چھوڑ دیتے ہیں تو دوبارہ نئے کرائے داروں کو گھر دینے سے پہلے گھر کی از سر نو مرمت کرانی پڑتی ہے۔ اتنی دردسری سے بہتر ہے انسان گھر بیچ دے اور سکون سے رہے۔" بلال اختر [illegible] ہوئے انداز میں بولے۔

تو عائشہ اختر تو خاموش ہو گئیں لیکن زوبیہ کو کہنا پڑا۔

"پاپا گھر بیچنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

"مجھے بھی معلوم ہے۔ تمہاری شائستہ خالہ کا بھوت تمہارے ساتھ ساتھ اس دوسرے گھر میں بھی چلا جائے گا وہاں بھی تمہاری ذہنی حالت یہی رہے گی۔

لیکن ڈاکٹر شکیلہ کچھ دنوں کے لیے خاموش ضرور ہو جائیں گی ورنہ اگر میں نے یہ قدم نہیں اٹھایا تو وہ تمہیں پاگل خانے بھیجنے پر بضد رہیں گی۔" بلال اختر کے کوڑے سے بھی کاری ضرب پر مشتمل الفاظ سن کر زوبیہ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

عائشہ اختر ان کے جارحانہ انداز پر صرف انہیں غصے اور بے بسی سے دیکھ کر رہ گئیں وہ زوبیہ کی طرف بڑھنا چاہتی تھیں تاکہ اسے تسلی دے سکیں مگر زوبیہ تیزی سے پلٹ کر کمرے سے نکل گئی۔

وہ پہلے تو اس کے پیچھے جانے کے لیے آگے بڑھیں پھر ارادہ ترک کرتی بلال اختر کی طرف مڑ گئیں۔

"گھر بیچنے کا فیصلہ آپ نے ڈاکٹر شکیلہ کے دباؤ میں آکر نہیں کیا ہے بلکہ آپ خود اس گھر سے عاجز آگئے ہیں۔ آپ صرف اپنی غلطی کا کفارہ ادا کر رہے ہیں لیکن میں آپ کو بتا دوں اس گھر کو بیچنے سے ہمارا کفارہ ادا نہیں ہو گا اس گھر کو آپ مفت میں بھی کسی کو دے دیں گے تب بھی آپ کو سکون نہیں ملے گا۔" عائشہ اختر ایسے بول رہی تھیں جیسے [illegible] چبا رہی ہوں۔

بلال اختر سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ انہیں دیکھتے رہے وہ نہیں چاہتے تھے کہ عائشہ اختر اس موضوع پر مزید بولیں چنانچہ انہیں خاموش رکھنے کے لیے بلال اختر ہاتھ میں پکڑی ٹائی بستر پر پھینکتے ہوئے باتھ روم میں گھس گئے۔

اپنے غصے کا اظہار کرنے کے لیے انہوں نے پوری قوت سے باتھ روم کا دروازہ بند کیا تھا۔

✡ ✡ ✡

رومیلہ کی شادی کی تاریخ اتنی نزدیک کی رکھی گئی تھی کہ نمل اور اس کی والدہ بھی حیران رہ گئی تھیں۔

نمل چونکہ رومیلہ کے احساسات بھی جانتی تھی چنانچہ اسے زیادہ دکھ ہوا تھا مگر وہ اور اس کی والدہ رشیدہ کر ہی کیا سکتی تھیں۔ رومیلہ کے والد سے ان کی براہ راست رشتے داری نہیں تھی رومیلہ کی والدہ مرحومہ عظمت خلیل کی کزن تھیں جن کے انتقال کے بعد بس رسمی سی بات چیت ہی رہ گئی تھی۔

اور کچھ عرصے تک عظمت خلیل کی بے تحاشا مصروفیت کی وجہ سے رسمی تعلق بھی کمزور پڑتا جا رہا تھا۔

رومیلہ کی بات طے ہونے پر بھی عظمت خلیل نہیں جا سکے تھے صرف رشیدہ نمل کے ساتھ شریک ہو گئی تھیں۔ ان دونوں کی حیثیت بس مہمانوں جیسی تھی وہ ان کے گھر کے معاملے میں بھلا کیا بولتیں اور پھر رشیدہ نے رومیلہ کو الٹا سمجھانے کی ہی کوشش کی تھی کہ لڑکیوں کی ایسے اچانک شادیاں ہوتی ہیں یہ کوئی ایسی ان ہونی بات نہیں ہے۔

اور واقعی یہی تسلی دے کر ان سب نے خود کو مطمئن کر لیا تھا۔

نمل حسب معمول شام کی چائے رشیدہ کے ساتھ لان میں بیٹھی پی رہی تھی جب اس کے موبائل پر سنبل کی کال آگئی۔

"ثمل تم نے تو کہا تھا حشام نامی وہ لڑکا اپنے گاؤں چلا گیا ہے جسے پولیس نے کسی ناکردہ جرم پر گرفتار کرلیا تھا۔"
سنبل کی حیران پریشان آواز سن کر خود ثمل بھی الجھ گئی۔
"ہاں! کیوں تمہیں کیا ہوا؟"
"مجھ سے کیا پوچھ رہی ہو ٹی وی پر نہیں دیکھ رہیں ایک لڑکا جس کا نام حشام ہے پولیس انسپکٹر قادر کے انسان سوز تشدد کا شکار ہو کر ہسپتال میں زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہا ہے۔" سنبل کی بات پر ثمل اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔
"اس کی بہن اور بیوہ ماں کے بیانات چل رہے ہیں جس میں وہ کہہ رہی ہیں ان کا بیٹا پچھلے ایک ماہ سے پولیس کی حراست میں ہے مگر پولیس ریکارڈ میں اس کا کہیں نام موجود ہی نہیں تھا۔
وہ دونوں اسے ڈھونڈ ڈھونڈ کر پاگل ہو گئی تھیں تب عظمت خلیل کے توسط سے پتا چلا کہ وہ لڑکا انسپکٹر قادر جیسے وحشی شخص کے ہتھے چڑھ گیا ہے۔" سنبل بغیر سانس لیے بول رہی تھی دوسری طرف ثمل کا اپنا سانس بھی سینے میں اٹک گیا تھا۔
سنبل کی گفتگو میں پیچھے چلتے ٹی وی کا شور بھی وہ واضح طور پر سن سکتی تھی ٹی وی پر اس خبر کے نشر ہوتے ہی سنبل نے اسے فون کیا تھا۔
ثمل تیزی سے اندر کی طرف دوڑی ٹی وی آن کرنے پر اس کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے۔
اسکرین پر بلاشک و شبہ وہ شمائلہ اور اس کی ماں تھیں۔
نیوز چینل والے انسپکٹر قادر کے وحشی رویے کی کہانی سناتے ہوئے بار بار شمائلہ اور اس کی والدہ کا آنسوؤں سے تر چہرہ فوکس کر رہے تھے۔
موبائل ابھی بھی ثمل کے کان سے لگا ہوا تھا وہ تواتر سے بولتی سنبل کو سن رہی تھی جو ہر تفصیل کے بعد ایک ہی سوال پوچھ رہی تھی۔
"یار تم نے تو کہا تھا انکل نے اسے چھڑوا لیا ہے انکل نے تم سے جھوٹ کیوں بولا؟"
"سنبل میں تمہیں تھوڑی دیر میں فون کرتی ہوں۔" ثمل نے بمشکل اپنے منتشر ہوتے ذہن کو یکجا کرتے ہوئے تیزی سے کہا اور سنبل کو بولنے کا موقع دیے بغیر فون کاٹ دیا۔
اس نے ٹی وی پر تفصیلات جاننے کی کوشش کرنے کی بجائے اسی وقت ہسپتال جا کر شمائلہ سے دو ٹوک بات کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔
وہ جیسے ہی گاڑی کی چابیاں لے کر گھر سے نکلی رشیدہ کو بمشکل وہیل چیئر چلا کر اپنی طرف آتا دیکھ کر بری طرح شرمندہ ہو گئی۔
وہ انہیں کچھ بھی بتائے بغیر ایسے اٹھ کر بھاگ آئی تھی کہ وہ بری طرح پریشان ہو گئی تھیں پہلے تو وہ اس کا انتظار کرتی رہیں پھر خود ہی اندر آنے کی کوشش کرنے لگیں۔
دراصل گھاس پر وہیل چیئر بڑی مشکل سے آگے بڑھتی تھی اس لیے ثمل کبھی انہیں کچی زمین پر وہیل چیئر چلانے نہیں دیتی تھی بلکہ خود ہی دھکیلتی ہوئی لاتی تھی۔
اس وقت بھی ان پر نظر پڑتے ہی ثمل تیزی سے ان کی طرف بڑھی اور قریب پہنچتے ہی ان کے پوچھے بغیر بتانے لگی۔
رشیدہ بھی یہ سب سن کر دنگ رہ گئیں پھر کچھ ہچکچاتے ہوئے بولیں۔
"اس وقت جاؤ گی۔" انہوں نے شام کے سائے گہرے ہوتے دیکھ کر تفکر سے کہا تو ثمل بھی ایک نظر کھلے

آسمان پر ڈالتے ہوئے قدرے بے بسی سے بولی۔

"میرا شائلہ سے ملنا بہت ضروری ہے حشام کی حالت بہت سیریس ہے۔" رشیدہ صرف اسے دیکھ کر رہ گئیں خود ان کی حالت یہ سب سن کر عجیب سی ہو گئی تھی وہ اسے جانے سے روک نہ سکیں خود تمل کو بھی دیر ہونے کا احساس تھا تبھی وہ تیزی سے ڈرائیو کرتی محض آدھے گھنٹے میں ہاسپٹل پہنچ گئی تھی۔

مگر وہاں موجود صحافیوں کا رش اسے شائلہ تک پہنچنے نہیں دے رہا تھا خود شائلہ کی ہی اس پر نظر پڑی تو وہ اس کے نزدیک آ گئی۔

اسے اپنے قریب آتا دیکھ کر تمل نے اچھی طرح چادر سے اپنا چہرہ چھپا لیا وہ نہیں چاہتی تھی کہ شائلہ کے باعث صحافی اس کی طرف بھی متوجہ ہو جائیں۔

اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی اخبار اور ٹی وی کی زینت بننے میں۔

"آپ کب واپس آئیں دبئی سے۔" شائلہ نے قریب آتے ہی بڑی بے چینی سے پوچھا تمل جواب دینے کی بجائے سوالیہ انداز میں اسے دیکھنے لگی جو بے اختیار اس کے ہاتھ تھامتے ہوئے روہانسے لہجے میں بولی۔

"دیکھیں نا آپ کے پیچھے کیا ہو گیا آپ تو ہمیں سیدھا عظمت خلیل کے آفس لے گئی تھیں اور ان سے ملاقات کرا دی تھی۔

آپ کے جانے کے بعد عظمت صاحب سے ملاقات ہی نہیں ہو سکی اتنی مشکلوں سے ان سے بات ہوئی تب انہوں نے فوراً "ہشام کے بارے میں پتا چلانے کی کوشش کی۔ مگر دیکھیں نا اس بیچ حشام کی حالت کیا سے کیا ہو گئی اس انسپکٹر قادر نے بالکل تھرڈ ڈگری ٹارچر کیا ہے میرے بھائی پر۔ کانسٹیبل کا کہنا ہے کہ حشام نے تو انسپکٹر کو کچھ کہا بھی نہیں تھا پھر بھی پتا نہیں کیوں تک انسپکٹر قادر کو اچانک اتنا غصہ آیا کہ انہوں نے بالکل درندوں کی طرح حشام کو دھو کر رکھ دیا۔" شائلہ ایک دم رو پڑی۔

تمل خاموشی سے اسے سنے گئی۔

اس کے والد نے اگر اسے اس معاملے سے دور رکھنے کے لیے یہ سب کہا تھا تب بھی ان کا شائلہ سے جھوٹ بولنا تو بنتا تھا مگر تمل سے اتنا بڑا جھوٹ کیوں بولا تاکہ وہ بھی مطمئن ہو کر خاموش ہو جائے لیکن جب انہیں حشام کی مدد کرنی ہی تھی تو اتنا وقت کیوں ضائع کیا انہیں کون سا کیس آنے جانے کی ضرورت تھی انہیں صرف فون کھڑکانے تھے پھر کیوں کیا انہوں نے ایسا۔

تمل کا ذہن مختلف سوالوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا وہ شائلہ کو جھوٹی تسلی بھی نہ دے سکی جبکہ پریس کے لوگ شائلہ کو تمل کے قریب دیکھ کر خود بھی اس کے ارد گرد جمع ہونے لگے اور اس کی بابت سوال کرنے لگے شائلہ نے اتنا ہی کہا تھا کہ۔ "یہ عظمت......" کہ تمل نے اس کا ہاتھ دبا کر اسے خاموش کرا دیا۔

"میں شائلہ کی دوست ہوں۔" تمل نے محض اتنا کہا اور شائلہ کو لے کر ایک طرف ہوتے ہوئے بولی۔

"شائلہ میں یہاں زیادہ دیر نہیں رک سکتی میں چلتی ہوں حشام کے علاج پر جو بھی خرچ آئے۔"

"پیسوں کی تو کوئی پروا نہیں ہے آپ کے والد ہی سارا خرچ اٹھا رہے ہیں بس وہ ٹھیک ہو جائے۔" شائلہ کے لہجے میں بے بسی گھلی تھی تمل نے کچھ کہنا چاہا تو ایک لڑکی جو کسی ٹی وی چینل کی رپورٹر تھی ہاتھ میں مائیک لیے تمل کے قریب چلی آئی۔

"کیا آپ شائلہ کی دوست ہونے کی حیثیت سے حشام کے بارے میں کچھ کہنا چاہیں گی وہ کس قسم کا لڑکا تھا اس کی کیا مصروفیات تھیں اور جو اس کے ساتھ ہوا ہے اس پر آپ کے کیا تاثرات ہیں۔"

"جی نہیں مجھے کچھ نہیں کہنا۔" تمل جان بوجھ کر نہایت کھردرے لہجے میں بولی اور شائلہ سے کچھ بھی کہے بغیر

تیزی سے آگے بڑھ گئی تاکہ رپورٹر مزید کوئی بات نہ کر سکے مگر اس کے وہاں سے ہٹ جانے کے بعد وہ رپورٹر شائلہ سے تمل کے متعلق بات کرنے لگی۔

شائلہ کی طرف سے اسے اطمینان تھا وہ اس کا تعارف نہیں کرا سکی البتہ وہ حشام کے بارے میں جاننا چاہتی تھی جو ان صحافیوں کی وجہ سے ہو نہیں سکا تھا مگر گاڑی میں بیٹھنے تک اس کے پاس رشیدہ کا فون آ گیا۔

"امی میں ہسپتال سے نکل رہی ہوں پون گھنٹے میں گھر آ جاؤں گی ان شاء اللہ۔"

"ہاں جلدی آ جاؤ۔ تمہارے ابو نہ آ جائیں ویسے تمہاری ملاقات ہوئی حشام سے کیسا ہے وہ؟"

"امی اس سے کیسے ملاقات ہوتی اتنے صحافی موجود ہیں یہاں اور وہ تو شاید آئی سی یو میں ہو گا۔" تمل نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے تاسف سے کہا تو رشیدہ بھی فکرمند لہجے میں بولیں۔

"ہاں اور وہ بات کرنے کے قابل بھی کہاں ہو گا۔ یہاں ٹی وی پر بتا رہے ہیں اس کی بیک بون پر شدید چوٹیں آئی ہیں وہ شاید اب زندگی بھر بستر سے اٹھنے کے قابل نہ ہو سکے۔" تمل کا پاؤں بے اختیار بریک پر پڑ گیا وہ تو ابھی پارکنگ ایریا سے نکلی نہیں تھی اس لیے جانی نقصان نہیں ہوا ورنہ جس طرح اس نے بریک لگائے تھے اگر سڑک پر ہوتی تو اچھا خاصا ایکسیڈنٹ ہو جاتا۔

ایک شدید قسم کے ملال نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا وہ بمشکل رشیدہ کو اللہ حافظ کہہ کر گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کرنے کے قابل ہوئی تھی۔

گھر آ کر بھی اس کا ذہن بہت منتشر رہا اس نے رشیدہ کو بھی ٹی وی نہیں دیکھنے دیا جہاں چینلز والے ایک ہی خبر کو بار بار دہرا رہے تھے البتہ ایک چیز جو وہ اس وقت نہیں دیکھ سکی تھی وہ اس نے اب گھر آ کر دیکھی تھی اور وہ تھی عظمت خلیل کی پریس سے گفتگو۔

جس وقت حشام کو ہسپتال لے جایا گیا تھا اس وقت عظمت خلیل بھی وہاں پہنچ گئے تھے انہوں نے بڑے جذباتی اور ڈرامائی انداز میں انسپکٹر قادر اور پورے پولیس ڈیپارٹمنٹ کے خلاف بیان دینے کے ساتھ ساتھ حشام کے معذور ہو جانے پر بڑے غم کا اظہار کیا تھا۔

ان کے یہ کلپس بار بار دکھائے جا رہے تھے جبکہ تمل کو ڈاکٹر کے ڈکلیئر کرنے سے پہلے ہی عظمت خلیل کا حشام کو معذور قرار دے دینا ایک عجیب سی اذیت سے دوچار کر رہا تھا اس لیے اس نے رشیدہ کو ٹی وی بند کرنے کے لیے کہہ دیا۔

وہ خود بھی جانے کس ٹرانس میں دیکھے جا رہی تھیں ورنہ دل تو ان کا بھی بہت برا ہو رہا تھا تمل کے کہتے ہی انہوں نے ٹی وی آف کر دیا۔

عظمت خلیل رات کو کافی دیر سے گھر آئے تھے مگر تمل ان کے انتظار میں جاگتی رہی رشیدہ بار بار اسے تاکید کرتی رہیں۔

"دیکھو تمہارے باپ نے ہی اسے نکلا ہے بلاوجہ بدگمان مت ہو۔

وہ نہیں چاہتے ہوں گے تمہیں اس معاملے میں انوالو کرنا تبھی تم سے جھوٹ بول دیا۔ کوئی بھی باپ نہیں چاہے گا کہ بیٹی ایسی کسی کانٹروورسی میں پڑے اور تمہاری فطرت کا انہیں پتا ہے سچ بتانے پر تم چپ ہو کر تو نہیں بیٹھ جاتیں نا۔" تمل چپ چاپ ان کی باتیں سنتی رہی اس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

وہ جانتی تھی اس کی ماں عظمت خلیل کی بے جا حمایت کر رہی ہے اور اس بات کا علم اسے خود بھی ہے وہ صرف تمل کو ٹھنڈا رکھنے کے لیے یہ سب کہہ رہی ہیں ورنہ درحقیقت انہیں بھی اس بات کا علم ہے کہ عظمت خلیل نے جان بوجھ کر اس معاملے میں چشم پوشی کی ہے ورنہ اگر وہ متحرک ہوتے تو حشام کا پتا چلنے میں اتنی تاخیر نہ ہوتی۔

اب وہ بھلے ہی انسپکٹر قادر کی وردی اتروا رہے تھے مگر حشام اور اس کی ماں بیٹی کی زندگی تو تباہ ہو گئی تھی نا۔
آخر رات کے ساڑھے دس بجے عظمت خلیل گھر میں داخل ہوئے تب بھی ان کے کان سے موبائل لگا ہوا تھا۔

ثمل نے اس بات کی پروا کیے بغیر کہ وہ کسی سے محو گفتگو ہیں ان کے نزدیک آتے ہی کہا۔
"ابو مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔" عظمت خلیل نے ایک ناگوار نظر اس پر ڈالی اور دوبارہ گفتگو میں مصروف ہو گئے۔
ثمل چاہتی تھی وہ ابھی ان سے بات کرلے اگر ایک بار وہ اپنے کمرے میں چلے گئے تو پھر رشیدہ اسے ان کے کمرے میں جانے نہیں دیں گی۔
ثمل ان کے گھورنے کی پروا کیے بغیر بدستور منتظر نظروں سے انہیں دیکھتی رہی تو انہوں نے جیسے زچ ہو کر ثمل کو دیکھا اور بات مختصر کرکے کہا جانے والے انداز میں بولے
"کیا بات ہے جلدی کہو۔"
"آپ نے تو کہا تھا حشام کو پولیس نے چھوڑ دیا ہے اور آپ نے اس کے گھر والوں کو پیسے دے دیے ہیں تاکہ وہ لوگ کچھ دنوں کے۔۔۔"
"ہاں کہا تھا۔ میرے ٹرسٹ کے لوگوں نے مجھے یہی بتایا تھا سو وہی میں نے تمہیں بتادیا مگر جب پتا چلا کہ وہ جھوٹ تھا تو میں نے حشام کے بارے میں پتا کیا اور بلا آخر اسے جیل سے نکلوا بھی لیا۔" انہوں نے بغیر شرمندہ ہوئے نہایت ڈھٹائی سے اتنا کمزور سا جھوٹ بولا جس پر ثمل کا قائل ہونا ناممکن تھا تبھی وہ طنزیہ انداز میں بولی۔
"آپ کے ٹرسٹ کے لوگ آپ سے اتنا بڑا جھوٹ بول سکتے ہیں کیا؟"
"اس کی انکوائری میں بعد میں کراؤں گا۔
رشیدہ میں کھانا کھا کر آیا ہوں شرفو سے کہو ایک کپ چائے میرے کمرے میں پہنچا دے۔" عظمت خلیل نے مختصرا" کہہ کر رشیدہ کو آواز لگاتے ہوئے کہا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگے تھے کہ ثمل ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔
"ابو آپ اس طرح نہیں جاسکتے۔ آپ نے کیوں جھوٹ بولا مجھ سے۔ آپ کا ٹرسٹ تو لوگوں کی مدد کرنے کے لیے ہے نا۔
ٹی وی پر آپ کی تعریفوں کے پل باندھے جارہے ہیں کہ کس طرح آپ ایک پولیس والے کی سفاکی کو منظر پر لائے ہیں یہی سب تو آپ کا مقصد ہوتا ہے پھر کیوں آپ نے حشام کی مدد اس وقت کی جب وہ ہمیشہ کے لیے معذور ہوگیا آپ یہ کام پہلے بھی تو کر سکتے تھے۔"
"تمہارے کہنے کا کیا مطلب ہے میں یہ ساری نیکیاں یہ سب خدمت خلق خبروں میں آنے اور تعریفیں بٹورنے کے لیے کرتا ہوں۔" عظمت خلیل ایک دم جلال میں آگئے مگر ثمل ان کے غصے سے ذرا مرعوب نہیں ہوئی اس کا اپنا نفس بڑھتا جارہا تھا وہ بھی جواب میں اسی تیزی سے بولی۔
"اس بحث کو رہنے دیں کہ آپ کا کیا مقصد ہوتا ہے ان نیکیوں اور خدمت خلق کے پیچھے۔ آپ صرف اتنا بتا دیں کہ آپ نے حشام کے معاملے میں ایسا ہی برا کیا اس کے پیچھے بھی آپ کا کوئی مقصد تھا۔" ثمل ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی مگر انہوں نے اس کی بات کو توجہ دیے بغیر لاپروائی سے کہا۔
"میں تمہارے سوال کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھتا۔" وہ کترا کر آگے نکل جانا چاہتے تھے کہ ثمل ایک بار پھر ان کے سامنے آتے ہوئے بولی۔

"کیا ملا آپ کو حشام کی زندگی برباد کرکے اس کے معذور ہونے کے پیچھے آپ کا کیا فائدہ ہو سکتا ہے کس سے بدلہ لینے کے لیے آپ نے اسے عمر بھر کے لیے بستر پر لٹا دیا۔" ثمل کی آنکھیں چھلکنے لگی تھیں۔
عظمت خلیل جو ایک بار پھر اسے نظر انداز کرکے آگے بڑھنا چاہ رہے تھے اس کی آخری بات سن کر ٹھٹک گئے انہوں نے ایک خشمگیں نظر اس پر ڈالی اور دوسری سلگتی ہوئی نظر رشیدہ پر ڈالتے ہوئے انگارے چبانے والے انداز میں بولے۔
"تو آخر بتا دیا نا تم نے اسے سب کچھ کوئی بات کیا تم صرف خود تک نہیں رکھ سکتیں۔" عظمت خلیل کی بات پر غیر ارادی طور پر ثمل کی نظریں رشیدہ کی طرف اٹھ گئیں جو عظمت خلیل کی بات سن کر بری طرح بوکھلا گئی تھیں انہوں نے جس طرح ایک نظر ثمل کو دیکھ کر جھکاتے ہوئے صفائی دی اس پر ثمل شاک میں گھری انہیں دیکھے گئی۔
"ک۔۔۔ کیسی باتیں کررہے ہیں آپ۔۔۔ میں۔۔۔ میں بھلا کچھ۔۔۔ کیوں بتاؤں گی۔۔۔ اور' اور پھر مجھے خود کچھ نہیں پتا۔" وہ جو بھی ثمل سے چھپائے رکھنا چاہ رہی تھیں ان کے چہرے پر اڑتی ہوائیاں اس کا پول کھول گیا تھا پھر بھی رہی سہی کسر عظمت خلیل نے خود پوری کردی۔
اپنے مخصوص تحکمانہ لہجے میں انہوں نے بڑی ڈھٹائی سے کہا۔
"تمہاری اماں نے جب سب بتا ہی دیا ہے تو پھر یہ پوچھنے کا ڈرامہ کیوں؟
رشیدہ نے مجھے فون پر بات کرتے سن ہی لیا تھا اور مجھے کوئی فرق بھی نہیں پڑتا اگر وہ یا تم یہ بات جان گئیں کہ کل رات کانسٹیبل نے میرے ہی کہنے پر انسپکٹر قادر کو اتنا ورغلایا کہ انسپکٹر قادر نے حشام کا کوئی قصور نہ ہوتے ہوئے بھی دھن کر رکھ دیا اور جب مجھے پتا چل گیا کہ اس کی حالت بہت نازک ہے تب میں نے کمشنر صاحب کو فون کرکے نا صرف حشام کو چھڑایا بلکہ شہر کے سب سے مہنگے ہاسپٹل میں اسے داخل بھی کرادیا۔" ثمل ششدر سی انہیں دیکھے گئی اس میں جیسے کچھ کہنے کی صلاحیت ہی نہیں رہی تھی۔
اگر عظمت خلیل کو یہ ذرا سا بھی اندازہ ہوتا کہ رشیدہ نے ثمل سے کچھ نہیں کہا اور وہ صرف اپنے اندازے کے مطابق ان سے بات کررہی ہے تو وہ یہ سب اس کے سامنے بھی قبول نہ کرتے۔
حالانکہ رشیدہ بھی ان کے معاملے میں نہیں بولی تھیں اور نا ہی وہ یہ چاہتی تھیں کہ ایسی کوئی بھی بات ثمل کے علم میں آئے جو اسے عظمت خلیل سے مزید خائف کردے مگر عظمت خلیل نے بیوی پر بھی بھروسہ ہی نہیں کیا تھا انہیں تو بس ان سے شکایتیں تھیں۔
کل رات جب انہیں اپنے مینیجر کے فون کرنے پر پتا چلا کہ انسپکٹر قادر حشام پر زیادہ تشدد نہیں کررہا بلکہ وہ اسے کسی اور ہی کام کے لیے تیار کررہا ہے اور وہ مجبور حشام صرف اس کی قید سے نکلنے کے لیے تیار بھی ہوگیا ہے۔
تب عظمت خلیل کے ارمانوں پر جیسے پانی پھر گیا انہوں نے مزید انتظار کرنے اور وقت برباد کرنے کی بجائے مینیجر کو صاف لفظوں میں سمجھایا کہ وہ اس کانسٹیبل کے ذریعے انسپکٹر قادر کو حشام کے خلاف اتنا بھڑکا دیں کہ وہ فوری کوئی قدم اٹھائے اور عظمت خلیل کو اس کی وردی اتروانے کا موقع مل جائے۔
یہ ساری گفتگو کرنے کے بعد جب انہوں نے فون بند کیا تو کمرے کے ایک کونے میں رشیدہ کو نماز پڑھتا دیکھ کر ٹھٹک گئے مگر فورا" ہی اپنی ازلی خود سری کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہوں نے نا صرف ان کے سر پر ہر وقت سوار ہونے پر رشیدہ کو لتاڑ دیا بلکہ جو کچھ سنا اسے بھول جانے کا حکم بھی دے دیا۔
جو اگر وہ حکم نہ بھی دیتے تب بھی رشیدہ کو یہی کرنا تھا ایک تو وہ فطرتاً بہت سیدھی تھیں دوسرے جو ہمت اعتماد اور بھروسہ تھا وہ معذور ہونے کے بعد سے کب کا ان کا ساتھ چھوڑ گیا تھا۔

اپنی وہیل چیئر پر اس محل جیسے گھر میں ادھر سے ادھر گردش کرتے ہوئے انہیں اپنی ذات اس گھر میں رکھے فرنیچر سے بھی زیادہ بے مصرف لگتی تھی وہ فرنیچر تو پھر بھی امپورٹڈ تھا اور گھر کی شان و شوکت کو بڑھا رہا تھا جبکہ ان کا وجود اس بیش قیمت سامان کے بیچ میں بالکل ارزاں ہی تھا۔

صرف ایک نمل تھی جس کی وجہ سے ان کے اندر سے جینے کی خواہش ختم نہیں ہوئی تھی وہ اسے دنیا کے ہر سرد گرم سے محفوظ رکھنا چاہتی تھیں۔

مگر افسوس کہ جب سے اس نے ہوش سنبھالا تھا اسے سب سے زیادہ ٹھیس اپنے والد کی طرف سے ہی پہنچی تھی۔

اسی لیے رشیدہ کی شعوری کوشش ہوتی تھی کہ وہ ایسی ہر بات نمل سے چھپالیں جو اس کی نظر میں اس کے والد کے تاثر کو خراب کرے۔ مگر بچپن سے ہی وہ اس کوشش میں ناکام رہی تھیں۔

عظمت خلیل نے گھر سے باہر اپنا امپریشن بنانے کے لیے جتنی محنت کی تھی وہ اس کی آدھی سے بھی آدھی محنت گھر میں نہیں کرتے تھے۔

باہر والوں پر اپنا بھرم قائم رکھنے کے لیے وہ کچھ بھی کرنے کے لیے تیار رہتے لیکن گھر میں داخل ہوتے وہ اس چولے کو اتنی بری طرح نوچ کر اتار دیتے کہ گھر والوں کے لیے انہیں برداشت کرنا مشکل ہو جاتا۔

انہیں اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ پوری دنیا جو ان کے گن گاتی ہے اس تعریف سے ان کی اپنی بیوی اور بیٹی ذرا بھی متفق نہیں ہیں۔ وہ دونوں ان کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔ کیا سوچتے ہیں۔ کیا محسوس کرتے ہیں انہیں قطعاً پروا نہیں تھی۔

مگر رشیدہ کے لیے یہ مقام ناقابل برداشت تھا۔ نمل انہیں بے یقینی سے دیکھ رہی تھی وہ اس وقت کیا سوچ رہی تھی یہ وہ باخوبی جانتی تھیں اور یہی چیز انہیں اذیت میں مبتلا کر رہی تھی وہ اس سے نظر ملانے کے بھی قابل نہیں تھیں جبکہ عظمت خلیل ذرا بھی شرمندہ ہوئے بغیر شہادت کی انگلی اس کی طرف اٹھاتے ہوئے نہایت سختی سے بولے۔

"تمہارے لیے بہتر یہ ہے کہ تم میرے معاملوں سے دور رہو وہ لڑکا معذور ہوتا ہے یا مرجاتا ہے تمہاری بلا سے۔

میں نے آج ہی نیوز میں اعلان کردیا ہے میں اس کی ماں بہن کو اتنا پیسہ دینے والا ہوں کہ وہ زندگی بھر گھر بیٹھ کر کھا سکتے ہیں وہ لڑکا اگر اپنے پیروں پر کھڑا بھی ہو جاتا تب بھی اتنا نہیں کما سکتا تھا۔" عظمت خلیل کہہ کر کمرا کراس کے برابر سے نکل گئے مگر ابھی وہ دو قدم ہی چلے تھے کہ نمل بدستور ساکت کھڑے رہتے ہوئے بالکل ان ہی کی طرح ٹھوس لہجے میں بولی۔

"کل جب انہیں پیسے ملیں گے تو وہ ساری رقم واپس کردیں گے۔" عظمت خلیل اس کی بات پر ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگے تو وہ سابقہ انداز میں ہی بولی۔

"کیونکہ کل تک وہ یہ جان جائیں گے کہ ان کے بیٹے کی اس حالت کے ذمہ دار آپ بھی اتنے ہی ہیں جتنے کہ انسپکٹر قادر یا شاید آپ کا جرم انسپکٹر قادر سے بھی بڑا ہے۔"

عظمت خلیل کے چہرے پر ناگواری کے ساتھ تفکرات بھی پھیل گئے تھے وہ بغور اس کے چہرے کے تاثرات دیکھنے لگے جو مزید کہہ رہی تھی۔

"مجھے امی نے کچھ نہیں بتایا مجھے جو بھی پتا چلا ہے یا تو وہ میرے اپنے اندازے تھے یا اب جو کچھ آپ نے خود کہا ہے اس کے باعث معلوم ہوا۔"

اب بھی میں یہ تو نہیں جانتی کہ حسام کی زندگی تباہ کرکے آپ کو کیا فائدہ پہنچا ہے اگر اس خبر سے آپ اپنی شہرت کو ہائی لائیٹ کرنا چاہتے تھے تو وہ تو تب بھی ہو جاتا جب حسام پہلے چھوٹ جاتا۔

لیکن شاید اتنی ہمدردیاں اس کیس میں انوالو نہ ہوتیں جو اب ہو گئی ہیں۔

بہرحال جو بھی ہوا اگر اس انسپکٹر قادر کا ظلم منظر پر آیا ہے تو آپ کا بھی آنا چاہیے اور آئے گا بھی۔

پریس میں یہ بھی آئے گا کہ یہ آپ کی سازش تھی۔"

"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے۔" عظمت خلیل بھڑک کر بولے مگر نمل ایسے بولی جیسے ان کی بات سنی ہی نہ ہو۔

"ہو سکتا ہے میں کچھ ثابت نہ کرسکوں آپ کے خلاف مگر مجھے یقین ہے آپ کی شہرت کو داغدار کرنے میں تو کامیاب ضرور ہو جاؤں گی۔

جب آپ کی اپنی بیٹی حسام کی والدہ اور بہن سے کہے گی کہ یہ سب آپ نے کرایا ہے تو ہیڈ لائن تو ضرور بنے گی چاہے کیس بنے نہ بنے۔"

"شٹ اپ۔ ہوش میں ہو تم۔ ایسی بکواس کرکے تم میرے لیے نہیں اپنے لیے مسائل کھڑے کرو گی۔" وہ دھاڑ کر بولے پھر رشیدہ کی طرف پلٹتے ہوئے چلا کر بولے۔

"یہ تربیت دی ہے تم نے اپنی بیٹی کو۔ یہ سکھایا ہے اسے کہ پریس کے سامنے کھڑی ہو کر اپنے باپ کے خلاف بولے۔

تمہاری جیسی اپاہج بیوی کو میں نے ساری زندگی برداشت کیا صرف یہ سوچ کر کہ میری بیٹی کو ماں کی ضرورت ہے لیکن تم تو یہ فرض بھی ڈھنگ سے ادا نہیں کرسکیں۔

ایسی ذہنیت اور نفسیات کے ساتھ تو وہ بن ماں کے بھی پل جاتی۔" عظمت خلیل بری طرح پیچ و تاب کھا رہے تھے اسی لیے اب وہ موضوع سے ہٹ کر ذاتیات پر اتر آئے تھے۔

اصل موضوع پر کہنے کے لیے ان کے پاس کچھ تھا نہیں حسب سابق وہ رشیدہ پر برسنے لگے تھے جو ان کا غصہ بڑھتا دیکھتے ہی زرد پڑنے لگتی تھیں اور ان کی غیر ہوتی حالت دیکھ کر نمل سب کچھ بھول کر ان کی آؤ بھگت میں لگ جاتی۔

اس وقت بھی ان کے منہ سے ایسے القابات سن کر رشیدہ ہولے ہولے کانپنے لگی تھیں مگر نمل ان کی طرف بڑھنے کی بجائے بدستور عظمت خلیل کو دیکھتی رہی جو وہی سب دہرا رہے تھے جو وہ اکثر کہتے آئے تھے مگر ہر بار یہ سب سن کر اسے نئے سرے سے افسوس اور نئے سرے سے ان سے نفرت محسوس ہوتی تھی تبھی وہ اسی نفرت بھرے لہجے کے ساتھ بولی۔

"آپ نے میری ماں کو برداشت نہیں کیا بلکہ میری ماں نے ساری زندگی آپ کو میری وجہ سے برداشت کیا ہے تاکہ میری ذات پر کوئی مشکل نہ آئے اس پر وہ خود ساری زندگی یہ مشکلوں سے بھرا سفر طے کرتی رہیں۔

آپ نے تو ان کے وجود کو بھی اپنی شہرت کا ذریعہ بنا لیا۔ آپ نے ان کی معذوری کو میری وجہ سے نہیں جھیلا۔ ارے آپ کو میری کون سی فکر تھی۔

آپ نے صرف دنیا کی واہ واہ اور ہمدردیاں بٹورنے کے لیے انہیں اپنے ساتھ رکھا آپ اپنی بیوی کی معذوری کا اشتہار لگاتے رہے تاکہ لوگ آپ پر ترس کھائیں اور آپ کی مثال دیں کہ کتنا عظیم انسان ہے حالانکہ آپ کیا ہیں یہ لوگ اگر جان لیں تو آپ پر تھوکنا بھی پسند نہ کریں۔"

"بدتمیز۔" عظمت خلیل کا ہاتھ اٹھا تھا مگر نمل برق رفتاری سے پیچھے ہٹ گئی اور ان کا وار خالی چلا گیا اسی وقت رشیدہ اتنی زور سے چیخیں کہ عظمت خلیل کو دوبارہ آگے بڑھ کر اسے مارنے کا موقع ہی نہیں ملا۔

نمل نے بے اختیار رشیدہ کی طرف دیکھا عظمت خلیل کو اس پر ہاتھ اٹھاتا دیکھ کر انہوں نے اپنی وہیل چیئر سے اٹھنے کی کوشش کی تھی اور اسی کوشش میں وہ زمین بوس ہو گئی تھیں۔
نمل کے تو اوسان خطا ہو گئے وہ دوڑتی ہوئی ان کے پاس پہنچی اور ان پر جھک گئی۔
"امی امی! امی آپ ٹھیک تو ہیں نا۔"
عظمت خلیل نے بھی بے اختیار قدم رشیدہ کی طرف بڑھائے مگر اگلے ہی پل وہ نخوت سے سر جھٹکتے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ کیونکہ وہ جو چاہتے تھے وہ ہو چکا تھا اب رشیدہ خود سب سنبھال لیتیں گی۔
"امی... امی۔" رشیدہ کو زیادہ چوٹ تو نہیں آئی تھی مگر اس طرح گرنے پر ان کی دھڑکن تیز ہو جانے کی وجہ سے سانس پھولنے لگی تھی کچھ خجالت نے بھی انہیں فوری طور پر کچھ بولنے کے قابل نہیں چھوڑا۔
نمل نے سہارا دے کر انہیں اٹھایا اور واپس وہیل چیئر پر بٹھا دیا ملازم کو آواز دے کر اس نے ان کے لیے پانی منگوایا۔ جب ان کی حالت کچھ بہتر ہوئی تب جا کر نمل کی جان میں جان آئی۔
وہ بے بسی سے نمل کو دیکھنے لگیں اور بس یہ وہ نظریں تھیں جو ایک بار نمل کی طرف اٹھ جاتیں تو پھر نمل کچھ کہنا تو در کنار کچھ سوچنے کے بھی قابل نہ رہتی۔
مگر یہاں معاملہ اس کی یا اس کی ماں کی عزت نفس کا نہیں تھا جس کے مجروح ہونے پر نمل عظمت خلیل کے روبرو آئی ہو بلکہ یہ ایک نوجوان کی زندگی کا سوال تھا جو تباہ ہو چکی تھی۔
اپنی ماں کی معذوری وہ بچپن سے دیکھتی آرہی تھی اسے اچھی طرح احساس تھا بے کسی کی زندگی کیسی ہوتی ہے اور وہ بھی ایک ایسے شخص کے لیے جس کے کندھوں پر آئندہ پورے گھر کی کفالت کی ذمہ داری ہو۔
نمل پہلی بار رشیدہ سے نظریں چرا گئی تو رشیدہ رندھی ہوئی آواز میں بولیں۔
"کچھ نہیں ہو گا تمہارے یہ سب کرنے سے تمہارے باپ کو دنیا بہت اچھا آدمی سمجھتی ہے تمہارے اس بیان سے تھوڑے دن باتیں بنیں گی اور پھر لوگ سب بھول جائیں گے اگر کچھ یاد رہے گا تو بس اتنا کہ نمل خلیل نے باپ پر انگلی اٹھائی ضرور اس لڑکی میں ہی کوئی خامی ہو گی۔
حسام کے ساتھ جو ہونا تھا وہ ہو چکا اب اس کے گھر والوں کو پھنسا کر تم ان کی اذیت میں اضافہ ہی کرو گی۔
مت کروا ایسا لینے دو انہیں وہ پیسے۔ پیسہ بہت ضروری ہے خاص طور پر جہاں اتنی غربت اور افلاس ہو وہاں اس پیسے کے لیے لوگ کچھ بھی بیچنے اور کچھ بھی کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔
مت ڈالو انہیں آزمائش میں۔
اور مت ڈالو مجھے آزمائش میں۔
تمہارا باپ غصے میں کچھ بھی کر سکتا ہے میں دنیا کے سامنے تماشا نہیں بننا چاہتی۔ مجھے سکون سے اس گھر کے ایک کونے میں بیٹھنے دو۔
تمہارے باپ کو دنیا کے سامنے بنی اپنی شخصیت پر بڑا غرور ہے اگر اس غرور پر ذرا سی بھی آنچ آئی تو وہ..." رشیدہ بولتے بولتے ایکدم رو پڑیں۔
نمل کو ان سے شدید اختلاف تھا مگر ان کی چند باتوں کو وہ واقعی نہیں جھٹلا سکتی تھی۔
اس کے بیان دینے سے عظمت خلیل کے خلاف کوئی ایکشن نہیں لیا جا سکتا تھا۔ لوگ صرف چند دن باتیں بنا کر خاموش ہو جانے والے تھے۔
حسام کے گھر والوں کو جو امداد ملنے والی تھی انہیں اس کی سخت ضرورت تھی۔
عظمت خلیل سے کوئی بعید نہیں تھا کہ نمل کی اس حرکت پر وہ انتقاماً رشیدہ کو گھر سے نکال باہر کریں رشیدہ کا

ناتواں وجود اس عمر میں اس رسوائی کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔
نمل جیسے بالکل بے بس ہو کر رہ گئی تھی مگر اس کے اندر ایک جنگ جل رہی تھی جو اس کے پورے وجود کو ایک کرب میں مبتلا کر رہی تھی۔
اس کا ہاتھ رشیدہ کے کندھے پر آٹھہرا تھا جس کا مطلب سمجھتے ہوئے فوراً" رشیدہ کے رونے کی نوعیت میں فرق آگیا تھا۔
انہوں نے اس کے دونوں ہاتھ تھام کر بے اختیار چوم لیے تھے۔
آنسو اب بھی ان کی آنکھ سے بہہ رہے تھے مگر اب ان میں ملال کے ساتھ ایک تشکر بھی تھا۔
نمل نے اندر ہی اندر جھنجلاہٹ کا شکار ہونے کے باوجود محض ان کا دل رکھنے کے لیے سر اثبات میں ہلا کر اپنے قائل ہونے کا مظاہرہ کر دیا۔

☼ ☼ ☼

"تم کہاں جا رہے ہو؟" مسز فرقان حسن نے جیسے ہی خرم کے کمرے میں قدم رکھا ان کے منہ سے بے اختیار نکلا۔
خرم بلیک جینز پر بلیک اینڈ وائیٹ چیک کی شرٹ پہنے بڑے اہتمام سے تیار آئینہ کے سامنے کھڑا بال بنا رہا تھا۔
"ایسے ہی جا رہا ہوں مام 'ہارون نے مووی کا پروگرام بنایا ہے کیوں کوئی خاص بات۔" خرم نے بدستور آئینہ میں دیکھتے ہوئے تمام سے لہجے میں کہا۔
"ہاں تمہارے ڈیڈ نے کوئی مکان پسند کر لیا ہے خریدنے کے لیے۔ وہ ہم دونوں کو گھر دکھانے کے لیے آج خاص طور سے جلدی گھر آئے ہیں۔" مسز فرقان نے اپنے خوبرو بیٹے کو ستائشی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا جو ڈریسنگ ٹیبل سے پرفیوم اٹھا کر اسپرے کرنے لگا۔
"تو چلیں 'ہارون کا پروگرام کینسل! آپ کے ساتھ چلتا ہوں' ویسے بھی اگر ڈیڈ نے گھر پسند کر کے ہم دونوں کو دکھانے کا فیصلہ کیا ہے تو گھر اچھا ہی ہو گا ہمیں فوراً" دیکھ کر فوراً" ڈسیژن لینا چاہیے۔" خرم نے ایک آخری طائرانہ نظر خود پر ڈالتے ہوئے کہا تو مسز فرقان آئینہ میں اس کے عکس کو دیکھتے ہوئے شوخی سے بولیں۔
"جناب کی تیاری بالکل مکمل ہے مزید کسی زیبائش کی ضرورت نہیں۔ پہلے ہی بہت جچ رہے ہو۔" خرم ان کی بات پر بے ساختہ مسکرا دیا تو مسز فرقان چھیڑنے والے انداز میں بولیں۔
"ہم گھر دیکھنے جا رہے ہیں لڑکی دیکھنے نہیں۔"
"First of all میں نے یہ تیاری گھر دیکھنے کے لیے نہیں مووی دیکھنے کے لیے کی تھی Second thing کیا پتا گھر کے بہانے گھر والی بھی مل جائے۔" کوئی خرم کو چھیڑے اور خرم اسے نہ چھیڑے ایسا کبھی ہوا ہی نہیں تھا۔
مسز فرقان خرم کے معنی خیز انداز پر اسے ایک دھمو کا جڑتے ہوئے بولیں۔
"ہاں جیسے ابھی تک تو تمہیں گھر والی ملی ہی نہیں ہے۔"
"What do you mean آپ مجھے ایسا سمجھتی ہیں۔" خرم حیران ہوا۔
"یہ ایسا کیا مطلب ہے تمہارا۔ بھئی مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہو گا اگر تم خود کسی کو پسند کر لو۔ بس لڑکی اچھے خاندان کی ہونی چاہیے۔" مسز فرقان نے شرطیہ انداز میں کہا تو خرم بے ساختہ ہنس دیا۔
"آپ تو ایسے بات کر رہی ہیں جیسے مجھے ڈیٹ پر کسی کے ساتھ پکڑ لیا ہو۔" خرم کے ہنسنے پر مسز فرقان حسن

اسے ترچھی نظروں سے دیکھتے ہوئے بظاہر سنجیدگی سے بولیں۔

"تو کیا واقعی کوئی نہیں ہے۔" ان کے اتنی سنجیدگی سے پوچھنے پر پل بھر کے لیے خرم ٹھٹک گیا جیسے اندر کہیں کسی کونے میں واقعی کوئی موجود ہو۔

"نہیں کوئی بھی نہیں۔" خرم ایسے تیزی سے بولا جیسے چوری پکڑے جانے کے ڈر سے کوئی پہلے ہی صفائی دے دے۔

مسز فرقان حسن بھی اس کے اس طرح بولنے پر زور سے ہنس دیں۔

"اچھا Come on hurry up تمہارے ڈیڈ ویٹ کر رہے ہیں۔" وہ یہ کہتی کمرے سے باہر نکل گئیں۔

خرم کچھ دیر ان کے پیچھے دروازے کو دیکھتا رہا پھر آئینے میں اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے اس کے ذہن میں مسز فرقان کا جملہ گھومنے لگا۔

"تو کیا واقعی کوئی نہیں ہے۔"

جملے کے ساتھ ہی کوئی ہلکی سی شبیہ اس کے ذہن کے پردے پر لہرانے لگی تھی اس سے پہلے کہ وہ شکل واضح ہوتی خرم کا موبائل بج اٹھا اور خرم چونک گیا۔

دوسری طرف ہارون تھا خرم نے اسے بتا دیا کہ وہ نہیں آ رہا ساتھ ہی رسٹ واچ پہنتا کمرے سے باہر آ گیا جہاں فرقان حسن اور مسز فرقان اس کے منتظر کھڑے تھے۔

"تمہارا مووی دیکھنے کا پروگرام تھا۔" فرقان حسن نے اس پر نظر پڑتے ہی پوچھا مسز فرقان غالباً انہیں بتا چکی تھیں۔

"میرا نہیں ہارون کا تھا میں تو ٹائم پاس کرنے کے لیے راضی ہو گیا تھا مگر آپ جہاں لے جا رہے ہیں وہ مووی سے زیادہ انٹرسٹنگ جگہ ہے۔

کیونکہ آپ کا پسند کیا ہوا گھر یقیناً دیکھنے سے تعلق رکھتا ہو گا۔" خرم نے یقین سے کہا۔

"باہر سے تو گھر بہت شاندار ہے لیکن اندر سے میں نے نہیں دیکھا ہے کیونکہ جو لوگ مکان بیچ رہے ہیں وہ ابھی اسی میں رہ رہے ہیں فیملی کی موجودگی میں بار بار گھر دیکھنے جانا اچھا نہیں لگتا میں نے سوچا ایک ہی بار چلیں گے اور ایک ساتھ دیکھ لیں گے۔" فرقان حسن نے تفصیل بتائی۔

وہ تینوں ساتھ چلتے ہوئے گھر سے نکل کر پورچ کی طرف بڑھنے لگے تھے۔

"ڈیڈ آپ کسی کا استعمال شدہ گھر خرید رہے ہیں کوئی نیا کوٹھی خریدنی چاہیے جسے کسی نے استعمال نہ کیا ہو۔"

خرم نے حیرت اور بےزاری کی ملی جلی کیفیت میں کہا۔

"ارے تم ایک بار اس گھر کو دیکھو گے نا تو تمہیں پتا چلے گا وہ گھر نئے اور شاندار گھروں کو بھی مات دیتا ہے۔

بلال اختر نامی بہت بڑے بزنس مین کا گھر ہے۔ وہ سالوں سے وہاں رہ رہے ہیں بلکہ ان کا آبائی گھر ہے مگر بلال اختر نے اسے ایسی زبردست کنڈیشن میں رکھا ہوا ہے کہ لگتا ہے جیسے کچھ مہینوں پہلے ہی تیار ہوا ہو پھر مجھے اس ایریا کا بھی پتا ہے۔

وہاں ہمارے علاقے کی طرح گٹر کی لائنوں کا مسئلہ ہے نہ پانی کا یوں سمجھو ایک دم آئیڈیل گھر ہے۔" فرقان حسن نے جوشیلے انداز میں کہا تو خرم نے کوئی تبصرہ نہیں کیا ڈیڈ کے اتنے دعووں پر اس نے پہلے دیکھ لینا مناسب سمجھا۔

تقریباً چالیس منٹ بعد خرم نے فرقان حسن کے کہنے پر گاڑی سڑک کے کنارے روک دی۔

"یہ ہے وہ گھر۔" مسز فرقان نے پورے وثوق سے پوچھا۔

ویسے تو اس علاقے میں تقریباً سارے ہی گھر شاندار تھے لیکن اس کوٹھی کا طول و عرض اور شان و شوکت سب میں نمایاں تھی۔

"جی ہاں! آپ بتائیں یہ گھر کہیں سے پرانا لگتا ہے۔" فرقان حسن نے گاڑی کا دروازہ کھول کر اترتے ہوئے پوچھا تو وہ دونوں بھی اپنی اپنی طرف کے دروازے کھول کر اتر آئے۔

"بیوٹی فل۔" خرم نے محویت سے اس گھر کو دیکھتے ہوئے کہا تو فرقان حسن کے لبوں پر بڑی جاندار مسکراہٹ ابھر آئی۔

"اندر سے دیکھنا ہے۔" انہوں نے دونوں کو سوالیہ انداز میں دیکھا۔

"بالکل کیوں نہیں؟" خرم فوراً بولا۔

"یہ تو ایسا گھر ہے کہ باہر سے دیکھ کر خود بخود اندر سے دیکھنے کی خواہش پیدا ہو جائے اور ہم تو آئے ہی خریدنے کے ارادے سے ہیں تو ہماری یہ خواہش بالکل برحق ہے۔" مسز فرقان کی شکل سے صاف لگ رہا تھا وہ بری طرح گھر سے متاثر ہو چکی ہیں۔

فرقان حسن نے بلال اختر کو پہلے ہی فون پر مطلع کر دیا تھا چنانچہ کچھ ہی دیر میں وہ بلال اختر کی رہنمائی میں پورے گھر کا جائزہ لے رہے تھے۔

بلال اختر کو اتنی تفصیل سے دکھانے میں کافی کوفت ہو رہی تھی لیکن جو پارٹی گھر دیکھنے آئی تھی اس کی طرف سے انہیں یقین تھا کہ وہ بھی ان کی طرح وقت کو بہت سنبھال کر خرچ کرتے ہیں اس کے باوجود اگر وہ اتنی تفصیل سے ایک ایک کونے کا معائنہ کر رہے تھے تو قوی امکان تھا کہ وہ منہ مانگی قیمت پر گھر خرید لیں گے اور پھر ابھی بلال اختر کے پاس زیادہ گاہک آئے بھی نہیں تھے جو وہ بےزار ہو جاتے انہوں نے کل ہی تو اشتہار دیا تھا ابھی تک صرف دو چار فون ہی آئے تھے اور وہ بھی۔

"آپ پہلے قیمت بتا دیں۔" کی تکرار کرتے رہے تھے بلال اختر کو بارگیننگ سے سخت چڑ تھی وہ چاہتے تھے بغیر دردسری کے کوئی سلجھی ہوئی پارٹی ان کا گھر خرید لے اور وہ فوراً سودا پکا کر دیں اور فرقان حسن کی فیملی انہیں ایسی ہی پارٹی لگ رہی تھی سارا گھر دیکھتے ہوئے وہ سب اوپری منزل پر آ گئے۔

"یہ میرا بیڈ روم ہے میری وائف اس وقت سو رہی ہیں۔" بلال اختر نے بند دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"کوئی اور بیڈ روم دکھا دیں ذرا کمرے اور باتھ روم کے اسپیس کا اندازہ ہو جائے گا۔" مسز فرقان نے التجائیہ انداز میں کہا تو بلال اختر چار و ناچار سر ہلاتے زوبیہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

ان تینوں کو وہیں روک کر انہوں نے خود پہلے زوبیہ کے کمرے کے دروازے پر ناک کیا اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئے۔

زوبیہ وسیع و عریض کمرے کے ایک کونے میں رکھے کمپیوٹر کے پیچھے تقریباً روپوش تھی دستک کی آواز پر اس نے سر اٹھا کر دیکھا بلال اختر کو اپنے کمرے میں دیکھ کر اسے تھوڑی سی حیرت ہوئی۔

"ایک پارٹی گھر دیکھنے آئی ہے وہ کمرہ بھی دیکھنا چاہتی ہے۔" بلال اختر کے دھیمے لہجے پر زوبیہ بےیقینی سے انہیں دیکھے گئی۔

حالانکہ وہ ایک بار جو فیصلہ کر لیتے اس پر قائم رہتے تھے پھر بھی زوبیہ کو امید نہیں تھی کہ وہ یہ گھر واقعی بیچیں گے۔

"لے آئیں انہیں اندر۔" بلال اختر نے خود پر جمی اس کی حیران نظروں سے خار کھاتے ہوئے سپاٹ لہجے میں

پوچھا تو وہ ایک دم چونک اٹھی اور سانس خارج کرتے ہوئے پہلی بار بڑے سرد لہجے میں بولی۔
"اگر میں منع کروں گی تو کیا آپ نہیں لائیں گے؟" زوبیہ نے دو سیکنڈ کا توقف کیا پھر واپس کمپیوٹر اسکرین پر نظریں گاڑتے ہوئے بولی۔
"جب اپنی ہی مرضی چلانی ہے تو پوچھ کیوں رہے ہیں لے آئیں۔" وہ پوچھ نہیں رہے تھے صرف بتا رہے تھے لیکن زوبیہ کی آنکھ میں ہلکی سی نمی دیکھتے ہوئے انہوں نے خود کو کچھ بھی کہنے سے روک لیا۔
وہ اس کے احساسات سمجھتے تھے خود وہ بھی اپنے فیصلے سے خوش نہیں تھے اس گھر سے ان کی ان گنت یادیں وابستہ تھیں وہ اس گھر میں پیدا ہوئے تھے مگر وہ فیصلہ کر چکے تھے اور انہیں تو لگ رہا تھا یہ فیصلہ انہیں بہت پہلے کر لینا چاہیے تھا۔
بلال اختر نے باہر جھانکتے ہوئے ان تینوں کو اندر آنے کی اجازت دی جیسے ہی ان لوگوں نے کمرے میں قدم رکھا بلال اختر کا موبائل بج اٹھا۔
اسکرین پر ایک اجنبی نمبر دیکھنے کے باوجود انہوں نے کال اٹینڈ کر لی کیونکہ گھر کے اشتہار کے ساتھ انہوں نے یہی نمبر دیا تھا مگر دوسری طرف ہیلو کے جواب میں ایک مانوس سی آواز بلال اختر کو چونکا گئی۔
"یقین نہیں آ رہا تم نے گھر بیچنے کا فیصلہ کیسے کر لیا۔"
"کون؟" بلال اختر تامل کا شکار ہو گئے تھے۔
"کیا ہوا بلال آواز بھی نہیں پہچانتے۔" بھاری سنجیدہ سی مردانہ آواز وہ پہچان تو گئے تھے اسی لیے فرقان حسن سے ایکسکیوز کرتے تیزی سے کمرے سے نکل گئے۔
"کیوں فون کیا ہے؟" انہوں نے باہر آتے ہی نپے تلے انداز میں پوچھا۔
"اشتہار پڑھ کر کیا ہے وہ گھر خریدنا چاہتا ہوں۔" دوسری طرف کی بات سن کر بلال اختر نے بے اختیار لب بھینچ لیے۔
"کیا قیمت لگائی ہے۔" بلال اختر کو خاموش دیکھ کر دوسری طرف سے پوچھا گیا۔
"گھر بک چکا ہے میں ڈیل کر چکا ہوں۔" بلال اختر کو ایک لمحہ بھی نہیں لگا تھا سوچنے میں۔ وہ اتنے اعتماد سے بولے تھے کہ سننے والا یقین کرنے پر مجبور ہو جائے مگر دوسری طرف موجود شخص بھی بلال اختر کو اچھی طرح جانتا تھا شاید ان سے بھی زیادہ وثوق سے بولا۔
"جھوٹ مت بولو۔ صاف صاف کہو نا مجھے نہیں بیچنا چاہتے۔ خیر میں نے کوئی بحث کرنے کے لیے فون نہیں کیا۔
قیمت لگوا لو جو بھی پارٹی دے کر رہی ہو میں اس سے دس لاکھ زیادہ دینے کے لیے تیار ہوں آگے تمہاری مرضی۔" دوسری طرف سے دو ٹوک لہجے میں کہہ کر فون بند کر دیا گیا مگر بلال اختر خالی الذہن کے عالم میں وہیں کھڑے رہ گئے۔

☆ ☆ ☆

بلال اختر جیسے ہی موبائل پر بات کرنے کے لیے کمرے سے نکلے وہ تینوں ایک دم ریلیکس ہو گئے اتنی دیر سے وہ کھل کر اپنی رائے کا اظہار نہیں کر پا رہے تھے ان کے جاتے ہی انہیں جیسے بولنے کی آزادی مل گئی انہیں اس بات کا احساس ہی نہیں تھا کہ کمرے میں کوئی اور بھی موجود ہے کیونکہ زوبیہ کمپیوٹر کے پیچھے ایسے بیٹھی تھی کہ اس پر فوری طور پر نظر نہیں پڑ سکتی تھی اور کیونکہ کمرے میں آتے ہی بلال اختر کمرے سے چلے گئے تو وہ لوگ موقع

غنیمت جان کر کمرے کا جائزہ لینے کی بجائے باتوں میں مشغول ہو گئے۔
"گھر تو بہت اچھا ہے میرے خیال سے آپ ابھی ڈیل کر لیں کہیں کوئی اور نہ خرید لے۔" مسز فرقان نے چھوٹتے ہی کہا۔
زوبیہ غیر ارادی طور پر بڑے غور سے ان کی باتیں سننے لگی ویسے بھی وہ اتنی دھیمی آواز میں نہیں بول رہے تھے کہ اسے مشکل ہوتی۔
"ہاں خیر ہے تو بہت اچھا لیکن لگ رہا ہے پرائس بھی کم نہیں ہوں گے جبکہ اس سے پہلے جو گھر ہم نے دیکھا تھا وہ بہت ریزن ایبل ہے۔" فرقان حسن بولے۔
"کم آن ڈیڈ وہ گھر تو میں نے اسی وقت ریجیکٹ کر دیا تھا اور اس گھر کو دیکھنے کے بعد تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" خرم نے حتمی انداز میں کہا۔
"وہ گھر تو واقعی اس گھر کے سامنے کچھ نہیں مگر انہیں پیسوں کی سخت ضرورت ہے وہ بہت کم قیمت میں بیچ رہے ہیں۔" فرقان حسن ڈبل مائنڈڈ ہو رہے تھے۔
"تو کیا ہوا ڈیڈ اب تو ہم اسی گھر کو خریدیں گے اور یہ میرا کمرہ ہو گا۔" خرم نے دبے دبے جوش کے ساتھ کہا۔
ماؤس پر زوبیہ کی گرفت ایک دم ڈھیلی پڑ گئی بے اختیار اس کی نظریں خرم کی طرف اٹھ گئیں جو پوری طرح سے فرقان حسن کی طرف متوجہ تھا۔
"اس کمرے کے آگے بنے ٹیرس سے آپ باہر لان کا ویو دیکھیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے کسی پیراڈائز میں آ گئے ہوں۔ میں اپنا ٹریڈ مل یہاں رکھوں گا۔ مگر میں گیلری کا یہ کلر چینج کروں گا اس پنک کلر سے تو کسی لڑکی کے کمرے کا گمان ہو رہا ہے۔" خرم بڑی سی گلاس وال کے دوسری جانب بنے ٹیرس اور اس سے آگے نظر آتے لان کے دلفریب منظر کو دیکھتے ہوئے کہتا چلا گیا۔
زوبیہ کو لگ رہا تھا کسی نے اس کا دل مٹھی میں لے لیا ہو۔
جس کمرے کو وہ ہمیشہ سے محض اپنی ملکیت سمجھتی آئی تھی آج اسی کمرے کے متعلق کوئی اتنے استحقاق سے بات کر رہا تھا جیسے زوبیہ کا اس کمرے سے کوئی تعلق ہی نہ ہو۔
وہ غیر ارادی طور پر خرم کو دیکھتی چلی گئی اور اسی لیے خرم کو محسوس ہو گیا کہ وہ کسی کی نظروں کی زد میں ہے بے اختیار خرم کی نظر زوبیہ کی طرف اٹھ گئی۔
پہلے تو وہ یہ جان کر چونکا تھا کہ کمرے میں ان تین نفوس کے علاوہ بھی کوئی موجود ہے مگر اس بات پر حیران ہونے کا زیادہ وقت نہیں ملا کیونکہ فوراً ہی اس کی توجہ زوبیہ کی آنکھوں میں ٹھہری نمی نے اپنی جانب کھینچ لی تھی زوبیہ نے اسے متوجہ دیکھ کر بھی اپنی نظروں کا زاویہ نہیں بدلا اسی لیے خرم کی تیزی سے چلتی زبان کو ایک دم بریک لگ گئے حالانکہ زوبیہ اس سے بہت فاصلے پر تھی پھر بھی وہ اس کے چہرے کے تاثرات با آسانی پڑھ گیا تھا۔
اس کمرے میں اس کی موجودگی یہ ظاہر کر رہی تھی کہ یہ اسی کا کمرہ ہے اس لیے جو کچھ بھی خرم نے کہا تھا اسے سن کر اسے کیسا لگا ہو گا یہ خرم بخوبی سمجھ گیا تھا تبھی ایک دم خاموش ہو گیا تھا۔
اس کا اس طرح چپ ہونا فرقان حسن اور مسز فرقان نے محسوس بھی نہیں کیا وہ دونوں اپنی گفتگو میں اتنے مصروف تھے کہ بلال اختر کے کمرے میں واپس آ جانے پر انہیں لگا تھا کہ جیسے ان کی بات درمیان میں ہی ادھوری رہ گئی ہو۔
زوبیہ انہیں دیکھ کر واپس کمپیوٹر اسکرین کی طرف متوجہ ہو گئی یہ اور بات تھی کہ اس کا دھیان اب بالکل بھی

سامنے لکھی عبارت پر نہیں تھا اس کی صرف نظریں اسکرین پر جمی تھیں۔

اسی لیے اسے خرم کی طرف دیکھے بغیر بھی اچھی طرح معلوم تھا کہ خرم بھی بظاہر ہی اس کے والد کی طرف متوجہ ہو گیا تھا مگر اس کا دھیان ابھی بھی زوبیہ کی طرف ہی تھا اسی لیے وہ خاموشی سے فرقان حسن اور بلال اختر کی گفتگو سن رہا تھا۔

"مسٹر بلال مجھے گھما پھرا کر بات کرنے کی عادت نہیں گھر ہمیں بہت پسند آگیا ہے اب آپ اس کی قیمت ایسی بتائیں کہ ہم فوراً "ڈیل" کر سکیں۔" بلال اختر کے چہرے پر واضح طور پر سکون اترتا محسوس ہوا تھا انہوں نے موبائل جیب میں رکھتے ہوئے انکساری سے کہا۔

"میں نے تو قیمت ایسی ہی بتائی ہے کہ فوراً "ڈیل" ہو جائے۔"

"چلیں ٹھیک ہے میں آپ سے فون پر بات کر لوں گا کچھ تفصیلات بھی پوچھنی ہیں مجھے پراپرٹی ٹیکس وغیرہ کے حوالے سے۔" فرقان حسن نے بات سمیٹتے ہوئے جانے کے لیے قدم بڑھائے تو خرم بے ساختہ بول اٹھا۔

"انکل ایک بات پوچھوں۔ آپ اپنا گھر کیوں بیچ رہے ہیں؟" خرم کے پوچھنے پر ایک بار پھر زوبیہ کی نظریں اس کی طرف اٹھ گئیں وہ بلال اختر کو بغور دیکھ رہا تھا زوبیہ بھی انہیں دیکھنے لگی اور تب اسے علم ہوا بلال اختر بھی اسے ہی دیکھ رہے ہیں۔

پہلی بار ان کے چہرے پر زوبیہ نے ایک ملال دیکھا تھا وہ انہیں دیکھتی ہی چلی گئی خود اس کا تاسف بڑھنے لگا تھا تبھی وہ اس سے نظریں چراتے ہوئے آئیں بائیں شائیں کرنے والے انداز میں بولے۔

"بس بیٹے کچھ پیسوں کی ضرورت تھی اور۔۔۔ میں اپنا گھر کہاں بیچ رہا ہوں میں تو مکان بیچ رہا ہوں گھر تو گھر والوں سے ہوتا ہے اپنے گھر والوں کے ساتھ اگر انسان جنگل میں بھی خیمہ لگا لے تو وہ بھی گھر بن جاتا ہے ورنہ بغیر مکینوں کے عالیشان سے عالیشان گھر بھی محض در و دیوار ہیں۔" بلال اختر نے ایکدم بات کو فلسفیانہ رنگ دے دیا۔

فرقان حسن کو ان کی بات بہت پسند آئی وہ انہیں سراہتے ہوئے ان کے ساتھ گھر سے باہر نکل گئے مگر خرم نے ان کا بات گول کر جانا بڑی شدت سے محسوس کیا تھا کیونکہ زوبیہ کی طرف دیکھے بغیر اسے اچھی طرح اندازہ تھا کہ وہ بھی بلال اختر کو ہی دیکھ رہی تھی یہ جاننے کے لیے کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں فرقان کے سوال کا۔

اور جو جواب بلال اختر نے دیا تھا زوبیہ اس پر ہلکے سے سر ہلا کر رہ گئی تھی۔

خرم سب کچھ محسوس کرنے کے باوجود بغیر کچھ کہے چپ چاپ گھر سے نکل گیا۔

☆ ☆ ☆

رومیلہ گھر سے نکلنے لگی تو صبح ہی صبح ابرار بھائی نے اسے یاد دلا دیا۔

"اب تمہاری شادی میں دن ہی کتنے رہ گئے ہیں کیا ضرورت ہے یونیورسٹی جانے کی۔"

رومیلہ کو خود بھی احساس تھا کہ اس کا اب یونیورسٹی جانا بے کار ہے اس کی پڑھائی تو اب چھٹنے ہی والی تھی۔ لیکن وہ پڑھنے کے ارادے سے جا بھی نہیں رہی تھی وہ تو بس تھوڑی دیر کے لیے گھر سے نکلنا چاہتی تھی خاص طور پر اسے سنبل اور نمل سے ملنا تھا۔

نمل سے اس کی بات نہیں ہوئی تھی سنبل کے ذریعے اسے پتا چلا تھا۔ حشام کے ساتھ ہوئے المیہ کے متعلق اسے یقین تھا نمل نے اس موضوع پر عظمت خلیل سے ضروریات کی ہوگی عظمت خلیل کے مزاج کو وہ بھی بچپن سے جانتی تھی اسے پتا تھا نمل عظمت خلیل سے بات کر کے اپ سیٹ ہو گئی ہوگی۔ اسی لیے وہ نمل سے روبرو ملنا چاہ رہی تھی۔

مگر ابرار بھائی کے ایک جملے نے جیسے اسے اک کوفت میں مبتلا کر دیا تھا جسے گاڑی میں بیٹھتے ہی سنبل نے محسوس کر کے پوچھ بھی لیا۔

"آپ تمہارا کیوں موڈ خراب ہے۔" سنبل کے لب پر تو روبہ رو گر کہنے پر رومیلہ گردن گھما کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی نمل کو دیکھنے لگی۔

وہ اس کے اندازے سے زیادہ سنجیدہ لگ رہی تھی رومیلہ خود کو "کیا ہوا؟" کہنے سے بمشکل روک پائی بلکہ گہرا سانس کھینچتے ہوئے نارمل انداز میں کہنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

"میرا کوئی موڈ خراب نہیں ہے بس گھر سے نکل رہی تھی کہ ابرار بھائی نے یاد دلا دیا اب کیا ضرورت ہے پڑھنے کی۔ تو وہی سوچ رہی تھی کیوں جا رہی ہوں یونیورسٹی۔

مجھے تو اب شاپنگ کے لیے جانا چاہیے مسز کلفام کے گھر میں تو کوئی ہے نہیں جو میری تیاری کرے۔ میرے گھر میں کوئی ہے نہیں جو ان سب باتوں پر غور کرے۔ مجھے خود ہی نکلنا پڑے گا اپنے شادی اور ولیمے کے جوڑے کے لیے۔

اور پھر شادی ہو کر ترکی اور جاؤں گی وہاں کے لحاظ سے بھی کچھ تیاریاں کر لوں وہاں جاتے ہی گرم کپڑوں کی ضرورت پڑے گی۔" رومیلہ کی بات پر سنبل تو اچھی خاصی ایکسائیٹڈ ہو گئی مگر نمل کی خاموشی نہ ٹوٹی۔

آخر جب گاڑی یونیورسٹی کے پارکنگ ایریا میں رکی تو رومیلہ اترنے کی بجائے نمل کو دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے بولی۔

"آج یونیورسٹی آف ہونے کے بعد ہم تینوں شائلہ سے ملنے چلیں گے اس کے گھر۔" نمل اس کی بات پر کچھ نہیں بولی اس نے رومیلہ کی طرف دیکھا بھی نہیں بلکہ اسٹیئرنگ پر ہاتھ رکھے ایسے ہی ساکت بیٹھی رہی۔

سنبل بھی سارے راستے خوامخواہ کی غیر ضروری شوخی دکھاتی رہی تھی کہ شاید نمل کا موڈ ٹھیک ہو جائے کچھ نہیں تو کم از کم وہ رومیلہ کی شادی کی تیاریوں پر تبصرہ کرے۔ مگر ساری کوشش ناکام دیکھ کر اب وہ بھی چپ چاپ نمل کی شکل دیکھنے لگی۔

"چلو اترو اب گاڑی سے۔" رومیلہ نے اسٹیئرنگ پر رکھے اس کے ہاتھ کو تھپکتے ہوئے کہا اور خود اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اتر گئی۔

سنبل نے بھی اس کی تقلید کی مگر نمل اپنی جگہ ہی جمی رہی۔

وہ گھر پر ٹھہرنا نہیں چاہ رہی تھی اس لیے یونیورسٹی آگئی تھی لیکن اس کا دل کوئی بھی پیریڈ اٹینڈ کرنے پر آمادہ

نہیں تھا۔

اس کا دل چاہ رہا تھا وہ کسی سے بات کرے نہ کوئی اس سے بات کرے وہ اس وقت مکمل تنہائی چاہ رہی تھی اسی لیے تو وہ گھر پر نہیں رکی تھی کہ رشیدہ اسے کمرے میں بیٹھا دیکھ کر اس کی اداسی دور کرنے کی کوشش کرنے لگیں گی اس کا دل بہلانے کے لیے وہ ادھر ادھر کی باتیں کریں گی جبکہ اس وقت اس کا ذہنی توازن اتنا بگڑا ہوا تھا کہ اسے ڈر تھا وہ کہیں رشیدہ کو کچھ نہ کہہ دے ایک طرح سے وہاں سے فرار ہو کر ہی یونیورسٹی آئی تھی۔

مگر سارے راستے سنبل اور رومیلہ بھی وہی حرکتیں کرتی رہیں۔ جس کا اسے رشیدہ کی طرف سے خطرہ تھا اسے پتا تھا وہ اگر ان دونوں سے بھی کہے گی کہ مجھے اکیلا چھوڑ دو تو وہ کبھی بھی راضی نہیں ہوں گی۔

اسی لیے اب وہ گاڑی میں بیٹھی یہی سوچ رہی تھی کہ ڈیپارٹمنٹ میں جانے کی بجائے کہیں اور چلی جائے مگر سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہاں جائے۔

اور پھر وہ جہاں بھی جائے گی سنبل اور رومیلہ اس کا پیچھا نہیں چھوڑیں گی۔

"ثمل چلو اندر۔" رومیلہ نے اس کی طرف کا دروازہ کھولتے ہوئے محبت سے کہا تو ثمل خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتے رہنے کے بعد گہرا سانس کھینچتے ہوئے گاڑی سے باہر آگئی۔

ڈیپارٹمنٹ سے انہوں نے اپنی گاڑی کافی دور کھڑی کی تھی اور ثمل اکثر گاڑی یہیں کھڑی کرتی تھی۔

ثمل سوچوں میں گم سر جھکائے بڑی ست روی سے چل رہی تھی رومیلہ اور سنبل بھی اس کا ساتھ دینے کے لیے اسی کی رفتار اپنائے ہوئے تھیں اور اسے بولنے پر اکسانے کے لیے زبردستی سوال کر رہی تھیں۔

"یار کیا خیال ہے ہم دونوں رومیلہ کی شادی میں پارلر سے تیار نہ ہو جائیں ہم کبھی پارلر میں تیار نہیں ہوئے۔" سنبل نے بڑے جوشیلے انداز میں پوچھا مگر ثمل نے کوئی جواب نہ دیا البتہ رومیلہ نے ڈپٹنے والے انداز میں کہا۔

"لو میری تو فکر ہے نہیں کہ میں کہاں سے تیار ہوں گی اور اپنی....." رومیلہ کی بات ابھی پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ رومیلہ اور ثمل جو بالکل برابر برابر میں چل رہی تھیں پیچھے سے پڑنے والے زوردار دھکے پر اپنی جگہ سے لڑکھڑا گئیں۔

کوئی شخص ان دونوں کے درمیان سے انہیں چیرتا ہوا اس بدتمیزی سے نکلا تھا کہ اس کے ہاتھ میں موجود پیپسی کی بوتل پوری کی پوری ثمل کے اوپر الٹ گئی تھی۔

"اوہ سوری میں نے دیکھا نہیں تھا۔" وہ تینوں ابھی اس افتاد پر سنبھلی بھی نہیں تھیں کہ اس نے بڑے چھچھورے انداز میں مسکراتے ہوئے نا صرف معذرت کی بلکہ جیب سے رومال نکال کر وہ ثمل کے کپڑوں پر گری پیپسی کو صاف کرنے کے لیے بڑی ڈھٹائی سے آگے بڑھا تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ ثمل کو چھوتا ثمل کا ہاتھ پوری قوت سے اس کے منہ پر نشان چھوڑ گیا تھا۔

"تم نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا۔" وہ نہ جانے کون تھا ان تینوں نے اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا مگر شکل اور حلیے سے وہ بالکل لوفر لگ رہا تھا۔

ثمل کا زوردار تھپڑ کھا کر اس کا چہرہ غصے سے لال ہو گیا تھا وہ بڑے جارحانہ انداز میں ثمل کی طرف بڑھا تھا کہ سنبل اور رومیلہ خوف سے تھرا گئی تھیں۔

(باقی ان شاء اللہ آئندہ ماہ ملاحظہ فرمائیں)

☼ ☼

شعیب بظاہر نیوز پیپر میں گم ضرور تھا لیکن حقیقتاً "وہ کنکھیوں" کے اس پرزے کی اوٹ میں ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی وینا کو بڑی گہری اور پرسوچ نظروں سے دیکھ رہا تھا جو کچھ دیر پہلے تک حسب معمول بلیک سلیولیس نائٹی پہنے کاٹن اسفنج کی مدد سے اسکن کی کلینزنگ کر رہی تھی لیکن اب اس کی تمام تر توجہ جدید ماڈل کے ننھے سے موبائل فون کی طرف تھی جس پر وہ پچھلے دو تین منٹ سے محو گفتگو تھی۔

"ارے نہیں ڈیئر' ڈریس تو میرا ہمیشہ کی طرح سرپرائز ہی رہے گا اس لیے کلر تک نہیں بتاؤں گی۔" فون سننے کے ساتھ ساتھ اس کے ہاتھ بڑی مہارت سے کلینزنگ میں بھی مصروف تھے۔

"ہاں یہ تو ہے روز تو ہر کلر میں روز ہی رہتا ہے نا۔" دوسری طرف سے کی گئی تعریف پر وہ مزید اترائی تھی۔

"شکیل کی بات تو تم رہنے دو' وہ تو باتیں بنانا جانتا ہے اور بس۔"

وینا نے قہقہہ لگا کر بات کرنے کے بعد چند الوداعی کلمات کہے اور فون بیڈ کی طرف اچھال دیا یہ دیکھے بغیر کہ شکیل کے نام پر شعیب کی رگیں تن سی گئی تھیں سو ہزار کوشش کے باوجود آخر بول اٹھا۔

"وینا! کیا پھر کہیں انوائٹڈ ہو؟"

لہجے کو حتی المقدور نرم رکھتے ہوئے اس نے تمہید باندھی تھی۔

"ہاں پیٹو کی برتھ ڈے پارٹی ہے کل تم بھی میرے ساتھ چل سکتے ہو۔"

کلینزنگ کرنے کے بعد اس نے کاٹن اسفنج قریب رکھے ڈسٹ بن میں ڈالا اور آنکھیں بند کر کے چہرے پر روز واٹر کا ہلکے ہلکے اسپرے کرنے لگی۔

"یو نو وینا کہ مجھے اس قسم کی پارٹیز بالکل پسند نہیں ہیں۔"

لہجے کی تلخی اس نے محض جبڑوں تک محدود کی تھی کہ زبان تک لے جانے کی صورت میں یقیناً "امن" خطرے میں پڑ جاتا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ ہمیشہ کی طرح بات چیت ملہار سے شروع ہو کر راگ بھیرویں پر ختم ہو۔

"تم کیا پسند کرتے ہو اور کیا نہیں۔ یہ سب تو تمہیں پہلے سوچنا چاہیے تھا۔ ویسے بھی مجھے تو اس سب میں کوئی برائی محسوس نہیں ہوتی۔" استہزائیہ انداز میں جواب ملا تھا۔

"ہونہہ برائی تو تب نظر آئے گی جب برائی کو برائی سمجھو گی۔"

"کم آن شیبی۔ اب تم وینا گروپ آف کمپنیز کے مالک ہو کھرچ ڈالو اپنے دماغ سے اس چھ مرلے کے گھر کی مڈل کلاس سوچ کو۔ اور خود کو اس ماحول میں ایڈجسٹ کرنے کی کوشش کرو ورنہ بلیو می تم بہت پیچھے رہ جاؤ گے۔"

شعیب کی کہی گئی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے اس نے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے سے اٹھ کر پرفیوم کا ہلکا سا اسپرے کیا۔ مسکراتے لبوں اور بولتی آنکھوں سے اس کے ہاتھ سے نیوز پیپر لے کر سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور لائٹ آف کر کے اس کے قریب چلی آئی۔

✡ ✡ ✡

"واصف صاحب' سٹی برانچ میں کام کا لوڈ روز بروز بڑھتا جا رہا ہے اس لیے میرا خیال ہے ... کمار چونکہ اس پوسٹ پر کام کرنے کی بہترین قابلیت اور مہارت رکھتا ہے تو کیوں نا اسے پروموشن دے کر سٹی برانچ میں ٹرانسفر کر دیا جائے اور ہیڈ آفس کے لیے کوئی نئی اپائنٹ کر لیں۔"

شعیب نے ... کے تبدیل شدہ ٹائم ٹیبل پر سائن کر کے فائل واصف صاحب کو تھماتے ہوئے ان سے مشورہ طلب انداز میں ڈسکس کیا تھا۔

"بالکل درست' میرا بھی یہی خیال تھا کیونکہ مہارت اور تجربے کے علاوہ وہ نا صرف ورکرز سے ڈیل کرنے میں ماہر ہے بلکہ انتہائی ایماندار اور اپنے کام سے کام رکھنے والا لڑکا ہے۔"

واصف صاحب نے حسب توقع اس کی تائید کی تھی۔

گو کہ خود شعیب نے بزنس ہی پڑھ رکھا تھا لیکن تھیوری اور پریکٹیکل میں بہرحال فرق ہوتا ہے اس لیے بے شک فیصلہ وہ اپنی عقل کے مطابق ہی کرتا تھا لیکن چند سینیئرز سے مشورہ ضرور لے لیتا تھا۔

"بس تو پھر ٹھیک ہے آپ ایسا کریں آج ہی چند ڈیلی نیوز پیپرز میں ایڈ دے دیں تاکہ جتنی جلدی ہو سکے یہ ویکنسی فل کر دی جائے۔"

گفتگو سمیٹتے ہوئے شعیب نے کہا تو واصف صاحب بھی گردن ہلاتے ہوئے چیئر پیچھے کھسکا کر اٹھ گئے۔

✡ ✡

ثمن ہر جنڈی کو ... دیکھنے کے بعد آخر کار انہیں ... کچن سے نکلی تو اماں کے گرد ... چکر کاٹنے لگی بہانے بہانے ان سے ... کی کوشش کرتی لیکن وہ "ہوں" "ہاں" کے علاوہ کسی خاطر خواہ جواب کے لیے تیار نہ تھیں۔

رانیہ اور محسن اپنے کمرے میں کمپیوٹر پر کوئی ویب سائٹ وزٹ کر رہے تھے تھوڑی دیر تو وہ یونہی بلا مقصد ادھر ادھر چلتی پھرتی رہی لیکن پھر بے چین ہو کر ان کے پاس ہی آ بیٹھی۔

"اماں پلیز اٹھ کر بیٹھیے نا ابا بھی آتے ہی ہوں گے۔"

ثمن نے ماں کا کندھا ہلاتے ہوئے کہا جو کتنی ہی دیر سے دیوار کی طرف منہ کر کے لیٹی ہوئی تھیں اور اس کے بلانے پر بھی ان کی سابقہ کیفیت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

"اماں! میری پیاری ماں' اٹھ جائیں نا' ورنہ آپ کو افسردہ دیکھ کر ابا پھر ناراض ہوں گے۔" اب کی بار اس نے پیار سے انہیں ہلکا سا جھنجھوڑا تو کہنیوں پر زور ڈالتے وہ واقعی اٹھ بیٹھیں تو ثمن نے دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا کیونکہ ان کی خاموشی ثمن کو ہلائے جا رہی تھی اور پھر یہ بھی سچ تھا کہ گھر کے اس قدر افسردہ ماحول میں وہ خود اپنے آپ کو گھٹن اور بے بس محسوس کر رہی تھی لیکن ... ہمت کر رہی تھی۔

"کیا کریں ... سب کے ہوتے ہوئے بھی یہ گھر مجھے کاٹنے کو دوڑتا ہے ہر چیز اور ہر جگہ میں اسی کی صورت نظر آتی ہے۔"

آنکھوں میں ہلکورے کھاتی نمی کو انہوں نے روکنے کا تردد نہیں کیا تھا۔ جبھی جذبات کی شدت کے باعث نمی آنسوؤں کی شکل اختیار کر گئی۔

"اماں آپ تو ہمیشہ اوپر والے کی رضا میں راضی ہوتی ہیں نا تو پھر۔ پھر اب کیوں نہیں؟"

برآمدے کے ستون سے لپٹی منی پلانٹ کی تقلید میں اس نے ماں کے گرد بازو حمائل کیے تھے۔

"اور پھر یہ سب کچھ ایسے ہی ہونا تھا اگر آپ یوں پریشان رہیں گی تو کیا سب کچھ پہلے جیسا ہو جائے گا۔"

ثمن نے انہیں رونے سے نہیں روکا تھا جانتی تھی کہ دیوار کی طرف رخ کر کے لیٹنے کا بنیادی مقصد سب سے چھپ کر آنسو بہانا ہی ہے۔ ویسے بھی وہ چاہتی تھی کہ ابا کے آنے تک مطلع صاف ہو جائے۔

"آپ سوچیں ہم سب تو ایک دوسرے سے کہہ سن کر اپنے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لیتے ہیں اور ابا۔ جو آج تک نہ تو ہمارے سامنے کبھی روئے اور نہ ہی ہم سے ایک لفظ ہی کہا کہ کسی طور دل ہلکا ہو جائے۔ غور کریں اماں کہ ابا تو بس اندر ہی اندر چپ چاپ اپنی ذات میں کہیں گم ہوتے جا رہے ہیں۔"

ثمن کی بات پر اماں نے ایکدم سر اٹھایا۔ نفس میں جلتی ان گنت چنگاریوں میں یکایک اضافہ ہونے لگا تھا۔

"ایسے میں جب آپ بھی ان کے سامنے بات بے بات رونا شروع کر دیتی ہیں تو اپنا کرب اور دکھ ظاہر نہ کرنے کی کوشش میں یقیناً" ان کے اعصاب شل ہو جاتے ہیں اور آخر وہ غصہ کرنے لگتے ہیں۔" ثمن گھر میں سب سے بڑی تھی اور سمجھدار بھی اسی لیے وقتاً "فوقتاً" موقع دیکھ کر ماں کو سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کرتی۔

"میں بہت کوشش کرتی ہوں ثمن.... مگر کیا کروں دل ہے کہ سنبھلتا ہی نہیں ہے۔"

ابھی وہ مزید کچھ کہنے ہی والی تھیں کہ باہر سے ابا کی گاڑی کی آواز آنے لگی۔

"بس اماں، جلدی سے باتھ روم جا کر منہ دھو لیں تاکہ ابو کو آپ کے رونے کا پتا نہ چلے۔"

ثمن نے جلدی سے آڑے ٹیڑھے سلیپرز سیدھے کر کے انہیں باتھ روم بھیجا اور خود ہارن کے جواب میں تیز قدموں سے گیٹ کھولنے چل دی۔

☼ ☼ ☼

"ہاں بھئی شعیب آفس تو ٹھیک جا رہا ہے نا؟"

اس رات اتفاق سے رضوی صاحب کھانے پر ان دونوں کے ساتھ موجود تھے۔

"جی بالکل، اب تو سٹی برانچ کی پروگریس بھی بہت بڑھ گئی ہے۔"

شعیب نے کھانے کے بعد تھوڑی سی ڈیزرٹ باؤل میں ڈالتے ہوئے فخریہ انداز میں کہا تھا۔

"ویلڈن، لیکن ویسے بھی مال سمیٹنے کے لیے بھی عقل کی ضرورت ہوتی ہے جو تم میں بہت ہے اسی لیے تو وینا نے تمہارے ہاتھ میرے جیب سے ڈائریکٹ لاکرز تک پہنچا دیے ہیں۔" رضوی صاحب نے بغیر کسی لگی لپٹی کے ڈائریکٹ چوٹ کی تھی یوں بھی وہ ہمیشہ شعیب کو اپنی بیٹی کی غلطی قرار دیتے ہوئے اس سے چڑے ہی رہتے تھے۔ اور طنزیہ گفتگو تو اب ان کا انداز تخاطب بنتی جا رہی تھی۔

شعیب نے چمچہ منہ میں لے جاتے ہوئے ایک دم روکا خود وینا نے بھی جوس پیتے ہوئے گلاس لبوں سے دور کر کے کن انکھیوں سے شعیب کو دیکھا جس کے اندر اس وقت یقیناً "جوار بھاٹے ابل رہے تھے۔

"اور ہاں اسٹاف سے زیادہ فری ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ سب نچلے طبقے کے لوگ ہیں ذرا انگلی پکڑانے پر ہاتھ تو کیا پورا بازو پکڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سو ان سے فاصلے پر رہا کرو۔" شعیب کی طرف

ٹیڑھی نظروں سے دیکھتے ہوئے انہوں نے بات ختم کی اور چیئر کھسکا کر اسٹڈی کی طرف چل دیے۔

"وینا، تم دیکھ رہی ہو نا یہ سب۔" شعیب نے خشمگیں نظروں سے وینا کو دیکھا۔

"میں یہ ہرگز برداشت نہیں کر سکتا کہ پاپا یوں ہر وقت مجھے ذلیل کرتے رہیں۔"

"شعیب، برداشت تو تمہیں کرنا پڑے گا کیونکہ ہم پاپا کے گھر میں رہتے ہیں اور ان کے سامنے بولنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ بہر حال تم پلیز اپنا موڈ ٹھیک کرو میں کل پاپا سے بات کروں گی۔"

"ہونہہ بات کروں گی۔"

شعیب نے جھنجلا کر اسی کے الفاظ دہرائے اور اٹھ کر کمرے کی طرف قدم بڑھا دیے چاروں طرف اڑتے بگولوں نما نظریات اور خیالات کی جنگ یقیناً" اس کے اندر زور پکڑ چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

آج نیو اپائنٹمنٹ کے سلسلے میں انٹرویوز جاری تھے۔ پچھلے تین گھنٹے سے مختلف امیدواروں سے بات کرتے کرتے اب وہ اوبنے لگا تھا کہ لڑکیاں اپنی قابلیت پر بھروسہ کرنے کے بجائے میک اپ، چست لباس نئی طرز کے ہیر اسٹائلز اور اداؤں کا سہارا لے کر نوکری حاصل کرنے پر زور لگا رہی تھیں۔ جبھی وہ اس مختصر دورانیے میں اکتا کر رہ گیا تھا اور تھکاوٹ محسوس کرنے لگا اس کا خیال تھا کہ باقی انٹرویو اب کل پر رکھے جائیں یہی سوچ کر اس نے آخری امیدوار کو اندر بھیجنے کے لیے بیل دی۔

"مے آئی کم ان سر۔" باوقار انداز میں سر پر دوپٹہ جمائے وہی کرنوں سا روپ لیے دروازہ کھول کر رسمی طور پر پوچھا گیا یہ جملہ شعیب کے اعصاب پر بجلی بن کر گرا تھا۔

"راضیہ تم۔"

حیرت کا ایک شدید جھٹکا سا تھا جو اس کے وجود کو بے طرح لپیٹ میں لینے لگا تھا آج کتنے مہینوں بعد

دونوں کی ملاقات ہو رہی تھی حیرت اور خوشی کا احساس دونوں ہی کے چہروں سے نمایاں طور پر عیاں تھا۔

"شعیب تم..... اور یہاں؟" راضیہ نے اپنی بڑی بڑی آنکھوں کو مزید پھیلایا کہ یوں اچانک ہو جانے والی ملاقات کے بارے میں تو اس کے ذہن میں کبھی شائبہ تک نہ اترا تھا۔

یہ الگ بات ہے کہ اس کے جانے کے بعد اس سے ایک بار پھر ملنے کی خواہش راضیہ کی دعاؤں میں آیات کی طرح شامل تھی۔

"ہاں میں اور یہاں؟" اپنی ذات پر طنز کرتا وہ عجیب زخم خوردہ سی ہنسی ہنسا تھا۔

"یہ میرا ہی آفس ہے۔ لیکن تم۔ تمہیں گھر سے اجازت کیسے مل گئی جاب کی؟"

وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا تھا گزرے وقت کی حسین یادیں اس کے چہرے پر لحہ بھر دھنک بکھیرنے کے بعد جھٹپٹوں کے اندھیرے میں غائب ہونے لگی تھیں۔ اور پھر وہ کتنا بھی تو کیا.... کہ یہ حق تھا تو اس نے اپنی رضا سے گنوا دیا تھا۔

"پہلے کی بات اور ہے شعیب، بہت کچھ اب پہلے جیسا نہیں رہا۔ تم۔ گھر والے اور خود میں۔"

گہری سانس خارج کر کے اس نے شاید خود کو نارمل کرنے کی کوشش کی تھی۔

"کچھ بھی تو پہلے جیسا نہیں ہے نہ وہ دن جب دنیا بھر کی باتیں ہم سہیلیوں کی طرح سر جوڑے کرتے رہتے تھے اور نہ وہ تعلق جس پر کبھی مجھے مان ہوا کرتا تھا۔"

بات کرتے کرتے راضیہ کا گلا رندھنے لگا تو شعیب نے فوراً "پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھایا جسے شکریہ کہہ کر راضیہ نے لینے سے انکار کر دیا اور شکایتی نظروں سے یوں اسے دیکھنے لگی جیسے ان آنسوؤں کا ذمہ دار اسی کو ٹھہرا رہی ہو۔

"پانی پینے سے ان ظاہری آنسوؤں کی شدت میں تو یقینی طور پر کمی آ جائے گی لیکن وہ آنسو جو ہر وقت دل کی بنیادیں کمزور کرتے رہتے ہیں ان کے آگے بند کون باندھے گا۔"

"راضیہ میں ....."

"پلیز شعیب اب یہ الفاظ کو زحمت نہ دو اینڈ آئی ایم ریئلی سوری کہ تمہارا قیمتی وقت ان باتوں میں ضائع کیا جن کی تمہارے نزدیک اب کوئی تعود ہی نہیں ہے۔" الفاظ چباتے ہوئے راضیہ نے درد زدہ نظروں سے اسے دیکھا اور فائل سنبھالے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تمہاری یہ ایلفاظ اپنی جگہ، لیکن جس مقصد کے لیے تم آئی تھیں اسے یوں نظر انداز کرنا کہاں کی دانش مندی ہے۔"

اتنے دنوں بعد ملاقات ہونے پر وہ اتنی جلدی اور یوں ناراض ہی چلی جائے گی یہ خیال ہی شعیب کے لیے سوہان روح تھا۔

"نہیں نہیں دانشمندی تو وہ ہے جو اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے تم نے دکھائی۔" مسکراتے ہوئے راضیہ نے بڑی گہری چوٹ کی تھی اس پر۔

"مجھے معاف کر دو راضیہ! میں تم سمیت بہت سے لوگوں کا مجرم ہوں لیکن خدا گواہ ہے کہ میں نے یہ قدم نیک نیتی سے بغیر لالچ کے اٹھایا تھا یہ الگ بات کہ درست منزل پانے کے لیے میں غلط بلکہ بہت غلط راستے کا انتخاب کر بیٹھا۔"

شعیب کے وجیہہ چہرے پر لہراتے مایوسی کے تاریک سائے کے پس منظر میں ٹوٹے لہجے میں تھکن سموئے بات کرنے والا یہ تو کوئی اور ہی شعیب تھا۔ یہ وہ نہیں تھا جسے وہ بڑے پیار سے موڈ میں آکر "مجنوں" کہا کرتی تھی جس کی ذرا سی پریشانی اس کے ہاتھ پاؤں پھلا دیتی اور جب وہ شرارت سے اس کے دراز بالوں کی چوٹی کھینچتا تو وہ مصنوعی ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے منہ پھلا لیتی لیکن شعیب سے ناراض ہونا ہمیشہ ہی اس کے لیے دنیا کا کٹھن ترین کام ثابت ہوتا جبھی چند لمحوں بعد وہ دونوں ہاتھ پر ہاتھ مار کر ایک بار پھر ہنس رہے ہوتے۔

کبھی اداس نہ ہونے والے شعیب کی سرخی آنکھوں کے کنارے سے چھلکتا پانی دیکھ کر راضیہ کو

جیسے ہفت افلاک دھیرے دھیرے اپنے اوپر سرکتے محسوس ہونے لگے۔ دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا تھا۔

"تمہیں یہاں جاب کرنے پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اپنی قابلیت کے لحاظ سے تم اس پوسٹ کے لیے ڈیزرو کرتی ہو۔ اور یقین کرو راضیہ میں نا صرف اپنے کیے پر شرمندہ ہوں بلکہ ان سب باتوں کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ ایک بار پھر اپنی زندگی خود جینا چاہتا تھا اور اس مقصد کے حصول کے لیے راضیہ کو منانا ہی پہلا قدم تھا۔

"جاب تو کہیں بھی مل جائے گی شعیب! ایک در بند تو سو کھلا، مجھے تمہاری ہمدردی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

راضیہ کے چہرے کے اتار چڑھاؤ نے اس کے کمزور لہجے کا ساتھ دینے سے بالکل انکار کر دیا تھا۔

"تو ہمدردی کون کر رہا ہے؟ تمہاری کوالیفکشن ہماری ریکوائرمنٹ پر سو فیصد پوری اترتی ہے۔ صرف ہمدردی کی بنیاد پر تمہیں جاب دے کر میں باقی سب کو بھلا کیا جواز دوں گا۔"

شعیب اسے ہر صورت قائل کرنا چاہتا تھا۔

اور یہ بات تو راضیہ بھی اچھی طرح جانتی تھی کہ اس جیسی لڑکی کے لیے جاب کرنا کس قدر آزمائشی عمل ہوتا ہے جب گھر سے نکلنے سے واپس جانے تک کتنی ہی نظریں چیرتی ہوئی سخت ذہنی اذیت سے دوچار کرتی ہیں اور پھر یہاں جاب کرنے کی صورت میں نا صرف اسے دلی سکون ملتا بلکہ ذہنی طور پر بھی وہ مطمئن رہتی کہ یہاں اتنا وقت اکٹھے گزارنے کے بعد ٹوٹے ہوئے تعلق کو دوبارہ جوڑنا بھی یقیناً آسان رہتا۔

یہ خیال ذہن میں آتے ہی دل میں ہزار گلے شکوے ہونے کے باوجود اس نے کل سے آنے کی ہامی بھرتے ہوئے رسمی کارروائی پوری کرنے کے لیے اپنی درخواست اور سی وی جمع کروا دی۔

☆ ☆ ☆

"شعبی ڈیئر تم پاپا کی باتوں کا ہرگز برا مت مانا کرو تمہیں پتا ہے ناکہ ان کی عادت ہی کچھ ایسی ہے۔ اور ویسے بھی تم سے شادی کیونکہ میں نے ان کی مرضی کے خلاف اور اپنی نام نہاد سوسائٹی کی روایات سے ہٹ کر کی ہے بس اسی لیے وہ تم سے ریزرو رہتے ہیں۔"

شعیب کے کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ میگزین پرے رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور اس کا کوٹ کے کریزنگ کرتے ہوئے سمجھانے کی کوشش میں مصروف تھی۔

"ریزرو رہنا اور بات ہے وینا اور بے عزتی الگ فعل اور پھر گھر کے ملازموں کے سامنے وہ اس طرح کا بی ہیو کرتے ہیں کہ میں خود کو بہت کمتر محسوس کرنے لگتا ہوں۔"

آج اسے آفس میں معمول سے زیادہ دیر ہو گئی تھی۔ لاؤنج میں رضوی صاحب سے مڈبھیڑ ہونے کے بعد اتفاقاً وینا بھی گھر پر تھی تو تائی کی بات ڈھیلی کرتے ہوئے فوراً اس سے شکایت کر دی۔

"کوئی کچھ بھی کہے شعیب لیکن میں تو..." شعیب گرنے کے سے انداز میں صوفے پر بیٹھا تو وینا بھی اس کے پاس بیٹھ گئی لیکن آج اس کے وجود سے اٹھتی aRmani کی دلفریب مہک اور رنگ و بو سے بھرپور لمس بھی شعیب کو اس کنٹروی حقیقت سے فرار میں مدد نہیں دے رہا تھا جس کا احساس رضوی صاحب اسے اکثر دلاتے رہتے تھے۔ اب بھی وہ بولا۔

"وینا میں ... کی ہے۔ خود کو بچا نہیں پا رہا ... کہ سارا دن آفس میں سر کھپائی کرنے کے بعد گھر آ کر بھی ان کے طعنے تشنے سنتا رہوں۔"

ضبط کی ٹرین برداشت کی پٹری سے ہولے ہولے اترنے کو بے تاب تھی۔ خود وینا ان تمام معاملات پر بے حد پریشان رہا کرتی تھی لیکن بہرحال شعیب کے سامنے اپنی کیفیت ظاہر کر کے اسے مزید دکھ نہیں دینا چاہتی تھی۔ جبھی بات بدلتے ہوئے اس کے بال بنے

لاڈ سے بگڑ کر بولی۔

"کام ڈاؤن شعبی۔ ریلیکس۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"ہونہہ خاک ٹھیک ہو جائے گا۔" اس کا غصہ کسی طور ٹھنڈا ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔ یوں بھی جب سے راضیہ سے اس کی ایک بار پھر ملاقات ہوئی تھی وہ ہر وقت پچھتاوؤں کے انگاروں پر جلتا رہتا۔ یہ احساس کرب کی صورت اب ناسور بنتا جا رہا تھا کہ وہ اپنی زندگی کی بہت بڑی غلطی کر چکا ہے۔

وینا نے اس کی یہ کیفیت دیکھی تو ... پاپا کے لیے غصہ بھرنے لگا ... چاہنے کے باوجود بھی پاپا کی حمایت میں دماغ کے ... پر اس نے سر جھٹک دیا۔

"میں ... تمہارے ساتھ بیٹھتی لیکن کل ایک بہت ... ہے۔ سی کے گھر اسی سلسلے میں میری ... سے اپائنٹمنٹ ہے۔"

وارڈ روب کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے شہر کی مشہور بیوٹیشن کا نام لیا تھا۔

"میں تمہیں کتنی مرتبہ کہہ چکا ہوں کہ مجھے اس طرح کی پارٹیز پسند نہیں ہیں جن میں نام نہاد لبرل لوگ دل میں انتہائی سطحی اور گھٹیا سوچ لیے ایک دوجے سے ملتے ہیں۔ اینڈ فار گاڈ سیک تم بھی انہیں نظر انداز کیا کرو تو بہتر ہو گا۔"

ماتھے پر شکنوں کا جال بچھائے سرد لہجے میں گویا حکم دیا گیا تھا۔

"او شعبی، چھوڑو اب یہ مڈل کلاس سوچ، پتا ہے کس قدر شرمندگی ہوتی ہے مجھے جب سب تمہارا پوچھتے ہیں۔ میں تو بہانے کر کے بھی تھک گئی ہوں۔ بہتر ہے تم بھی میرے ساتھ انجوائے کیا کرو۔"

"انجوائے؟" سوالیہ لہجے میں وہ چیخا مگر پاؤں کو جوتوں کی قید سے آزاد کرنے کے بعد نرم دبیز کارپٹ کا لمس محسوس کیا تو ذہن پر بھی خاطر خواہ اثر محسوس ہوا جبھی پہلے کے مقابلے میں کچھ بہتر لہجہ اپناتے ہوئے بولا۔

"جانتی ہو ناکہ ہمارے درمیان ہونے والے روز روز کے جھگڑوں کی ایک وجہ تمہاری یہی پارٹیز اور فرینڈز ہیں۔ ... سے خود کو مکمل طور پر بدلنے ... کرنے کے باوجود آج تم کیا کر رہی ہو؟ کبھی ... یہ سب؟"

"وہ ... خود کو چینج میں کروں لیکن کیوں؟" بستر میں لٹکتے جارجٹ کے رائل بلو زر اوزر شرٹ کو بیڈ پر پھینک کر وہ نسبتاً مدھم لہجے میں بولی تھی۔

"وینا کہاں ہے تمہاری محبت کی شدت، وہ جنون اور پاگل پن جو صرف میرے لیے تھا؟ کیا ہم نے اس طرح کی زندگی کے خواب دیکھے تھے جس میں ہر وقت کی ذہنی اذیت ہو۔ اور بس۔ پچھتاتا ہوں اس وقت کے فیصلے پر۔"

شعیب بات کرتے ہوئے بالوں میں انگلیاں پھنسا کر اب صوفے سے ٹیک لگا چکا تھا۔ لیکن اس کی بات نے وینا کا دل یوں توڑا کہ اسے آواز تک محسوس نہ ہوئی۔

"میرے تمام جذبے ابھی بھی صرف تمہارے لیے ہیں شعبی لیکن تم روز بروز کمپلیکس کا شکار ہو رہے ہو اور بس۔" شعیب نے رخ موڑ کر شکایتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"تم خود سوچو جب تمہیں اس سوسائٹی میں موو کرنا ہے تو پھر چینج بھی تو تمہیں ہی کو ہونا پڑے گا۔ پلیز ان باتوں سے اپنی اور میری لائف یوں مشکل نہ بناؤ۔"

شعیب کے ساتھ زندگی گزارنے کا جو خواب اس نے دیکھا تھا نہ چاہنے کے باوجود آہستہ آہستہ اس کی تعبیر کا ہیولہ بگڑتا جا رہا تھا۔

اپنی اپنی جگہ دونوں ہی ڈیپرس تھے اور ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھہرا رہے تھے۔ زندگی کی گاڑی حیرت انگیز طور پر پہلے ہی گیئر میں آؤٹ آف کنٹرول ہونے لگی تھی۔ وینا سوسائٹی میں ہر وقت "دیو" "دقیانوسی" اور "تنگ نظر شوہر" کا انتخاب کرنے پر طنزیہ فقرے سنتی اور شعیب ضمیر کی عدالت میں گزرا وقت کے دائر کردہ مقدمے میں حیرانی سے ملزم بنا پھول اور خوشبو کی طرح

ایک دوجے کے ساتھ رہنے کی خواہش کے باوجود وہ بنا کو بھاگتی ٹرین کے مناظر کی طرح خود سے دور ہوتا دیکھتا رہتا۔

☼ ☼ ☼

اداسی کی چادر اوڑھے ہلکی ہلکی ٹھنڈ کا آغاز ہوتے ہی وقت کی پروا کیے بغیر شعیب کے دل کی پوٹلی سے بھولی بسری یادیں اور بچھڑے لوگ ایک ایک کرکے اپنا احساس دلانے کو آن موجود ہوتے اپنے کیے گئے غلط اقدام کی تلافی اب یقیناً" ناگزیر ہوتی جارہی تھی۔ وہ سب رشتے جو اس کے لیے کل کائنات تھے وقت کی دھند میں اپنا پیکر ضرور کھو بیٹھے تھے لیکن وہ سورج کے نکلنے کا دعا گو تھا جس کی تیزی اور چمکیلی دھوپ میں یقیناً" سب کے نکھرے نکھرے وجود پہلے کی طرح اس کے سامنے ہوتے۔

ایک نئی کمپنی کے ساتھ کیے گئے کنٹریکٹ کے قواعد و ضوابط پڑھتے ہوئے شعیب کی آنکھیں لاشعوری طور پر راضیہ کے چہرے پر جا رکیں۔ کام کی زیادتی کے باوجود براؤن دوپٹے کے ہالے میں اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔ کمپیوٹر اسکرین سے نظریں ہٹائے بغیر بڑی تیزی سے اس کی انگلیاں مختلف حروف کو الفاظ کی شکل دیتے ہوئے مانیٹر پر منتقل کررہی تھیں۔ جنہیں بعد میں پرنٹ آؤٹ کی صورت میں اسی کے سامنے آنا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ راضیہ کو دیر تک کمپیوٹر پر کام کرنا کبھی بھی پسند نہیں رہا تھا لیکن اب وہ پچھلے دو دو گھنٹوں سے تمام سپلائرز کا ریکارڈ کمپیوٹر پر منتقل کررہی تھی اور گو کہ اس کی خواہش پر راضیہ نے یہاں جاب کی تھی لیکن وہ جانتا تھا کہ ناراضی تاحال قائم ہے۔ اور ناخوش تو اس کے والدین بھی تھے لیکن راضیہ کو دکھ دینے کا ملال اپنی جگہ تھا۔ وہ راضیہ جسے شعیب کی موجودگی میں کبھی اور دوست بنانے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی [illegible] اپنی ذات سے بڑھ کر شعیب کے لیے [illegible] تھی۔

ایف ایس سی تک اکٹھا پڑھنے کے بعد فیلڈ اور ادارے مختلف ہوئے اور وہیں یونیورسٹی میں شعیب اور روبینا کی پہلی ملاقات ہوئی جو یونیورسٹی کو الوداع کہنے تک محبت سے عشق تک جا پہنچی اور اتفاق سے یہی وہ واحد معاملہ تھا جس سے اس نے راضیہ کو بے خبر رکھا تھا اور پھر جب اس نے بتانا چاہا تو گھر والوں سمیت راضیہ بھی کچھ سننے پر تیار نہ ہوئی کہ وہ کسی اور ذریعے سے مکمل پریم کہانی پہلے ہی سن چکی تھی جبھی شعیب نے چھپانے اور کسی اور کے منہ سے سارا معاملہ جاننے کے بعد روٹھنا لازمی ٹھہرا۔

"یہ نٹ کھٹ سی لڑکی جانے اب بھی ویسی ہی شرارتیں کرتی ہوگی کہ نہیں۔

"ہنستے ہنستے شاید اب بھی اس کی آنکھوں میں پانی تیرنے لگتا ہوگا۔ لیکن اتنے سارے دنوں میں میں نے تو اسے ہنستے ہوئے دیکھا ہی نہیں۔"

اپنے آفس کی ہاف گلاس وال سے وہ اکثر دیکھتا اور دل میں نہ جانے کیا سوچنے لگتا" یہ دھیان کیے بغیر کہ اگر راضیہ کی توجہ اس کی طرف نہیں تو کیا دفتر کے کئی لوگ کن انکھیوں سے اس کی سرگرمیوں کو نوٹ کررہے ہیں۔

یوں تو اس کے آفس کے عین سامنے صرف راضیہ ہی کی جگہ تھی اور باقی اسٹاف ذرا ہٹ کر بیٹھتا مگر دیکھنے والے تو قیامت کی نظر رکھتے ہیں۔

دوسری طرف جس کی خاطر اس نے ساری دنیا سے منہ موڑا" ماں باپ تک [illegible] ان سے دور ہو گیا" وہی روبینا اب اسے شاید [illegible] ذہن میں نظر آنے لگی تھی۔ جبھی اب اس کے نزدیک سب سے اہم کام راضیہ کو منانا تھا۔ جب تک اس کا روٹھ شعیب کے معاملے میں [illegible] ماں ابا کا راضی ہونا بھی ایک مشکل مرحلہ تھا۔ یونہی نہ جانے وہ کب تک سوچتا ہی رہتا کہ [illegible] کی آمد نے اس کے خیالات کا تسلسل توڑ دیا۔ وہ ٹیبل کے دوسری جانب بیٹھا راضیہ سے شاید پروڈکٹس کی مزید ڈیمانڈ کے متعلق خیالات کا تبادلہ کررہا تھا۔

شریف اور عزت دار گھرانے سے تعلق رکھنے

والے زوار سے وہ پہلے بھی کئی مرتبہ مل چکا تھا۔ اس کی آنکھوں میں سجے مستقبل کے خواب اور اس کی محنت دیکھ کر شعیب نے اسے ترقی کے مدارج یوں تیزی سے طے کرنے پر مبارک باد بھی دی تھی۔ لیکن آج راضیہ کے ساتھ یوں بیٹھا دیکھ کر وہ جس طرح چونکا تھا یہ اس کے لیے حیران کن تھا" جبھی ان دونوں کے بارے میں ذہن میں جنم لینے والے خیالات اس کی ماضی کی سوچ سے کہیں مختلف تھے۔

☼ ☼ ☼

یہ معلوم ہونے کے باوجود کہ اس کی کوشش بے کار ہے" ثمن پھر بھی مختلف طریقوں سے اماں اور ابا کا دل بہلانے کی کوشش ضرور کرتی۔ سردیوں نے گو کہ ابھی اس قدر زور نہیں پکڑا تھا لیکن پھر بھی شعیب کی روایت برقرار رکھتے ہوئے اس دفعہ وہ خود ڈرائی فروٹ لے آئی تھی تاکہ ابا کو نہ لانے پڑیں اور وہ پھر [illegible] یاد کرکے دل گرفتہ سے ہو جاتے۔ ہمیشہ کی طرح اس نے وہ تمام ایئر ٹائٹ جار میں میوہ جات ڈال کر اماں ابا کے کمرے کی شیلف پر ڈھانپ کر رکھے اور باقی احتیاط سے کچن میں رکھ آئی۔

روزانہ کھانے کے بعد سب اسی کمرے میں بیٹھ کر ٹی وی" حالات حاضرہ اور مختلف موضوعات پر بات چیت کرنے کے ساتھ ساتھ ڈرائی فروٹس سے بھی لطف اندوز ہوتے" شعیب کے بغیر آنے والی یہ پہلی سردیاں کچھ زیادہ ہی بوجھل معلوم ہورہی تھیں" ثمن اور شعیب میں بمشکل ایک سال کا گیپ ہونے کی وجہ سے دونوں کی ایک دوسرے پر جملے پھینکنے کی عادت سے ماحول کا گرم ہونا ابھی مس کررہے تھے۔

"تمہی بیٹا تم کہاں تک شعیب کا خلا پر کرنے کی کوشش کروگی۔ میری جان ہر بندے کی اپنی الگ جگہ ہوتی ہے" جسے کوئی بھی دوسرا ہزار کوشش کے باوجود پر نہیں کرسکتا۔" ثمن نے شعیب کی طرح اماں کے ہاتھ سے چلغوزے لے کر خود انہیں چھیل کر دیے تو وہ بولے بنا نہ رہ سکیں اور اماں کی بات سن کر چھائے گئے سناٹے میں سبھی کے جذبات پر اوڑھے گئے لبادے وحشت سے اترنے لگے۔

ثمن نے بے حد مجبوری سے ابا کو دیکھا جو اماں کی بات سن کر [illegible] اس کے اسکول کو ڈسکس کرنے [illegible] ایک دم خاموش ہو کر کئی برس پیچھے جا پہنچے تھے۔

"سوچتا ہوں آج سے بیالیس سال پہلے محض پانچ روپے مزدوری لیتے لیتے اللہ کے فضل اور اپنی محنت و ایمان داری کے بل پر اتنی ترقی کی کہ آج اچھا خاصا منافع دینے والی تین دکانیں ہیں جن سے لوگ صرف میرے نام پر اعتبار کرکے بند آنکھوں سے خریداری کرجاتے ہیں۔" ابا نے میوٹ ٹی وی کو سامنے رکھے ریموٹ سے آف کیا اور بڑے ٹوٹے ہوئے لہجے میں بات جاری رکھی۔

"خود بالکل کورا ان پڑھ تھا" جو پڑھا" سیکھا" سب زمانے کے حالات اور رویوں سے۔ لیکن پھر بھی تم چاروں کو اس قدر پڑھایا لکھایا کہ کسی بھی معاملے میں لوگ تم کو مثال بنایا کرتے تھے۔" اماں کی آنکھ سے آنسو تسبیح کے دانوں کی طرح اپنا تسلسل قائم رکھے ہوئے تھے" جبکہ باقی سب سوگوار خاموشی کی دبیز چادر اوڑھے چپ بیٹھے تھے کہ شعیب کے جانے کے بعد آج پہلی مرتبہ ابا یوں ان سب کے سامنے اپنا دل کھول رہے تھے۔

"مجھے فخر تھا کہ میری اولاد بڑی مضبوط کردار اور لالچ و حرص سے پاک ہے" لیکن۔ شعیب ایک امیرزادی کو پانے کے لیے ہم سب سے منہ موڑ گیا" چلغوزوں کے ان چھلکوں کی طرح اس عمر میں بے وقعت کرگیا ہمیں۔ یہ جانے بغیر کہ بوڑھے ماں باپ کے دل پر کیا بیتی ہوگی" بجائے اس کے کہ ضد کرکے اپنی بات منواتا میرے ناراض ہونے پر اس گھر کو ہی چھوڑ گیا" اور میں۔" بات کرتے کرتے ان کا گلا رندھنے لگا تو اپنا مان رکھنے کے لیے سر جھکا کر ہتھیلی پر سر ٹکا کر خاموشی سے چند آنسوؤں کو بہہ جانے دیا کہ یقیناً" اب ان میں ضبط کا یارا نہ رہا تھا۔

ثمن نے فوراً پانی کا گلاس ابا کی طرف بڑھایا اور آہستگی سے ان کا کندھا سہلانے لگی کہ اب اسے ہی سب کو حوصلہ دینا تھا' جانتی تھی کہ شعیب کے اس اقدام پر سب بری طرح ٹوٹ گئے تھے۔ کبھی دل چاہتا کہ اسے اس کے خوابوں کے محل سے کان پکڑ کر لائے اور اماں' ابا کے قدموں میں بٹھا کر معافی مانگنے کو کہے' لیکن پھر سوچتی کہ یہ سب کام زبردستی کیں دل سے ہوں تو بھلے معلوم ہوتے ہیں اور اگر وہ اماں' ابا' بھائی' بہنوں کو بھلا کر خوش ہے تو انہیں بھی اس کے بغیر خوش رہنے کی عادت ڈالنی ہوگی۔

☆ ☆ ☆

آج کل شعیب کو کچھ زیادہ ہی ڈپریشن رہنے لگا تھا کہ آفس میں ہر وقت راضیہ کے موجود ہونے سے اسے پچھتاووں کا پہلے سے زیادہ سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ ایسے میں وہ لاشعوری طور پر اپنی موجودہ اور سابقہ زندگی کا موازنہ کرنے لگتا اور ہمیشہ اسی نتیجے پر پہنچتا کہ اس نے بڑا گھاٹے کا سودا کیا ہے۔ اسی کشمکش میں آج وہ جلدی گھر آگیا تھا' شام کی چائے وینا کے ساتھ پینے کے بعد وہ آرام کرنے بیڈ روم اور وینا گھر ہی میں تشکیل دیے گئے ایکسر سائز روم کی طرف چل دی۔

کچھ دیر آرام کرنے کے بعد جب شعیب کی آنکھ کھلی تو وینا کہیں جانے کی تیاری کر رہی تھی' ڈیپ پیون کلر کی ساڑھی میں جہاں اس کی چاندی سی رنگت غضب ڈھا رہی تھی' وہیں ہلکے میک اپ سے چمکتے ہوئے اس کے بھرے بھرے رخسار آج کسی کو بھی مدہوش کر سکتے تھے۔ وائٹ گولڈ کا نیکلس پیون ڈائمنڈ کے ساتھ اس کی صراحی دار گردن سے لپٹنے پر مغرور تھا تو ڈائمنڈ واچ کلائی تھامنے پر نازاں۔ جہاں ساڑھی سے میچ کرتی پیون لپ اسٹک نے ہونٹوں کے کٹاؤ کو مزید نمایاں کر کے اس کی دلکشی میں اضافہ کیا وہیں Dior کی مسحور کن خوشبو [illegible] اس کی شخصیت کا حصہ بن کر اپنی اہمیت [illegible] اور اس وقت جب وہ [illegible] کو چار جرے سے الگ

کر رہی تھی' شعیب نے اس کی تیاری کے تمام لوازمات اور کیے گئے سولہ سنگھار کو کسی خاطر میں نہ لاتے ہوئے قدرے درشت انداز میں پوچھا۔

"کہاں جا رہی ہو؟"

"مسلمان کے گھر ایک میوزیکل پروگرام ہے' تمہاری طبیعت ٹھیک ہے تو چلو' بڑی انجوائمنٹ رہے گی۔" سفید بلاؤز کی ہمرنگ جوتی کا اسٹریپ ٹائٹ کرنے کے بعد وہ اس کے قریب چلی آئی تھی اور پیشانی چھو کر اس کے بخار کا اندازہ کرتے ہوئے بولی۔

"گولی مارو مجھے اور میری طبیعت کو۔ جب تمہیں میری پروا ہی نہیں ہے تو پھر میرے ساتھ یہ ڈرامہ بازی مت کیا کرو۔" اس نے جھٹکے سے وینا کا ہاتھ پرے کیا۔

"یہ پروائی ہے شعیبی کہ تمہارے اس پاگل پن کے باوجود ہم دونوں ابھی تک ایک ساتھ ہیں' ورنہ سب کے اکسانے پر میں کب سے تم سے الگ ہو چکی ہوتی' لیکن۔ میں کبھی بھی تم سے الگ ہونے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔" ایک بار پھر وہ بڑی لگاوٹ سے اس کا ہاتھ تھامے ہوئی تھی۔

"شٹ اپ وینا' صرف تمہاری خاطر میں نے اپنی محبتیں ٹھکرائیں' گھر والوں کو چھوڑا' اپنی انا اور عزت نفس سب بھول کر تمہیں اپنایا اور تم سب کچھ جاننے کے باوجود صرف اپنی عیاشیوں میں مگن ہو۔"

"عیاشی؟" وینا [illegible] کے الفاظ پر حیران تھی۔ لیکن آخر کب تک چپ رہتی' لہٰذا بول اٹھی۔

"ہونہہ! تم میرا منہ بند ہی رہنے دو' کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ بات بڑھے اور یہ رہا سہا ظاہری ساتھ بھی اپنے انجام کو پہنچے' تمہارے لیے نہ سہی' لیکن میرے لیے تمہارا اسی طرح کا ساتھ بھی بہت اہمیت رکھتا ہے۔"

"میں نے تمہیں پہلے بھی کہا ہے یہ ڈائیلاگ مت سنایا کرو' میں تنگ آ گیا ہوں تمہاری ان باتوں اور تمہارے ساتھ گزرنے والی اس زندگی سے۔" شعیب کی آواز

کرے کی حدیں عبور کرنے لگی تھی۔

"ایسا ہے تو پھر ایسا ہی سہی، اگر آج تم اپنی مردانگی کے دربار میں مسند سجا کر بیٹھ ہی گئے ہو تو مجھے بھی انصاف چاہیے۔" کناروں کے اندر بہنے والا خاموش دریا آج دونوں اطراف سے آپے سے باہر ہو رہا تھا۔ کاجل لگی آنکھیں شدت کرب سے سرخی مائل ہونے والی تھیں۔

"زندگی کے اس طرح گزرنے کے ذمہ دار تم خود ہو شیبی، میں نہیں، جس نے صرف تمہارا ساتھ چاہا تھا، دو کے بجائے تو ایک ہی روٹی کھا کر خوش رہنے کا وعدہ کیا تھا تم سے۔" بیڈ سے اٹھ کر اب وہ قد آدم آئینے کی جانب پشت کرکے کھڑی ہو گئی تھی۔

"کوئی بھی لڑکی شادی کے بعد شوہر سمیت میکے میں رہنا پسند نہیں کرتی، میرا بھی خواب تھا کہ شادی کے بعد پاپا کی دی گئی آسائشوں کے حصار سے نکل کر میرا اپنا گھر ہو جہاں سوسائٹی کی پسند ناپسند کے بجائے تمہاری مرضی کا لائف اسٹائل ترتیب دوں۔" بے خبری میں گھنی پلکوں پر یاقوت آویزاں ہونے لگے تھے۔

"لیکن تم جب اماں، ابا کو منانے میں ناکام رہے تو بجائے اس کے کہ ان کی ناراضی کے باوجود مجھے اپنے گھر لے جاتے۔ Sorry to say کہ خود پاپا کی طنزیہ باتیں سننے اور سوسائٹی کا مذاق بننے کے لیے رخصت ہو کر یہاں آ گئے۔ کب تک ناراض رہتے اماں، ابا؟ میں اپنا آپ فنا کرکے بھی انہیں منا لیتی اور پھر یقیناً" وہ تمہاری پسند پہ فخر کرتے۔ لیکن تم نے تو ان رشتوں کے سامنے انا کا پرچم بلند کر دیا، جن کے سامنے یہ تمام الفاظ اپنے معنی ہی کھو دیتے ہیں۔" وہ بولنے پر آئی تو ایک ہی سانس میں روانی سے بولتی چلی گئی۔ لمحہ بھر میں اس نے شعیب کو آئینہ دکھا دیا تھا اور آئینے کی دکھائی گئی تلخ تصویر کے باعث اب شعیب کی سماعتوں میں آندھیوں کا سماں رکھنے والا شور سا محسوس ہو رہا تھا۔

"اور تم اچھی طرح جانتے ہو کہ جب سے میرے دل نے تمہارے نام پر دھڑکنا شروع کیا تبھی سے میں نے یہ اس چیز کو الوداع کہہ دیا جو تمہیں پسند نہ تھی۔ کتنا بدل دیا ہے میں نے خود کو یہ ان سے پوچھو جو میرا اب مذاق اڑاتے ہیں۔۔۔ اور تم۔۔۔ تم پھر بھی میرے ساتھ سے اب اکتانے لگے ہو۔" آنسوؤں کو روکنے کی کوشش میں اب اس کا سر بھاری ہو چلا تھا، لیکن آتش فشاں چونکہ پھٹ چکا تھا اس لیے لاوا تو بہنا ہی تھا اور شعیب کے پاس آج سامع بنے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔

"تمہارے جذبوں کی سچائی سے تو صرف میں ہی واقف ہوں نا شیبی! لیکن دنیا والے تو دو دھاری تلوار ہیں، کس کس کو یقین دلاؤں کہ تم نے صرف محبت کے لیے مجھ سے شادی کی ہے، دولت ہتھیانے کے لیے نہیں۔" ہاتھوں میں منہ چھپا کر وہ بلکنے لگی تھی اور شعیب حیران تھا کہ بظاہر لاپروا ـــــ وینا اپنے اندر کتنا کچھ چھپائے ہوئے تھی اور وہ جو آج تک سمجھتا رہا تھا کہ اس قدر ناز و نعم اور آسائشوں میں پلی بڑھی ہونے کے وجہ سے وہ نسبتاً "چھوٹے گھر میں کس طرح گزارا کر پائے گی" یہ سب تو غلط ثابت ہو گیا تھا اور اب اسے کیا کرنا تھا، دھند چھٹنے کے بعد کا منظر خاصا واضح تھا۔

☼ ☼ ☼

وقت سرد نظروں سے اردگرد تکتا بے آواز گزر رہا تھا۔ ان دنوں کمپنی کے اکاؤنٹس کے کلوزنگ، پرافٹ اینڈ لاس اسٹیٹمنٹس، بیلنس شیٹ، بینک سمریز، ورکرز اور اسٹاف کی سالانہ کارکردگی کی رپورٹ کے علاوہ بھی ایسے معاملات تھے جن کی وجہ سے مصروفیت سر اٹھانے نہ دیتی۔ ان تمام کاموں کے باوجود راضیہ کا حد درجہ خیال رکھنے پر آفس ممبرز کا کھٹکنا لازمی تھا۔ سو آفس میں موجود وینا کے کسی معتمد خاص نے راضیہ اور شعیب کے تعلقات کی رپورٹ مبالغہ آرائی سمیت اس کے کانوں تک پہنچائی تو خود سے زیادہ شعیب پر اعتبار کرنے والی وینا کا کھٹکنا فطری عمل تھا۔

لیکن اس کے باوجود شام کو شعیب کی واپسی پر اس کے کوٹ پر کوئی نسوانی بال تلاش کرنے کے بجائے عام دنوں کی طرح وینا نے بڑی خوش دلی اور محبت سے اس کا استقبال کیا تھا کہ کسی بھی قسم کے ٹھوس ثبوت کے بغیر وہ شعیب سے یہ معاملہ ڈسکس نہیں کرنا چاہتی تھی۔

☼ ☼ ☼

شک ایک ایسا زہر ہے کہ اگر علم میں آتے ہی اس کا تریاق نہ کیا جائے تو پھیلتے پھیلتے زندگی کی تمام تر خوشیاں کو چاٹ جاتا ہے۔ اسی ایک جذبے کے تحت آج وینا شعیب کے زیر انتظام کمپنی کی اسٹاف لابی کے باہر مختصر راہ داری عبور کرکے اس کے آفس کے باہر کھڑی تھی۔ دروازے کے ساتھ موجود راضیہ کی خالی نشست گواہ اس کی آفس میں موجودگی ثابت کر رہی تھی۔

وزیٹرز سیٹ خالی تھیں، یعنی تخلیے میں بات ہو رہی ہے۔" شک کے ناگ نے سر اٹھانا چاہا" اور یہ زہر اب آہستہ آہستہ اس کے مضبوط اعصاب کے باوجود رگ و پے میں سرایت کرتا محسوس ہونے لگا تھا۔

دروازہ معمولی سا کھلا ہوا تو ضرور تھا، لیکن اس نے ایک دم اندر داخل ہونے کے بجائے پہلے ذرا ہٹ کر کھڑے ہونے کے بعد کچھ سننے کی کوشش کی، تاکہ وہ اس کی کانوں سنی بات کو جھٹلا نہ سکے۔۔۔ اور اس صورت میں وہ شعیب کے منہ پر بے وفائی کے طمانچے زیادہ شدت سے مار سکتی تھی۔ ویسے بھی وہ جس جگہ کھڑی تھی وہاں سے دونوں کی صرف آواز ہی سن سکتی تھی، دیکھ نہیں سکتی تھی۔

"راضیہ خدارا مجھے معاف کر دو، ایک غلطی کی اتنی کڑی سزا نہ دو مجھے اور پھر۔۔۔ اگر تم مجھے معاف نہیں کرو گی تو اماں، ابا تو میری بات تک سننے کو تیار نہیں ہوں گے۔ میں اپنی کی گئی تمام گستاخیوں، غلطیوں کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں، لیکن اس کے لیے مجھے تمہارا

ساتھ جانا ہے' تمہارا ووٹ چاہیے کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اماں ابا تمہارا کہا ٹال ہی نہیں سکتے۔" کچھ دیر کے لیے کمرے میں خاموشی چھا گئی تھی جسے شعیب نے ہی توڑا۔

"کیا تم چاہو گی کہ یہ صبح کا سورج میرے لیے خوشیوں کی نوید لانے کے بجائے پچھتاووں کی گرم اور تپتی شعاعیں لے کر آئے۔" شعیب کا حد درجہ لجتی لہجہ وینا کے دماغ پر ہتھوڑے برسانے لگا تھا۔

"میری بات تو چھوڑو' یہ قدم اٹھانے سے پہلے تمہارے ذہن نے ایک بار یہ نہیں سوچا کہ وہ جنہیں تم یوں تنہا کر کے جا رہے ہو کوئی اور نہیں تمہارے اپنے ماں' باپ ہیں جنہوں نے تمہیں پڑھانے لکھانے اور اس قابل بنانے میں کیا کیا پاپڑ نہیں بیلے ہوں گے۔ میں تو دہل جاتی ہوں ان کی بوڑھی آنکھوں میں انتظار دیکھ کر۔" کمرے سے اب سسکیاں لینے کی آواز آ رہی تھی۔

"بس راضیہ ایک دفعہ تم مجھے معاف کر دو تو تمہارے ساتھ جا کر میں سب کو منا لوں گا۔" دروازے کی اوٹ میں کھڑی وینا کے دماغ میں جھکڑ چلنے لگے تھے۔ مزید برداشت کی سکت نہ رہی تو اس نے ایک دم ہی دبے پاؤں اندر داخل ہونے کا سوچا لیکن یہ کیا۔

"میں کیا شعیب کوئی بھی تم سے ناراض نہیں رہ سکتا۔ البتہ رنج ضرور ہے سب کے دلوں میں۔" راضیہ اور شعیب آفس میں رکھے صوفے پر اس طرح بیٹھے تھے کہ شعیب معافی مانگنے کے انداز میں ہاتھ باندھے ہوئے تھا۔ چند ثانیے بعد راضیہ نے شعیب کے بندھے ہوئے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھ کر آسودہ مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔

"ہم م م... تو لگتا ہے باؤ جی ہمارے صبح کے بھولے کو شام کے وقت گھر یاد آ ہی گیا۔"

"ارے گھر کیا مجھے تو چھٹی کا دودھ یاد آ گیا۔" وہ کھسیانا ہوا تھا۔

دبے پاؤں کمرے میں داخل ہوتی وینا نے شعیب اور راضیہ کو کھکھلاتے دیکھا اور ہنستے ہوئے راضیہ کا دوپٹہ سر کے پر اس کا چہرہ دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"اوئے کمن... اگر وہ روٹھے ہوئے دلوں کا جذباتی مکالمہ ختم ہو گیا ہو تو کیا میں بھی اپنا مقدمہ پیش کروں۔" وینا نے خوشدلی سے دونوں کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے کہا تو وہ اس کی اچانک آمد پر حیران رہ گئے۔

"تم...؟" دونوں کے منہ سے بیک وقت آواز آئی۔

"جی ہاں میں اور تھینکس یار کہ تم نے شعیبی کو معاف کر دیا اور اب ہم دونوں کو اماں' ابا سے معافی دلوا کر تمہیں حقیقتاً بہن ہونے کا حق ادا کرنا ہے۔" لحہ بھر رک کر اس نے شعیب کی آنکھوں میں خوشی کے جگنو چمکتے دیکھے اور راضیہ کا ہاتھ تھام لیا۔

"ویسے میں تمہیں کمن کہوں یار راضیہ؟" وینا کے لہجے میں شوخی تھی سو راضیہ بھی ریلیکس ہو کر مزید ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگی۔

"راضیہ کمن میں نے ذرا ضیا تو سب کے لیے اور کمن صرف اماں' ابا کے لیے۔ لیکن بھابھی بھی تو ماں کا ہی درجہ رکھتی ہے نا' اس لیے آپ کے لیے دونوں آپشنز کھلے ہیں۔" جواباً راضیہ چہکی تو شعیب کیوں پیچھے رہتا۔

"ارے واہ جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے نہیں ابھی اس رشتے کو اور اماں' ابا کے برابر اعلیٰ اور ایک میں ہوں بے چارہ۔" شعیب نے مسکینی طاری کرتے ہوئے مصنوعی ... کہا تو وہ دونوں ہنستے ہوئے ایک دوسرے ... گئیں۔

☼ ☼ ☼

... منڈ درختوں پر بہار آنے کو تھی' چاروں سمت ننھے منے شگوفے' پھول کلیاں بننے کو بے تاب تھے تو ہوا کی تازگی ان کی خوشبو اپنے اندر بسانے کو بے تاب۔

ایسے میں صحیح معنوں میں بہار آنے کا مفہوم راضیہ سے بڑھ کر کون سمجھ سکتا تھا جس نے اخبار میں اشتہار دے کر باقاعدہ حکمت عملی طے کرنے کے بعد شعیب کے آفس میں جاب کی' تاکہ وہ اماں' ابا کی آنکھوں کی خوشیاں لوٹا سکے۔

اور آج بھی بڑے مزے سے اماں' ابا کے کمرے میں بیٹھے ماضی کی تلخ یادوں کو فراموش کر کے حال میں مگن گپیں مار رہے تھے۔ سب کے بیچوں بیچ بیٹھی وینا قہقہے لگاتی ہرگز اجنبی معلوم نہیں ہو رہی تھی کہ اماں' ابا نے وسیع القلبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے وہ مقام دیا تھا جس کی اس کے دل نے خواہش کی تھی اور اس سارے ماحول میں راضیہ کو سراہا جا رہا تھا جس کی وجہ سے یہ حسین ملاپ ممکن ہو سکا۔

"راضیہ آپی ڈائٹنگ کر کے دیکھیں شعیب بھائی کا کیا حال ہو گیا ہے اس کی کے ہو کر اگر میں کھانس بھی دوں تو ... گے۔" شعیب کسی کی کال ریسیو کرنے کے بعد دوبارہ کمرے میں داخل ہوا تو محسن نے اس کی صحت پر چوٹ کی جس پر شعیب کے بجائے ... نے جواب دیا۔

"تمہارے منہ سے کھانسی کے نام پر جو ڈرون حملے ہوتے ہیں ان سے تو خود تمہاری ساری منزلیں ہل جاتی ہیں تو پھر اتنے اسمارٹ لوگ تو ویسے بھی آہم ذرا نازک ہوتے ہیں' کیوں وینا؟" راضیہ نے تائید کے لیے وینا کی طرف دیکھا' جس نے بھرپور انداز میں گردن ہلا کر اس کی بات پر درست کی مہر ثبت کی' جبکہ شعیب نے اس کا کیس لڑنے پر راضیہ کو سیلوٹ مارا۔

"ہائیں... یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں آپی' پہلے تو آپ شعیب بھائی پر بڑے جملے مارتی تھیں اور اب ان کے حق میں بیان دے رہی ہیں' کہیں یہ سیاست تو نہیں چل رہی۔"

"اوئے فروری کے مہینے میرا دماغ بھی فروری جتنا ہی ہے۔ لیکن آج کے بعد راضیہ کو کچھ نہیں کہنا سمجھے؟" شعیب نے مسکراتے ہوئے محسن کو تنبیہ کی تھی۔

"کچھ نہ کہوں... لیکن کیوں؟ کیا یہ امریکی شہری بن گئی ہیں؟"

"تمہارے لیے تو امریکی شہری کیا چیز ہے لٹل برادر... لیکن ہاں ... کی بات ہے' پھر راضیہ کی ... ضرور ہے۔" شعیب کی بات پر راضیہ ... کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے تھے۔ وینا کو ... معلوم تھا اس لیے شعیب کے ساتھ ساتھ اس کے چہرے پر بھی ذو معنی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"اماں کل نودار اور اس کے والدین راضیہ کے رشتے کے لیے آ رہے ہیں۔" شعیب اماں' ابا کے پاس بیٹھ کر انہیں نودار اس کے گھر والوں کے متعلق بتانے لگا تو راضیہ اٹھ کر کچن میں آ گئی کہ لحہ بھر میں چہرے پر بکھری قوس قزح سے وہ خود گھبرا رہی تھی۔

گھر کی دہلیز پر پاؤں پسارے بیٹھی ویرانی نے بہار کے لیے جگہ خالی کر دی تھی' اب گھر اور گھر کے مکینوں پر پوری طرح بہار چھا رہی تھی۔

کچن کی کھڑکی سے ہوا کا تازہ جھونکا اندر آیا تو راضیہ نے آسمان کی طرف ہاتھ بلند کر کے اپنی اور سب گھر والوں کی دائمی خوشیوں کی دعا کی اور دل میں نئی ترنگ لیے گنگنانے لگی۔

☼ ☼

صدف زیب

مکمل ناول

نانو کے گھر آنے کا اتفاق مجھے "اتفاقاً" ہی ہوا اور وہ بھی بوجہ مجبوری ورنہ مجھے کوئی شوق نہ تھا ان سے ہاں جا کر رہنے کا۔ نہیں نہیں یہ مت سمجھیے گا کہ میں سڑیل (خراب) مزاج ایک بور سا لڑکا ہوں۔ بلکہ میں تو زندہ دل (آہم آہم) خوش دلیر، خوب صورت سا ایک ایسا نوجوان ہوں جسے دیکھ کر اکثر لڑکیاں منہ میں انگلیاں دبا لیتی ہیں (بھئی میری خوب صورتی کی وجہ سے)

ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ مجھے "اتفاقاً" ہی نانو کے گھر میں طویل قیام کے لیے جانا پڑ رہا تھا وجہ؟ یقیناً آپ وجہ جاننا چاہیں گے تو وجہ ہے میرے بڑے بھائی جہانگیر بھیرے! شروع سے سارا قصہ سناتا ہوں۔

میرے بھائی جہانگیر جو کافی عرصے سے امریکہ میں سیٹل ہیں۔ انہیں اچانک ہی ایک ایسی ضرورت آن پڑی ہے کہ ماما' بابا کو ایمرجنسی میں جانا پڑ رہا ہے۔ جہانگیر بھائی جو کہ مجھ سے آٹھ سال بڑے ہیں۔ لے باہر ہائیر ایجوکیشن کے لیے گئے اور پھر وہیں کے ہو کے رہ گئے۔

درمیان میں چار سال پہلے انہوں نے جب پاکستان کا چکر لگایا تو ماما نے ان کی شادی کروا دی۔ جس کے بعد وہ اپنی زوجہ محترمہ فوزیہ بھابھی کے ہمراہ واپس چلے گئے اور یوں ہم تینوں کے دل میں اداسی کے ڈیرے ڈال دیے۔ خیر اب اللہ اللہ کرکے اللہ نے انہیں اتنے سالوں بعد اولاد کی نعمت سے نوازا ہے۔ بھابھی کی حالت اچھی نہیں ہے ماما بابا سمیت امریکہ جا رہی ہیں۔

بھائی کی جان کا عالم ہے اور بھابھی اکیلی سو ماما بابا کو لے کر جا رہی ہیں اور مجھے اکیلا چھوڑے جا رہی ہیں۔

خوش تو میں بھی تھا مگر ماما نے میری ساری خوشی ملیا میٹ کر دی یہ کہہ کر کہ میں یہ سارے دن نانو کے گھر گزاروں گا۔ میں نے ماما سے کافی بحث کی حتیٰ کہ یہاں تک کہہ دیا۔

"بابا کو ساتھ لے جانے کی کیا ضرورت ہے؟ ان کا اس طرح کے زنانہ کاموں میں کیا کام؟" ماما نے ان

بات پر گھورا' پاپا کو تو چائے پیتے ہوئے اچھو لگ گیا۔
"برخوردار! ذرا اس بات کی تشریح فرمائیں گے؟"
اور میں تشریح فرمانے ہی والا تھا کہ ماما کی گھوری نے بولتی بند کروی۔
"مگر ماما میں کسی اجنبی جگہ ایزی فیل نہیں کرتا۔ بس میں نے کہہ دیا میں کہیں نہیں جا رہا۔" میں نے اڑیل لہجے میں کہا۔
"بچے نہیں ہو عباس! کہ تمہیں بہلانا ہو اور اب یہ فضول کی بحث اور ضد چھوڑو۔ سامان وغیرہ پیک کر لینا۔ میں مزید کچھ نہ سنوں۔"
انہوں نے تو سابقہ صدر کے سے لہجے میں آرڈر دے دیا۔
"پاپا۔" میں نے احتجاجاً انہیں دیکھا وہ محض کندھے اچکا کر رہ گئے۔
ریٹائرمنٹ کے بعد سے پاپا ایسے ہی ہر معاملے میں غیر جانبدار ہو گئے تھے جیسے ہر معاملے سے ریٹائر ہو گئے ہوں۔
"وہاں جانے میں کیا برائی ہے؟" ماما نے اب کے ذرا نرمی سے پوچھا۔
"نہ جانے میں کون سی برائی ہے؟"
"اکیلے کیسے رہو گے؟"
"کیوں؟ کیا حکومت نے اکیلے رہنے پر پابندی لگا دی ہے۔" وہ بدو سوال جواب کا سلسلہ شروع ہو گیا۔
"نہیں بیٹا جی! میں نے عائد کی ہے۔" انہوں نے بڑے میٹھے لہجے میں کہا۔
"تو فوراً ہٹا دیجیے۔"
"سوری اس کے آفٹر ایفیکٹس اچھے نہیں ہوں گے۔" وہ بڑے اطمینان سے بولیں۔
"کیا مطلب ـــ کیسے آفٹر ایفیکٹس؟ آپ کو اپنے بیٹے پر اعتبار نہیں کیا۔" میں نے انہیں صدمے سے دیکھا۔
"نہیں ایسی بات نہیں مجھے تو اپنے پیارے بیٹے کی ہر پیاری عادت کا علم ہے۔ چھوٹے لاپروا اور ایک نمبر کا ست الوجود' جائے تو تمہیں ڈھنگ سے بنانی آتی نہیں' گھر کی دیکھ بھال کیا خاک کرو گے۔" ان کی باتوں پر مجھے سخت اعتراض ہوا۔
"ماسی ہے نا۔ وہ کرے گی گھر کی دیکھ بھال۔ اب میں تو سر پہ دوپٹہ کس کے صفائی کرنے سے رہا۔" میں سخت ناراض ہوا تھا ماما سے۔
"ہاں ماسی کرے گی۔ واہ صاحبزادے! صفائی کرنے کی بجائے یوں کہو صفایا کرے گی۔ وہ تو میں سر پہ کھڑی رہتی ہوں تو ذرا ڈھنگ کی صفائی کر لیتی ہے ورنہ اس کا بس چلے تو سر سے بوجھ اتار کر چلتی بنے اور پر سے تم انتہائی غیر ذمہ دار ہو۔ جب سے یونیورسٹی چھوٹی ہے تب سے تمہاری صبح بارہ بجے سے پہلے ہوتی ہی نہیں' جب تک تم اٹھو گے تب تک کوئی میرے برسوں کی محنت سے بنائے گھر کا صفایا ہی کر جائے گا۔ سو ناؤ اسٹاپ آرگومنٹ چلو۔"
ان کے حتمی لہجے پر میں ہار مان گیا۔
سو ماما پاپا کے جانے کے بعد میں بھی یہاں آگیا۔ دل کو سمجھا لیا تھا کہ "چل یار! یوں بھی اب تھوڑا عرصہ ہی فراغت کا ہے۔ جا اور زندگی کے مزے لوٹ۔"
اور اب یہاں مزے لوٹنے آگیا ہوں۔ ماما نے نانو کو فون کر کے میرے آنے کے بارے میں بتا دیا تھا۔ جانے سے پہلے وہ نانو سے مل کر بھی گئی تھیں اور اب میں چار سال بعد نانو سے مل رہا تھا۔ پچھلی آخری ملاقات تو بھائی کی شادی پر ہوئی تھی۔ استقبال تو میرا نہایت شاندار رہا۔
نانو کے پرنور ضعیف چہرے پر مجھے دیکھ کر کتنی خوشی جھلکی تھی۔ البتہ کزنوں سے میری ملاقات ابھی تک نہیں ہوئی۔ نانو مجھ سے کتنی دیر باتیں کرتی رہیں۔ وہ اس عمر میں بھی بہت ایکٹو اور خوب صورت لگتیں۔ ان کے سرخ و سفید چہرے کو دیکھ کر مجھے ماما یاد آگئیں۔ ماما میں نانو کی کافی مشابہت آتی تھی مگر نانو کی تو بات ہی اور تھی۔ سفید چکن کا دوپٹہ اوڑھے وہ آسمانی حور لگ رہی تھیں۔ یہ بات میں نے ان سے بھی کہہ دی تو مسکرا دیں۔
"اچھا جاؤ اب آرام کرو۔"

کھانے کے بعد میں اپنے لیے سیٹ کیے گئے کمرے میں آگیا اور سوچنے لگا کہ کراچی جیسے شہر سے پشاور جیسے شہر میں آکر رہنا کتنا مشکل اور مختلف ثابت ہو گا۔ یہی سب سوچتے سوچتے میری آنکھ لگ گئی۔ پھر مجھے کچھ ہوش نہ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

میں ابھی نیند میں تھا کہ ایک عجیب سے شور نے مجھے بے دار کر دیا۔ میں بمشکل آنکھیں کھول کر اس شور کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ دھڑام دھاڑ نے مجھے بیڈ سے اچھال دیا۔
"ہائے عباس بھائی۔" دو چیختی آوازیں میری سماعتوں پر بم پھوڑ گئیں۔
"کون ہو تم دونوں۔" میں جلدی سے سنبھلا اور بیڈ کے سائیڈ پر کھڑی اس مخلوق کو دیکھا۔ ایک ہی طرح کے لباس' انداز اور آواز۔
"ہائے ـــ آپ ہمیں نہیں پہچانتے؟" انتہائی صدمے سے ہیزل آنکھوں والی نے کہا۔
"سوری بھئی! میں نے صرف تم لوگوں کے بارے میں سن رکھا ہے کہ قیامت سے پہلے ایک ایسی مخلوق نکلے گی جن کے قد چھوٹے ہوں گے اور انہیں یاجوج ماجوج کہا جائے گا۔" میں نے انتہائی سنجیدگی سے کہا تو براؤن آنکھوں والی کا منہ حیرت سے کھل گیا جبکہ دوسری فوراً غصے میں آگئی۔
"جی ہاں اور یہ بھی تو سنا ہو گا نا کہ ایک آنکھ والا آدمی بھی آئے گا جسے عرف عام میں دجال کہا جائے گا۔" اس نے صاف مجھ پر چوٹ کی۔
"یار عباس! یہ والی تو بڑی تیز ہے۔" میں نے سوچا اور پھر مسکرا کر کہا۔
"بھئی اپنے بھائی بند کو تو اب تم ہی مجھ سے زیادہ بہتر جانتی ہو گی نا۔ خیر یہ بتاؤ کہ تم دونوں کون ہو۔" میں نے فوراً صلح کی جھنڈی لہرانا چاہی۔
"جی آپ ہمارے بھائی ہیں۔ اس لیے تو آپ کو جاننا ہی ہو گا۔" "اف یہ ہیزل آنکھوں والی تو پٹاخہ تھی۔"

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

ناول	مصنفہ	قیمت
[illegible]	آمنہ ریاض	500/-
زرد موسم	راحت جبیں	600/-
زندگی اک روشنی	رخسانہ نگار عدنان	500/-
خوشبو کا کوئی گھر نہیں	رخسانہ نگار عدنان	200/-
شہر دل کے دروازے	شازیہ چوہدری	400/-
تیرے نام کی شہرت	شازیہ چوہدری	250/-
دل ایک شہر جنوں	آسیہ مرزا	450/-
آئینوں کا شہر	فائزہ افتخار	500/-
بھول بھلیاں تیری گلیاں	فائزہ افتخار	500/-
پھلاں دے رنگ کالے	فائزہ افتخار	250/-
پگلیاں یہ چوبارے	فائزہ افتخار	300/-
من سے عورت	فوزالدرخ	200/-
دل اسے ڈھونڈ لایا	آسیہ رزاقی	350/-
بکھرنا جائیں خواب	آسیہ رزاقی	200/-
زخم کو وقت بھی مسیحائی سے	فوزیہ یاسمین	250/-
لاروں کا چاند	بشریٰ سعید	200/-
رنگ خوشبو ہوا بادل	افشاں آفریدی	450/-
درد کے فاصلے	رضیہ جمیل	500/-
آج صحن پہ چاند نہیں	رضیہ جمیل	200/-
درد کی منزل	رضیہ جمیل	200/-
میرے دل میرے مسافر	نسیم سحر قریشی	300/-
تیری راہ میں رل گئی	میمونہ خورشید علی	225/-
شام آرزو	ایم سلطانہ فخر	400/-

"تم پلوشہ اور یہ زرمینہ ہے نا۔" میں نے داد طلب نظروں سے دیکھا انہیں۔ پہچان تو میں گیا تھا۔ دونوں عارفین ماموں کی جڑواں بیٹیاں تھیں۔ چار سال پہلے تو بہت چھوٹی سی تھی اب ماشاء اللہ قد کاٹھ خوب نکالا تھا۔

"ٹھیک۔ ایک دم رائٹ۔ بھلا آپ نے کیسے اتنی جلدی پہچان لیا ہمیں۔" وہ خوش ہو کر پوچھ رہی تھی۔ براؤن آنکھوں والی اب تک خاموش تھی۔

"بھئی تمہیں تو میں بھول ہی نہیں سکتا۔ بھلا کوئی پری کی دشمن چڑیل کو بھی بھول سکتا ہے؟" پری میں نے مینا کو دیکھا تھا۔ پلوشہ اپنی بے عزتی پر خفا ہو گئی۔

"آپ مجھے چڑیل کہہ رہے ہیں؟"

"نہیں۔" میں ہنس پڑا۔

"میں تو زرمینہ کو پری کہہ رہا ہوں۔" وہ پیاری زرمینہ میری بات پر بلش کر گئی۔ جبکہ پلوشہ غصہ ہونے لگی۔

"آپ بہت برے ہیں عباس بھائی۔ میں آپ سے اتنے پیار سے ملنے آئی ہوں اور آپ میری انسلٹ کر رہے ہیں اور مینا کی تعریفیں۔ حالانکہ وہ تو ابھی نہیں رہی تھی۔" اس کے ناراض لہجے اور چہرے پر مجھے ہنسی آ رہی تھی۔

"بھئی مذاق کر رہا تھا۔ خیر پریاں تو تم دونوں ہی لگتی ہو۔" میں نے فوراً سیز فائر کر دیا اور زرمینہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب بٹھایا۔

مجھے دونوں ہی پیاری لگی تھیں مگر زرمینہ بہت ہی شرمیلی لگ رہی تھی۔ اس کے مقابلے میں پلوشہ بہت پر اعتماد تھی۔

"عباس بھائی! دادو نے بھیجا ہے کہ آپ سے مل بھی لیں اور آپ کو ساتھ لے کر آئیں۔ شام کی چائے تیار ہے۔ آپ فوراً اٹھیں۔"

وہ بے وقوف لڑکی جلدی مچانے لگی تو مجھے جلدی منہ ہاتھ دھو کر نیچے آنا پڑا۔

نانو لاؤنج میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ ... انہیں سلام کیا اور ان کے قریب جا کر بیٹھ گیا۔

"نیند تو ٹھیک طرح سے آئی نا بچے؟"

"بے فکر رہیں نانو۔ مجھے تو نیند کانٹوں پر بھی آ جاتی ہے۔" میں نے انہیں تسلی دی۔

"ماموں نہیں آئے؟" اب تک ماموں سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ ان کا ڈرائیور مجھے ایئرپورٹ سے لایا تھا۔

"آ چکا ہے عارفین۔ ابھی آتا ہے۔ اپنے کمرے میں چینج کرنے گیا ہے۔" نانو مجھے جواب دے کر خانساماں کو آوازیں دینے لگیں۔ جتنی دیر میں خانساماں نے چائے نکالی اتنی دیر میں ماموں بھی آ گئے۔ مجھ سے وہ بہت پرجوش انداز میں ملے تھے۔

"اور سناؤ عباس! سفر تو اچھا گزرا؟" وشی اور مینا ان کے دائیں بائیں آ کر بیٹھ گئی تھیں۔ ماموں نے دونوں کو بازوؤں کے حلقے میں لے لیا تھا۔

"سفر کیسا ماموں۔ چند گھنٹے بھی نہیں لگے۔ یہاں آنے میں آپ سنائیں۔ یہ پری اور چڑیل سے آپ کی دوستی کیسے ہو گئی؟" میں نے شرارت سے وشی کو دیکھا۔ وہ منہ بسورنے لگی۔

"پاپا!" ماموں ہنسنے لگے تھے پھر پلوشہ کو پیار کیا اور کہا۔

"بھئی چڑیل نہیں۔ یہ تو میری ڈول ہے۔" ماموں کی بات پر وہ بے طرح خوش نظر آنے لگی تھی۔ میں ماموں کو چائے پینے کے دوران ان کے لاڈ اٹھاتے ہوئے دیکھنے لگا۔

ممانی جان کا انتقال ... ہو چکا تھا۔ اس وقت دونوں ... تین سال کی تھیں۔ ممانی کا انتقال ہماری ... ایک بہت بڑا صدمہ تھا۔

ماموں عمر میں ماما سے بہت چھوٹے تھے۔ وہ ماما کے لاڈلے بھائی ہیں۔ آج بھی ماما کو ان کی تنہا زندگی دکھی کر رہی ہے۔ دیکھنے میں وہ اب بھی اتنے ہی ینگ اور گریس فل لگتے ہیں۔ سب نے بہت کہا کہ دوسری شادی کر لو مگر ان کی ناں ہاں میں نہ بدلی تھی۔ نانو نے بڑی محبت سے دونوں بہنوں کو پالا تھا۔ ماما کو بھی اپنی دونوں بھتیجیاں جان سے پیاری تھیں اور دونوں تھیں بھی بہت کیوٹ۔ سرخ سفید رنگت، سنہری بال، نرم و نازک سی۔

میں جو یہاں آنے پر زیادہ خوش نہ تھا، چند ہی دنوں میں سب میں یوں گھل مل گیا کہ وہ نازک سی شرمیلی سی مینا بھی میرے ساتھ کھل کر بولنے لگی تھی۔ خانساماں سے لے کر مالی تک سے میں نے دوستی کر لی تھی۔ نانی بھی خوش تھیں میرے آنے سے اور وہ دونوں بھی۔

✲ ✲ ✲

"ویلیں... ہمارے عباس بھائی آ گئے۔" میں جو باہر کی نرم دھوپ سینک کر آ رہا تھا۔ وشی کی آواز پر ایک دم رک گیا۔

"عباس بھائی ان سے ملیے۔ یہ ہیں ہماری بیسٹ فرینڈ ... اور ... آپی اور آپی یہ ہیں ہمارے عباس بھائی۔"

حسب معمول وشی جلدی جلدی بول کر تعارف کی رسم نبھا رہی تھی۔ میں نے ... سامنے لاؤنج میں دیکھا صوفے پر ایک لڑکی نہایت اسٹائل سے بیٹھی ہوئی تھی۔

"بس... زی؟ بھلا یہ کیا نام ہے جیسے درزی۔ ٹی کوزی۔" میں نے بلند آواز سے کہا تو وہ لڑکی تلملائی۔

"مائنڈ یو... میرا نام شانزے ہے شانزے۔" وہ تلملا کے بولی تھی۔

"شان... زے ہے واہ مینا کیا شاندار نام ہے شانزے ہے۔" مجھے اس تلملائی ہوئی لڑکی کو چھیڑ کر مزا آنے لگا تھا۔

"شانزے ہے نہیں عباس بھائی۔ صرف شانزے۔" پلوشہ نے فوراً سمجھانے والے انداز میں تصحیح کی۔

"صرف شانزے؟ ویل صرف شانزے آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔"

میں نے بڑی سنجیدگی سے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ جس پر ... آنکھیں آگ برسانے لگیں۔

"پلوشہ ... بھی ہے۔"

اس کی عادت پر بھی میں اطمینان سے مسکرا رہا، جس پر وہ مزید جھلانے لگی تھی۔

"نہیں آپی بھائی کو تو صرف مذاق کی عادت ہے۔ یہ تو ہم سے بھی مذاق کرتے ہیں آپ کو بھی بس تنگ کر رہے ہیں۔ ہے نا بھائی۔"

اس نے تصدیق کے لیے میری طرف دیکھا تو میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ وہ خفا ہونے لگی۔

"پلیز عباس بھائی۔ اب مزید آپی کو تنگ مت کیجیے گا۔ میں نے ان سے آپ کی اتنی تعریفیں کی ہیں اور آپ ہیں کہ اپنا سارا امیج خراب کر رہے ہیں۔" وہ روٹھے انداز میں بول رہی تھی۔

"اوکے اوکے! بس مذاق ختم۔" میں نے ہاتھ اٹھا کر سیز فائر کیا۔ تینوں نے سکون کا سانس لیا تھا۔ پلوشہ پھر سے شروع ہو گئی۔

"یہ ہماری بہت اچھی فرینڈ ہیں۔ مگر آج کل یہ ایک بہت بڑی پرابلم میں ہیں۔"

"وشی...!" شانزے کی تنبیہہ کرتی آواز نے پلوشہ کا گلا گھونٹ دیا۔

"بولو بولو وشی! کیسی پرابلم۔ میں ہر طرح کے مسائل کا حل فوراً بتا دیا کرتا ہوں اور فیس بھی نہیں لیتا۔" میں اسے اکسانے لگا مگر شانزے نے درشتی سے جواب دیا۔

"آپ اپنے حل اپنے پاس ہی رکھیے۔ مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے ان مشوروں کی۔"

"آپی پلیز۔ اچھا ناں عباس بھائی بہت جینئس ہیں۔ آپ دیکھیے گا وہ آپ کی پرابلم سولو کر دیں گے۔"

مینا نے بھی اس کی منت کی مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ مجھے اس کے بے زار چہرے کو دیکھ کر مزا آنے لگا تھا۔ عمر میں وہ ان دونوں سے بہت بڑی لگ رہی تھی۔ یہ دونوں تو ابھی سیونتھ گریڈ میں تھیں جبکہ سامنے والی محترمہ کالج گرل لگ رہی تھیں۔ میں دونوں کو اس کی

نفتیں کرتا دیکھ کر محظوظ ہوتا تھا۔
دونوں میری تعریف میں رطب اللسان تھیں جبکہ اب تو وہ محترمہ بھی کچھ کچھ تذبذب کا شکار نظر آنے لگی تھیں۔
"اچھا بس چپ کرو تم دونوں۔ وہ اگر بتانا نہیں چاہتی تو تنگ مت کرو۔"
آخر کار میں نے انہیں ٹوک دیا۔ تو لاؤنج میں یوں خاموشی چھا گئی جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا ہو۔ اس خاموشی کو نانو کی آواز نے توڑا تھا۔
"شانزے بیٹی آئی ہے۔ کیسی ہو۔" شانزے فوراً اٹھی اور جاکر نانو کا پیار لیا۔
"ٹھیک ہوں نانو۔ آپ سنائیں! ابھی چکر ہی لگا لیا کریں ہمارے گھر۔ خالہ بھی کئی دن سے کہہ رہی ہیں کہ آپ کی طرف آئیں گی۔" وہ نہایت محبت سے نانو کے ہاتھ تھام کر بولی۔
"آؤں گی بیٹا۔ بس مصروفیت بہت رہی پچھلے دنوں۔ اس سے ملیں یہ میرا نواسا ہے عباس۔ رہنے کے لیے آیا ہے۔"
وہ از سر نو میرا تعارف کروانے لگیں تو اس نے سر ہلا دیا۔
"اس کے آنے سے گھر میں رونق ہو گئی ہے۔ پھر کام بھی بڑھ گیا ہے نامیرا اور عباس یہ میری دوست کی نواسی ہے اور بچیوں کی بہت اچھی سہیلی شانزے ہماری ہی لین میں اس کا بھی گھر ہے۔"
شاید نانو کو وہ بہت اچھی لگتی تھی جبھی اتنے پیار سے اس کا تعارف کروا رہی تھیں۔
"نائس ٹو میٹ یو۔" میں نے شرارتی لہجے میں کہا جواباً وہ صرف گھور کے رہ گئی۔
"اور سناؤ بیٹا! یونیورسٹی کیسی جا رہی ہے؟"
وہ اس سے باتوں میں مصروف ہو گئیں اور میں اس کا جائزہ لینے میں۔ وہ بڑے ادب سے نانو کے سوال کا جواب دے رہی تھیں۔ اتنے میں چائے بھی آگئی۔ ابھی چائے پی ہی رہے تھے کہ نانو کے مہمان آگئے۔ وہ انہیں ڈرائینگ روم میں بٹھانے کا کہہ کر وہاں سے چلی گئیں۔ لاؤنج میں ہم چاروں رہ گئے۔
"ہاں تو بیٹا... تمہاری آپی کو کیا مسئلہ ہے؟" میری بات پر اس نے چڑ کر مجھے دیکھا۔
"میرے مسئلے سے کوئی سروکار رکھنے کی بجائے آپ اپنی چائے کی فکر کریں۔" وہ تڑخ سے بولی۔
"شکریہ۔ وہ تو میں نے پی لی ہے۔ ویسے ایک بات بتانا پسند فرمائیں گی محترمہ! آئیں ہے ایسا کون سا غم چھوڑ دیا ہے آپ پر کہ آپ ناراض نظر آ رہی ہیں؟" میں نے بڑے مفکرانہ لہجے میں پوچھا تو وہ ایک دم سے اداس نظر آنے لگی۔ پلوشہ نے جو اس کے چہرے کو دیکھا تو فوراً "میدان میں اتر آئی۔
"عباس بھائی! پلیز آپی کو تنگ مت کریں۔ پہلے ہی یہ اتنی ٹینشن میں ہیں۔ مزید ٹینشن مت دیں۔ آپ نہیں جانتے کہ ان کی خالہ ان کی شادی کرنا چاہ رہی ہیں اور آج کل ان کے..." "نہ نہ" کرتے بھی پلوشہ نے بھانڈا پھوڑ دیا مگر شانزے کی دھاڑ نے اس کی آدھی بات کاٹ کر رکھ دی۔
"تم... تم پلوشہ۔" اس کا بس نہ چل رہا تھا کہ کیا کر دے اور پھر اسی بے بسی میں وہ اٹھی اور فوراً "واک آؤٹ کر گئی۔ پیچھے سے وہ دونوں اسے آواز دیتی رہ گئیں۔
"یہ کیا ہوا بھائی! وہ تو خفا ہو گئی ہیں مجھ سے۔" اس نے پریشانی سے مجھے دیکھا۔ میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔
"کوئی بات نہیں... مان جائے گی۔ تم پہلے مجھے پوری بات بتاؤ۔" "ہاں تاکہ وہ مزید خفا ہو جائیں!" وہ بدک گئی۔
"نہیں نہیں۔ خفا نہیں ہو گی۔ میں اس کے مسئلے کا ایسا شاندار حل نکالوں گا کہ ایک دم سے وہ عش عش کر اٹھے گی۔" میں نے اسے تسلی دی اور آخر کار اس سے ساری بات اگلوالی۔
بات کچھ یوں تھی کہ شانزے آفریدی اپنی خالہ کے ہمراہ اکیلی رہتی تھی۔ والدین اس کے دبئی میں تھے۔ اس کے نانا، نانی کا انتقال اس کی ماما کی شادی کے بعد

ایک حادثے میں ہو گیا تھا۔ ان دنوں اس کی ماما یہیں رہتی تھیں۔ بھائی کوئی تھا ہی نہیں اس کی خالہ اور ماما صرف دو بہنیں تھیں۔ والدین کی وفات کے بعد اس کی خالہ بھی بہن اور بہنوئی کے ساتھ رہنے لگی تھیں۔ شانزے جب آٹھ سال کی تھی تو اس کے پاپا نے دبئی شفٹ ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ کیونکہ ان کی ساری فیملی ہی وہیں تھی۔ مسئلہ اس کی خالہ کا تھا جس نے شادی نہیں کی تھی اور نہ ہی کرنا چاہتی تھیں۔ تب اس کے والدین نے شانزے کو مستقل ان کے پاس چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔ گو کہ یہ فیصلہ شانزے کی مرضی سے ہوا تھا کیونکہ وہ اپنی خالہ سے بہت اٹیچ تھی۔ یوں اس کی فیملی دبئی شفٹ ہو گئی جس میں شانزے سے چھوٹے دو بھائی بھی تھے۔
تب سے شانزے اپنی خالہ کے ساتھ رہ رہی تھی۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ شانزے کے بہت پرپوزل آ رہے تھے اور اس کی خالہ نے بہن بہنوئی سے مشورہ کرنے کے بعد ان میں سے ایک کو اوکے کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ خالہ صاحب جائیداد تھیں۔ ان کی زمینیں اور باغات تھے جن سے انہیں اتنی آمدنی ہو جاتی تھی جس سے ان کی گزر بسر بہت اچھی طرح ہو رہی تھی۔ مگر شانزے شادی پر تیار نہیں تھی وہ فائنل ایئر میں تھی اور خالہ کا ارادہ منگنی اور پھر اس کے فائنل کے بعد اس کی شادی کا تھا۔ مگر وہ خالہ کو اکیلا چھوڑ کر جانا نہیں چاہ رہی تھی۔ خالہ کی تنہائی تو اسی کے دم سے آباد تھی۔ خود وہ اس کی باتوں کو اہمیت دینے کو تیار نہ تھیں۔
"اب مسئلے کا حل تو یہ ہونا چاہیے کہ شانزے کے ساتھ ساتھ اس کی خالہ کا بھی بیاہ کر دیا جائے۔" ساری کتھا سننے کے بعد میں نے فیصلہ سنایا۔
"کیا...؟ ان کی شادی! یہ تو ممکن نہیں بھائی۔ ان کی خالہ کو شادی سے چڑ ہے۔" پلوشہ نے فی الفور یہ حل مسترد کر دیا۔
"کیوں کیا ان کے ساتھ کسی نے بے وفائی کی تھی یا وہ بہت عمر رسیدہ ہیں؟" میں نے اعتراض اٹھایا تو وہ دونوں معنی خیزی سے ہنسنے لگیں۔
"اس کا تو ہمیں پتا نہیں مگر عمر رسیدہ تو وہ ہیں۔ کیوں بینا!"
پلوشہ نے معنی خیزی سے بینا کو دیکھا۔
"کیا خیال ہے... بھائی کی ایک ملاقات نہ کروا دی جائے خالہ سے؟"
"کیوں نہیں۔" وہ بھی فوراً "پرجوش ہوئی اور یوں میرے ذہن میں ایک موٹی ڈھنگ سفید بالوں والی عورت کا خاکہ ابھر آیا۔

☆ ☆ ☆

اور ملاقات بھی اگلے دن ہو ہی گئی۔ دونوں مجھے صبح ان کے گھر لے گئیں۔ شانزے شاید یونیورسٹی جا چکی تھی۔ میں بڑے سارے سرسبز لان کو ستائشی نظروں سے دیکھ رہا تھا جب بینا نے میرا بازو کھینچا۔
"آئیں نا... اندر چلیں۔"
میں اس کے ہمراہ اندر گیا تو سراہے بغیر رہ ہی نہ سکا تھا۔ اتنی نفاست، اتنی صفائی تھی کہ دل باغ باغ ہو رہا تھا۔ میں لاؤنج میں بیٹھا دل ہی دل میں سراہ رہا تھا۔ وہ دونوں مجھے بٹھا کر غائب ہو گئی تھیں۔ شاید خالہ کو بلانے چلی گئی تھیں۔
"آئیں خالہ، جلدی کریں۔" پلوشہ کی پرجوش آواز پر میں سنبھل کر ادب سے بیٹھ گیا۔ سر کو یوں جھکا لیا جیسے مجھ سے زیادہ تمیز دار تو اس دنیا میں کوئی دوسرا ہے ہی نہیں۔
"یہ ہیں ہمارے عباس بھائی۔" بینا کی باریک سی آواز پر میں سر کو جھکا کر کھڑا ہو گیا تھا۔
"السلام علیکم۔" بڑے ادب سے سلام کر کے میں نے سر کو ان کے آگے جھکایا تھا۔
"وعلیکم جیتے رہو۔" انہوں نے میرے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا تو میں نے سر کو اٹھایا اور انہیں دیکھا اور پھر جیسے صدمے سے بت بنا رہ گیا تھا۔ یہ تھیں وہ عمر رسیدہ خالہ۔ یہ تو میرے اندازے سے بھی بڑھ کر کچھ اور ثابت ہوئی تھیں۔ میں انہیں یک ٹک گھورتا جا رہا تھا۔ بینا اور روشی کی ہنسی سے میری محویت ٹوٹی۔

"بیٹھ جاؤ عباس۔" وہ نہ جانے کتنی دیر سے کہہ رہی تھیں۔ میں نے ان دونوں کو خونخوار نظروں سے گھورا جو کہ مسلسل مسکرا رہی تھیں اور پھر بیٹھ گیا۔

"کیسے ہو؟ شانزے سے سنا تھا کہ آنٹی کا لاڈلا آیا ہوا ہے۔ مگر ان دنوں کچھ مصروفیت تھی اس لیے نہ ہی تم سے ملنے آسکی اور نہ ہی آنٹی سے۔" وہ بڑے نرم لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

"الحمدللہ۔ میں تو ٹھیک تھا مگر آپ کو دیکھ کر شاید نہ رہوں۔" میں نے دونوں کو گھور کر انہیں کہا تو چونک گئیں۔

"کیوں بھئی! مجھے دیکھ کر صدمہ ہوا ہے؟"

"آپ صدمہ کہہ رہی ہیں۔ میرا تو نروس بریک ڈاؤن ہوتے ہوتے بچا ہے۔ سچ میں تو ان دونوں کی باتیں سن کر یہ سمجھا تھا کہ آپ کوئی عمر رسیدہ خاتون ہوں گی۔ جن کے بال سفید، کمر جھکی ہوئی اور ہاتھ میں چھڑی ہوگی۔ چہرے پر جلال۔ مگر آپ تو میری سوچوں کے بالکل برعکس نکلیں۔" میں نے کھل کر اپنی حیرت کا اظہار کیا تو وہ مسکرانے لگیں۔

"بھئی ضروری تو نہیں کہ ہر عمر رسیدہ شخص ان جملہ خصوصیات پر پورا اترتا ہو۔ کچھ میرے جیسے بھی ہوتے ہیں۔" وہ انکساری سے بولیں۔

"کیا؟ عمر رسیدہ؟ کیا کہہ رہی ہیں آپ' آپ تو کہیں سے بھی عمر رسیدہ نہیں لگتیں۔ بلکہ مجھ سے چند سال ہی بڑی ہوں گی۔" میرے کہنے پر وہ صرف ہلکا سا مسکرا کر چپ ہو گئیں پھر موضوع بدل کر مجھ سے میرے گھر والوں کے بارے میں پوچھنے لگیں۔

"آپ ماما کو جانتی ہیں؟"

"بہت اچھی طرح سے کئی دفعہ ان سے ملاقات بھی ہوئی ہے۔ تم بتاؤ تم آج کل کیا کر رہے ہو؟" میں نے ان جیسا مترنم لہجہ بہت کم سنا تھا۔

"سی اے کے ایگزام کے بعد رزلٹ کا انتظار کر رہا ہوں پھر جاب۔"

"چلو اللہ تمہیں کامیابی دے۔ مجھے بھی بڑا انٹرسٹ تھا جاب میں۔ مگر پھر شانزے کی ذمہ داری کی وجہ سے مجھے اپنی جاب چھوڑنی پڑی۔ خیر اب تو وہ اس قابل ہو گئی ہے کہ خود کو سنبھال سکے مگر پھر بھی بچوں کی طرح ضدیں کرتی ہے میرے ساتھ۔"

وہ بہت محبت سے اس کا ذکر کر رہی تھیں میں بغور ان کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

دبلی پتلی سی، گرین بڑی بڑی آنکھوں والی یہ خالہ تو کہیں سے بھی عمر رسیدہ نہیں لگتی تھیں۔ میرے خیال میں یہ تیس کے قریب ہوں گی۔ عام سے گھریلو حلیے میں ملبوس براؤن بالوں کو جوڑے کی شکل میں لپیٹے وہ بہت خاص لگ رہی تھیں۔

"کیا وجہ تھی کہ انہوں نے ابھی تک شادی نہیں کی۔ حالانکہ ان جیسی صورتوں پر مرنے والے ہزاروں ہوتے ہیں۔" میں سوچ رہا تھا اور ساتھ ساتھ ان سے گفتگو میں بھی مصروف تھا۔

"کیا لوگے عباس؟ کولڈ ڈرنک یا چائے؟" ان کے پوچھنے پر میں نے چائے کا کہہ دیا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ان کے جانے کے بعد پلوشہ نے مجھے دیکھا اور مسکرائی۔

"کیوں بھائی؟ دیکھا کیسی پیاری سی خالہ ہیں شانزے آپی کی۔" وہ یوں داد طلب کر رہی تھی جیسے یہ اسی کی دریافت ہوں۔

"واقعی بھئی۔ اب سوچ رہا ہوں کہ خالو بھی شاندار ہونا چاہیے۔ میرے بارے میں کیا خیال ہے تمہارا؟" میں نے پرسوچ لہجے میں [illegible] ہوئے اس سے رائے طلب کی تو وہ ہکا بکا رہ گئیں۔

"کیا؟ آپ خالو؟ [illegible] آپ۔" دونوں انتہائی حیرانی سے مجھے دیکھ رہی تھیں۔ میں ان کی حیرت پر دل ہی دل میں محظوظ ہو رہا تھا۔

"میرا مطلب ہے کہ ان کے لیے لڑکا بھی میرے جیسا ہینڈسم سا ہونا چاہیے' ہے نا؟"

"ایک دم ٹھیک۔ مگر عباس بھائی ایسا لڑکا ڈھونڈیں گے کہاں سے؟" وہ فوراً تشویش سے پوچھنے لگی تھیں۔

"اور ڈھونڈ بھی لیا تو خالہ کیا راضی ہو جائیں گی؟"

اس نے دوسرا اہم نقطہ اٹھایا۔

"خیر وہ بھی سوچ لیں گے۔" میں نے پرسوچ انداز میں کہہ کر بات ختم کر دی۔ مگر دل میں تجسس سر اٹھا چکا تھا کہ آخر کیا وجہ ہے جو انہوں نے ابھی تک شادی نہیں کی؟

گھر آنے کے بعد وہ دونوں تو اپنے بیڈ روم میں چلی گئیں اور میں ماموں کی اسٹڈی میں آگیا۔

کچھ میلز کرنی تھیں۔ اس لیے نیٹ پر بیٹھ گیا۔ ماما کی میل آئی ہوئی تھی۔ رات کو ماموں [illegible] پر اس لیے مجھے پتا نہ چلا۔ میل [illegible] اس کا جواب دیا اور پھر اپنے فرینڈز سے چیٹ کرنے لگا۔ کتنی دیر بعد جب میں نیٹ شٹ ڈاؤن کر کے اٹھا تو شانزے کی خالہ کا خیال میرے ذہن میں تھا۔

میں نیچے آیا۔ لاؤنج خالی تھا۔ نانو کے کمرے میں جھانکا تو وہ [illegible] بیڈ پر بیٹھی نظر آئیں۔

"نانو! آجاؤں؟" میں دروازے سے سر اندر کر کے اجازت چاہی۔

"آؤ عباس! پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔" انہوں نے نرمی سے مسکرا کر کہا۔

میں اندر آگیا اور بیڈ پر چڑھ کر نانو کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔ نانو تسبیح پڑھنے کے ساتھ ساتھ میرے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگیں۔

"تنگ تو نہیں ہو رہے یہاں پر تم۔"

"نہیں نانو۔ بلکہ مجھے تو اتنا مزا آرہا ہے۔ سوچ رہا ہوں کہ ماما نے اچھا کیا جو مجھے یہاں بھجوا دیا۔ وہاں پر میرا اتنا خیال رکھنے والا کون تھا۔"

میں نے سر میں گردش کرتا ان کا ہاتھ تھام کر چوما۔

"کہہ رہی تھی مجھے ثمینہ کہ اماں میرے بیٹے کا بہت خیال رکھیے گا کیونکہ یہ کبھی میرے بغیر اتنے دن رہا نہیں۔"

نانو کی بات پر مجھے بے اختیار ماما پر پیار آگیا تھا۔ وہ بظاہر مجھے ٹوکتی رہتی تھیں مگر میں انہیں بہت پیارا تھا جہانگیر بھائی سے بھی زیادہ۔

"نانو ایک بات بتائیے۔ کیا آپ بھی ماما اور ماموں سے اتنا ہی پیار کرتی ہیں۔" ان کے چہرے کی طرف دیکھ کر ان سے [illegible] کیا تو ان کے چہرے پر ممتا کا نور بکھر گیا۔

"عباس! ہر والدین کو اولاد پیاری ہوتی ہے۔ چاہے وہ کتنی ہی بڑی ہو جائے ماں باپ ہمیشہ ہی ان کا اسی طرح خیال رکھتے ہیں جیسے چھوٹے بچوں کا رکھا جاتا ہے۔"

"تو کیا نانو۔ آپ کو ماما یاد نہیں آتی تھیں۔ ان کی شادی بھی آپ نے دور کی تھی اور آپ کی وہ اکلوتی بیٹی تھیں۔" میں نے نکتہ اعتراض اٹھایا۔

"کیوں نہیں یاد آتی تھی۔ شروع شروع میں میں اسے یاد کر کے روتی تھی مگر تمہارے نانا مجھے منع کر دیتے تھے اس کے سامنے رونے سے کہ بچی کا دل برا ہو گا' نئے گھر میں ایڈجسٹ نہیں کر پائے گی۔ پھر میں بھی یہ بات سمجھ گئی۔ رفتہ رفتہ دل کو سمجھا لیا تھا میں نے پھر عارفین تھا میرے پاس گھر کے دھندے' بس دل کو صبر کرنا آگیا اور جب عارفین کی شادی ہوئی تو گھر میں رونق اتر آئی تھی مگر وہ بھی چند دن ہی رہ سکی۔"

نانو بات کرتے ہوئے آبدیدہ ہو گئیں۔ ماموں کی زندگی ان کے لیے بہت تکلیف دہ تھی۔

"نانو تو آپ ماموں کی دوسری شادی کروا دیتیں نا اتنے ینگ سے تو ہیں وہ اب بھی۔" میں ان کے ہاتھوں کو تھام کر بولا۔

"بیٹا میں نے تمہارے نانا' ثمینہ ہم سب نے کتنا دباؤ ڈالا مگر اس کی 'نا' 'ہاں' میں نہ بدلوا سکے۔ وہ اپنی بیٹیوں پر سوتیلی ماں کا سایہ نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ ایک تو پہلے میں نے اس کی اتنی کم عمری میں شادی کر دی تھی گھر کے سناٹے کی وجہ سے۔ مجھے کیا پتا تھا کہ وہ رونق بھی عارضی ہو گی اور سناٹا میرے بیٹے کا مقدر ہی بن جائے گا۔"

نانو کی آنکھوں میں نمی جھلملانے لگی تھی۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور نانو کو اپنے بازو کے حلقے میں لے لیا۔

"فکر مت کریں نانو ان شاء اللہ میں دیکھیے تو کیا کرتا ہوں۔ آپ بس روئیے مت۔" میرے ذہن

میں شانزے کی خالہ اور ماموں کا خیال ایک ساتھ آیا اور میں مسکرانے لگا۔

☼ ☼ ☼

شام کی چائے کے بعد میں ان دونوں کے ساتھ واک پر نکل گیا۔ ہلکی دھیمی ہوا چل رہی تھی۔ ہم تینوں واک کرتے ہوئے آئسکریم کارنر تک گئے۔ آئسکریم لے کر ہم دوبارہ کالونی کی طرف مڑے تھے۔ دونوں خوب چہک رہی تھیں میں ان کی باتوں پر ہنس رہا تھا۔ جب اچانک میری نظر سامنے شانزے پر پڑی تھی۔ وہ اکیلی کھوئی کھوئی سی ایک طرف چل رہی تھی میں نے ان دونوں کو اس کی طرف متوجہ کیا۔

"وہ دیکھو۔ سامنے تمہاری درزی آپی۔"

دونوں نا سمجھی سے مجھے دیکھنے لگیں اور پھر سامنے زی کو دیکھ کر چیخیں۔

"زی آپی۔" ان کی تیز چیخ پر کئی لوگوں نے سر گھما کر انہیں دیکھا مگر وہ دونوں سب سے بے نیاز اس کی طرف بھاگ رہی تھیں۔ شانزے حیرت سے انہیں دیکھ کر مسکرائی تھی۔ میں سر جھٹک کر مسکراتے ہوئے ان کی طرف بڑھنے لگا تھا۔

"آپی... آپ اکیلے واک کر رہی ہیں۔ ہماری طرف آجاتیں۔ اکٹھے چلتے۔ سچ ہمیں تو اتنا مزا آرہا ہے۔ عباس بھائی کے ساتھ انہوں نے ہمیں آئسکریم بھی کھلائی ہے۔"

حسب معمول پلوشہ نان اسٹاپ شروع تھی جبکہ مینا گردن ہلا ہلا کر تصدیق کر رہی تھی۔ شانزے ان کی باتوں پر صرف مسکرا رہی تھی۔ بولی کچھ نہیں۔

"ہیلو! کیا حال ہیں آپ کے؟" میں نے پچھلی دفعہ کے برعکس سنجیدہ دوستانہ لہجے میں بات کی۔ اس نے ایک نظر مجھے دیکھا پھر نظر چرا کر رہ گئی۔

"آئس کریم کھاؤ گی؟" میں نے ہاتھ میں پکڑی آدھی کھائی آئس کریم اس کی طرف بڑھائی جو اس نے رکھائی سے شکریہ کہہ کر پیچھے کر دی۔

"کھالو ویسے بھی جھوٹا کھانے سے محبت بڑھتی ہے۔" میری بات پر اس نے ترچھی نظر سے مجھے دیکھا۔

"مجھے اِیروں غیروں سے محبت بڑھانے کی ضرورت نہیں ہے سمجھے۔"

"اف! یہ کیا کر رہی ہو۔ تم نے سنا نہیں کیا۔" اکیلے کس طرح ہم حل کریں گے

محبت اجتماعی مسئلہ ہے۔" میں نے مسکراہٹ دبا کر سنجیدگی سے شعر پڑھا۔ وہ ہونٹ بھینچ کر رہ گئی۔ اس کی خاموشی نے مجھے پھر اکسایا۔

"تو کھالو یوں بھی غصہ کو ٹھنڈا کرنے کا بہترین فارمولا ہے یہ۔"

"تم... تم اپنی حد میں رہو تو بہتر ہے۔ میرا دماغ ویسے بھی اس وقت بہت خراب ہے۔ اگر ایسا ویسا کچھ کہہ دیا تو بعد میں سر پکڑ کے رو گے۔" اس نے غصیلے لہجے میں وارننگ دی۔ میں ڈرنے کی ایکٹنگ کرنے لگا۔

"مینا یار! مجھے بچاؤ۔ تمہاری آپی تو سچی مچی غصے میں لگ رہی ہیں۔" پلوشہ میری بات پر مسکرانے لگی تھی جبکہ مینا خفا ہو گئی۔

"آپ دونوں دوستی کیوں نہیں کر لیتے بھائی۔ مجھے یہ سب اچھا نہیں لگتا۔"

"بھئی میں تو دوستی کرنا چاہتا ہوں مگر تمہاری درزی آپی۔ سوری زی آپی ہی بے زار نظر آتی ہیں مجھ سے۔" میں نے مظلومیت سے کہا۔ شانزے صرف گھور کر رہ گئی۔

"کیوں آپی! میرے اتنے اچھے بھائی ہیں۔ آپ ان سے دوستی کر لیں نا پلیز۔" اس نے التجا آمیز انداز میں اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

"مجھے دیر ہو رہی ہے۔ گھر چلتی ہوں۔ تم لوگوں نے جانا ہے؟" وہ اس کی بات نظر انداز کر گئی۔

"آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔" وہ خفا نظر آنے لگی تھی۔ شانزے بے بسی سے سانس بھر کر رہ گئی۔

"چلیں آپی! ہاتھ ملائیے بھائی سے۔" حسب معمول پلوشہ نے جلدی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر میرے

ہاتھ میں تھما دیا۔ اس اچانک افتاد پر وہ گھبرا گئی۔ میں نے شرارت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس کا ہاتھ دبا لیا۔ وہ ہاتھ چھڑانے لگی۔

"دیکھو میں تو دوستی کر رہا ہوں مگر تمہاری آپی ہی مجھ سے ہاتھ چھڑا رہی ہیں۔" میں نے انجان بنتے ہوئے دیکھ کر دونوں سے احتجاج کیا۔

"بھائی اس وقت تک ہاتھ نہ چھوڑیے گا جب تک آپی مان نہیں جاتی۔" پلوشہ کے نئے آرڈر پر وہ گڑبڑا گئی۔

"تو پھر کیا خیال ہے یونہی چلتے ہیں۔ ہاتھوں میں ہاتھ دیے۔" میں نے بھنویں اچکا کر کہا۔ وہ تلملا گئی۔

"کمینہ..." وہ زیر لب بڑبڑائی اور ہاتھ چھڑانے لگی۔ میں نے سن لیا تھا۔ اس لیے اور زور سے اس کا ہاتھ دبایا۔

"اف... ٹھیک ہے... ٹھیک ہے دوستی منظور ہے۔" وہ کراہی۔ دونوں تالیاں بجا رہی تھیں۔ وہ لاچاری سے بولی تو بچیوں نے ایک دم سے ہرے کا نعرہ لگایا۔ میں نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔ چند گزرنے والے لوگوں نے ہماری طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے گزر گئے۔ وہ اپنا ہاتھ دبا رہی تھی۔

"ٹھیک ہے بچیوں۔ دوستی کی خوشی میں میں تم لوگوں کو کوک پلاتا ہوں۔"

"جی نہیں صرف کوک نہیں۔ ہم سینڈوچز بھی کھائیں گے۔" پلوشہ نے فوراً فیصلہ سنا دیا۔

"اور برگر بھی۔" مینا نے باریک سی آواز میں اضافہ کیا۔

"آپ کیا لینا پسند فرمائیں گی۔؟" میرے کہنے پر اس نے ترچھی نظروں سے مجھے دیکھا اور پھر چبا چبا کر بولی۔

"تمہارا سر۔"

"وہ تو ابھی بھی حاضر ہے۔" میں نے فوراً سر کو اس کے آگے جھکا دیا۔ دونوں ہنسنے لگیں۔ کچھ دیر وہ میرے سر کو گھورتی رہی پھر ایک دم سے مسکرائی۔

بچیاں اس کی مسکراہٹ پر تالیاں پیٹنے لگیں۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

"تھینک یو اللہ لوگوں کے دل بھی ہمارے لیے پگھلے۔"

میں نے آسمان کو دیکھ کر بلند آواز سے شکر ادا کیا اور پھر انہیں کوک کے ساتھ برگر، سینڈوچز، چپس کے ساتھ شانزے کی فرمائش پر دہی بھلے بھی کھلائے۔

یوں ایک بھرپور شام گزار کر ہم گھر آئے تو ہم چاروں میں پکی دوستی ہو چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

ماما کا فون آیا تھا۔ ان سے بات کر کے میں ماموں کے پاس آ بیٹھا۔ تانو اب ان سے گفتگو کر رہی تھیں اور دونوں بہنیں فون کے پاس پر اشتیاق انداز میں کھڑی تھیں۔

"ماموں! ذرا ان دونوں کو تو دیکھیں۔ ماما کا فون سن کر کتنی خوش ہو رہی ہیں۔" میں نے ماموں کی توجہ ٹی وی کے بجائے ان پر مبذول کروائی۔ وہ متوجہ ہوئے اور پھر انہیں دیکھ کر مسکرانے لگے۔

"انہیں یونہی آپا کے فون کا انتظار رہتا ہے۔ بہت محبت کرتی ہیں دونوں اپنی پھپھو سے۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ ماموں! ماں کی محبت تو انہیں نصیب نہیں ہوئی۔ ماما کی محبت میں یہ ممتا کے عکس تلاشتی ہیں۔" میں نے چالاکی سے انہیں ایموشنل کرنا چاہا۔

"الحمدللہ عباس! اماں نے انہیں کبھی ماں کی کمی محسوس نہیں ہونے دی... اور پھر دونوں بہت سادی اور سمجھ دار بچیاں ہیں انہیں اس طرح کا کوئی کمپلکس نہیں ہے۔" انہوں نے نہایت اطمینان سے ایموشنل ہوئے بغیر کہہ دیا۔ مگر میں نے بھی ہمت نہ ہاری۔

"ٹھیک ہے کہ نانو نے انہیں ماں کی کمی کبھی محسوس نہیں ہونے دی مگر آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ انہیں ماں کی کمی کا کوئی احساس نہیں۔" میں نے جرح

کرنے والے انداز میں اعتراض کیا۔
"وہ اس لیے بیٹا جی! یہ دونوں بچیاں مجھ سے بہت کلوز ہیں اور اپنی ہر بات مجھ سے شیئر کرتی ہیں۔ آج تک انہوں نے کبھی مجھ سے ماں کی کمی کی شکایت نہیں کی۔ زرمینہ تو پھر بھی سادہ سی ہے مگر پلوشہ بہت آؤٹ اسپوکن ہے اس کو جو چاہیے ہوتا ہے۔ کھل کر کہہ دیتی ہے۔ آج تک مجھے ان سے یہ سننے کو نہیں ملا۔ سات سال ہو گئے ہیں انہیں ماں کے بغیر رہتے ہوئے اور انہیں کوئی شکایت نہیں ہوئی۔" لیجیے! ماموں نے تو بات ہی ختم کر دی۔

یعنی کہ اب انہیں اس کمی کا احساس دلایا جائے۔ میں سوچنے لگا کہ انہیں خود تو کسی ساتھی کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی اگر بیٹیاں ضد کریں تو ہو سکتا ہے کہ ماموں ان کی خاطر اپنا گھر آباد کرنے کا سوچ لیں۔

"آئیڈیا اچھا ہے عباس پتر چل آج سے اس مہم پر شروع ہو جا۔" اپنے گریس فل سے ماموں کو دیکھتے ہوئے میں نے سوچا جو اب نہایت انہماک سے بزنس پلس دیکھ رہے تھے۔

رات کو کھانا کھا کر میں ان دونوں کے ساتھ شانزے کے گھر آ گیا۔ وہ لان میں اپنی خالہ کے ہمراہ ہمیں ٹہلتے ہوئے مل گئی۔

"ہیلو لیڈیز! کیا ہو رہا ہے۔" میں نے خوشگوار انداز سے کہا۔

"واک کی جا رہی ہے۔ آؤ تم بھی ہمیں جوائن کر لو۔" شانزے نے دعوت دی۔

"نہیں بھئی واک کا مزا تو سڑکوں پر ٹہلتے ہوئے آتا ہے۔ ہم تمہیں اسی لیے لینے آئے ہیں۔ چلو ہمارے ساتھ۔"

میں نے جلدی مچائی۔ بچیاں لان میں لگے جھولوں پر بیٹھ گئی تھیں۔

"خالہ... ویسے اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو مجھے یہ لفظ خالہ آپ کے لیے سوٹ ایبل نہیں لگتا۔ میں آپ کو کچھ اور کہہ کر بلا سکتا ہوں۔" میری بات پر وہ مسکرائیں۔

"مثلاً؟"

"پرنسس گلریوئی یا پھر۔"

"بس عباس۔" وہ بے ساختہ مسکرانے لگی تھیں۔ جس سے ان کے دائیں گال پر بھنور سا بننے لگا تھا۔

"مجھے تو تم بس خالہ ہی کہہ لو یہی کافی ہے اور سوٹ کرتا ہے مجھے۔"

"مگر خالہ سے تو ذہن میں ایک بزرگ سی ہستی آ جاتی ہے آپ تو اتنی ینگ ہیں۔" انہوں نے سر جھٹک کر مجھے ٹوک دیا۔

"کوئی ینگ وینگ نہیں ہوں۔ اس سال پورے چھتیس سالوں کی ہو جاؤں گی میں۔"

"مگر شکل سے تو بمشکل تیس کی لگتی ہیں آپ۔"

"اس بحث کو چھوڑو۔ واک پر نہیں جانا۔" انہوں نے سہولت سے موضوع بدل ڈالا۔

"آپ چلیں گی؟"

"سوری! تم لوگ شانزے کو لے جاؤ مجھے کچھ کام ہیں۔ جاؤ شانزے۔" وہ ہمیں اللہ حافظ کہہ کر اندر چلی گئیں۔

میں نے پلوشہ اور زرمینہ کو آواز دی اور شانزے کے ساتھ گیٹ سے باہر نکل آیا۔ جاتی سردیوں کے دن تھے اب راتیں اتنی سرد نہ تھیں۔ واک کرتے ہوئے میں نے ٹٹولنے کی غرض سے پلوشہ سے پوچھا۔

"دوشی ڈیئر! تمہیں اپنی ماما یاد نہیں آتیں؟" وہ جو شانزے کو کوئی قصہ سنا رہی تھی ایک دم میری طرف مڑی اور بے نیازی سے بولی۔

"نہیں۔" اس کے صاف انکار جواب پر میں ہکا بکا رہ گیا۔

"کیوں؟ تمہیں کبھی ان کی کمی محسوس نہیں ہوئی؟ میں یہ مان ہی نہیں سکتا۔" میں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہا۔

"ہمیں تو ماما کی شکل بھی ڈھنگ سے یاد نہیں بھائی اور پھر دادو ہم سے اتنا پیار کرتی ہیں۔ پاپا اتنا خیال رکھتے ہیں۔ ہمیں تو کسی کی کمی کا احساس ہی نہیں ہوتا۔" وہ

پراعتماد انداز میں صاف گوئی سے بولی تھی۔

"تو بھئی چھٹی ہوئی۔" میں نے سوچا اور پلوشہ کو دیکھا جو پھر سے زور و شور سے اپنا قصہ شروع کر چکی تھی۔ اچانک ہی مجھے اپنے ہاتھ پر کسی کی نرم گرفت کا احساس ہوا تھا۔ میں نے مڑ کر دیکھا وہ زرمینہ تھی۔

"لیکن بھائی مجھے ماما کی کمی فیل ہوتی ہے۔ بہت زیادہ۔" وہ مدھم لہجے میں سر جھکا کر بولی تھی۔

"مینا تمہیں کیوں ہوتی ہے؟ کیا نانو اور ماموں تم سے اتنا پیار نہیں کرتے جتنا دوشی سے؟" میرے پوچھے گئے سوال پر اس نے ایک دم سے نفی میں سر ہلایا۔

"کرتے ہیں۔ بہت کرتے ہیں۔ مگر جب میں اور بچوں کو ان کی ماما سے ضد کرتے دیکھتی ہوں تو میرا دل چاہتا ہے کہ کاش میری بھی ماما ہوتیں میں بھی ان سے ضد کرتی۔" اس کے لہجے میں حسرتیں بول رہی تھیں۔

"تو تم نانو سے ضد کر سکتی ہو۔ وہ بھی تمہاری ماما کی طرح ہیں۔" میں نے پیار سے سمجھایا۔

"نہیں بھائی! دادو پہلے ہی ہماری وجہ سے suffer کرتی ہیں۔ میں انہیں اپنی ضد کی وجہ سے پریشان نہیں کر سکتی۔ وہ ہماری اتنی کیئر کرتی ہیں۔ اتنا پیار دیتی ہیں۔ میں ان سے کیسے ضد کر سکتی ہوں ہاں اگر ہماری ماما ہوتیں تو میں ان کو خوب تنگ کرتی۔ نخرے دکھاتی پھر وہ بھی پیرنٹس ڈے پر پاپا کے ساتھ آتیں۔ سب کتنا اچھا ہوتا ہے نا۔" اس کی آنکھوں میں نمی جھلملانے لگی تھی۔ میں نے ذرا جھک کر نرمی سے اس کی آنکھوں کو اپنے ہاتھوں کی پوروں سے صاف کیا۔ پلوشہ اور شانزے ہم سے کافی آگے نکل گئی تھیں۔

"تم نے کبھی پاپا سے یہ سب کہا ہے۔" میں نے سوچ کر کہا کیونکہ مجھے ماموں کی بات یاد آ گئی تھی۔

"نہیں۔" اس نے سر ہلا دیا۔

"تو کہو نا ڈیئر! پاپا سے کہو کہ تمہیں بھی ایک پیاری سی ماما چاہیے۔ جو تمہارے نخرے اٹھائے۔ تمہاری ضدیں پوری کرے۔" میں نے پیار سے اسے اکسایا۔

"تو میں اسٹیپ مدر؟" اس نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"ڈیئر ماں، ماں ہوتی ہے چاہے سگی ہو یا سوتیلی اور پھر ضروری تو نہیں کہ ہر اسٹیپ مدر ظالم اور بری ہو۔" میں نے اسے سمجھانا شروع کیا۔

"مگر سب کہتے ہیں۔"

"سب کو چھوڑو۔ تم اپنی بات کرو۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تمہیں ماما چاہیے کہ نہیں۔"

"چاہیے۔"

"تو پھر ڈن، تو اپنے پاپا سے کہو گی کہ تمہارے لیے ایک پیاری سی نازک سی ماما لائیں۔" میرے ذہن میں خالہ کا سراپا ابھر آیا۔

"کیوں وہ کوئی مارکیٹ میں ملتی ہیں۔" وہ خفگی سے بولی۔

"نہیں بھئی ماما لانا میرا کام ہے تم صرف روزانہ صبح و شام پاپا کو تنگ کرو بس۔ پھر دیکھنا تمہارے پاپا تمہارے لیے ایک پیاری سی ماما لائیں گے۔ جو تمہارے نخرے اٹھائیں گی تمہارے اسکول آئیں گی۔ تمہیں چکن پاستا بنا کر کھلائیں گی۔" میں اسے رنگین سپنوں میں الجھا رہا تھا اور کچھ دیر بعد وہ واقعی الجھ بھی گئی۔

"مگر بھائی!" اس نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ایسی کیئرنگ مدر آئے گی کہاں سے؟"

"اس کی تم فکر مت کرو۔ تم یہ بتاؤ شانزے کی خالہ کیسی لگتی ہیں؟" میں نے اس کی رائے جاننی چاہی۔

"وہ تو مجھے اتنی اچھی لگتی ہیں کہ کیا بتاؤں۔" بات کرتے کرتے وہ جیسے اچانک ہی چونک پڑی اور پھر پرجوش لہجے میں بولی۔

"بھائی ہم شانزے کی خالہ جیسی ماما لائیں گے۔ ٹھیک ہے بھائی۔ ہمیں ایسی ماما مل جائیں گی نا۔" وہ بڑی بے چینی سے میرا بازو جھنجھوڑ کر پوچھ رہی تھی۔

"ان جیسی تو مشکل ہے۔" میری بات پر اس کا منہ لٹک گیا تھا۔

"ہاں اگر وہی تمہاری ماما بن جائیں تو؟" میں نے ادھوری بات چھوڑ کر اسے داد طلب

نظروں سے دیکھا۔ وہ اچھل پڑی۔
"کیا...... وہ؟ مگر وہ تو شادی کرنا ہی نہیں چاہتیں۔"
وہ پریشان سے لہجے میں بولی تھی۔
"تو تمہارے پاپا کون سا کرنا چاہتے ہیں۔ بس تم اپنے پاپا کو راضی کرو اور میں خالہ کو' اوکے؟" اس نے میرے پھیلے ہوئے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔
"آؤ ان دونوں سے آگے نکلتے ہیں۔" میں نے اچانک ہی کہہ کر دوڑ لگا دی۔ زرمینہ تو پہلے کھڑی رہی پھر وہ بھی بھاگی۔ ہم ان دونوں کو کراس کرتے ہوئے آگے نکل گئے پیچھے سے شانزے ارے ارے کہتی رہ گئی۔ زرمینہ آج دل کھول کر ہنس رہی تھی اور میرے نعرے پوری کالونی میں گونج رہے تھے۔ جبکہ پیچھے وہ دونوں حیرانی سے ہمیں دیکھ رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

اگلے دن میں صبح سو کر اٹھا تو دس بج رہے تھے۔ کچھ دیر بستر پر پڑے رہنے کے بعد منہ ہاتھ دھو کر نیچے اتر آیا۔ نانو کچن میں کھڑی دوپہر کے کھانے کی ہدایات دے رہی تھیں میں نے پیچھے سے جا کر ان کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیے۔
"عباس۔" انہوں نے فوراً گیس کر لیا۔
"کیا ہے نانو اتنی آسانی سے اندازہ لگا لیا۔" میں ڈائننگ ٹیبل پر جا بیٹھا۔
"گھر میں اور ہے ہی کون تمہارے سوا۔ ناشتے میں کیا لو گے؟ پراٹھا یا بریڈ؟" انہوں نے پوچھا تو میں سوچ میں پڑ گیا۔
"آج تو پراٹھے کھانے کو دل چاہ رہا ہے پراٹھے بنوا دیں۔"
"ولی خان پہلے عباس کا ناشتا بنا دو باقی کام بعد میں کر لینا۔"
خانساماں نانو کی بات پر فوراً فریج کی جانب بڑھا تھا۔
"ولی یار! پہلے چائے بنا دو اور یار بڑے سر میں درد ہو رہا ہے۔" میں اس سے کہہ کر لاؤنج کے ساتھ باہر نکل آیا۔
"خیریت بیٹا! طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔" نانو فوراً تشویشناک لہجے میں کہہ کر میرے ماتھے پر چھونے لگیں۔ میں نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔
"ٹھیک ہوں نانو! بس رات ذرا لیٹ سویا تھا اسی وجہ سے طبیعت میں سستی ہے۔ آپ فکر مند نہ ہوں۔" میں اطمینان سے کہتے ہوئے لاؤنج میں رکھے صوفے پر بیٹھ گیا۔
"بچے لاپروائی اچھی نہیں ہوتی۔ صحت کا خیال رکھا کرو۔" وہ مجھے نصیحتیں کرنے لگیں میں بے ساختہ ہنس پڑا۔
"اوہ نانو ٹھیک تو ہوں۔ آپ تو ماما سے بھی زیادہ وہمی ہیں۔ یہ بتائیں کہیں جا رہی ہیں؟" ان کے حلیے پر ایک نظر ڈال کر میں نے اندازہ لگایا۔
"ہاں نیلوفر کے گھر جا رہی ہوں۔ بچی کا فون آیا تھا۔ کسی ضروری کام سے بلوایا ہے۔" نانو نے شانزے کی خالہ کا نام لیا۔
"ضروری کام؟" پر میرے کان کھڑے ہو گئے۔
"تم ڈھنگ سے ناشتا کر لینا اور اگر سر کا درد ٹھیک نہ ہو تو ولی سے کہنا تمہیں ٹیبلٹ دے دے۔ کچن کے کیبنٹ میں پڑی ہو گی۔"
نانو ہدایت نامہ دینے کے بعد وہ چلی گئیں ولی چائے لے آیا۔ میں چائے پیتے ہوئے نیوز چینل سن رہا تھا جب اچانک شانزے چلی آئی۔
"زہے نصیب' آج تو بڑی بڑی ہستیاں آئی ہیں۔" میں نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔
"عباس پلیز اس وقت مجھے تنگ مت کرو۔ میں پہلے ہی بہت غصے میں ہوں۔" وہ دھم سے صوفے پر بیٹھتی ہوئی بولی۔
"خیریت ہے کیوں غصہ ہو؟" وجہ کچھ کچھ تو مجھے معلوم ہو ہی چکی تھی تفصیل میں اس کے منہ سے سننا چاہ رہا تھا۔ کیونکہ اتنے دنوں میں اس سے اچھی دوستی ہو چکی تھی۔
"ایک ہی تو وجہ ہے میرے غصے کی اور وہ ہے خالہ

کی ضد شادی۔" وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔
"شادی' شادی' شادی میرے تو کان پک گئے ہیں یہ سن سن کر آخر اور بھی دکھ ہیں زمانے میں اس کے سوا یا صرف اور صرف یہ ہی مسئلہ رہ گیا ہے جس کا حل میری شادی ہی ہے۔"
وہ نان اسٹاپ بولے چلی جا رہی تھی۔ ولی کے آنے پر اسے بریک لگے۔ وہ ناشتا سرو کر کے چلا گیا تو میں نے اطمینان سے ٹرے کھینچی اور اسے بھی دعوت دی۔
"تھینکس ناشتا میں کر چکی ہوں صرف چائے لوں گی۔" ولی کو آواز دے کر میں نے اسے کہا۔
"میری بھول جائے گی" میں نے کہا تو وہ سر جھٹک کر رہ گئی۔ ولی کپ لے آیا۔ میں نے چائے ڈال کر کپ اس کے آگے رکھ دیا۔
"ویسے آج تم چھٹی کیوں کی ہے یونیورسٹی سے۔" وہ فائن آرٹس کی طالبہ تھی۔
"وہ چھٹی خالہ کی وجہ سے کرنی پڑی۔ انھیں ان کے ساتھ کہیں جانا ہے اور آج گاؤں سے ہمارے کوئی آئے ہوئے ہیں تو بھی آنا ہے سو مجھے گھر پر رہنا پڑ رہا ہے۔" وہ چڑتے ہوئے لہجے میں بول رہی تھی۔
"کہاں جانا ہے؟ یقیناً" کسی لڑکے کا پتا کروانے۔"
میں نے اندھیرے میں تیر چلایا جو سیدھے نشانے پر جا بیٹھا تھا۔ اس کا منہ سرخ ہو گیا۔
"کیا بتاؤں عباس! میں کس مشکل میں ہوں۔" چائے کا کپ ہاتھ سے رکھ کر اس نے بے چارگی سے کہا۔
"تم شادی کیوں نہیں کرنا چاہتیں؟" میں نے سنجیدگی سے اس سے سوال کیا تھا۔
"میں کیسے شادی کر سکتی ہوں عباس خالہ بالکل اکیلی رہ جائیں گی۔ میں ہی تو ان کی تنہائی کا سہارا ہوں۔ ماما' پاپا مجھے اسی لیے تو چھوڑ گئے تھے کہ میں ان کی تنہائی بانٹوں گی اب وہ اگر میری شادی کر دیں گی تو خود کتنی اکیلی رہ جائیں گی۔" وہ بے چینی سے بول رہی تھی۔ میں نے بغور اسے دیکھا۔
"یہی وجہ ہے یا کوئی اور بھی ہے؟"
"کیا مطلب؟" اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔
"مطلب یہ کہ کوئی اور تو پسند نہیں کر رکھیں نا۔" میری بات پر اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔
"مجھے ان فضولیات کا کوئی شوق نہیں نہ ہی دلچسپی ہے۔" وہ ناگواری سے بولی تو میں مسکرا دیا۔
"شکر ہے میرے اللہ! ورنہ میں تو بے موت مارا جاتا۔" میرے مسکرانے پر اس نے مشکوک نظروں سے مجھے دیکھا۔
"کیا مطلب تمہارا؟"
"کچھ نہیں' کچھ نہیں تم یہ بتاؤ اس کے علاوہ تو کوئی اور ریزن نہیں ہے نا؟"
"نہیں۔"
"اور اگر یہ وجہ بھی ختم ہو جائے تو؟"
"تم کہنا کیا چاہتے ہو۔" اس نے الجھ کر مجھے دیکھا۔ میں نے ناشتے سے ہاتھ کھینچ کر نیپکن سے منہ صاف کیا اور پھر بڑے اطمینان سے اسے دیکھا۔
"میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر تمہاری خالہ کی تنہائی ختم کر دی جائے یعنی ان کی شادی کروا دی جائے تب تو تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔" میں نے استفہامیہ لہجے میں پوچھا۔
"یہی تو مسئلہ ہے۔ وہ شادی کرنا ہی نہیں چاہتیں۔" وہ مایوسی سے بولی۔
"تو کیا تم بھی ان کے نقش قدم پر چلنا چاہتی ہو کنواری رہ کر۔" میری بات پر وہ مجھے گھورنے لگی۔
"اوکے۔ گھورنا بند کرو اور مجھے اس بات کا جواب دو کہ کیا خالہ کسی سے محبت کرتی تھیں اور اس نے دھوکہ دے دیا تھا' اسی بے وفائی کی وجہ سے وہ شادی سے دلبرداشتہ ہو گئی ہیں؟" میری بات پر وہ چڑ گئی۔
"جی نہیں' میری خالہ ایسی نہیں ہیں۔"
"تو پھر کیا انہیں مردوں کی غلامی سے نفرت ہے؟"
"اوفوہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بات دراصل یوں ہے کہ ماما اور خالہ دو ہی بہنیں تھیں ان کا بھائی کوئی تھا ہی نہیں۔ اس لیے جب ماما کی شادی ہو گئی تو نانا' نانو کے پاس

صرف خالہ تھیں۔ خالہ اس وقت پڑھ رہی تھیں پھر ان کے انتقال کے بعد مما "خالہ کو اپنے گھر لے آئیں خالہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد نانا کی زمینوں کا چارج سنبھالنے لگیں۔ اسی دوران پاپا دبئی شفٹ ہونے لگے۔ انہوں نے خالہ کو بہت کہا کہ وہ بھی ان کے ساتھ چلیں مگر خالہ نہ مانیں۔ ادھر ان کی جاب تھی نانا کی زمینیں تھیں بالآخر مما پاپا مجھے ادھر خالہ کے پاس چھوڑ گئے۔ حذیفہ اور حمزہ تو بہت چھوٹے تھے۔ پھر خالہ کو میری وجہ سے اپنی جاب سے ریزائن کرنا پڑا "ان کے خیال میں مجھے ان کی ضرورت زیادہ تھی۔ اب تم خود بتاؤ عباس! انہوں نے میرے لیے اتنی سیکریفائز کی ہیں تو میرا بھی فرض بنتا ہے ناکہ انہیں یوں تنہا نہ چھوڑ کر جاؤں۔" وہ جذباتی ہو گئی۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ ویسے تم کیا نہیں چاہتیں کہ خالہ کی شادی کر دی جائے۔" میرے استفسار پر وہ فوراً" بولی۔

"کیوں نہیں مگر خالہ نہیں چاہتیں۔ انہیں کون سمجھائے؟"

"اس مسئلے کا ایک حل ہے اور اگر تم میرا ساتھ دو تو ہم یہ مسئلہ حل کر سکتے ہیں۔"

"وہ کیسے.....؟" اس نے بغور مجھے دیکھا۔ میں پراسرار طریقے سے مسکرایا پھر اسے آہستہ آہستہ اپنے پلان کے بارے میں بتانے لگا۔

"کیا.....؟" وہ چیخی۔

"اوفوہ بے وقوف لڑکی! پہلے پوری بات تو سن لو۔" میں نے جھنجلا کر اسے ٹوکا پھر ساری بات بتانے کے بعد سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"اب کیا کہتی ہو؟" میں بڑے فخر سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ چند ثانیے مجھے گھورتی رہی پھر بے ساختہ ہنس پڑی۔

"پورے خبیث ہو تم۔"

"تھینکس۔" میں سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکا تھا۔

☆ ☆ ☆

میرے کہنے پر اس نے اپنے والدین کو فون کیا اور رو رو کر التجا کی کہ فی الحال اس کے رشتے کا سلسلہ ملتوی کر دیا جائے۔ اس کے ایگزام کے بعد وہ جو دل چاہے کریں۔ وہ مشرقی بیٹی ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے کچھ نہیں بولے گی۔ ابھی یہ سارا سلسلہ اس کے ذہن کے ساتھ ساتھ اس کی پڑھائی کو بھی متاثر کر رہا ہے۔ ایک گھنٹہ کی بحث کے بعد جب اس نے فون بند کیا تو مجھے وکٹری کا نشان دکھایا۔ اس طرف سے اطمینان ہونے کے بعد اب دوسرا مرحلہ تھا وشی اور مینا کو اعتماد میں لینے کا۔

دوپہر کو کھانے کی میز پر حسب معمول ہم تینوں نے خوب ہنگامہ مچائے رکھا تھا۔ نانو حسب معمول کھانے کے بعد آرام کرنے چلی گئیں۔ میں نے ان دونوں کو لیے اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔

"مجھے اور تمہاری زی آپی کو تم لوگوں سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔"

میں نے انہیں بتایا اور اب مجھے شانزے کا انتظار تھا۔ جس کی تشریف آوری ابھی تک نہیں ہوئی تھی۔

"کیسی بات بھائی؟ کہیں جانا ہے؟ جلدی بتائیں نا۔" ہمیشہ کی جلد باز پلوشہ کو جاننے کی بے چینی تھی۔ مینا البتہ خاموشی سے بیٹھی رہی۔

"بتایئے نا۔ بھائی مجھ سے صبر نہیں ہوتا۔" وہ پیچھے پڑ گئی تو مجھے اسے جھاڑنا پڑا۔

"صبر کرو بے وقوف لڑکی زی تو آنے دو۔" میرے جھاڑنے پر اس کا منہ پھول گیا۔

"آپ مجھے ڈانٹ رہے ہیں۔ جائیے مجھے اب کوئی بات نہیں سننی۔" میں اس کو منانے ہی والا تھا کہ شانزے چلی آئی۔

"بہت جلد تشریف لائی ہیں۔" میں نے بڑے میٹھے لہجے میں طنز کیا مگر اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ بے نیازی سے نظر انداز کر کے وشی اور مینا کے پاس بیٹھ گئی۔

"ہائے وشی! یہ منہ کیوں پھلا رکھا ہے؟"

"بھائی نے مجھے ڈانٹا ہے۔" وہ شکایتی لہجے میں بولی۔

"بھئی دفع کرو۔ تمہارے عباس بھائی کو تو عادت ہے خواہ مخواہ رعب جھاڑنے کی۔ تم انہیں چھوڑو اور جلدی سے موڈ ٹھیک کرو۔ میرے پاس تمہارے لیے ایک سیکرٹ کام ہے۔" اس نے وشی کو پچکارا تو سدا کی لیڈو چنچل سی وشی خوش ہو گئی۔

"سچ؟ کیسا سیکرٹ کام؟" ہم نے معنی خیزی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر شانزے گلا کھنکار کر مخاطب انداز میں بولنا شروع ہو گئیں۔

"تم لوگ جانتے ہو ناکہ خالہ میری شادی کرنا چاہ رہی ہیں؟ کیا تم لوگ چاہتے ہو کہ میری شادی ہو جائے اور میں تم لوگوں سے دور چلی جاؤں؟" اس نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا وہ فوراً اس سے لپٹ گئیں۔

"نہیں۔"

"اور کیا تم لوگ یہ نہیں چاہتے ہو ناکہ نیلی خالہ کی شادی ہو اور ہم سب مل کر سارا مزا کریں؟"

"ہاں۔" انہوں نے زور و شور سے سر ہلایا۔

"ٹھیک ہے اگر ایسا ہے تو مجھے تم دونوں کی مدد کی ضرورت ہے۔ پرامس کرو کہ تم دونوں میری اور عباس کی مدد کرو گے اور ہم جو کہیں گے وہ مانو گے۔"

شانزے نے ہتھیلی پھیلائی دونوں نے اپنے ہاتھ رکھ دیے اور یک زبان ہو کر بولیں۔

"پرامس..... ہر بات مانیں گے۔"

"ٹھیک ہے..... اب تو پرامس کر لیا ہے نا تو اب ہماری ہر بات ماننی پڑے گی اور تم دونوں نے پڑھا ہو گا نا کہ جو پرامس کو پورا نہیں کرتے انہیں توڑتے ہیں انہیں اللہ پاک سخت سزا دیتے ہیں۔ پڑھا ہے نا؟" دونوں نے زور و شور سے اثبات میں سر ہلا دیے۔ میں صرف خاموشی سے انہیں سن رہا تھا۔

"اچھا اب یہ بتاؤ۔ ماما یاد آتی ہیں؟"

"ہاں" "نہیں۔" دو متضاد جواب موصول ہوئے۔ شانزے نے بھنویں اچکا کر مجھے دیکھا۔ میں نے کیری آن کا اشارہ کیا۔ وہ پھر سے ان کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"آپ کو ماما کیوں یاد نہیں آتیں؟" وشی سے سوال ہوا۔

"اس لیے کہ میرے پاس دادو اور پاپا ہیں۔" اس نے اپنی دانست میں بہترین جواب دیا۔

"اور تمہیں مینا یاد آتی ہیں؟"

"مجھے تو بہت یاد آتی ہیں حالانکہ میرے پاس دادو اور پاپا بھی ہیں مگر میرا دل چاہتا ہے کہ کاش ہماری بھی ماما ہوتیں۔ مجھے خوب پیار کرتیں لنچ بناتیں۔ پراپیک کر کے مجھے منتوں سے کھلاتیں۔ اسٹوریز بھی سناتیں۔" شانزے نے مینا کو دیکھا جو آنکھیں بند کیے جذب سے بولتی جا رہی تھی۔

"اور اگر آپ کو ماما مل جائیں تو.....!" اس کی بات پر پلوشہ نے حیرت سے اسے دیکھا البتہ مینا پرجوش ہو گئی۔ مینا سے میری اس موضوع پر پہلے بھی بات ہو چکی تھی سو اس کی طرف سے میں مطمئن تھا۔

"ہمیں کوئی ماما نہیں چاہیے۔ اسٹیپ ماما گندی ہوتی ہیں۔ مارتی ہیں Crual اور Unsensitive ہوتی ہیں۔" پلوشہ نے غصے سے یہ بات رد کر دی۔

"جی نہیں۔ سب اسٹیپ ماما گندی نہیں ہوتیں نہ ہی Crual اور unsensitive ہوتی ہیں۔ نیلی خالہ ایسی نہیں ہیں۔ ہے نا بھائی۔"

مینا بڑی سادگی اور روانی سے بھانڈا پھوڑ گئی۔

"نیلی خالہ کا کیا ذکر؟" وہ مشکوک ہو گئی اور ہمیں دیکھنے لگی۔

"نیلی خالہ ہماری ماما بنیں گی۔ مجھے بھائی نے بتایا ہے۔" وہ فخریہ لہجے میں بولی تھی۔

"عباس بھائی! یہ مینا کیا کہہ رہی ہے۔" مینا کے مقابلے میں وہ ہوشیار تھی اور پھر یوں بھی آج یہ ہی بات ہم ان سے کہنے والے تھے سو میں اس کے قریب جا کر بیٹھ گیا اور نرمی سے بولا۔

"مینا ٹھیک کہہ رہی ہے وشی۔" میری بات پر اس نے بے یقینی سے مجھے دیکھا۔

"تمہیں یہ بات بری لگی ہے؟ کیا تمہیں نیلی خالہ پسند نہیں۔ بولو وشی میری بات کا جواب دو۔" اس کی مسلسل خاموشی پر میں نے اصرار کیا۔ وہ پھر بھی ٹس

بیٹھی رہی۔

"وشی گڑیا۔ میں کیا پوچھ رہا ہوں۔" میرے دوبارہ اصرار کرنے پر اس نے نظر اٹھا کر مجھے دیکھا اور پھر بے بسی سے بولی۔

"مجھے پتا نہیں شاید مجھے یہ سب سن کر اچھا نہیں لگا یا شاید۔"

وہ الجھ کر بولی۔ اس کے جواب پر چند لمحے میں اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس کے جھکے ہوئے سر کو دوبارہ اوپر اٹھا کر کہا۔

"دیکھو وشی۔ خالہ کی ماموں سے شادی اس گھر کے مستقبل کے لیے نہایت ضروری ہے۔ تم ابھی چھوٹی ہو ان معاملات کو ابھی سمجھ نہیں سکتیں۔ اس گھر کو ایک عورت کی اشد ضرورت ہے۔"

"تو دادو ہیں نا۔" وہ احتجاجاً بولی۔

"بے شک نانو ہیں مگر وہ بیمار ہیں۔ یہ ان کے آرام کی عمر ہے۔ تم لوگوں کی دیکھ بھال اور گھر کے کاموں کو لک آفٹر کر کے وہ کتنا تھک جاتی ہیں اوپر سے ان کا بلڈ پریشر ہائی رہتا ہے وہ کب تک یہ سب مینیج کرتی رہیں گی پھر کل کو تم لوگ بڑی ہو جاؤ گی۔ مسائل بھی اور بڑھیں گے ایسے میں نانو کا کمزور وجود کب تک سہارا دے سکے گا؟"

میں نرمی سے سمجھا رہا تھا۔ وہ خاموش تھی۔ کچھ بولی نہیں۔

"اور پھر کل کو تم لوگوں کی شادیاں بھی تو کرنی ہوں گی۔ وہ سب کون کرے گا؟" میں نے شرارتی لہجے میں پوچھا تو دونوں بلش کر گئیں۔ مگر وشی نے یہاں بھی من مانی کی۔

"آپ لوگ ہوں گے نا اور شانزے آپی بھی ہوں گی وہ کرلیں گی سارا کام۔"

"واہ جی۔ میں کیوں ہوں گی؟ میں تو خود اس وقت نہ جانے کس کو پیاری ہو چکی ہوں گی اور تم چاہتی ہو کہ میں صرف تمہاری شادی کے کاموں [illegible] کنواری بیٹھی رہوں؟ لو خود تو شادیاں [illegible] اور میں بڈھی ان کے کام کرنے کو [illegible]" شانزے نے اپنے ہاتھ نچا کر چمک کر بولی کہ مجھے بے اختیار ہنسی آ گئی۔

"تم فکر مت کرو۔ میں کرلوں گا تم سے شادی۔ کیا ہوا جو تم بوڑھی ہو چکی ہو گی۔" میں نے اسے تسلی دی۔ مگر اسے آگ لگ گئی۔

"منہ دھو رکھو تم۔ میں کیوں بڑھاپے میں شادی کروں۔ اللہ نہ کرے کہ جو ایسا ہو۔" وہ تخت پر امان گئی تھی۔ زرمینہ نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"آپ کیا کہہ رہے تھے بھائی۔" وہ ادھوری بات کو پھر سے وہیں سے جوڑنا چاہ رہی تھی۔ میں ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ ان سب مسائل سے بچنے کا حل صرف ایک ہی ہے وہ ہے خالہ اور ماموں کی شادی۔ کیونکہ جب تم دونوں بھی چلی جاؤ گی تو نانو اور ماموں اکیلے رہ جائیں گے پھر ایسے میں کون ان کی دیکھ بھال کرے گا؟" بات کے اختتام پر میں نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔ وشی تذبذب کا شکار نظر آ رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

"اور پھر جب خالہ کی شادی ہم ماموں سے کروا لیں گے تو تم لوگوں کی زی آپی بھی ہمارے ساتھ آ کر رہنے لگیں گی۔" میں نے انہیں مزید لالچ دیا۔ دونوں نے بے یقینی سے شانزے کو دیکھا۔

"رئیلی۔۔۔؟"

"آف کورس۔" اس نے تسلی دی۔ میں نے باری باری سب کو دیکھا۔

"تو پھر کیا خیال ہے۔ [illegible] مشن شروع کر دیں؟" میں نے خالص [illegible] اسٹائل میں پوچھا۔

"آف کورس۔" شانزے اور مینا چہکیں۔

"اور تم۔۔۔!" میری بات پر وشی نے چند لمحے سوچا اور پھر مسکرا دی۔

"اوکے۔۔۔!"

"یہ ہوئی نا بات اور اب مشن کو پلان کرتے ہیں اور ہمارے اس مشن کا نام ہے ملیں گے۔ ملیں گے۔" میں نے اعلان کیا۔

"چلو عشق لڑائیں۔" جواباً شانزے تیزی سے بولی تھی۔ میں بڑے اسٹائل سے اس کے سامنے ہاتھ پھیلا کر کھڑا ہو گیا۔

"چلو۔۔۔!"

"کہاں۔۔۔" وہ سمجھی نہیں۔

"عشق لڑانے۔" میں نے اسے خباثت سے آنکھ ماری۔

بچیاں کھی کھی کرنے لگیں اور وہ غضب ناک [illegible] مجھے [illegible] مارنے لگی تھی۔

"لوفر کمینے۔"

"ارے ارے ابھی خود ہی [illegible] کی عشق لڑانے کی اور اب خود ہی غصہ [illegible] ہو۔" اپنا بچاؤ کرتے ہوئے میں [illegible]

"ویل [illegible] مشن کا نام تجویز کیا تھا۔ تم جیسے [illegible] عشق نہ لڑاؤں۔" اس نے [illegible]

[illegible] اب لڑکی۔ تم میری یعنی کہ عباس ظفر کی [illegible] کر رہی ہو۔ میں چھ فٹ دو انچ ہینڈسم ڈیشنگ [illegible] کو بونگا نظر آتا ہوں۔ گستاخ! تمہیں اس کی سزا دی جائے گی۔" میں نے فوراً جلالی لہجے میں اسے کہا۔ وہ بڑے اطمینان سے مجھے دیکھنے لگی تھی۔

"سزا اور تم ہو گے۔ جو خود ایک سزا ہے۔" اس نے میرا مذاق اڑایا۔ میں فوراً "سنگین" شکل بنائے اس کی طرف بڑھا اور پھر عین اس پر جھکتے ہوئے بولا۔

"سزا تو اب تمہیں دے کر رہوں گا اور ایسی سزا ہو گی جس سے تم عمر بھر چھٹکارا نہ پا سکو گی۔"

میں معنی خیزی سے اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا۔ اس نے فوراً سر اٹھا کر مجھے استہزائیہ انداز میں کچھ کہنا چاہا تھا۔ مگر مجھے اپنی طرف گھورتا پا کر وہ چپ رہ گئی۔ بچیاں بڑی دلچسپی سے یہ سارا منظر دیکھ رہی تھیں۔ میں ہنوز اس کی طرف غور سے گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ چند لمحے تو برداشت کرتی رہی پھر جھنجلا کر چلا اٹھی۔

"کیا مصیبت ہے۔ ایسے کیوں میرے سر پر کھڑے گھور رہے ہو؟"

اس کے گھبرائے ہوئے بے بس اور تپے چہرے کو دیکھ کر میں بے ساختہ قہقہہ لگا بیٹھا۔ میرے قہقہے میں بچیوں کی [illegible] ہٹ بھی شامل ہو گئی میرے قہقہے پر اس نے اپنی خجالت مٹانے کو مجھے تین چار [illegible] سے نوازا مگر مجھ پر کوئی اثر نہ ہوا اور نہ [illegible] ختم ہو سکی۔

☼ ☼ ☼

اگلی صبح ہم نے مشن ویل ایم کی تیاری شروع کر دی۔ میرے پاس دو ہینڈ سیٹ تھے۔ ایک سم بھی spare تھی۔ یہ سم جہانگیر بھائی کے دوست کی تھی جو انہوں نے بھائی کو دی تھی پھر پاکستان سے شادی کے بعد جاتے ہوئے بھائی نے یہ سم مجھے دے دی تھی جو اب تک یونہی بے مصرف پڑی تھی اور اب میں نے وہی سم موبائل میں لگا دی۔ یہ نمبر کسی کے پاس نہیں تھا۔

شانزے نے اپنی دوست کے ساتھ مل کر بہت سارے وشنگ کارڈز بنائے تھے اور ان پر مختلف اشعار اور نظمیں بھی لکھوالی تھیں اور اب ہم تیار تھے مشن کو شروع کرنے کے لیے۔

اگلی صبح جب ماموں جوگنگ کے لیے نکل رہے تھے انہیں گیٹ پر ایک کارڈ اور پھول پڑا ملا تھا۔ وہ ٹھٹکے پھر جھکے بھی۔ بارنگ کا ہلکے سبز رنگ کا کارڈ اٹھا کر الٹ پلٹ کر دیکھا کہیں کوئی نام پتا نہیں تھا۔

"فردوس! ادھر آؤ۔" انہوں نے مالی کو آواز دی جو پھولوں کو پانی دے رہا تھا۔ وہ فوراً دوڑا آیا۔

"جی صاحب۔۔۔؟"

"یہ کارڈ اور پھول یہاں کس نے رکھے ہیں؟" ان کے استفسار پر مالی نے لاعلمی کا اظہار کیا۔

"میں نے تو جی ابھی آپ کے ہاتھ میں ہی دیکھے ہیں جی۔" وہ معصومیت سے بولا۔

"اچھا۔" وہ ہارے۔

"ٹھیک ہے یہ اندر جا کر رکھ دو۔" کارڈ اور پھول

اس کے ہاتھ میں تھما کر وہ خود گیٹ عبور کر گئے۔

میں جو گیٹ پر ہو رہی ساری کارروائی اپنی بالکونی میں کھڑا دیکھ رہا تھا، فوراً" نیچے اترا اور لاؤنج میں فردوس کے سر پر پہنچ گیا جو کارڈ اور پھول میز پر رکھ رہا تھا۔

"انہیں شک تو نہیں ہوا؟"

"بالکل نہیں عباس بھائی! میں نے ایسی زبردست اداکاری کی کہ انہیں مجھ پر ذرا بھی شک نہ ہو سکا۔" وہ بڑے فخر سے بولا۔ میں نے ترچھی نظروں سے اسے دیکھا۔

"گڈ۔ آئندہ بھی ایسی ہی اداکاری کرنا کیونکہ یہ تمہارے لیے مشکل کام نہیں۔" میں نے طنز کیا جو کہ اسے سمجھ نہ آسکا۔

"بے فکر رہیں صاحب۔"

"وہ تو میں رہوں گا اور اگر تم نے بھانڈا پھوڑ دیا تو تمہاری ہونے والی زوجہ نسرین کو تمہارے سارے موبائل افیئرز کی خبر کر دوں گا۔" میں نے دھمکانے والے لہجے میں خبردار کیا تو وہ اپنے کانوں کو ہاتھ لگانے لگا۔

"توبہ کریں جی! میری کیا مجال جو ایسا کچھ کروں۔ میں کوئی پاگل تھوڑی ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔" میں سر ہلا کر وہ چیزیں اٹھائے ماموں کی اسٹڈی میں رکھ آیا۔

☼ ☼ ☼

ناشتا کر کے میں لان میں آیا تو شانزے چلی آئی۔

"ہائے عباس کیا بنا؟ کیسا رہا؟" حال احوال پوچھنے کے بجائے وہ بے صبری سے بولی۔

"ایک دم پرفیکٹ تم اپنی سناؤ؟"

"بے فکر رہو۔۔۔ وہاں بھی کام ہو گیا۔" وہ ہنسی تھی اور مجھے اپنا کارنامہ سنانے لگی۔ میں نرم نگاہوں سے دھوپ میں دمکتا اس کا شاداب چہرہ دیکھنے لگا تھا۔ میری محویت اس کی آواز سے ٹوٹی جو جانے کو مڑ رہی تھی۔

"ہائے چلتی ہوں۔ کہیں پولیس کیس نہ ہو جائے۔"

ہاتھ ہلا کر وہ تیزی سے گیٹ کی طرف جانے لگی تھی۔

"کیوں؟ تمہاری گاڑی کو کیا ہوا؟" میں نے پیچھے سے چیخ کر پوچھا تھا۔

"سروس کے لیے دی ہے خراب ہے بابائے۔" وہ بھی گیٹ کراس کرتے جواباً" چیخی اور پھر میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔

میں بھی اندر کی طرف بڑھ گیا۔ بعد کا سارا وقت میں نے نانو کے ساتھ ان کے کاموں میں ہیلپ کرتے گزارا تھا۔ البتہ جب گیارہ بجے نانو اپنے کمرے میں چلی گئیں تو میں ٹی وی کھول کر بیٹھ گیا۔ موبائل نکال کر میں نے نیلو خالہ کا نمبر نکالا۔ پھر ایک اچھا میوزک چینل لگایا۔ اس وقت بہت اچھا گانا آرہا تھا۔ میں نے اطمینان سے ان کا لینڈ لائن نمبر ڈائل کیا۔ ایک 'دو' تین چوتھی بیل پر فون اٹھایا گیا تھا۔

"ہیلو۔" ان کی سریلی آواز ایئرپیس سے ابھری تھی۔ میں نے جلدی سے موبائل ٹی وی کے قریب کر دیا۔ جنید جمشید کہہ رہا تھا۔

کہ وہ جو بھی من میں آئے

وہاں سے وہ ہیلو ہیلو کر رہی تھیں۔ پھر خاموش ہو گئی۔ میں نے موبائل اسکرین کو دیکھا۔ وہ ابھی تک لائن پر تھیں۔ اور پھر کچھ دیر بعد لائن ڈسکنکٹ کر دی گئی۔ میرا مقصد پورا ہو گیا تھا۔ سو میں صوفے پر اطمینان سے بیٹھ کر گانا انجوائے کرنے لگا۔

شام کو میری شانزے سے ملاقات ہوئی وہ نانو کے لیے حلیم ... کر کے پکا کر بھیجی تھی۔ میں شور مچا تا ہوا کچن میں چلا آیا۔

"ویسے شانزے"

"ہاں؟" اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ میں اس کی حیرت کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے سابقہ لہجے میں بولا۔

"تم چلو تو... بتاتا ہوں۔"

"جاؤں کہاں بتاؤ تو سہی۔" وہ زچ ہو گئی تھی۔ میں نے افسوس سے اسے دیکھا۔

"گھر سے بھاگنے کو نہیں کہہ رہا۔ ضروری بات کرنی ہے تم سے۔" نانو کے سامنے ایسی بات پر اس کا منہ سرخ ہو گیا تھا۔ وہ کھا جانے والی نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔

"عباس! کیا جلدی مچائی ہوئی ہے۔ بچی کو سانس تو لینے دو۔"

نانو نے خفگی سے مجھے ٹوکا پھر شانزے سے بولیں۔

"نیلو کو کہو کہ میری طرف چکر لگائے نا۔ وہ میرے لیے عید کا چاند ہو گئی ہے۔"

"فکر مت کریں دادو... آپ کا پیغام ... من و عن پہنچا دوں گی۔" شانزے نے ... تسلی دی۔ میں بڑے صبر سے ان خواتین کی گفتگو سن رہا تھا۔

"خاتون اگر آپ اپنی بات کر چکی ہوں تو چلیں۔" بالآخر میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ میں چبا چبا کر بولا تھا۔ وہ میرے تیور دیکھ کر اٹھ گئی تھی۔ باہر لان میں آ کر وہ بے زاری سے بولی۔

"جی پھوٹو اب کیا بات ہے؟"

"اوب سے۔" میں نے فوراً" ٹوکا پھر اسے مشن کے نئے حصے کے بارے میں آگاہ کرنے لگا تھا۔

"ہوں۔ واقعی اگر جلد مطلوبہ نتائج چاہتے ہیں تو آئیڈیا تمہارا اچھا ہے۔" اس نے سوچتے ہوئے تائید کی پھر چونکی۔

"یہ وشی اور مینا کہاں ہیں؟"

"دونوں کی کسی فرینڈ کے گھر گیدرنگ ہے وہیں گئی ہیں۔"

میں چیئر پر اطمینان سے پاؤں پسار کر بیٹھ گیا۔ وہ بھی میری تقلید میں بیٹھ گئی۔ پھر ادھر ادھر کی باتوں کے دوران میں وقتاً" فوقتاً" اس پر بھی نرم گرم نگاہ ڈالتا اپنی دھن میں مگن اسے کچھ محسوس ہی نہ ہو رہا تھا۔ واقعی دماغ کل تھی۔ میں سر جھٹک کر رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

ماموں کو اگلے دن پھر پھول اور کارڈ پڑے ملے تھے۔ فردوس نے حسب ہدایت لاعلمی کا اظہار کیا۔

اس دن بھی ماموں اگنور کر گئے۔ مگر جب انہیں مسلسل پھول اور کارڈ ملتے رہے تو وہ چونک گئے۔ اس دن بھی وہ ... کارڈ کو کھول رہے تھے اور آج پہلی دفعہ کارڈ پر خوب صورت چینڈ رائٹنگ میں شعر لکھا ہوا تھا۔

جو بات کہہ نہیں سکتا اسے میں فرض کرتا ہوں
چلو میں فرض کرتا ہوں مجھے تم سے محبت ہے

فراموش میٹ نیچے جلی حروف سے لکھا یہ نام انہیں الجھا گیا تھا۔ انہوں نے چند لمحے سوچا پھر کارڈ اور پھول مالی کو تھما کر جوگنگ کے لیے چلے گئے۔ میں جو روزانہ کی طرح یہ سارا منظر بالکونی سے دیکھ رہا تھا۔ کمرے میں جا کر بے فکر ہو کر سو گیا۔

گیارہ بجے حسب معمول میں نے نیلی خالہ کو فون ملایا اور۔

اے میرے دل کے چین
چین آئے میرے دل کو دعا کیجیے

سنا کر سوچنے لگا کہ ہفتے سے زیادہ تو ہو گیا ہے یہ سارا سلسلہ شروع کیے۔ اب تو ان پتھروں میں جونک پڑنی چاہیے۔ شانزے نے بھی ملاقات ہونے پر بتایا تھا کہ خالہ نے شکایت کی ہے ڈھب کالز پر کسی کے تنگ کرنے کی۔

"آہ عباس! تو بھی کن چکروں میں پڑ گیا ہے۔" میں ٹھنڈی آہ بھر کے رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

اس وقت میں کمپیوٹر سے نیلی خالہ کو Secret Admirer کے نام سے میل کر رہا تھا۔ شانزے میرے سر پر کھڑی ہدایات دے رہی تھی۔

"دھانسو قسم کی میل ہونی چاہیے۔ جسے پڑھ کر خالہ جلدی سے پٹ جائیں۔"

"مثلاً" یہ لکھوں کہ اے جان من۔ تمہارے بغیر میں ادھورا ہوں۔ میرے بچھڑے خواب دے گئے ہیں تجھے پکارتے پکارتے۔ دماغ کا خلل بڑھ گیا ہے۔ فراق کی راتیں ناگن کی طرح ڈستی ہیں اور مجھے

انٹی فراق مجھے لگوانے پڑ رہے ہیں۔" میں نے اس کا مذاق اڑایا۔ وہ برا مان گئی۔

"میں نے اب ایسی فضول باتیں لکھنے کو نہیں کہا۔ کوئی خوب صورت رومانٹک سی بات لکھو۔" اس کی بات پر میں نے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا۔

"رومانٹک؟ تمہیں پتا ہے رومانٹک باتیں کسے کہتے ہیں؟ ہونہہ بڑی آئی رومانٹک۔" میں بڑبڑا کر رہ گیا تھا۔

"تمہیں کیا ہو گیا ہے؟" میرے جلے کٹے لہجے پر وہ حیران رہ گئی۔

"کچھ نہیں۔" میں منہ پھلا کر کی بورڈ پر انگلیاں چلانے لگا۔ یہاں تو چراغ تلے اندھیرا تھا۔ میں دوسرے لوگوں کے دلوں کو ملانے کی کوشش کر رہا تھا اور خود کسی کو احساس ہی دلانے میں ناکام تھا۔

For my soul mate Neelofar

تو صندل کا پیڑ ہے
میں خوشبو کا چاہنے والا
میں ایک بے کلس پرندہ
میرا سفر انجانا
میرے چہرے پہ لکھا ہے
اک اجالا خوابوں جیسا
تجھ کو پڑھوں تو مجھ پر برسے
رنگ گلابوں جیسا
تیرے جسم کی مہکی مٹی سے لپٹوں
بیچ سمندر
دھوپ کو اوڑھوں اور سو جاؤں
پیلے پیلے پھول بنوں
پھر پتھر ہو جاؤں

کھٹ کھٹ کی بورڈ پر انگلیاں چلاتے ہوئے میں لکھ رہا تھا۔ نظم مکمل ہونے کے بعد میں نے شانزے کو دیکھا۔

"کیسی لگی؟"

"اچھی ہے۔ بہت خوب صورت۔" اس نے دل سے داد دی میں گردن اکڑائے Send کرنے لگا تھا۔ مگر اس کلیاتی کا جملہ سن کر میرا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

"ویسے اس کا مطلب کیا ہے؟"

"ہائے تیرا کیا بنے گا اے دل۔" میں بے چارگی سے آہ بھر کر رہ گیا۔ پھر اسے دیکھا جو منتظر نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

"تم بس شیلا کی جوانی اور منی بدنام ہوئی ٹائپ کی چیزیں سنا کرو۔ یہ باذوق شاعری تمہارے بس کا کام نہیں۔"

میں نے بڑے میٹھے لہجے میں طنز کیا مگر ادھر ہنوز اثر نہ تھا الٹا وہ جوش سے بتانے لگی۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو عباس۔ ریئلی یہ شاعری تو میرے سر پر سے گزر جاتی ہے۔ میٹرک تک بڑی مشکل سے پڑھی تھی۔ تمہیں پتا ہے میرے اردو میں کتنے مارکس آئے تھے؟ 40 بے نا مزے کی بات۔" اپنے کارنامے پر وہ فخریہ مسکرا رہی تھی۔ میں اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"وہ مزید گل افشانیاں کر رہی تھی۔ میں آہ پر آہ بھرتا کمپیوٹر شٹ ڈاؤن کر کے اس طرف گھوما اور استفہامیہ لہجے میں بولا۔

"تو اب ماموں کو تم کیا گانے میل کرو گی؟ مال [illegible] لاڈلا بگڑ گیا ٹائپ کے؟" میری بات پر اس نے پریشانی سے مجھے دیکھا پھر میری منت کرنے [illegible]

"ہائے عباس! اب کیا کروں [illegible] واقعی مجھے تو شاعری آتی ہی نہیں۔ بس [illegible] مطلب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری [illegible] آتی ہے اور یہ تو لکھنے سے رہی۔ پلیز [illegible] میری؟" اس نے اس طرح مجھے دیکھا۔ مجھے اس پر ترس آ گیا۔ کچھ اکڑ بھی [illegible]

"ٹھیک ہے۔ میں تمہیں چند اچھی سی نظمیں لکھ دوں گا تم روز میل کر دیا کرنا۔" میں نے کمال سخاوت کا مظاہرہ کیا۔

"تھینک یو عباس۔ آئی ایم ویری گریٹ فل تو یو۔ تم بہت اچھے ہو۔" وہ یوں عقیدت مندی کا اظہار کر رہی تھی جیسے میں اسے نظمیں نہیں صدارت

دینے والا تھا۔ اس کی بے وقوفی و نیاز مندی پر میں دل ہی دل میں مسکرا دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

خالہ نے جب رات کو میل باکس چیک کیا تو یہ میل پڑھ کر انہیں جھٹکا لگا۔

"یہ کون ہے؟" انہوں نے ذہن میں موجود ناموں کو کھنگالا مگر کوئی بھی نام کلک نہ کر سکا۔

Soul Mate کے الفاظ اور نیچے لکھا Secret Admirer انہیں الجھا گیا۔ کئی دن سے وہ اسی نام سے [illegible] میل کر رہی تھیں اور آج یہ میل۔

"ہو گا کوئی فارغ شخص۔ [illegible] کوئی اور کام نہیں ہو گا۔" انہوں نے [illegible] خود کو تسلی دی مگر روزانہ صبح و شام آنے والی میلز ان کو اپنی رائے بدلنے پر مجبور کر گئیں اور آج بھی آنے والی میل انہیں مزید پریشانی میں [illegible]

درد دکھ بے کسی اور تنہائی
میرے جیون کے سارے رنگ ہیں یہ
ان رنگوں کو تم بدل جاؤ
آؤ اور آ کر مجھ میں ڈھل جاؤ
"انتظار کی اذیت میں مبتلا۔"

Secret Admirer کتنی دیر سے اس میل پر نظریں جمائے وہ گہری سوچ میں تھیں۔ جبھی دروازہ کھول کر شانزے اندر چلی آئی تھی۔ انہوں نے میل باکس کلوز کر دیا۔

"کیا ہو رہا ہے خالہ؟" پیچھے سے بازو ان کے گلے میں ڈال کر وہ لاڈ سے بولی۔

"کچھ خاص نہیں آؤ بیٹھو۔" اس کے بازو گلے سے نکال کر انہوں نے اسے اپنے پاس رکھی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"بیٹھنے کے لیے نہیں آئی ہوں۔ باہر عباس آیا ہوا ہے واک پر جانے کے لیے۔ آپ کو بھی بلا رہا ہے۔" وہ انکار کرتے ہوئے بولیں۔

"سوری تم لوگ جاؤ۔ مجھے کچھ ضروری میلز کرنی ہیں۔" انہوں نے [illegible] انکار کر دیا۔ شانزے ان کے پیچھے پڑ گئی۔

"مجھے [illegible] آپ کو جانا ہے۔ بس تو جانا ہے۔" [illegible] وہ ان کے سر پر سوار ضدی لہجے میں بولی۔

"ضد مت کرو شانزے تم لوگ جاؤ۔" انہوں نے سرزنش کی۔

"مگر خالہ۔"

"شانزے۔" اب کے وہ ذرا غصے سے بولیں۔ وہ پاؤں پٹختی دھپ دھپ کر کے چلی گئی۔ وہ جانتی تھیں کہ وہ ناراض ہو کر گئی ہے۔ مگر اس وقت وہ اپنی الجھن میں تھیں۔

"بے وقوف، پاگل۔" وہ بڑبڑائیں پھر میل باکس کھول کر اسی میل کو دیکھنے لگیں۔ آخر کون تھا جو انہیں روزانہ میل کر رہا تھا اور آج تو شاعری سے ہٹ کر لکھے گئے جملے انہیں پریشان کر گئے تھے۔

شانزے باہر آئی تو اس کا منہ پھولا ہوا تھا۔

"خالہ نہیں آئیں۔" بچوں نے اس کے پیچھے دیکھا مگر خالہ کو نہ پا کر مایوسی سے سر ہلا دیا۔

"کیا بنے گا عباس۔ نہ ہی خالہ آنے کو راضی ہوتی ہیں اور نہ ہی عارفین انکل اپنے خول سے نکلنے کو راضی ہیں۔ ہم کیسے ان کی ملاقاتیں کروا سکتے ہیں؟ کیسے ہمارا مشن آگے بڑھے گا؟"

گیٹ سے باہر نکلتے ہوئے وہ تیز آواز میں جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہی تھی۔

"چلو ہم تم تو مل لیتے ہیں نا۔" میں نے اسے چھیڑنے والے انداز میں تسلی دی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" وہ اچانک ہی رک گئی اور کمر پر ہاتھ رکھ کر لڑاکا انداز میں بولی۔

"وہی جو تم دل میں سوچتی ہو اور میں اظہار کر لیتا ہوں۔" میں بدستور غیر سنجیدہ تھا۔

"کیا ہے بھائی! آپ لوگ رک کیوں گئے ہیں؟" دونوں ہم سے کافی آگے جا چکی تھیں۔ مڑ کر ہمیں

دیکھنے لگیں۔

"آتے ہیں ہم۔ بس تمہارے عباس بھائی کے لگتا ہے اسکرو ڈھیلے ہو گئے ہیں۔" وہ مجھے گھورتی آگے چلنے لگی۔ میں اس کے پیچھے لپکا۔

"تو تم اپنے پیارے ہاتھوں سے کس لو نا۔" میری بات پر اس نے بے ساختہ مجھے دو دھموکے جڑ دیے۔

"لو کس دیے ہیں۔" پلوشہ اور زرمینہ کھلکھلانے لگیں۔ میں اپنی کمر سہلاتے ہوئے دہائی دینے لگا۔

"بے حس' ظالم حسینہ! کچھ تو خیال کرو اتنی سختی سے ہاتھ جڑے ہیں اگر کوئی پرزہ میرا ڈھیلا ہو کر گر جاتا تو؟ کل کو یوں بھی تمہیں میرے پیچھے ہی پڑنا ہے پھر کہاں سے میرے اسپیئر پارٹس ڈھونڈتی پھرو گی۔"

وہ بل کھا کے میری طرف مڑی' میں نے اس کے تیور بھانپ کر فوراً دوڑ لگا دی۔ پلوشہ' ذشی محظوظ ہوتے ہوئے میرا مورال بلند کرنے کے لیے چیخ رہی تھیں۔ شانزے بھاگتے بھاگتے تھک گئی تو رک کر ہانپنے لگی۔ میں نے پلٹ کر اسے دیکھا پھر شرافت سے اس کی طرف بڑھ آیا۔

"کیوں زوجہ! کیا ہوا۔" مصنوعی تشویش سے میں نے جھک کر پوچھا۔

"عباس۔۔۔ پلیز میرا ہاتھ پکڑو۔۔۔ مجھ سے تو اب کھڑا بھی نہیں ہوا جا رہا۔"

وہ پھولی سانسوں کے درمیان رک رک کر بولی تھی۔ منہ اس کا لال ٹماٹر ہو رہا تھا۔ میں ہاتھ بڑھائے اس کی طرف بڑھا تھا۔ وہ ایک دم سیدھی ہوئی اور بازو جکڑ کر مجھے مکے مارنے لگی تھی۔

"ڈھیٹ بے شرم۔" اور میں اس کی چالاکی پر مصنوعی بے چارگی سے اپنا بچاؤ کرتے ہوئے چیخ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

نیلی خالہ اور ماموں کے لیے سیل [illegible] بجے پر بکے آ رہے تھے۔ نانو بھی ملک [illegible] ہو گئیں۔ دونوں

بچوں نے اچانک ہی ضد کرنی شروع کر دی تھی۔ ہمارا مشن قدم بہ قدم آگے بڑھ رہا تھا۔

آج میرا شانزے کے ساتھ کچھ خریداری کا پروگرام تھا۔ میں سیٹی کی دھن پر۔

"تیرے لیے ہے میرا دل' میری جاں" گنگناتے ہوئے ان کے گیٹ میں داخل ہوا۔

موسم صبح سے ہی بہت خوشگوار و دلفریب ہو رہا تھا۔ کالے۔۔۔۔ بادل آسمان پر یہاں سے وہاں اٹکھیلیاں کرتے پھر رہے تھے۔ سبک رو ہوا بڑے دھیمے انداز سے چل رہی تھی اور جسم و جاں کو گدگدا رہی تھی۔ میں لان میں داخل ہوا تو بے ساختہ خوشبو بھری ہوا میرے نتھنوں سے ٹکرائی۔ میں گہرا سانس بھر کے رہ گیا۔ ہوا سے درخت ہلکے ہلکے جھوم رہے تھے۔ دل ہی دل میں لان اور موسم کو سراہتے ہوئے میں لاؤنج میں داخل ہوا۔ پورے گھر پہ خاموشی کا راج تھا البتہ کچن سے اشتہا انگیز خوشبوئیں اٹھ رہی تھیں۔ میں کچن میں چلا آیا۔

"ہیلو بیوٹی فل لیڈیز۔"

بلند آواز میں کہہ کر میں نے اشتہا انگیز خوشبوؤں کو اپنے اندر اتارا۔ نیلی خالہ ایپرن باندھے برنر کے آگے کھڑی کچھ تل رہی تھیں۔ میری آواز پر انہوں نے مسکراتے ہوئے مڑ کر مجھے دیکھا۔

"کیا حال ہے عباس۔"

"میرے حال کو چھوڑیں۔ یہ بتائیں کیا پک رہا ہے۔" میں [illegible] ان کے قریب چلا آیا۔ وہ فریج فراز کر رہی تھیں۔ [illegible] سے [illegible] انکار کھانے لگا۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے مجھے بتایا۔

"[illegible] چکن وائٹ قورمہ اور ساتھ دم کے کباب ہیں۔ کھا کر جانا۔" مینو بتا کر انہوں نے مجھے دعوت دے ڈالی۔

"وائے ناٹ شیور آپ بے فکر رہیں۔ آپ کی اتنی خلوص سے دی گئی دعوت میں بھلا ٹھکرا سکتا ہوں؟"

"یہ کہو کہ جہاں کھانا ہو۔ وہاں تو تم بن بلائے بھی

پائے جاتے ہو۔" شانزے کی آواز پر میں نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ فریج میں سر گھسیڑے بوتل ترتیب سے رکھ رہی تھی۔

"میں جلنے والوں کی باتیں دل پہ نہیں لیتا۔" اسے بے نیازی سے جواب دے کر میں فریج فراز کھانے لگا۔

"یہ کہو کہ ڈھیٹ ہو پورے۔" وہ اپنے کام سے فارغ ہو کر فریج بند کر کے اس طرف آ گئی۔

"تم جو بھی کہو۔ میں نے کہا نا کہ میں جلنے والوں کی باتیں دل پہ نہیں لیتا۔" ادھر ہنوز اثر نہ تھا۔

"یہ بتاؤ جانے کا ارادہ ہے یا نہیں۔" [illegible] پوچھنے پر وہ بولی۔

"ہے۔ بس لنچ کر لیں پھر نکلتے ہیں۔ تم بیٹھو میں ذرا چینج کر آؤں۔" وہ نکل رہی تھی۔ جاتے جاتے دوبارہ پلٹی۔

"میرے آنے تک فارغ مت بیٹھے رہنا جلدی سے ٹیبل لگا دو۔" بے نیازی سے آرڈر دے کر وہ چلی گئی اور میں اس کے آرڈر کی تعمیل میں شرافت سے ٹیبل سیٹ کرنے لگا۔ خالہ مجھے ٹوکنے لگیں۔

"یہ لڑکی تو بالکل پاگل ہے۔ تم چھوڑو عباس مہمان ہو تم۔ میں خود ہی کر لیتی ہوں۔" برنر آف کر کے انہوں نے ایپرن اتارا اور مجھ سے پلیٹیں لینے لگیں۔

"کوئی مہمان نہیں ہوں میں۔ اتنا سا کام ہے ابھی کرتا ہوں۔ آپ سالن ڈونگوں میں نکالیں۔ بڑے زوروں کی بھوک لگی ہوئی ہے۔"

میں جلدی مچا رہا تھا۔ پھر کھانے کے دوران میں مسلسل خالہ کو قائل کرنے میں لگا رہا کہ آئندہ وہ بھی ہمارے ساتھ واک پر جائیں گی۔ وہ ٹالنے والے انداز میں مسکراتی رہیں میں برا مان گیا۔

"آپ کو میرے کہے کا ذرا بھی خیال نہیں؟ چند دنوں کا مہمان ہوں یہاں پر' پھر چلا جاؤں گا۔ آپ کچھ دن میری خاطر میرے ساتھ واک پر نہیں جا سکتیں۔"

میرے ایموشنل کیے پر آخر کار انہوں نے ہامی بھر لی۔ شانزے نے مجھے وکٹری کا نشان دکھایا خالہ سے آنکھ بچا کر۔

لنچ کے بعد ہم دونوں شاپنگ کے لیے نکل گئے تھے۔ موسم بہت خوشگوار ہو رہا تھا۔ شانزے کی گاڑی میں ڈرائیو کر رہا تھا اور وہ مجھے گائیڈ کرتی جا رہی تھی۔

"تمہارے جانے میں کتنے دن رہ گئے ہیں؟" ایک کیسٹ پلیئر میں لگاتے ہوئے اس نے مجھ سے پوچھا۔

"ان شاء اللہ ہفتہ ڈیڑھ تک آ جائیں گی۔ پھر میں چلا جاؤں گا۔" میں نے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے جواب دیا۔

میری بات پر اس کے چہرے پر ایک سایہ سا گزر گیا تھا۔ مگر اس نے جلد خود پر قابو پاتے ہوئے لہجہ نارمل کیا۔

"اور اگر اس وقت تک ہمارا مشن ڈبل ایم کامیابی نہ حاصل کر سکا تو؟"

"ڈونٹ یو وری۔ ان شاء اللہ ہم اس وقت تک کامیاب ہو چکے ہوں گے۔" میں نے باوثوق لہجے میں کہا۔

"اللہ کرے ایسا ہی ہو۔" وہ آہستگی سے کہہ کر باہر دیکھنے لگی تھی۔ گاڑی میں جنید جمشید کی آواز گونجی تو میں نے چونک کے شانزے کو دیکھا۔ وہ میری طرف متوجہ نہ تھی۔ نجانے کن خیالوں میں گم باہر دیکھ رہی تھی۔

"یہ شام پھر نہیں آئے گی۔

اس شام کو اس ساتھ کو۔ آؤ امر کر لیں۔" گاڑی کی خاموش فضا میں بجتا گانا میرے دل کی ترجمانی کر رہا تھا۔

میں نے ڈرائیو کرتے ہوئے دوبارہ گردن موڑ کر شانزے کو دیکھا۔ وہ ہنوز کھوئی ہوئی تھی۔ میں گردن سیدھی کر کے ڈرائیو کرنے لگا تھا اور اس گانے کے طلسم میں کھو گیا۔

"بارش۔" اس کی خوشی سے بھرپور آواز نے یہ طلسم توڑا تھا۔ میں نے ونڈ اسکرین پر گرتے بارش کے قطروں کو دیکھا۔

"تمہیں بارش اچھی لگتی ہے۔" میں نے گردن موڑتے پوچھا۔

"بہت زیادہ اور خاص کر برستی بارش میں ڈھیر

ساری آئس کریم کھالو۔" وہ بچوں کے سے جوش سے بولی تھی۔ کچھ دیر بعد اچانک ہی میں نے گاڑی جھٹکے سے روک دی۔ اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔

"چلو آؤ تمہیں آئس کریم کھلاتا ہوں۔" میں نے گاڑی کا ڈور کھولتے ہوئے کہا۔

"اوہ عباس! تم کتنے اچھے ہو۔" وہ چہک کر بولی۔

اور پھر اس دن بارش میں بھیگتے ہوئے گاڑی کے بونٹ پر بیٹھ کر ہم نے ڈھیر ساری آئس کریم کھائی اور خوب ساری باتیں کیں۔ ماموں کے لیے ایک بجے T.C.S کروا کر چند سی ڈیز اور چھوٹی موٹی چیزیں خرید کر گھر آئے تھے۔ وہ شام واقعی ہمارے لیے ایک امر ہو جانے والی شام تھی۔

☼ ☼ ☼

اس بارش سے جانے والی سردیاں لگتا تھا پھر واپس آجائیں گی مگر رات تک مطلع صاف ہو گیا تھا اور تارے بھی نکل آئے تھے۔ میں ماما کا فون اٹینڈ کر کے لاؤنج میں چلا آیا۔ نانو نے کافی کا مگ میری طرف بڑھا دیا۔ ماموں نیوز سن رہے تھے جبکہ وہ دونوں نانو کے گرد بیٹھی انہیں اسکول کے قصے سنا رہی تھیں۔

"واوو... آج اسکول میں بیٹا رو رہی تھی۔" باتوں باتوں میں اچانک پلوشہ نے نانو کو بتایا تھا۔ نانو کے ساتھ ساتھ ماموں بھی چونک گئے تھے۔

"کیوں میرا بچہ کیوں رو رہا تھا؟" نانو نے تشویش سے بیٹا کی طرف دیکھا۔

"وہ دادو! آج میری کلاس میٹ اپنی ماما کے ہاتھ کا بیک کیا پزا لائی تھی۔ اس نے سب کو ٹیسٹ کروایا اور مجھے یہ کہہ کر دیا تم بھی کھاؤ۔ کیونکہ تمہاری تو ماما بھی نہیں جو تمہیں پزا کھلا سکے۔ بس یہ بات سن کر مجھے رونا آگیا۔" وہ معصومیت سے سر جھکا کر بولی۔ میں سمجھ گیا کہ مشن ویل ایم کے تحت دونوں اپنا کام کر رہی تھیں۔

"اس میں رونے والی کیا بات تھی۔ [illegible] بیٹی کو پزا بنا کے کھلانے والی۔" [illegible] نانو نے پکارا۔

"مگر آپ کو تو بیکنگ نہیں آتی۔" وہ بسوری اس سے پہلے کہ نانو کچھ کہتیں وشی دوبارہ سے بولنے لگی۔

"اور دادو۔ اس نے دو دن پہلے ہماری کلاس میٹ زویا کا جرنل بھی پھاڑ دیا تھا کیونکہ اس پر اس کی ماما نے ڈائیگرام بنائی تھی اور میم نے اسے اسٹار دیا تھا۔ وہ تو بے چاری زویا نے میم کو شکایت نہیں کی ورنہ اسے ضرور سزا ملتی۔" اس کے دوسرے کارنامے (جھوٹے) کو سن کر تو نانو شاک میں رہ گئیں اور ماموں بھی نیوز چھوڑ چھاڑ کر بے یقینی کے عالم میں اپنی سادہ بیٹی کے کارنامے سن رہے تھے۔ میں صرف دل میں سراہ ہی سکتا تھا دونوں کو۔

"یہ میں کیا سن رہا ہوں بیٹا!" ماموں کی گونج دار آواز پر بیٹا اچھلی۔

"کم ہیر۔" وہ مرے مرے قدموں کی ان کی طرف بڑھی۔

"ٹیل می۔ یہ سب کیا ہے؟"

"وہ... پاپا! آئی وانٹ آ مدر۔ آئی نیڈ اے مدر۔" جھکے سر کے ساتھ وہ بامشکل اپنی مہین آواز میں بولی۔ اس کی بات پر ماموں چپ رہ گئے تھے۔ اسے [illegible] نگاہوں سے دیکھنے لگے۔

"یو آر اے گرون اپ چائلڈ ناؤ [illegible] رئیلٹی کہ تمہاری ماما کی ڈیتھ ہو چکی ہے۔" وہ بڑے ضبط سے بولے۔

"آئی نو پاپا بٹ [illegible] سکتی ہیں نا۔" اس کے جواب پر [illegible] گئے تھے۔

پہلی دفعہ [illegible] کی طرف سے انہیں ایسی صورت حال سے [illegible] پڑا تھا۔ انہیں کچھ نہیں آ رہا تھا اسے [illegible] چند منٹوں کی گمبھیر خاموشی کے بعد وہ اس کی باتیں نظر انداز کر کے حکمیہ لہجے میں بولے۔

"جاؤ تم دونوں صبح پھر اسکول کے لیے اٹھا نہیں جائے گا۔" انہیں اگنور کرنے پر دونوں منہ لٹکائے گڈ نائٹ کہتی چلی گئیں۔ ان کے جاتے ہی نانو شروع ہو گئیں۔

"دیکھا عارفین انہیں نہ کہتی تھی کہ آج نہیں تو کل انہیں ماں کی کمی محسوس ہوگی مگر تم ہمیشہ میری باتوں کو نظر انداز کرتے رہے۔" ماموں نے ٹی وی آف کر کے جھنجلائی نظروں سے انہیں دیکھا۔

"اماں پلیز! یہ دوسری ٹاپک اور رہی بات بچیوں کی تو ایک دو دن میں پھر سے ٹھیک ہو جائیں گی۔"

"کیسے ٹھیک ہو جائیں گی؟" وہ لب [illegible] رہیں۔ "بڑی ہو رہی ہیں۔ ایسے میں [illegible] بچیوں کو تم اپنی مرضی سے نہیں چلا سکتے۔" وہ [illegible] کو لتاڑنے لگیں۔

"تو کیا کروں میں [illegible] ہیں آپ کہ جوان ہوتی بچیوں کی موجودگی میں [illegible] رچالوں۔" وہ زچ ہو گئے۔

"تو کون سا عمر گزر گئی ہے تمہاری اور ابھی خود ہی انہیں بچیاں کہہ رہے تھے اور اب جوان نظر آنے لگیں۔" نانو نے انہیں آڑے ہاتھوں لیا۔ ماموں کا لاچار چہرہ دیکھ کر مجھے ہنسی آگئی۔

"عارفین! میں تمہاری ماں ہوں۔ بھلائی چاہتی ہوں تمہاری۔ کب تک یونہی اکیلے رہو گے آج جوان ہو۔ کل کو جب ہڈیوں میں جان نہیں رہے گی تو کسی سہارے کسی ساتھی کی کمی شدت سے محسوس کرو گے۔ زندگی یوں نہیں گزاری جا سکتی۔" وہ بڑے سبھاؤ سے انہیں سمجھانے لگیں مگر جب وہ بولے تو میرا سر پیٹنے کو جی چاہا۔

"اچھا اماں سونے چلتا ہوں۔ شب بخیر۔"

"سن بھی رہے تھے کہ میں نے کیا کہا؟" ان کے اگنور کرنے پر نانو کو غصہ آگیا۔

"جی۔" وہ یک لفظی جواب دے کر سر جھکا کر ان سے پیار لینے لگے۔ نانو نے ان کو پیار تو کر دیا مگر ان کا یوں نظر انداز کر جانا انہیں سخت کھلا تھا۔ میں نے بھرپور نگاہوں سے جاتے ہوئے اپنے شاندار ماموں کو دیکھا۔ چھ فٹ قد کے ساتھ سراپا بہت بھرپور تھا۔

"ہمیشہ ہی ایسا کرتا ہے۔ سمجھتا ہے کہ میں دشمن ہوں۔ اب اللہ [illegible] سمجھائے تو سمجھائے میں تو تھک گئی ہوں۔" وہ [illegible] رہیں اور مجھے شاہ زیب کو فون کر کے [illegible] کی [illegible] لاحق ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

[illegible] کے لیے آنے والے کارڈز اور کیک نانو کو بھی مشکوک کرنے لگے تھے۔

آج میں نے خالہ کو دعوت تھی شام کی چائے کی۔ وہ کل آنے کا وعدہ کر گئیں اور رات کو میں نے انہیں میل کیا تھا۔

تم سے ملنے کی یوں خوشی تو ہے
دھڑکا بھی ہے کہ تم نہ آیا تو
تم سے بچھڑنے لگی ہے تنہائی
زندگی بھی خوشی سی لگتی ہے
اب آنکھوں میں انتظار کی جوت
ہم کب سے جلائے بیٹھے ہیں
آ بھی جاؤ کہ مدتوں سے ہم
اپنا دامن پھیلائے بیٹھے ہیں
تم سے ملنے کی آس لیے
جلد ملنے والا Secret Admirer

میل کرنے کے بعد میں نے تصور میں نیلی خالہ کا چہرہ دیکھا جو یقیناً یہ پڑھ کر تجسس میں مبتلا ہو جائیں گی۔ وہاں سے اپنے کمرے میں آکر میں کل ہونے والی دعوت کے بارے میں سوچنے لگا تھا جو کہ میں چاہتا تھا کہ خالصتاً "خالہ اور ماموں کی ہو۔ بیچ میں نہ نانو ہوں اور نہ ہم۔

☼ ☼ ☼

صبح لاؤنج میں اکیلا بیٹھا میں اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ نانو کو کیسے منظر سے آؤٹ کیا جائے کہ اچانک ہی ذہن میں جھماکا ہوا۔ میں وشی کو آوازیں دینے لگا۔

"جی بھائی۔" وہ کہیں سے نمودار ہوئی۔

"ادھر آؤ اور جلدی سے بتاؤ کہ نانو کے جاننے والوں میں کون ایسا ہے جو سیریس بیمار ہو۔" اس کا بازو پکڑ کر اسے اپنے سامنے بٹھایا میرے سوال پر اس نے

حیرت سے مجھے دیکھا۔

"کیا مطلب؟"

"اوہو مطلب وطلب چھوڑو۔ جو پوچھا ہے اس کا جواب دو۔" میں جھنجلایا۔ وہ سوچنے لگی۔

"ہوں... ہاں آنٹی عالیہ۔" اس نے چٹکی بجائی۔

"وہ بہت بیمار رہتی ہیں۔"

"انہیں کیا بیماری ہے۔" میرے اشتیاق سے پوچھے گئے سوال پر اس کا جواب میرا دماغ گھما گیا۔

"بڑھاپا۔ انہیں بڑھاپا ہے۔"

"اف... عقل مند! اتنی خطرناک بیماری نہیں چاہیے۔ ذرا کم خطرناک بیماری بتاؤ۔" بظاہر میں نے بڑے ضبط سے کہا۔ وہ پھر سوچنے لگی۔

"کم خطرناک... ہاں آنٹی ثروت بھی بیمار ہیں۔" اس کے جواب پر مطمئن ہو گیا۔

"شکر ہے اللہ۔" میرے شکرانے پر اس نے حیرت و تاسف سے مجھے دیکھا۔

"بڑے افسوس کی بات ہے بھائی! آپ ان کی بیماری پر شکر ادا کر رہے ہیں۔"

"خیر اب اتنا بھی سنگدل نہیں ہوں میں شکرانہ تو کسی اور بات کا تھا۔" اور کس بات کا تھا۔ میں نے اسے بتا دیا۔

"تو کیا آپ داود کو اسلام آباد بھیجیں گے؟" اس کی حیرت میں ڈوبی آواز پر میں اچھل پڑا۔

"مطلب...؟"

"مطلب یہ کہ وہ تو اسلام آباد میں رہتی ہیں۔" اس کے اطمینان سے کہنے پر دانت کچکچا کر رہ گیا۔

پھر کتنی دیر کی مغز ماری کے بعد ایک ایسی رشتہ دار نکل آئیں جو ہارٹ کی پیشنٹ تھیں اور یہیں رہتی تھیں۔ ابھی ہم میں یہی باتیں ہو رہی تھیں جب ماموں بھی لاؤنج میں چلے آئے۔ نانو کمرے سے نکلیں۔ وہ ہفتہ بھر کی لانڈری جمع کروا رہی تھیں [illegible] میں آج اسپیشل مینو تھا جو سب کی پسند [illegible] اور وشی خاموش ہو گئے۔ زرینہ نانو کے [illegible] کپڑے باہر لے گئی واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں ایک بکے تھا۔

"صاحب جی! یہ پھول آئے ہیں جی آپ کے لیے۔" نانو مجھ سے باتیں کرتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"کون دے گیا ہے۔" ماموں چونکے۔

"وہ جی ڈاکیہ دے گیا ہے۔" بکے میز پر رکھ کر استفسار طلب نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

"اچھا... تم جاؤ۔" وہ کچھ رک کر بولے تو وہ سر ہلا کر چلی گئی۔ ہم سب کی نظریں ماموں پر لگی ہوئی تھیں۔

"پاپا کس نے بھیجے ہیں؟" وشی بکے کی طرف بڑھی۔ نانو بھی منتظر نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ ماموں نے بکے اٹھا لیا۔

"ڈونٹ نو بیٹا۔" انہوں نے کارڈ نکالا اور کھول کر دیکھا۔ Soul Mate کی جانب سے تھا۔

وصل کے پل نصیب ہوں گے ضرور
منتظر رہنا بس میرے ہمدم
فاصلہ جلد ہی طے کر لیں گے!
رہ جائیں گے دو چار قدم
تم سے جلد ملنے والی تمہاری
Soul Mate

نیچے لکھے الفاظ پڑھ کر وہ چند لمحے گنگ رہ گئے چونکے تو وشی کی آواز پر جو بے [illegible] سے پوچھ رہی تھی۔

"Who is papa"

ماموں نے ہم سب کو ایک نظر دیکھا اور پھر ایک دوست کہہ کر [illegible] میں رکھ لیا۔ زرینہ کو بلا کر بکے [illegible] حوالے کر کے وہ اسٹڈی کی طرف بڑھ گئے۔

"لگتا ہے کوئی بہت ہی کلوز فرینڈ ہے۔" وشی نے معنی خیزی سے مجھے دیکھا اور میں مبہم انداز میں کھنکار کر رہ گیا۔

چار بجے حسب پروگرام وشی ہراساں صورت لیے نانو کے کمرے میں پہنچی۔

"دادو! دادو۔"

"کیوں بیٹا! کیا ہوا خیریت؟" وہ اس کی ہوائیاں اڑی صورت دیکھ کر فوراً لیٹے سے اٹھ بیٹھیں۔

"وہ دادو! ابھی کسی کا فون آیا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ خالدہ آنٹی کی طبیعت سخت خراب ہے لگتا ہے کہ ان کا آخری وقت آ پہنچا ہے۔ آپ فوراً پہنچیں۔" اس کی بات پر نانو پریشان ہو گئیں۔

"اللہ خیر کرے۔ اس کی مشکل آسان فرمائے۔ تم فوراً زرینہ کو بلاؤ کہ میرے کپڑے نکالے اور ڈرائیور سے کہو گاڑی نکالے۔" وہ بستر سے [illegible] ہدایات دینے لگیں۔ وشی سر ہلا کر فوراً [illegible] طرف لپکی۔

کچھ دیر بعد نانو پریشان سی چلی گئیں۔ ہم نے خوشی سے نعرہ لگایا۔ پھر [illegible] کے سر پر پہنچا لے شام کی چائے کی ہدایت دینے کے بعد میں نے شازے کو فون کر کے حالات سازگار ہونے کی اطلاع دی۔ وہ فوراً "پہنچ رہی ہوں۔"

"عباس۔ یو آر اے ویری جینئس! آج تم سے [illegible] چاچا کتنیاں بھی جیت نہیں سکتیں۔" اس کی تعریف سن کر جھک سے میرا دماغ اڑ گیا۔

"یہ تم میری تعریف کر رہی ہو؟" میں نے چبا چبا کر پوچھا۔

"آف کورس ڈیئر۔" وہ وثوق سے چہکی میرا موڈ خراب ہو گیا۔

"بس فضول بکواس بند کرو اور جلد پہنچو۔" اس کی سنے بغیر میں نے کھٹ سے کال ڈسکنکٹ کر دی۔

"ہونہہ! بڑی آئی۔" دل ہی دل میں بڑبڑاتے ہوئے میں اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا اور پھر جب زرینہ نے مہمانوں کی اطلاع دی تب میں باہر نکلا۔

بچیاں اور ماموں ان کے استقبال کر رہے تھے۔ بچیاں تو خالہ کے آگے پیچھے پھر رہی تھیں۔ ماموں "اتفاقاً" بیٹھ گئے۔ میں نے بڑی گرمجوشی سے انہیں ویلکم کیا۔ سی گرین اور سلور گرے کلر کے سوٹ میں وہ بہت پیاری لگ رہی تھیں۔ میں نے انہیں اطلاع دی نانو گھر پر نہیں ہیں۔ ایمرجنسی میں انہیں جانا پڑ گیا ہے۔ معذرت کر رہی تھیں وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ نانو کو تو ان کے آنے کی [illegible] بھی نہیں تھی لیکن خیر میں ہی بولتا رہا زیادہ [illegible] ماموں منہ میں گھنگنیاں ڈالے بس مسکرا رہے تھے۔ ان کی اس بے نیازی پر میں جل کر رہ گیا تھا۔

[illegible] سے تو بور ہو کر ٹی وی لگا لیا۔ کچھ دیر بعد میں نے خانساماں کو چائے لانے کو کہا۔ چائے کے دوران بھی ہم ہی بے وقوفوں کی طرح بولتے رہے اور چائے کے بعد بالآخر میرے ضبط کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ میں نے آنکھ سے ان تینوں کو اشارہ کیا۔

"آؤ تمہیں چڑیا کا گھونسلہ دکھاتا ہوں۔ جو اس نے آج بنایا ہے۔" میرے اشارے کو سمجھتے ہوئے وہ جلدی سے میرے ساتھ باہر نکل آئیں۔

"شاید اب ان کی زبان کے قفل کھلیں۔" میں بے بسی سے بولا اور پھر گلاس ونڈو سے ہم سب چپک کر انہیں دیکھنے لگے۔

وہاں سین جوں کا توں تھا۔ کچھ دیر بعد ماموں نے ازراہ مروت خالہ کو مسکرا کر دیکھا۔ پھر کچھ دیر ادھر ادھر دیکھنے کے بعد خالہ نے انہیں مسکرا کر دیکھا۔

"لاحول ولا... یہ کیا اسمائل ڈے منایا جا رہا ہے۔" میں چڑ گیا تھا۔ شازے نے مجھے خاموش کروایا۔

"چپ کرو اور اب ذرا دیکھو۔" میں اسے گھور کر اندر دیکھنے لگا۔ جہاں سین میں تھوڑی تبدیلی آئی تھی اب دونوں مسکرانے کے ساتھ چند ایک لفظ بھی بول رہے تھے۔

"ہونہہ یوں لگتا ہے جیسے ایک کہہ رہا ہو ہائے اور دوسرا کہہ رہا ہو ہیلو؟"

"اوہو تم تو صبر کرو۔" وہ مجھے ٹوکنے لگی۔ میں پھر سے اندر دیکھنے لگا تھا۔ سین اب کچھ یوں تھا۔ دونوں ٹھہر ٹھہر کر گفتگو کر رہے تھے۔

ہم تم اک کمرے میں بند ہوں اور چابی کھو جائے
تیرے نینوں کی بھول بھلیاں میں بوبی کھو جائے
گانے کی آواز پر ان کے ساتھ ساتھ ہم بھی چونکے

تھے۔ شازے شاید کوئی گانوں کا چینل لگا چھوڑ آئی تھی۔ جس سے اب بڑا شاندار گانا نشر ہو رہا تھا۔ ہم دونوں نے اب کے معنی خیزی سے ایک دوسرے کو دیکھا پھر ہنسنے لگے۔

ہم تم اک کمرے میں بند ہوں

اندر ماموں شاید ریموٹ ڈھونڈ رہے تھے۔ جو انہیں سائیڈ کی میز پر دال گیا۔ انہوں نے جلدی سے ٹی وی آف کر دیا۔

"لو جی چھٹی ہوئی۔ کیا تھا جو گانا لگا رہنے دیتے۔" مجھے سخت اعتراض ہوا۔

"یہاں کھڑے رہ کر کڑھنے سے بہتر نہیں کہ ہم لان میں واک کریں؟" شازے کی تجویز معقول تھی۔ ہم چاروں مارچ پاسٹ کرنے لگے۔

"کب ان کی شادی ہوگی عباس۔" میرے ساتھ چلتے چلتے اس نے حسرت سے پوچھا۔

"ہاں... تاکہ پھر تمہارا نمبر آسکے۔" میری بات پر وہ بگڑی۔

"جی نہیں مجھے اتنی جلدی نہیں ہے۔ میں تو شادی کروں گی تو اپنی پسند کے لڑکے سے۔"

"اور تمہاری پسند کا لڑکا کیسا ہے؟" میرے پوچھنے پر وہ بڑی اٹھلا کر بولی۔

"ٹام کروز، جونی ڈیپ، شاہد آفریدی، مشین بونڈ جیسے لڑکے مجھے اچھے لگتے ہیں۔"

"اُخ... وہ ناٹا ٹام کروز اور چوڑے منہ والا جونی ڈیپ اور..." میں سب کے عیب گنوانے لگا تھا مگر وہ ٹوک گئی۔

"بس بس تم کیوں جل رہے ہو۔" اس کی بات پر میں بل کھا کر رہ گیا۔

"جلتی ہے میری جوتی۔ شکل دیکھی ہے تم نے اپنی۔ ہونہہ ٹام کروز اور شاہد آفریدی۔" میں نے اس کا مذاق اڑایا یا اترائی۔

"کیوں نہیں دیکھی۔ اچھی [illegible] ہوں۔ ہزاروں لوگ مرتے ہیں مجھ پر۔" "یہاں وشی، ٹینا؟" اس کے پوچھنے پر وہ دونوں اس کی تعریف میں چمچیوں کی طرح رطب اللسان ہو گئیں۔

"ان معصوموں سے کیا پوچھتی ہو۔ انہیں کیا معلوم حسن کیا ہوتا ہے۔"

میرے کہنے پر وہ چلتے چلتے ____ یکدم میرے سامنے آکھڑی ہوئی۔

"اچھا تو تمہیں تو پتا ہے نا کہ حسن کیا ہوتا ہے! تم بتاؤ۔ کیا میں خوب صورت نہیں ہوں؟"

وہ خنجر نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں نے بھرپور نظروں اس کے چہرے کا جائزہ لیا اور پھر میری نگاہیں اس کے چہرے پر اٹک گئیں۔ میرے یک ٹک دیکھنے پر وہ ذرا پریشان ہو گئی مگر میری نظروں کا نہ زاویہ بدلا۔ میں یونہی توجہ سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ گھبرانے لگی۔ چہرے کا رنگ سرخ ہو گیا۔

"بتاؤ نا۔" وہ جھنجلائی۔ میں گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"تم واقعی۔" میرے گمبھیر لہجے پر وہ سٹپٹائی۔ بچیاں کھی کھی کرنے لگیں۔

"تم واقعی راحت کی طرح خوب صورت ہو۔"

"یہ راحت کون ہے؟" وہ بھونچکی رہ گئی۔

"یوسف مسیح کی بیوی۔"

"اور یوسف مسیح؟" وہ اب بھی نہ [illegible]

"ہمارا جمعدار۔" میرے [illegible] وہ پہلے تو کچھ نہیں مگر جب [illegible] اور مجھے مسکراہٹ ضبط کرتے دیکھا تو [illegible]

"تم خود کیا [illegible] خوب صورت ہو۔ کوڈو کی طرح تو تمہاری شکل [illegible]"

"ہاں [illegible] قد تو چھ فٹ سے بھی زیادہ ہے۔" میں اسے جلانے کو بڑے اطمینان سے بولا۔

"قد سے کیا ہوتا ہے؟ قد تو اونٹ کا بھی لمبا ہوتا ہے۔" وہ چوٹ کرنے کے انداز میں بولی۔ میں بدستور مسکراتا رہا۔ میری مسکراہٹ پر اس کا بس نہ چل رہا تھا کہ کیا کر ڈالے۔

"دیکھو زیادہ غصہ مت ہو۔ زیادہ غصہ ہونے سے خون جل جاتا ہے اور تمہارا تو آل ریڈی جلا ہوا ہے۔"

میرے پچکارنے والے انداز پر وہ غصے سے واک آؤٹ کر گئی۔ میں اور بچیاں بھی اس کے پیچھے اندر چلے آئے۔ وہ منہ پھلائے بیٹھی تھی۔ جبکہ ماموں اور خالہ میں رسمی سی گفتگو ہو رہی تھی۔ کچھ دیر وہ اجازت لے کر چلی گئیں۔

نانو کی آمد رات نو بجے ہوئی وہ دیر تک ہمیں ان کی بیماری کی تفصیلات سناتی رہیں۔ شکر تھا کہ ہمارا بھانڈا نہیں پھوٹا تھا۔

۞ ۞ ۞

ولی اور زرینہ کے گاؤں میں [illegible] تھی دونوں ایک ہفتے کی چھٹی [illegible] چلے [illegible] کچن کی ساری ذمہ داری بے چاری [illegible] پر تھی۔ ساتھ والے بنگلے کی نیو نو [illegible] صفائی کر کے ایک دو گھنٹے کے لیے آجاتی [illegible]۔ اب ہم روزانہ ماموں اور خالہ کو [illegible] جاتے تھے اور انہیں ساتھ ساتھ خود ان [illegible] آگے نکل جاتے۔

اور دونوں بچیاں کسی ملنے والی کے گھر چلی گئی تھیں۔ ماموں آفس سے جلدی آگئے تھے اور اب میرے ہاتھ کی بنی جوشاندہ نما چائے کا گھونٹ بھر کر کلیاں کر کے بیٹھے تھے۔ میں لان میں چلا آیا۔ فردوس نے مجھے ایک گفٹ پیک لا کر دیا۔

"یہ شازے بی بی چھوڑ گئی تھیں۔" میں گفٹ اس سے لے کر اندر چلا گیا۔

"ماموں.... ماموں آپ کے لیے گفٹ آیا ہے۔" دروازے سے پکارتے ہوئے میں اندر چلا آیا۔ وہ تھکے میں ان کے پاس گیا۔

"وہ۔" انہوں نے ہاتھ آگے بڑھایا۔ میں نے شرافت سے ان کے ہاتھ میں پیک تھما دیا۔ وہ ریپر اتارنے لگے۔ اندر سی ڈیز تھیں۔

"واؤ سی ڈیز.... کس نے بھیجی ہیں۔" میں نے جلدی سے ان کے ہاتھ سے سی ڈیز لے کر الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ وہ بیگانگی سے مجھے دیکھنے لگے۔

"کوئی بہت ہی باذوق انسان لگتا ہے۔" غلام علی اور نور جہاں کی غزلوں کی سی ڈیز دیکھ کر میں مکاری سے بولا "یہ ہم نے اکٹھی خریدی تھیں۔"

"لگاؤں ماموں؟" ان کے تاثرات سے بے نیاز بولے جا رہا تھا اور پھر ان کو کچھ کہنے کا موقع دیے بغیر میں جلدی سے سی ڈی پلیئر میں لگانے لگا اور کسی نے ٹھیک [illegible] جلدی کا کام شیطان کا۔ میں نے تو صرف ان کے چہرے کے تاثرات دیکھنے کے لیے سی ڈی لگانی چاہی تھی اور جب وہ بجی تو۔

منی بدنام ہوئی ڈارلنگ تیرے لیے کور نور جہاں کا اور گانا منی کا۔ میں نے حیرت سے کور کو الٹا پلٹا اور پھر چور نظروں سے ماموں کو دیکھا۔ جو منہ کھولے یہ گانا سن رہے تھے۔ جلدی سے میں نے پلیئر آف کیا اور بوکھلا کر غلام علی کی سی ڈی لگائی۔

چیڑی اے برسات وے

ناجاویں آج رات وے

نصیبو لعل چیخ چیخ کر برسات کا عندیہ سنا رہی تھی۔ کن انکھیوں سے ماموں کی طرف دیکھا۔ وہ بت بننے کی بجائے بڑی سنجیدگی سے مجھے دیکھ رہے تھے اور ان کے سنجیدہ تیور مجھے سنگینی کا احساس دلا رہے تھے۔

"وہ ماموں... لگتا ہے غلطی سے کسی نے غلط سی ڈیز بھیج دی ہیں۔" میں نے گڑبڑاتے لہجے میں کہہ کر دل ہی دل میں شازے کو کوسا۔ جس نے یہ خرافات بھر کے بھجوا دی تھیں۔ تیسری سی ڈی جل تو جلال تو کا ورد کرتے ہوئے ڈالی۔ جس پر ٹنا مائی کی تصویر تھی۔

لے، لے، لے مزا لے۔ پیار کا جم کے مزا لے

"اف شازے۔" میں سر پیٹ کر رہ گیا۔

"عباس یہ سی ڈیز تم رکھ لو۔"

ماموں کی سنجیدہ آواز پر میں نے مرے مرے انداز سے انہیں دیکھا۔

"یہ تو آپ کے لیے آئی ہیں۔"

"نجانے کس نے میرے ذوق سے مذاق کیا ہے۔ تم ہی رکھ لو۔ میں اس طرح کے گانے نہیں سنتا۔"

وہ سنجیدہ صورت بنائے اٹھ کر چلے گئے اور میں

فوراً غصے سے بھرا وہ سی ڈیز اٹھائے شانزے کے سر پر پہنچ گیا۔ خالہ کچن میں تھیں اور شانزے لان میں۔
"یہ سب کیا ہے؟" میں نے سی ڈیز والا ہاتھ اس کی آنکھوں کے سامنے لہرا کر پوچھا۔ اس نے حیرت سے مجھے دیکھا۔
"سی ڈیز ہیں اور کیا ہیں۔ یہ تو میں نے اس کے فردوس کو دی تھیں۔ کیا اس نے ماموں تک نہیں پہنچائیں؟"
"اف شانزے کی بچی۔ تم نے تو ہمارے سب کیے کرائے پر پانی پھیر دیا ہے۔" میں سر پیٹ کر رہ گیا۔
"کیوں میں نے میں کیا کیا؟ تم نے خود ہی تو یہ سی ڈیز میرے ساتھ خریدی تھیں اور کہا تھا۔ پہنچانے کو۔" وہ خفا ہونے لگی۔
"ہاں میں نے خود خریدی تھیں مگر اس میں یہ والے منحوس گانے نہ تھے۔" میری بات وہ خاک نہ سمجھی۔
"مسئلہ کیا ہے۔ صاف صاف بات کرو۔"
"مسئلہ؟" میں نے دانت پیستے ہوئے ساری داستان الم اسے سنائی وہ اچھل پڑی۔
"ہائے اللہ! یاد آیا۔ یہ تو میری فرینڈ نائلہ کی سی ڈیز ہیں جو اس نے مجھے سننے کو دی تھیں اور وہ مجھ سے مکس ہو گئیں۔"
"تو ان کو میں اس کی سی ڈیز کا کیا کام؟"
"وہ آئی تھی کل میں مصروف تھی تو اسے کہا وہ خود ڈھونڈ لے۔ میرے خیال میں اس نے ہی یہ ساری گڑبڑ مچائی ہے۔"
"اور اب اس گڑبڑ کے بارے میں بتاؤ۔ کیا کریں۔ تم سے تو ڈھنگ کا کام ہوتا ہی نہیں۔" میں نے جلے کٹے لہجے میں اسے گھورا۔
"تو اس میں میرا کیا قصور؟ ایک تم اور ایک تمہارے سڑیل ماموں۔ اب ان کی پسند اتنی قدیم ہے تو میں کیا کروں۔ بس ہو گیا جو ہونا تھا۔"
اس کے بے نیاز لہجے پر میں بیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔
"تو تمہاری پسند کون سی اعلیٰ و ارفع ہے؟ یہ گھٹیا گانے جنہیں کوئی بھی سننا پسند نہ کرے وہ تم شوق سے سنتی رہو مگر یہ بگڑا معاملہ صرف تمہاری لاپروائی کی وجہ سے ہے۔"
"تم کیا چاہتے ہو اب میں ذرا سی بات پر خود کو مار ڈالوں۔ بھئی غلطی ہو گئی اس میں اتنا ناراض ہونے والی کیا بات ہے۔ کیا ہوا جو غلط سی ڈیز چلی گئیں۔ اب اتنے برے بھی گانے نہیں ہیں یہ۔ بندے کو ایسے ہی گانے سننے چاہئیں جنہیں سن کر زندگی کا تو مزا آئے گا۔" وہ اپنی غلطی ماننے کو تیار نہ تھی۔
"ٹھیک ہے۔ تمہیں تو کوئی گلٹ ہی نہیں ہے۔ بھاڑ میں جائے یہ سارا ڈرامہ۔"
میں پاؤں پٹخ کر وہاں سے چلا آیا۔ وہاں نئی خبر منتظر تھی۔ ماما کا فون آیا تھا۔ بھائی کے جڑواں بیٹے ہوئے تھے۔ میں نے فوراً ماما کو کال بیک کی۔ پھر رات گئے تک نانو، بچیاں اور میں کمپیوٹر کے آگے بیٹھے رہے۔ ویب کیم کے تھرو ہم نے براہ راست بھابھی اور بھائی سے بات کی۔ شانزے کو پتا چلا تو اس نے بھی مجھے مبارک باد دی جو میں نے پھولے منہ کے ساتھ قبول کی تھی۔
اگلے دن میں نے سب کو ٹریٹ دی۔ خالہ اور ماموں کو بھی زبردستی گھسیٹ لیا اور ہوٹل میں جب شانزے نے بڑی اداسی سے پوچھا۔
"اب تو تم جلد چلے جاؤ گے عباس۔ تم ہمیں یاد کرو گے؟" تو میرے جواب پر اس کی آنکھوں میں جھلملانے لگی۔
"ہاں ہاں بالکل یاد کروں گا۔ سال کے سال تمہیں فون لازمی کروں گا اور اپنی شادی پر بھی ضرور انوائٹ کروں گا آخر کو اس وقت تک تم میری رشتہ دار بن چکی ہو گی۔" پھر اس کے بعد وہ بڑے ضبط سے سارا وقت بیٹھی رہی تھی۔
بچیاں خالہ سے ضد کر کے کھانا کھا رہی تھیں اور ماموں بے چارے شرمندہ ہوتے رہے۔ واپسی پر ہمیں پتا چلا کہ نانو کا بی پی ایک دم شوٹ کر گیا تھا۔ ڈاکٹر ان کو دیکھنے آیا تھا۔ ہم سب پریشان ہو گئے۔ ان کی طبیعت رات گئے تک سنبھلی تھی مگر صبح بڑا تیز بخار چڑھ آیا ہم سب بوکھلا گئے۔ اس دن بچیاں سوکھے منہ اسکول گئیں ———— میں نے جیسے تیسے سب کے لیے ناشتا بنایا مگر کسی کو پسند نہ آسکا۔ ماموں کو تسلی دے کر میں نے آفس بھیجا اور پھر نیلی خالہ کو فون کر دیا۔
نانو کی بیماری کا سن کر وہ دوڑی چلی آئیں اور آتے ہی انہوں نے گھر کا چارج سنبھال لیا۔ نانو کو پرہیزی بنا کر انہوں نے دوپہر اور رات کے لیے بھی کھانا پکا دیا تھا۔ میں ان کا ممنون ہو رہا تھا۔ مجھ سے خفا کہ وہ کوئی غیر تو نہیں ہیں۔ شام تک نانو کی حالت پھر بگڑ گئی۔ میں نے ماموں کے ہمراہ انہیں ہسپتال پہنچایا۔
تین گھنٹے کی ٹریٹمنٹ کے بعد جب ہم گھر آئے تو شانزے اور خالہ بچیوں کے ساتھ تھیں۔
"نانو کیسی ہیں اب؟" مجھے دیکھ کر شانزے پوچھنے لگی۔
"طبیعت خراب ہے اور اسی وجہ سے بخار ہے۔" میں اسے بتانے لگا تھا۔ نیلی خالہ کھانا گرم کر لائیں۔
"عباس، عارفین کو بھی بلا لو۔ بچیاں بھی ابھی تک بھوکی بیٹھی ہوئی ہیں۔" ان کے بتانے پر میں ماموں کو بلانے گیا جو ہاتھ منہ دھونے اپنے روم میں گئے تھے۔ کھانے سے فارغ ہو کر بچیاں تو سونے چلی گئیں۔ میں نانو کے کمرے میں چلا آیا۔
ماموں ان لوگوں کو ڈراپ کرنے چلے گئے۔ وہ رات میں نے نانو کے کمرے میں گزاری تھی۔ اگلے دن ولی کا فون آیا کہ وہ مزید ایک ہفتہ تک نہیں آسکتا۔ میں جواب میں فوراً "آنے" کو کہنے والا تھا۔ کچھ سوچ کر چپ رہ گیا۔ یہ تو اللہ کی طرف سے موقع ملا تھا ہمیں گھر کو سنبھالنے کے لیے نیلی خالہ کی خدمات حاصل کر کے میں ماموں اور خالہ کو ایک ہی ٹریک پر لا سکتا تھا۔ ان میں اب وہ تکلف تو رہا نہیں تھا۔ آنے والے دو دنوں میں خالہ بڑے خلوص سے نانو کے گھر کو سنبھالتی رہیں ماموں ان کے بہت مشکور تھے۔ بچیاں بھی ان کے آنے سے مطمئن ہو جاتی تھیں کیونکہ نانو کی بیماری نے انہیں خوفزدہ کر دیا تھا۔
ابھی نانو کی طبیعت تھوڑی سنبھلی ہی تھی کہ اچانک ہی بینا کی طبیعت خراب ہو گئی۔ اس دن اسکول سے آکر اس نے وومٹنگ کیں۔ پھر بغیر کچھ کھائے دوسری شام تک وہ بخار میں پھنک رہی تھی۔ اس دوسری بخار پر ماموں بوکھلا گئے۔ نیلی خالہ اپنی زمینوں کے سلسلے میں آج گاؤں گئی ہوئی تھیں۔ وہ بے چاری کئی دنوں سے اپنا جانا نانو کی وجہ سے منسوخ کیے ہوئے تھیں آج نانو کی طبیعت تھوڑا سنبھلی تو وہ چلی گئیں۔ بینا نے بخار کی وجہ سے ضد شروع کر دی۔ ماموں پریشان ہو گئے۔
"بیٹا تھوڑا سا کھاؤ۔ پھر دوائی بھی پینی ہے نا۔"
وہ منت کر رہے تھے مگر وہ مسلسل ضدی لہجے میں انکار کر رہی تھی۔ تھک کر ماموں نے مدد طلب نظروں سے مجھے دیکھا۔ میں ان کی مدد کو آگے بڑھا۔
"بینا گڑیا! کھا لو ضد نہ کرو۔ پھر کیسے اچھی ہو گی تم۔" میں نے دلیہ کا چمچ اس کی طرف بڑھایا۔ جو ماموں نے پکایا تھا۔ اس نے ہاتھ سے پرے ہٹا دیا۔
"مجھے ماما کے ہاتھوں سے کھانا ہے۔" اس کی بچگانہ ضد پر ماموں کو غصہ آگیا تاہم وہ بڑے ضبط سے بولے۔
"ماما نہیں ہیں تمہاری۔ چلو کھاؤ۔ اچھے بچے ضد نہیں کرتے اور نہ ہی تنگ۔" بینا ان کی بڑی صابر اور سادہ بیٹی تھی مگر آج اس کا مزاج عجیب ہو رہا تھا۔ یہ سب شاید میری برین واشنگ کا اثر تھا۔
"میں نہیں ہوں اچھی۔ مجھے کچھ پتا نہیں ہے مجھے ماما چاہیے۔ بس میں نے کہہ دیا مجھے ماما چاہیے۔"
اس کی "ماما" ماما کی تکرار پر وشی بھی پریشان ہو گئی تھی۔ ماموں کی طرف میں نے دیکھا۔ وہ بہت غصہ ہو رہے تھے۔ اس سے پہلے کہ صورت حال بگڑتی میں نے ماموں کو تسلی دے کر چلتا کیا۔
"آپ جائیں ماموں۔ میں اسے سنبھال لوں گا۔" وہ میرے کہنے پر چلے گئے تو میں اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"تم میری پیاری بہن ہو مینا۔ میری خاطر تھوڑا سا کھالو۔" میں نے نرمی سے اسے آمادہ کرنا چاہا تھا۔ پھر بڑی دقتوں سے وہ تھوڑا کھانے پر آمادہ ہوئی۔ اسے مشکلوں سے دوائیاں دے کر میں کمرے میں آگیا تھا۔

☆ ☆ ☆

صبح ناشتے کا مسئلہ تھا۔ نانو کے لیے ماموں نے پورج بنالیا اور ہمارے لیے انڈہ اور ٹوسٹ کا ناشتا وشی اسکول چلی گئی۔ ماموں کی آج بہت ضروری میٹنگ تھی۔ وہ مجھے ڈھیروں ہدایات دے کر آفس گئے تو میں نے مینا کے کمرے میں جھانکا۔ وہ سو رہی تھی۔ بارہ بجے خالہ چلی آئیں۔

"آگئیں آپ گاؤں سے؟" میں نے انہیں دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے گھر کے کاموں سے فارغ ہوئی ہوں تم بتاؤ ناشتا کیا؟"

"کہاں کیا۔ نانو کے لیے تو ماموں دلیہ بنا گئے اور مجھے سوکھے سڑے توس کھانے پڑے۔" میں نے مظلومیت سے آہ بھری۔

"خیر تم فکر نہ کرو۔ ابھی کچھ بناتی ہوں تمہارے لیے۔ بچیاں کہاں ہیں۔" وہ کچن میں چلی آئیں میں ان کے پیچھے پیچھے چلا آیا اور مینا کی طبیعت کے بارے میں بتایا۔ وہ سن کر تشویش کا اظہار کرنے لگیں اور پھر اس کے کمرے میں چلی گئیں اور واقعی ان کے ہاتھ میں جادو تھا۔ سب کچھ منٹوں میں ٹھیک ہو گیا۔ مینا نے خاموشی سے ان کے ہاتھ سے کھالیا۔ کام والی نے ٹھیک ٹھیک صفائی کی نانو اٹھ کر ان سے باتیں کرنے لگیں۔ وہ انہیں خوب دعائیں دے رہی تھیں۔ جبکہ خالہ انکساری سے سر جھکائے بیٹھی تھیں۔

دوپہر کے بعد وہ چلی گئیں۔ ماموں میٹنگ اٹینڈ کر کے فوراً چلے آئے تھے۔ رات تک امن کا دور دورہ رہا۔ مگر رات کے کھانے پر مینا نے پھر ضد شروع کر دی۔ میں نے جلدی سے خالہ کو فون کھڑکایا۔

"مینا اسٹاپ ناؤ۔ تم کوئی بچی نہیں ہو [illegible] سے لاؤں تمہارے لیے ماما؟"

وہ اس پر برس پڑے تھے۔ وشی سہم گئی جبکہ مینا زور سے چیخی۔

"آئی ڈونٹ کیئر کہ آپ ماما کہاں سے لاتے ہیں۔ مجھے بس ماما چاہیے۔" اس کی بات پر ماموں کی تیوری چڑھ گئی۔

"بس بہت سن لی ہیں تمہاری باتیں۔ اب خاموشی سے کھانا کھا کر دوا پیو۔" اسی وقت نیلی خالہ اندر داخل ہوئیں پیچھے شاہزے تھی۔

"میں چپ نہیں رہوں گی۔ آپ نیلی خالہ کو میری ماما بنالیں اگر آپ کو اور کہیں سے ماما نہیں مل رہیں۔"

اس کی بات پر سب سناٹے میں رہ گئے تھے۔ میں نے شاہزے کو دیکھا جو منہ کھولے مینا کو دیکھ رہی تھی۔ ماموں بس مینا کو گھورے جارہے تھے۔ وشی خوفزدہ تھی جبکہ نیلی خالہ وہ تو بت بنی کھڑی تھیں۔

☆ ☆ ☆

اندر باہر ایک افراتفری مچی ہوئی تھی۔ میں گنگناتے ہوئے لاؤنج سے گزرا جب ماما کی آواز آئی۔

"تم یونہی اندر باہر گھوم رہے ہو؟ جلدی جا کر تیار ہو۔ مہمان آنے ہی والے ہیں۔" وہ [illegible] کر کر غصے سے نانو کے کمرے میں گھس گئیں۔ [illegible]

"بھائی۔ مجھے یہ چوڑیاں [illegible] روہانسی صورت بنائے آکھڑی ہوئی۔ [illegible] لے کر اسے چوڑیاں پڑھائیں۔

"بیٹا ذرا اصباح [illegible] مہمان آنے والے ہیں۔ وہ لوگ [illegible] گے۔" نانو نے کمرے سے نکل کر آواز دی۔ میں فون اسٹینڈ کی طرف بڑھا۔ [illegible] والی ہیں نانو۔ راستے میں ہیں۔" میں نے [illegible] تسلی دی اور اپنے کمرے کی طرف لپکا۔ وقت کم تھا اور سب ہی تیار ہو رہے تھے۔

ایک صرف میں ہی یوں لنڈورا گھوم رہا تھا۔ آپ بھی حیران ہو رہے ہوں گے یہ سب کیا ہے۔ تو جناب آج قارئین ماموں اور نیلی خالہ کا ولیمہ ہے۔ جی ہاں حیران مت ہوں آپ سوچ رہے ہیں کہ یہ سب کیسے ہوا؟ تو آیئے میں آپ کو تفصیل سے بتاتا ہوں۔ مینا کی اتنی بڑی بات پر ماموں خالہ سے سخت شرمندہ ہوگئے تھے اور جواباً "اسے کچھ سخت کہنے ہی والے تھے خالہ نے انہیں روک لیا۔

"آپ سب جائیں۔" ان کی بظاہر پرسکون آواز پر ہم سب باہر چلے گئے۔ پھر اسی رات نانو نے ماموں کو اپنے واسطے دیے کہ میری زندگی کا کوئی [illegible] تم مان جاؤ اور شادی کرلو۔ اس [illegible] عورت کی سخت ضرورت ہے۔ ماموں [illegible] ہوئے تھے نانو کے کمزور لہجے پر [illegible] گئے۔

"ایسی باتیں مت [illegible] اللہ آپ کو لمبی زندگی دے [illegible] گی۔"

"یعنی تم میری بات نہیں مانو گے؟" نانو کے بار [illegible] چپ رہ گئے تھے۔ مگر جب نانو کا بی پی [illegible] بڑھا تو ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ [illegible] نے نانو سے وعدہ کرلیا کہ جو وہ کہیں گی وہ مانیں گے۔

ادھر نیلی خالہ نے وہ رات مینا کے ساتھ گزاری اس کے بعد وہ تب تک آتی رہیں جب تک ولی اور زرینہ نہ آگئے۔ مگر ماموں ان کا سامنا کرنے سے کتراتے تھے۔ ماما کا فون آیا وہ پاکستان آچکی تھیں اور مجھے گھر آنے کو کہہ رہی تھیں۔ جس دن مجھے جانا تھا۔ اس رات میں اپنے کمرے میں کھڑا پیکنگ کر رہا تھا جب وہ احمق فردوس کارڈز پکڑے چلا آیا۔

"صاحب جی! آپ تو جارہے ہیں۔ میں ان کارڈوں کا کیا کروں؟" میں نے ایک نظر ان کارڈز پر ڈالی پھر اسے دیکھا۔

"یہ تم اپنی منگیتر کو دے دینا۔" اور میری بات پر وہ خوشی خوشی کارڈز اٹھائے باہر چلا گیا۔

مگر رات کو ہونے والی پیشی نے مجھے چکرا کر رکھ دیا۔ وہ احمق یہ کارڈز اٹھائے مزے سے جارہا تھا جب ماموں سے اس کا سامنا ہوا۔ اس کے ہاتھ میں پکڑے کارڈز ان کو چونکا گئے۔ پھر کچھ تھوڑی سی تفتیش سے ہی اس نے سب کچھ اگل دیا۔ ادھر جس رات مینا نے سب کے سامنے نیلی خالہ سے شادی کی بات کی تھی اسی رات نیلی خالہ نے نرمی و شفقت سے اس سے ہمارا راز اگلوا لیا۔ مینا ان کی محبت اور اپنی سادگی میں سب [illegible]

اور جب میں ان کی عدالت میں کھڑا تھا تو دونوں بہت گمبھیر تاثرات لیے مجھے دیکھ رہے تھے۔

"ان سب کا مقصد کیا تھا؟"

"وہ ماموں۔" میں ذرا رکا پھر اچانک ہی جرات سے بولنا شروع ہو گیا۔

"ماموں میرا مقصد ایسے دو انسانوں کو نارمل زندگی کی طرف لانا تھا جو بظاہر اپنے خول میں بند تھے اور اپنے پیاروں کو اذیت پہنچا رہے تھے۔ جو یہ سمجھتے تھے کہ وہ اپنی دنیا میں خوش و مطمئن ہیں۔ جو دنیا دکھاوے کو مطمئن نظر آتے تھے مگر درحقیقت وہ خود غرض و بے حس تھے۔"

میری بات پر دونوں نے حیرت سے مجھے دیکھا۔ میں ان کے تاثرات سے بے نیاز بولتا رہا۔

"جی ہاں۔ آپ دونوں بے حس ہیں جنہیں اپنے پیاروں کی پروا نہیں، جو ان کی ادھوری تنہا اور نامکمل زندگی دیکھ کر دکھی ہیں۔ آپ دونوں خود غرض اور خود فریبی کے خول میں بند یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کا فیصلہ ہی درست ہے اور آپ اپنی اکیلی دنیا میں خوش ہیں۔ مگر نہیں آپ دونوں ہی غلط ہیں۔" میری جذباتی آواز کا گلا ماموں نے گھونٹا۔

"تو جناب! جو کچھ آپ کرتے پھر رہے تھے وہ درست تھا؟" وہ طنزیہ لہجے میں پوچھ رہے تھے۔

"اب دو غیر جذباتی بندوں کے جذبات ابھارنے کے لیے یہ سب کرنا تو مجبوری تھی۔" میں ڈھٹائی سے بولا۔

"تمہارے خیال میں ان حربوں سے تم ہمارے جذبات میں ہلچل مچا رہے تھے؟"

"یقیناً" ایک ہلچل تو مچی تھی۔ کیوں نیلی خالہ؟ آپ تجسس میں مبتلا نہیں ہو گئی تھیں؟" میں نے ایک

دم ان سے پوچھا وہ گڑبڑا گئیں۔

"نہیں ۔۔۔ میں تو۔"

"تم انہیں چھوڑو ۔۔۔ مجھے بتاؤ ان خرافات سے تمہیں کیا حاصل ہوا۔" ماموں نے انہیں خاموش کروا کر مجھے گھورا۔

"یہ ناانصافی ہے۔ میرے ساتھ شانزے بھی اس ٹیم میں شامل تھی۔ اس سے بھی ۔۔۔ جواب وہی کریں۔" میں نے احتجاج کیا۔

"اسے تو میں گھر جا کر اچھی طرح سمجھ لوں گی۔" خالہ نے سنگین لہجے میں کہا۔ میں دل ہی دل میں خوش ہو گیا۔

"اب کیا کہتے ہو؟" ماموں کا سوال ہنوز تھا چند لمحوں کی خاموشی کے بعد میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"اگر آپ دونوں کو برا لگا تو آئی ایم سوری مگر مجھے اس پر کوئی گلٹ نہیں کیونکہ میرا مقصد نیک اور نیت صاف تھی۔ یہ سب میں نے خلوص دل سے کیا تھا تاکہ شانزے اور میٹا کی شادی کے لیے۔" میری بات پر ماموں مجھے گہری نظروں سے دیکھتے رہے۔ نیلی خالہ کسی سوچ میں غرق تھیں۔ کتنے لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ بولے تو یہ۔

"اوکے، جاؤ تم۔" اور میں نکل گیا۔ پھر سب کو اداس چھوڑ کر اور خود بوجھل دل لیے کراچی آ گیا۔ یہاں آنے کے بعد دن بہت پھیکے پھیکے گزر رہے تھے کہ اچانک نانو کے فون نے دھماکہ کر دیا۔

"ماموں نے شادی کے لیے رضامندی دے دی۔" اور پھر سب کچھ ہوتا چلا گیا۔ ماما کا بس نہ چل رہا تھا کہ اڑ کر پہنچ جائیں۔

جہانگیر بھائی کا فون آیا کہ وہ جلد آنے والے ہیں شادی ان کے آنے پر کی جائے۔ وہاں سے شانزے کے مما پاپا و فیملی کے آ رہے تھے۔

شادی کی رسومات پر میرا ماموں سے اچھا خاصا جھگڑا ہوا۔ وہ مہندی کی رسم کے خلاف تھے بقول ان کے کہ اب اس عمر میں یہ رسم کرتے وہ اچھے نہیں لگیں گے۔ وہاں سے شانزے کی خالہ سے بحث ہوئی۔ جو خود بھی اس رسم کے حق میں نہ تھیں۔ فیصلہ یہ ہوا کہ یہ رسم نہیں ہوگی۔ کل ماموں کی بارات تھی اور آج ان کا ولیمہ اور اب وہ اپنی زوجہ محترمہ نیلوفر کو پارلر سے لینے گئے تھے اور جلدی جلدی تیار ہوتے میں سوچ رہا تھا کہ لگے ہاتھوں میں بھی منگنی کروا لوں۔ بلیک تھری پیس فرنچ کالر کے سوٹ میں، میں بہت ہینڈسم لگ رہا ہوں۔ ماشاء اللہ۔

"عباس! جلدی سے عارفین کو فون کرو۔ کہاں رہ گئے ہیں یہ لوگ۔" ماما دروازے سے سر اندر گھسائے بولیں۔ پھر اسی عجلت میں چلی گئیں۔

اب میں سوچ رہا ہوں کہ کیسی ماں ہے میری جو اپنے اتنے خوبرو بیٹے پر کوئی دم، پھونک ہی مار کر نہیں گئیں۔

"ہونہہ۔"

☆ ☆ ☆

تقریب اپنے عروج پر تھی۔ نیلی مامی، ماموں کے ساتھ بیٹھی شاندار لگ رہی تھیں بچیاں ان کے ارد گرد منڈلا رہی تھیں۔ جبکہ شانزے سی گرین لانگ شرٹ اور گولڈن کلر کے بیل بوٹم میں کام سے بھرا دوپٹہ سنبھالے ادھر سے ادھر چکراتی پھر رہی تھی۔ میری نظریں اسی پر تھیں جب اچانک [illegible] فوزیہ بھابھی نے چھوٹا بابر میری گود میں لا پٹکا۔

"ذرا اسے سنبھالو۔ [illegible] نہیں دے رہا مجھے۔" میں اس [illegible] ۔ مجھے کچھ کہنے کا موقع دیے بغیر [illegible] بڑھ گئیں۔ پیچھے ریں ریں کرتا بابر میرے پاس رہ گیا۔

"بھابھی [illegible]۔" میں نے دہائی دی مگر کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔

"صبر یار! مجھے بھی تو دیکھو۔" جہانگیر بھائی نے پیچھے سے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔

"خیر اپنی تو بات ہی مت کریں۔ یہ آپ کا اپنا ہی کارنامہ ہے۔" میں نے جل کر بچوں کی طرف اشارہ کیا۔ انہوں نے فلک شگاف قہقہہ لگایا۔

"تو تم بھی ایسے کارنامے کر دو۔ تم پر کوئی پابندی تھوڑی ہے۔"

"کیسے کر لوں۔ میری کارنامہ کرنے والی مجھے دکھائی نہیں دے رہی۔" میں نے متلاشی نظروں سے شانزے کو کھوجا۔ بھائی سمجھ کر مسکرا دیے۔

"ارے شانزے ادھر تو آنا ذرا۔" بھائی نے دور کھڑی شانزے کو بلایا۔ وہ چلی آئی۔

"جی بھائی۔۔۔!"

"بھئی تم دونوں کب کارنامے کر رہے ہو کیونکہ عباس کو تو بہت ہی جلدی ہے ان کے شرارتی لہجے کو وہ خاک سمجھی۔

"کیسے کارنامے؟"

"بھائی ۔۔۔" اس سے پہلے کہ بھائی مزید گل افشانی کرتے میں [illegible] ہنستے ہوئے چلے گئے۔ شانزے نے حیرت سے دیکھا۔

"[illegible] بھائی کیا کہہ رہے تھے؟"

"تو بھی کہہ رہے تھے تمہارے سمجھنے کا نہیں ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ اب بھی تمہاری پسند وہی ہے نام کروز وغیرہ؟" کہنے پر وہ بڑے فخر سے مسکرائی۔

"بالکل۔"

"تو پھر میرا کیا بنے گا۔ میری پسند تو یونس مسیح کی زوجہ ہے جو تم سے ہو ملتی ہے۔" میری بات پر اس کا موڈ بگڑ گیا۔

"ہاں تو کر لو اس سے شادی میں نے روکا تھوڑی ہے۔"

"اس کا مطلب ہے تم راضی ہو۔"

"مطلب۔" وہ تیوری چڑھائے بولی۔

"مطلب یہ کہ اس کی صورت تم سے ملتی ہے اور وہ تو شادی شدہ ہے اب صرف تم ہی بچتی ہو اور تمہیں کوئی اعتراض بھی نہیں۔"

"عباس تم بہت ہی کمینے ہو۔" میری بات پر وہ خفا خفا نظر آنے لگی۔

"جیسا بھی ہوں۔ اب تو تمہارا ہوں۔" میں نے خباثت سے اسے آنکھ ماری۔ وہ اچانک ہی مجھے مارنے کو لپکی تھی مگر [illegible] لوگوں کا خیال آتے ہی رک گئی۔ میں اس کی بے بسی پر کھل کر ہنسنے لگا تھا مگر اچانک ہی بابر کے رونے کی آواز سن کر میں اس پر جھکا۔

"[illegible] اسے تو پکڑو۔ بھابھی بھی مجھے کیا کام سونپ گئی ہیں۔" میری التجا پر وہ مزے سے بولی۔

"تم ہی سنبھالو۔ اچھا ہے ابھی سے پریکٹس ہو جائے گی۔"

بات کرنے کے بعد اسے احساس ہوا تھا کہ وہ کیا کہہ گئی ہے۔ میری معنی خیز مسکراہٹ میں اس کی جھینپی جھینپی ہنسی بھی شامل ہو گئی تھی۔ جبکہ ننھا بابر سب باتوں سے بے خبر حلق پھاڑ رہا تھا۔ آج کی رات واقعی رنگوں میں ڈوبی رات تھی جو میری زندگی کو خوشی کا رنگ دے گئی تھی۔

☆ ☆

ام ثمامہ

وہ تنک سنک سے تیار ہو کر ہاتھ میں گفٹ تھامے کوٹھی میں داخل ہوئی ہر طرف رنگ و نور کا سیلاب سا لگا ہوا تھا۔ سارا لان برقی قمقموں سے جگمگا رہا تھا لال رنگ کے پھولے ہوئے دل غباروں کی صورت قدموں میں رل رہے تھے۔ سائیڈ ٹیبل پر رنگ برنگے ریپرز میں لپٹے مختلف سائز کے بیش قیمت تحفوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا سینٹر ٹیبل پر شہر کی سب سے مہنگی اور اچھی بیکری کا بہت بڑا سا اسٹرابری فریش کریم کیک رکھا ہوا تھا جس پر روشن موم بتیوں کی روشنی ہاتھ میں چھری تھامے کھڑی کرن کے چہرے پر سنہری لو دے رہی تھی۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو ہیپی برتھ ڈے ٹو یو ڈیئر کرن" ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔"

"ارے کم بخت کیا انڈے کو گھر پہنچا کر آئے گی سلائی کرتے کرتے میری کمر دوہری ہو گئی ہے جا جا کے روٹیاں ڈال لے تیرے ابا آنے والے ہوں گے۔"

بہار کی نرم گرم دھوپ ٹھنڈی ہوا کا ہاتھ تھامے سورج کی چمکیلی کرنوں کو ساتھ لیے دھیرے دھیرے چار مرلے کے صدیقی پیلس کی دیواروں پر اتر رہی تھی۔ صفو امرود کے درخت تلے بیٹھی رسالہ ہاتھ میں تھامے جاگتی آنکھوں سے دیکھے خوابوں کی حسین وادیوں میں گم تھی کہ حسب معمول اماں کی پکار اسے حقیقت کی سنگین دنیا میں لے آئی۔

کہتے ہیں کہ بعض خواب خوابوں کا روپ دھار کر نین کٹوروں میں بستے ہیں اور کرن کی سالگرہ بھی صفو کے لیے ایک ایسے ہی خواب کے مانند تھی جو وہ جاگتی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

"ارے صفو میری آواز آ رہی ہے یا جوتی مار کر تیرا بھیجا درست کروں۔" اس سے پہلے کہ اماں کی جوتی عین نشانے پر بیٹھتی اور اک درد بھری آہ برآمد ہوتی' وہ منہ بسورتی باورچی خانے کی طرف چل دی۔

راجہ کالونی میں بنا چار مرلے کا صدیقی پیلس صفو کی رہائش گاہ تھی جس میں کل چار نفوس رہتے تھے ابا صدیق علی سرا باپ کی طرح شفقت اور محبت کا پیکر

ساری عمر کلرکی کی اور اب ریٹائرڈ ہونے کے بعد ایک میڈیکل اسٹور پر کام کر رہے تھے اماں رشیدہ بیگم گھر کی کل مختار ہر ماں کی طرح اندر سے مہربان اوپر سے چنگیز خان بچوں کی تعداد تین حالانکہ اس زمانے میں منصوبہ بندی قسم بھی نہیں تھی سفو منجھلی اولاد تھی اس سے بڑی ثمرینہ جو کم عمری میں بیاہ دی گئی اور اب چار عدد بچوں کی اماں تھی اور سب سے چھوٹا صحیف اولاد نرینہ ہونے کے باعث اماں کا لاڈلا سپوت تھا۔

"اماں!" روٹیاں پکا کر وہ اماں کے پاس ہی آکر بیٹھ گئی ابا اور صحیف کے آنے میں ابھی تھوڑی دیر تھی۔

"اماں۔" اس نے پھر اماں کو پکارا۔

"ہوں بول بھی دے مجھے پتا ہے تو کوئی الٹی سیدھی فرمائش ہی لے کر آئی ہوگی لوٹھا کی لوٹھا ہوگئی مگر ابھی تک بھیجے میں عقل نہیں سمائی۔" وہ شلوار کی کلیاں جوڑتے ہوئے بولیں پڑوس والی استانی جی نے ارجنٹ سوٹ سلنے دیا تھا اس لیے اماں کے ہاتھ جلدی جلدی چل رہے تھے سفو کو لگا بات کرنے کے لیے یہ وقت ٹھیک نہیں ہے مگر اماں ہر وقت مصروف رہتی تھیں اور ہر وقت ان کا پارا چڑھتا رہتا تھا یہی سوچتے ہوئے اس نے پھر اماں کو آواز دی۔

"اماں۔"

"ہاں بول بھی دے تیری خاموشی کے پیچھے جو طوفان چھپا ہے وہ جلدی آجائے تو اچھا ہے۔" وہ بے زار ہو کر بولیں۔

"اماں وہ مجھے کچھ پیسے چاہئیں۔" وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔

"تجھے تو ہر وقت کچھ نہ کچھ چاہیے ہوتا ہے اس میں کیا نئی بات ہوگئی۔" اماں نے سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا۔

"اماں مجھے لازمی پیسے چاہئیں۔" اس نے لازمی پر زور دیا۔

"اچھا کیا کرے گی پیسوں کا۔"

"وہ اماں اگلے ہفتے کرن کی سالگرہ ہے وہ جو اتنی بڑی گاڑی میں آتی ہے اس نے کہہ دیا ہے اگر اس بار میں اس کی برتھ ڈے پارٹی میں نہیں آئی تو وہ سچ مچ سے ناراض ہوجائے گی بس اماں مجھے کے لیے پانچ سو روپے دے دو اس دفعہ کپڑوں کا خرچہ نہیں کروں گی تمہارے جہیز کی جو بڑی اور کھلی قمیصیں پڑی ہیں ان میں سے کوئی ٹھیک کر کے پہن لوں گی اب مہنگائی کی مہربانی سے اپنی سالگرہ تو منا نہیں سکتے لیکن ایک اچھی برتھ ڈے کی دعوت تو کھا سکتے ہیں نا۔" لہجے میں دنیا جہان کی بے چارگی سموتے ہوئے کہا گیا۔

"سفو تجھے پتا ہے نا۔ مہینے کا آخر چل رہا ہے اس ہفتے تو دال روٹی مشکل سے پوری ہوئی ہے اور تجھے نگوڑی پھپھی باؤلے میں جا کے پورے پانچ سو کا کیک کھانے کی سوجھ رہی ہے۔" اماں نے خلاف معمول آرام سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"اماں اچھی اماں بس تین سو روپے دے دو باقی دو سو روپے میرے پاس جمع ہیں ان میں سے ملالوں گی پھر بھی اتنی بڑی کوٹھی میں سب سے کم قیمت تحفہ میرا ہی ہوگا۔" سفو نے اماں کا گھٹنا پکڑتے ہوئے منت کی۔

"آنے دے آج تیرے ابا کو بتاؤں گی کہ مہارانی کے من میں جب جو بات سمائی ہے اسے پورا کرنے کے لیے میری جان کو جونک کی طرح چمٹ جاتی ہے اور کس نے کہا کہ اتنے بڑے بڑے لوگوں سے دوستیاں کر جن کے یہاں آنے جانے کے لیے سو بار سوچنا پڑے۔" اب اماں کی طرح [illegible] بھی ابا کا انتظار کرنے لگی اسے پتا تھا وہ ابا سے ہی اپنی فرمائش پوری کروا سکتی تھی [illegible] پڑوسیوں کا لڑکا پیغام دے گیا تھا کہ صدیق چاچا اسٹور کے کام سے شہر سے باہر [illegible] گئے ہیں اس لیے وہ کہہ رہے تھے کہ رات کو دیر سے آئیں گے اور انتظار کرتی سفو کے ارمانوں پر اوس پڑ گئی۔

وہ آج ہی ابا سے پانچ سو روپے دینے کا وعدہ لینا چاہتی تھی چاہے وہ انہیں ادھار ہی کیوں نہ لینے پڑیں وہ ایسی ہی پارہ صفت تھی وہ جو چاہتی تھی دل میں اٹھنے والی کوئی بھی خواہش آنکھوں میں در آنے والا کوئی بھی

ڈراپ بس لمحوں میں پورا ہوجائے اب تو اسے اگلے دن تک کا انتظار کرنا پڑ جائے گا ابا جانے رات کو کب آتے خیر صبح چھٹی کا دن تھا وہ اٹھ کر ابا سے بات کرے گی دل میں ارادہ باندھتی وہ کمرے میں چل دی اب اسے صبح سے شروع کیے ہوئے ناول کا اینڈ بھی پڑھنا تھا جس میں ہیرو کی اماں خیالی ساسوں کی طرح اب اچھی بننے ہی والی تھی۔

☼ ☼ ☼

"اے رشیدہ تیری بیٹی کی [illegible] نہیں گئیں سورج کی کرنیں [illegible] سے درخت کی جڑوں تک آپہنچی ہیں اور یہ ابھی تک پڑی سو رہی ہے۔" ابا کے وضو کرنے [illegible] اور پھر اسٹور پر جانے کے لیے [illegible] ہوئے اس کے چین کی [illegible] اور اماں کے ناشتا بنانے اور ساتھ ساتھ [illegible] جانی پہچانی آوازوں میں ایک [illegible] آواز سن کر اس نے فوراً منہ پر سے لحاف اتارا [illegible] کے پاس دھری چارپائی پر ایک نہایت فربہ خاتون بیٹھی انڈے پراٹھے اور چائے سے پورا پورا انصاف کر رہی تھیں سفو جلدی سے بستر سے اٹھی پاؤں میں چپل اڑستی ڈوپٹہ درست کیا اور کشاں کشاں نئے مہمان کے بارے میں دریافت کرنے کمرے سے باہر آگئی۔

سلام کرنے کے بعد سفو نے پانی سے منہ دھوتے ہوئے آنکھوں ہی آنکھوں میں اماں سے مہمان خالہ کے بارے میں پوچھا جنہیں فجر و فجری آنے کی اتنی جلدی تھی کہ رات کو ہی سفر پر چل نکلی ہوں گی۔

"ارے یہ تیرے ابا کی رشتے کی بھابھی ہیں یعنی تیری تائی کچھ دن کے لیے حیدر آباد سے ہم سے ملنے کے لیے آئی ہیں پوری سسرال میں ایک یہ آپا ہی تھیں جن سے میری خوب بنتی تھی عادت ہی اتنی اچھی تھی آپا کی۔" اماں نے تعارف کراتے ہوئے کہا تو گلی کرتے ہوئے سفو کو اچھو لگ گیا اماں اور کسی سسرالی رشتے دار کی تعریف یقیناً دال میں کچھ کالا تھا منہ ہاتھ دھو کر وہ جیسے ہی اماں کے پاس گئی گوشت کے پہاڑ یعنی تائی جی نے اس کے [illegible] وہ خود کو بازوؤں میں لے کر بے حال کر [illegible] بھتیجی نے ایک لمحے کے لیے سفو کے [illegible] کی گھنٹی بجاتی اماں کے پاس پڑی [illegible] اس نے انڈے کی خالی پلیٹ کی طرف دیکھا جو تائی جی نے ایسے صاف کی تھی کہ گھی کا کوئی قطرہ بھی نظر نہیں آرہا تھا اماں نے اس کے آگے خالی چائے پر اختیار رکھا تو اس نے دبی زبان میں انڈے کی دہائی دی جو اماں نے اشاروں سے سمجھایا کہ وہ انڈا صرف مہمانوں کے لیے تھا۔

دوپہر کے کھانے تک ابا سے بات کرنے کا انتظار سفو کو بے چین کر رہا تھا۔ مگر اماں نے صبح سے اٹھتے ہی اسے کاموں میں لگا رکھا تھا پہلے اسے گھر بھر کی صفائی پر لگا دیا اور اب وہ کب سے باورچی خانے میں بند بیٹھی تھی اماں کے پکائے ہوئے کھانوں کے سرہانے بیٹھی وہ یہ امپریشن دے رہی تھی کہ وہ دوپہر کا کھانا وہ ہی بنا رہی تھی۔ حالانکہ اسے انڈا بنانے، چائے پکانے اور روٹیاں جلانے کے علاوہ کچھ نہیں آتا تھا۔

"ابا مجھے پانچ سو روپے چاہئیں میں نے کرن کی سالگرہ پر جانا ہے۔" ابھی ابا نے پہلا نوالہ ہی منہ میں ڈالا تھا کہ سفو نے جلدی سے مدعا بیان کیا۔

"اے لڑکی یہ کیا موئے فرنگیوں کی رسموں میں جانے کی بات کر رہی ہو۔" ابا کے کچھ کہنے سے پہلے تائی جی نے اپنی ڈھائی من کی ٹانگ بیچ میں اڑائی۔

"سفو ہم نگوڑی پھپھی باؤلے کی بات بعد میں کریں گے پہلے ابا کو کھانا کھانے دے۔" اماں نے اسے تنبیہہ کی کیونکہ وہ جٹھانی کے سامنے سفید پوشی کا بھرم رکھنا چاہتی تھیں اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتی تائی جی نے فضول خرچی فضول رسموں اور فضول سہیلیوں کے بارے میں اتنا اچھا لیکچر دیا کہ ابا بھی قائل ہو گئے۔

"سفو بیٹی تم سے اس سلسلے میں پھر بات کریں گے ابھی مجھے ایک ضروری کام پر جانا ہے۔" وہ اسے ٹالتے ہوئے کھانا کھا کر باہر نکل گئے اور اسے پتا تھا کہ وہ

ضروری کام کیا تھا سوائے تائی کی خدمت اور ضیافت کے لیے کہیں سے پیسے ادھار مانگ کر لانا تھا کہ وہ اپنے اکلوتے لاڈلے صاحب زادے کے لیے سفو کا انتخاب کرلیں بقول اماں کے تائی اس کا رشتہ لائی ہیں اور اس خبر کے سننے کے بعد ہی لے ان سے خدا واسطے کا بیر ہو گیا تھا۔

وہ امرود کے پیڑ تلے اداسیوں میں گھری امرود کے پتے نوچ نوچ کر اپنا غصہ کم کررہی تھی کہ سیفی چلا آیا۔

"فہنا آپا۔" اس کا نام سفینہ صدیق تھا جو ابا کے لیے سوہنی اماں کے لیے کم بخت اور سیفی کے لیے فہنا آپا اور ثمرینہ کے لیے سفو تھی اس کے پھولے ہوئے منہ کو دیکھتے ہوئے ڈرتے ڈرتے پکارا۔

"ہاں بولو کیا کام ہے۔" وہ غرائی۔

"فہنا آپا آپ ابا سے پیسے مت مانگیں میں نے ایک بہت اچھا تحفہ سوچا ہے جو کم پیسوں میں آجائے گا۔"

"اچھا ایسا کون سا جادو کا تحفہ ہے۔" وہ حیران ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"موبائل فون کا سو روپے والا کارڈ" آپا جب آپ کے پاس موبائل تھا تو آپ کہتی تھیں کاش کوئی مجھے سو روپے والا کارڈ لادے تو یہ میرے لیے سب سے بڑا تحفہ ہوگا۔" اس نے اپنی ننھی سی دماغ دانی کے مطابق مشورہ دیا۔

"ارے پاگل وہ کوئی ہم جیسے تھوڑی ہیں کہ اگر کبھی بیس روپے سے زیادہ کا بیلنس ڈلوالیں تو دوکان دار کو پریشانی ہو جاتی ہے۔" اک لمحے کے لیے وہ موبائل جسے اماں نگوڑی مشین کہا کرتی تھیں کو یاد کرکے آہیں بھرنے لگی۔

"ارے چھوٹے بھائی تم فکر مت کرو کوئی نہ کوئی بندوبست ہو جائے گا میرا نام بھی سفو ہے۔" [illegible] بھی کرنا تھا اپنی مدد آپ کے تحت کرنا تھا وہ [illegible] سوچتے کمرے کی طرف چل دی اور صحف ٹی وی کی طرف کیونکہ اب اس کے فیورٹ کارٹون آنے والے تھے۔

سفو کے ہی پرزور اصرار پر چند ماہ پہلے ابا نے گھر میں کیبل لگوائی تھی ابا کو نت نئے خبروں کے چینل دیکھنے کو مل جاتے تھے اماں کو اس نے ڈراموں میں لگا دیا تھا اور خاص طور پر بتایا تھا ان رسالوں میں چھپنے والے ناول پر بنے ہیں جو وہ اسے پڑھنے نہیں دیتیں اور صحف کو تو کارٹون چینل کی صورت ہفت اقلیم کی دولت مل گئی تھی لیکن دو دن سے یہ صورت حال تھی کہ بچارا بچہ جیسے ہی کارٹون نیٹ ورک کا بٹن دباتا کارٹونوں کے ساتھ تائی جی بھی کہیں نہ کہیں سے نازل ہوتیں۔

"ارے لڑکے سارا دن یہ کتے بلے دیکھے گا۔ تو ان جیسا ہی بن جائے گا سارے شیطانی کام اس گھر میں ہی ہوتے ہیں" وہ ٹی وی کے آگے کرسی پر بیٹھتی ہوئی بولیں۔

"تائی جی بس تھوڑا سا بین ٹین دیکھنے دیں پھر بند کردوں گا۔" صحف نے پیار سے تائی جی کو پچکارتے ہوئے کہا۔

"کوئی مار اس ٹین بین کو جا مجھے نکڑ والی دوکان سے سادا پان لادے اور ہاں پیسے اپنی اماں سے لے لے اور مجھے دے میں اسے بند کردوں۔" انہوں نے ریموٹ کی طرف اشارہ کیا۔

☆ ☆ ☆

سفو کمرے میں بیٹھی [illegible] ہونے والے ٹیسٹ کی تیاری کررہی تھی [illegible] تائی جی کے کپڑے دینے گئے [illegible] کچھ رقم ادھار مانگنے گئی تھیں تاکہ [illegible] صاحبہ کا ڈھیر سارا خیال رکھا جائے [illegible] تائی کے حیدر آباد میں ان کا اپنا اتنا اچھا اور بڑا سا مکان تھا بیٹے کی اچھی سرکاری نوکری تھی اور پھر سونے پر سہاگہ ان کا بیٹا نہایت خوبصورت اور بھولا تھا ان ہی ساری خصوصیات کے باعث اماں چادر کے کونے پھاڑ کر بھی تائی جی کی خدمتیں کررہی تھیں تاکہ اچھا رشتہ ہاتھ سے نہ جانے پائے۔

"فہنا آپا پیسے دے دیں تائی جی کے لیے پان لانا

ہے۔" صحف منہ بسورتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔

"پیسے تو میرے پاس نہیں ہیں ہماری اتنی جان [illegible] کھانے کے بعد اب پیٹ میں پان کھانے کی گنجائش بچتی ہے اور تیرے منہ پر بارہ کیوں بج رہے ہیں۔" وہ بولی اس سے پہلے کہ صحف اپنی الم ناک داستان سناتا دوسرے کمرے سے "منی بدنام ہوئی ڈارلنگ تیرے لیے" کی مدھر آواز کانوں میں پڑی آواز اگرچہ کافی دھیمی تھی مگر یہ بھی سفو کے کان تھے اس نے صحف کا ہاتھ پکڑا اور دوسرے کمرے کی طرف دوڑ لگا دی اور وہاں کا منظر ناقابل حد تک [illegible] تائی جی اپنی چاروں آنکھیں [illegible] منی کی بدنامی کا سبب ڈھونڈ رہی تھیں۔

"واہ تائی جی کتنا درست [illegible] ہے نا۔" سفو نے ترحم سے تائی جی کے [illegible] ہوئے کہا اک لمحے کے لیے ان کے چہرے پر [illegible] پکڑے اور ڈر جانے کے آثار [illegible] اگلے ہی لمحے وہ اپنے کلمے پڑھنے [illegible]

"توبہ توبہ ایسی بے حیائی دیکھی نہ سنی۔"

"مگر ابھی تو آپ یہ دونوں کلم کررہی تھیں۔" صحف کہاں چپ رہنے والا تھا۔

"ارے ناس پٹے میرا تو ہاتھ کسی بٹن پر لگ گیا تھا اور خرافات آنے لگی ابھی میں کسی کو آواز دینے ہی والی تھی کہ آکر اسے بند کردے کہ تم لوگ آگئے۔" ٹی وی دیکھنے چینل بدلنے کی ان ساری مشکلوں کو وڈیو والوں نے حل کردیا صحف باہر کھیلنے چل دیا اور تائی جی استغفر اللہ کا ورد کرنے لگیں۔

☆ ☆ ☆

زندگی پہلے بھی کوئی خاص سہل نہیں تھی مگر تائی جی کے آنے سے اجیرن ہوگئی تھی سالگرہ میں بس تین دن رہ گئے تھے ابھی تائی جی خاندان بھر کی برائیاں کرنے میں شدومد سے مشغول تھیں اور اماں ان کے لیے شامی کباب تل رہی تھیں ان کی خوش خوراکی ان کی صحت سے جھلک رہی تھی۔

"ارے رشیدہ بچاری وہ بڑے ابا کی سو قسم سے اس کی ہونے تو اسے [illegible] نکھار کھا ہے اور وہ جو میری نند ہے نا اس کی بیٹی [illegible] جو کئی بار گھر سے بھاگ گئی ہے اور وہ میری [illegible] کم بخت جلاد بن گئی ہے پھول کی بہو [illegible] کے سانس لینے سے پہلے انہیں بھی [illegible] کرتی ہے اور وہ اللہ بخشے تمہارے بھائی صاحب کے چھوٹے ماموں ایک بیوی کے بھاگنے کے بعد اور دوسری بیوی کے مرنے کے بعد اب ستر سال میں سہرا جا کر تیسری لے آئے ہیں اب اللہ جانے اس کا کیا ہوگا۔" وہ مزے لے لے کر بتا رہی تھیں آٹا گوندھتی سفو کے دل میں ایک لمحے کو خیال آیا کہ کہہ دے کہ غیبت کرنا بہتان لگانا جھوٹ بولنا موئے فرنگیوں کی رسموں میں جانے سے کہیں بڑا گناہ ہے مگر اس وقت وہ اماں اور تائی سے پنگا افورڈ نہیں کرسکتی۔

"ارے آپا چھوڑو ان باتوں کو یہ کباب کھا کر دیکھو میری سفو نے اپنے ہاتھوں سے بنائے ہیں۔" اماں نے کبابوں سے بھری پلیٹ ان کے آگے کرتے ہوئے کہا وہ بھی اپنی جگہ سچی تھی سارے تیار مسالے کی ٹکیاں اس نے ہی اپنے کنوارے ہاتھوں سے بنائی تھیں کبابوں کی پوری پلیٹ "صفائی نصف ایمان ہے" کہ مقولے پر عمل کرتے ہوئے صاف کردی گئی تھی۔

"ارے رشیدہ یہ پلنگ کی چادر تو بہت خوبصورت ہے۔" کبابوں سے دھیان ہٹا تو چادر میں الجھ گیا۔

"ہاں ہاں تائی جی یہ بھی میں نے اپنے ہاتھوں سے کچھائی ہے۔" اماں سے پہلے سفو بول پڑی۔

"ارے آپا اچھا کیا کہ آپ آگئیں آپ سے ملنے کو اتاولی کرتا تھا مگر سفو کے ابا کو ٹائم کہاں ملتا ہے۔" اماں کے لہجے سے شیرینی ٹپک رہی تھی صحیح کہتے ہیں سسرالی رشتے داروں کی عزت پہلی اور آخری بار جب ہی ہوتی ہے جب ان کا کوئی بیٹا خوبصورت قابل اور جوان ہو جاتا ہے باتوں باتوں کے دوران سفو کے دماغ کی گھنٹی بجی اسے ایک انوکھا خیال آیا اب اسے عملی جامہ پہنا کر سب کچھ حاصل کیا جاسکتا تھا تائی جی کی ناکام واپسی بھی اور کرن کی نگوڑی [illegible] باڑے کا [illegible]

بھی۔

۞ ۞ ۞

شام کے سرمئی سائے صدیقی ہلس کی پلستر زدہ دیواروں پر اپنا ڈیرہ جما رہے تھے تائی جی نہا دھو کر نکھری نکھری سی صحن کی اکلوتی چارپائی پر بیٹھی بال سکھا رہی تھیں ابا کام پر، صحیفہ گلی میں اماں حسب معمول سلائی کے کپڑے دینے اور پیسے لینے گئی تھیں سفو کے لیے سنہری موقع تھا مشن شروع کرنے کا اس نے اللہ کا نام لیا اور تائی جی کی چارپائی پر جا کر بیٹھ گئی۔

"تائی جی آپ اتنی عمر میں بھی کتنی فریش ہوتا۔"

اس نے مکھن پالش سے کام اسٹارٹ کیا۔

"اے لڑکی کیا اتنی عمر، تیری اماں سے کم عمر ہوں بس رشتہ بڑا ہے اور پھر اماں باوا نے کم عمری میں بیاہ دیا اس لیے میرا اسٹیٹس بڑا ہے۔" انہوں نے جلدی سے وضاحت کی۔

"ہاں ہاں میرا مطلب تھا کہ آپ کو تو کوئی بڑی بیماری بھی نہیں ہے پھر بندہ یوں اچانک چلا جائے تو بڑا دکھ ہوتا ہے۔ ارے آپ کو تو کچھ خبر ہی نہیں ہوگی بلکہ اماں نے تو ذکر بھی نہیں کیا ہوگا آج کل اچھے رشتے ہاتھ سے کون جانے دیتا ہے۔" سفو بڑبڑائی۔

"اے کیا اول فول بول رہی ہے۔ سیدھی سیدھی بات بتا پہیلیاں کیوں بجھوا رہی ہے۔" وہ تنگ کر بولیں۔

"بس تائی جی میرا آپ سے ابا کے حوالے سے اتنا قریبی رشتہ ہے اور پھر انسانیت کا رشتہ تو سب سے بڑا ہوتا ہے اسی کے تحت بتا رہی ہوں آپ اماں سے بالکل ذکر مت کیجیے گا۔" وہ رازدارانہ انداز سے جھک کر بولی۔

"اب بتا بھی دے۔"

"وہ دراصل تائی جی ہمارے یہاں نسلوں سے یہ روایت چلی آرہی ہے کہ جس گھر میں [illegible] ساس چند دنوں میں اللہ کو پیاری ہو جاتی ہے۔" سفو نے ہوا میں تیر چلایا تائی نے عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا مگر وہ ہمت ہارنے والوں میں سے تھی ہی نہیں۔

"ارے آپ کو یاد نہیں ہے ثمرینہ آپا کی منگنی کے فوراً بعد ان کی ساس کا انتقال ہو گیا تھا آپ بھی سوئم پر گئی تھیں۔ اماں کے ساتھ تو اباشاہ اور پھر اماں کی شادی کے فوراً بعد دادی کا بھی انتقال ہو گیا تھا۔"

"ہاں ہاں یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔" تائی کی ساری [illegible] اڑن چھو ہو گئی انہیں معلوم نہ تھا یا بڑھاپے اور گھبراہٹ کی وجہ سے یہ بھی بھول گئیں ہماری دادی اور ان کی چاچی ساس کو کینسر تھا اور آخری دنوں میں اپنے بیٹے کے سر پر سہرا دیکھنا چاہتی تھیں پھر اماں ابا کی شادی کے چار مہینے بعد انتقال ہو گیا تھا۔

"اور پھر ایک بار ایک ملنے والی خاتون میرا رشتہ لے کر آ رہی تھیں راستے ہی میں بس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا اور وہ ہمارے طرف آنے کے بجائے اوپر کی طرف نکل لیں۔"

دو سچے اتفاقات کے درمیان تیسرے جھوٹے واقعہ کا اضافہ کیا گیا۔

"تائی جی اتفاق ایک بار ہوتا ہے بار بار نہیں" سامنے سے آتی اماں کو دیکھ کر سفو آخری جملہ سوچتے ہوئے لہجے میں بول کر اٹھ گئی۔

"آپا آپ اکیلی آ گئی ہیں [illegible] کو بھی لے آتیں۔" چٹکی سے مہکتے ہوئے وجود اماں کے لہجے میں اس قدر مٹھاس [illegible] تو اماں کے منہ سے پھول نہیں گروا لے [illegible]۔

"بس [illegible] آفس میں ضروری کام تھا پھر میں اکیلی چلی ہی آئی۔"

"[illegible] آپا تھوڑے دن ہیں آپ کے بھی سارے دکھ دور ہو جائیں گے۔" اماں نے تسلی دی۔

"جب آپ ہی نہیں رہیں گی تو دکھ خود ہی دور ہو جائیں گے۔" پاس بیٹھی سفو نے کان میں گھس کر دھیرے سے کہا۔

"اے کیا مطلب رشیدہ تیری بات کا۔" تائی جی بھڑکیں۔

"وہ آپا میرے کہنے کا مطلب تھا کہ سلیم کی شادی کے بعد آپ کا اکیلا پن ختم ہو جائے گا۔" اماں تائی کے بدلتے تیور دیکھ کر گڑبڑا گئیں۔

"ارے رشیدہ میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں میرے لیے سکنجبین بنا کر لا دے دل گھبرا رہا ہے۔" تائی جی حکم صادر فرما کر سوچ بچار کرتی کمرے میں چل دیں۔

"جا کم بخت کبھی تو بھی جایا کر میری بوڑھی ہڈیوں کا ہی جوس نکالتی رہتی ہے۔ جا کر انہیں سکنجبین بنا کر دے۔" اماں نے چارپائی پر بیٹھی سفو کی کمر پر دھپ رسید کرتے ہوئے کہا اور پہلی بار اسے اماں کا کہا کام برا نہیں لگا اسی بہانے وہ تائی جی سے باتیں کر سکتی تھی وہ سکنجبین اور سازش دونوں کو بنانے باورچی کھانے کی طرف چل دی۔

جب وہ سکنجبین کا بھرا جگ (گلاس سے تائی کا کیا بگڑتا تھا) لے کر کمرے میں داخل ہو گئی تو تائی ناساز طبیعت کے ساتھ باداموں کی پیالی ہاتھ میں تھامے اس میں سے بادام چن چن کر کھا رہی تھیں جو اماں نے بطور خاص تائی جی کی پسند پر منگوائے تھے۔

"تائی جی آپ یہ بادام کیوں کھا رہی ہیں۔" اس نے ذرا سا چیخ کر کہا۔

"کیوں یہ بادام سجانے کے لیے ہیں۔"

"یہ بادام آپ کو اماں نے لا کر دیے ہیں۔" اس نے مشکوک سے لہجے میں سوال کیا۔

"ہاں تو اور کون دے گا؟" وہ ایک اور بادام اٹھا کر کھاتی ہوئی بولیں۔

"آپ کو پتا ہے ان باداموں پر سے پچھلے ہفتے چھپکلی پھر گئی تھی صحیف مانگ رہا تھا اماں نے پھینکنے کے لیے اس سے چھپا کر رکھ لیے تھے اماں اپنی خاندانی رسم کو پورا کرنے کے لیے اس حد تک چلی جائیں گی میرے وہم گمان میں بھی نہیں تھا۔" ابھی اس کا جملہ ادھورا تھا کہ وہ اپنے بھاری بھرکم وجود سمیت ہانپتی کانپتی بیسن کے پاس پہنچ گئیں اور اس وقت تک الٹیاں کرتی رہیں جب تک آخری بادام بھی ان کے پیٹ سے نکل نہ گیا اماں بے چاری پوچھتی ہی رہیں کیا ہوا آپا مگر آپا اب کیا بتاتیں کہ کیا ہوا اور کیا ہونے والا ہے۔

سفو نے برآمدے میں سے جھانک کر دیکھا تائی جی اپنی چارپائی پر لیٹی خراٹے لے رہی تھیں اس نے لیٹے لیٹے اماں کو آواز لگائی جو اپنے لاڈلے کو دودھ کا کپ دینے جا رہی تھیں۔

"اماں تائی جی کہہ رہی تھیں کہ انہیں دوسرا تکیہ دے دو یہ بھاری ہے۔" اور پھر لحاف میں منہ ڈال لیا تائی کی آنکھ آہٹ سے کھلی تو رشیدہ بیگم ہاتھ میں تکیہ لیے ان پر جھکی کھڑی تھیں۔

"ارے ارے یہ کیا کر رہی ہو۔" وہ جھٹ سے اٹھ بیٹھیں۔

"آپا وہ تکیہ رکھ رہی ہوں۔"

"میرے منہ پر۔" وہ گھورتے ہوئے بولیں۔

"کیا آپ نے خود تو مانگا تھا۔"

"ہاں ہاں یہاں رکھ دو میں خود لے لوں گی۔" سفو نے لحاف میں سے جھانک کر اماں کی حیرانی اور تائی کی پریشانی کو دیکھ کر دل میں سوچا کہ کام ہو جائے گا کہتے ہیں نا پتھر پر بھی پانی کا قطرہ قطرہ گرے تو سوراخ ہو جاتا ہے اور پھر یہ تو تائی کے موٹے دماغ کی موٹی عقل تھی۔

☼ ☼ ☼

"ارے سفو کم بخت آج کل تو تڑکے سویرے سے اٹھ جاتی ہے دو دن سے کالج بھی نہیں جا رہی اور سارا دن تائی جی سے چپٹی رہتی ہے کہیں تیرے رشتے کی بات سنتے ہی تیرے سے باہر تو نہیں اور اماں اتنا پیار دوال میں کچھ کالا تو نہیں ہے۔" اماں نے سفو کو گھورتے ہوئے ویرانے کی طرح اماں کے پاس کھڑی مرغیوں کو دانا ڈال رہی تھی اماں نے وسیع و عریض صحن میں ایک طرف یہ شوق بھی پورا کر رکھا تھا ابا اپنی پی ایم ڈبلیو چمکا رہے تھے صحیف اسکول جانے کے لیے تیار کھڑا تھا اور تائی جی ہاتھ منہ دھو رہی تھیں۔

"اماں وہ ابا کو چھری دے دو بالکل کند ہو گئی ہے اب تو ناک بھی نہیں کاٹے گی۔ اور ہاں وہ اپنی دوائی بھی منگوا لو ساری رات چکراتی پھرتی ہو۔" دانستہ اماں کو یاد کروا کر وہ ہاتھ دھونے کے بہانے تائی جی کے ساتھ جا کر کھڑی ہو گئی ابا اپنی سائیکل کو چمکانے کے بعد جیسے ہی گھر سے نکلنے لگے اماں نے انہیں آواز دی اور سفو نے تائی جی کو آنکھوں کے اشارے سے کہا کہ وہ سن اور سمجھ لیں۔

"صحیف کے ابا آتے ہوئے میرے لیے نیند کی گولیاں لیتے آنا بلڈ پریشر کی وجہ سے ساری رات نیند نہیں آتی اور ہاں یہ چھری بھی ساتھ لیتے جائیں تیز کروا کر لیتے آنا اب تو اس سے پیاز بھی نہیں کٹتے کچھ اور کیا کٹے گا۔" اتنا سننا تائی جی کے لیے کافی تھا کافی جہاں دیدہ خاتون تھیں۔

"ارے رشیدہ میں یہاں ذرا ٹھہر مجھے بھی بس تک چھوڑ آئے صحیف کے ابا، بہت دن ہو گئے میرا سلیم اکیلا ہو گا اور پرسوں تمہارے بھائی صاحب کی برسی بھی ہے تو رک میں اپنا سامان لے آؤں۔" جو شاید پہلے ہی باندھ کر رکھا ہوا تھا۔

"مگر آپا آپ نے تو پرسوں جانا تھا اور ناشتا تو کرتی جائیے۔" اماں کمرے میں جاتی تائی جی کے پیچھے لپکیں۔

"بس بس رشیدہ زندگی رہی تو ناشتے بہت بس اب تو مجھے جانا ہے اس سے پہلے کہ دیر ہو جائے۔" تائی نے ابا کو بیگ تھمایا اور دھم دھم کرتی جتنی سویرے آئی تھیں اتنی سویرے واپس بھی چلی گئیں سفو کو لگا امرود کے درخت پر بیٹھی شریر چڑیا بھی اندر ہی اندر مسکرا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"ارے سفو کے ابا لوگ کتنے بے مروت ہیں تمہاری موٹی بھینس سی بھابی کو دو دن میں کیا کیا نہیں کھلایا کیا کیا خدمتیں نہیں کیں مگر سسرالیوں میں بھی بھلا وفا ہوتی ہے یوں اچانک چلی گئیں رشتے کی کوئی بات بھی نہیں کی کم از کم برسی پر ہی آنے کی دعوت دے دیتیں (آپ بھولی اماں کو کوئی کیا بتاتا انہیں تو اپنی برسی کی پڑی تھی وہ کیا برسی پر آنے کا کہتیں) اماں شوربے کی نہر میں تیرانے کے لیے ایک یا دو کدو کاٹتے ہوئے جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہی تھیں۔

"ارے نیک بخت کیوں پریشان ہوتی ہو ہماری سفو کے بھاگ نصیب ہو گا وہ رشتہ ہو جائے گا اور پھر بیٹیاں کب تک بابل کے آنگن میں رہتی ہیں۔" ابا نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا بقول تائی کے شام کے سائے امرود کی جڑ تک پہنچ گئے تھے اماں کف افسوس ملتے ہوئے باورچی کھانے کی طرف چل دیں اور سفو آہستہ آہستہ ابا کو کچھ سمجھانے لگی اسے پتا تھا ابا اس کی بات مان جائیں گے۔

بس انہیں اس کے ساتھ بازار تحفہ لینے جانا تھا اور اماں سے کہنا تھا کہ انہوں نے سفو کو تحفے کے لیے پیسے دیے ہیں اور ابا کو بتایا تھا کہ پیسے اس کے پاس جمع تھے۔

"ارے اب اتنا مت سوچیے خاندان کا اتنا اہم اور خطرناک راز بھلا ایسے ہی تائی جی کو تھوڑی بتا دیا تھا پورے پانچ سو روپے لیے تھے۔"

کرن نے کہا تھا کہ وہ اسے لینے کے لیے ڈرائیور کو بھیج دے گی اب اسے کل کے لیے تیاری کرنی تھی بعد میں بات کھلی تو کوئی بات نہیں اتنی اچھی بھی پارٹی میں جا کر اتنا مزے کا کیک کھا کے واپسی پر اسے اگر اماں کے جوتے اور گالیاں کھانی ہی پڑیں تو یہ سفو کے لیے مہنگا سودا نہیں تھا۔

☼ ☼

مکمل ناول

"تمہارے حضور ایک درخواست پیش کی تھی۔" وہ اس کے ضبط کا امتحان لینے سویرے سویرے کچن کے دروازے کے چوکھٹے میں اپنا منہ سجا کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"رات بھر میری اطلی کیشن پر غور کرتی رہی ہو جو آنکھیں اس طرح سے سوج رہی ہیں گویا شہد کی مکھی نے ان پر پیار سے منہ مارا ہو۔" اب وہ تھوڑا سا آگے جھک آیا تھا۔ جواب اب بھی ندارد۔ وہ زور و شور سے آٹا گوندھنے میں مصروف تھی۔

"آج صبح بدلی میں کیک اور چائے کی جگہ ٹیسٹ بدلنے کے لیے کوتے کا گڑ کھالیا ہے؟" بڑی معصومیت سے استفسار کیا جا رہا تھا۔

"زبان کیا میکے میں بھول آئی ہو؟ ویسے اس انسونی کے لیے دل نہیں مانتا۔" وہ سلیب سے ایک چھوٹا سا ایپل اٹھا کر ذرا زور سے رگڑتے ہوئے کھانے لگا تھا۔

"سونی! او سونی! خیر تو ہے؟ کیا صدمے کی شدت سے زبان پر فالج تو نہیں گر گیا؟ ہائے نہیں۔" وہ سخت غم ناکی خود پر طاری کیے کچن اسٹول پر ڈھے جانے کے اسٹائل میں بیٹھ گیا۔

"ارے بابا! نہیں کر رہا دوسری شادی۔ مذاق کر رہا تھا میری جان! اٹھ ۔ نے خواہ مخواہ دل ۔ ۔ ۔ لیا۔ آنکھیں ابھی بھی بھیگی بھیگی ہیں۔ ابھی تک رو رہی ہو۔ اتنے آنسو ضائع کر دیے۔ تم جانتی ہو مجھ سے میرا بٹوارہ گوارا نہیں ۔ ۔ ۔ وہ ایک ہی جست میں سونی تک پہنچ گیا تھا اور سونی اس کے بازوؤں کے حلقے میں چلا رہی تھی۔

"سامی! تم مجھے بھی چھوڑو مجھے۔"

"تمہیں چھوڑنے کے لیے تو نہیں دبوچا ہائے۔ بڑی قدر ٹوٹ کر پیار آیا ہے مجھے تم پر۔ ایسی محبت کا اظہار ہفتے میں کوئی بیس تیس دفعہ کر دیا کرو۔ میں بغیر کھائے پیے موٹا ہو جاؤں گا۔" سامی نے مارے جذبات کے اسے گول گول گھما ڈالا۔

"واہیات آدمی! مجھے چکر آ رہے ہیں۔"

"ہیں۔ چکر آ رہے ہیں۔" اس نے حیرانی سے

آنکھیں پھیلائیں اور پھر اور بھی سونی کو بھینچتے ہوئے چلایا۔ ”تو چکروں کو آنے دو' انہیں کہو اور زور و شور سے آئیں' یہ تو اتنے بابرکت ہوتے ہیں' ان ہی کے توسط سے تو خوش خبری کی رپورٹ ملتی ہے۔“

”سامی! مجھے تو الٹی بھی آرہی ہے' پیچھے ہٹ جاؤ ورنہ تمہارے اوپر الٹ دوں گی۔“ سونی نے اسے دھمکانا چاہا۔

”الٹی بھی۔ یعنی کہ۔“ سامی نے فرط مسرت سے اس کے دونوں رخساروں پر زور سے چٹکی بھری تھی۔ وہ بلبلاتی رہ گئی تھی' جبکہ سامی پھر سے اسے دبوچ چکا تھا۔

”تین سال بعد یہ چکروں اور الٹیوں کا سیزن شروع ہوا ہے۔ آنے دو انہیں' موسٹ ویلکم۔۔۔ موسٹ ویلکم۔“

”تمہارا دماغ چل گیا ہے سامی۔“ سونی اس کے بازوؤں کے حلقے کو توڑنے کی کوشش میں محض پھڑپھڑا کر رہ گئی تھی۔

”مجھے چھوڑو تو سہی بتاتی ہوں۔“

”کیا بتانا ہے' یہی نا کہ میں پاپا بننے والا ہوں۔ میری جان! بتانے کی ضرورت کیا ہے۔ وہ تو میں جان ہی چکا ہوں' مزید تسلی کے لیے ڈاکٹر نوشی سے چیک اپ کروالیتے ہیں۔“ سامی کی اپنی لن ترانیاں جاری و ساری تھیں' سونی کو غصہ آگیا۔

”بدتمیز! دفتر سے لیٹ ہو رہے ہو' خالی پیٹ جاؤ گے کیا۔“

”یہ خوش خبری سن کر ہی پیٹ بھر چکا ہے۔“ سامی جھوم اٹھا اور سونی کو بھی جھومنا پڑا۔

”اف' سویرے سویرے دماغ پلپلانے لگے ہو۔“

”آج تو گالیاں بھی امرت لگیں گی' کچھ بھی کہہ لو' میں نہیں برا ماننے والا۔“ سامی فل مست ہو چکا تھا۔

”مجھے چھوڑو تو سہی۔“ سونی چلائی۔ ”۔۔۔ کے پیچھے ایسا کچھ بھی نہیں۔“

”کیا ضرور ہے۔“ سامی زور سے کربولا۔ ”تبھی تو چکر آرہے ہیں۔“

”مجھے گھمائے جا رہے ہو' اسی لیے تو چکر آرہے ہیں۔“ وہ پھر سے چیخی۔

”نہیں یہ خاص چکر ہیں' ان میں کچھ راز ضرور ہے۔“ سامی بھی اپنی بات پر اڑا رہا۔

”خاص بات یہ ہے کہ میں نے پانچ بجے چائے کے ساتھ کیک کھائے تھے۔ ساڑھے چھ بجے مجھے پھر بھوک لگ گئی تھی۔ رات کا بچا ہوا آٹا پڑا تھا فریج میں۔ آلو کے دو پراٹھے بنا کر کھالیے تھے۔ پھر برتن وغیرہ دھونے لگی تو پتا ہے' کام کرتے ہوئے کچھ نہ کچھ ٹونگنے کی عادت ہے میری۔ بس نمکو پر نظر پڑی تو رہا نہیں گیا۔ اسی لیے طبیعت خراب ہو رہی ہے۔“ اس کی بھرپور وضاحت نے سامی کے چہرے کے زاویے بگاڑ دیے۔

”گھر بھی اپنا ہے اور پیٹ بھی' مت ڈھایا کرو اپنے بے چارے معدے پر ستم۔“

”اف سامی! درد بھی ہونے لگا ہے' ارے مجھے تو چھوڑو۔“ وہ جھنجلائی۔

”لو چھوڑ دیا۔“ سامی نے ایک بھرپور شرارت کے بعد اسے چھوڑا تو وہ محض گھور کر اسے دیکھتے ہوئے دوبارہ سے اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

”یہ تو بتاؤ کہ آنکھیں کس ۔۔۔ کر بھیانک کرلی ہیں۔“ یہ بھی تو سامی تھا' اسے تنگ کرنے کے بعد ہی اس نے ۔۔۔ تھا۔

”خود کو جتنا مرضی ۔۔۔ بے نیاز کرلو۔ ڈھول پیٹتی رہو کہ تمہیں ۔۔۔ میں کچھ بھی کرلوں' تمہاری بلا سے چاہے دوسری شادی ہی سہی' مگر۔۔۔ یہ سوجی ہوئی پلکیں' یہ ابلے ابلے نین' یہ مسلی ہوئی گالوں پر آنسوؤں کی لکیریں' یہ خشک ہونٹ سب راز افشا کر گئے ہیں جانم۔“ سامی نے بھرپور قہقہہ لگایا تھا۔

”تمہارے خشکی سے بھرے بالوں والے سر کی قسم! رات کو میرے دوسری شادی کے انکشاف اور تمہارے حضور اجازت نامے والی درخواست نے چہرے پر کیا کیا رنگ ۔۔۔ تو دیکھ دیکھ کر لوٹ ۔۔۔ رہا ہوں۔ پھر بھی کہتی ہو' تمہیں میری قطعاً ۔۔۔ نہیں۔“

”بڑی خوش فہمی ہے۔“ وہ طنزیہ انداز میں کہتے ہوئے پلٹی۔

”ذرا اس چھوٹے سے پلاسٹک کے باؤل کو پکڑاؤ۔“

”خود پکڑلو' پاس ہی تو رکھا ہے۔“ سامی نے بھرپور سستی بھری انگڑائی لی۔

”اٹھا کر دو مجھے۔“ سونی نے تحکم سے کہا۔

”نہیں دے رہا' خود پکڑلو' دو ہاتھ ۔۔۔ ہے۔“ سامی نے چڑانے والے انداز میں ۔۔۔ ہوئے آدھ کھائے سیب کو پھر سے اٹھالیا۔ وہ ۔۔۔ سونی کے تحکمانہ انداز سے بری طرح خار کھاتا تھا۔

”تمہیں یہ باؤل پکڑانا ہوگا۔“ وہ بھی تو سونی ہی تھی ۔۔۔

”۔۔۔ جائے تو یہ اور بات ہے۔ یہ باؤل تو ۔۔۔ ہرگز نہیں پکڑاؤں گا۔“ بات خود بہ خود کسی ۔۔۔ کی طرف چل نکلی۔ ہمیشہ آغاز خوش گوار ہوتا اور انجام تک پہنچتے پہنچتے وہ دونوں ایک دوسرے سے لڑنے مرنے پر تیار ہو جاتے تھے۔ یوں لگتا تھا کہ اب تمام عمر ایک دوسرے سے بات نہیں کریں گے۔

”سامی! اگر تم نے یہ باؤل مجھے نہ پکڑایا تو پھر جانتے ہو میں کیا کروں گی۔“ سونی نے اپنی مخصوص دھمکی دی۔

”کیا کرو گی؟“ وہ بغیر سوچے سمجھے استہزائیہ بولا۔

”بھوکا رہنا ہوگا' کیونکہ میں ناشتا ہرگز نہیں بناؤں گی۔“

”اچھا۔“ سامی نے آنکھیں پھیلائیں۔

”کھانا بھی نہیں بناؤں گی۔“

”اف۔“ سامی نے ہونٹ سکیڑے۔ ”تو ہوٹل کس مرض کی دوا ہیں۔“

”اچھا۔“ سونی نے بھنویں اچکائیں۔ ”کتنے دن ہوٹل کا کھانا کھاؤ گے؟ کیا ہمیشہ؟“

"ہمیشہ کیوں؟ شادی کرلوں گا۔ مسالا ٹی وی کی کسی کوکنگ ایکسپرٹ کے ساتھ۔" ساحی نے بھی کہاں ہار ماننا سیکھی تھی۔

"اور کپڑے کس سے دھلواؤ گے؟" سونی نے طنزوں کی تھیلی میں سے آہستہ آہستہ طنز کے تیر نکالنے شروع کردیے۔

"ایک اور شادی کرلینا' کسی "دھوبن" کے ساتھ۔"

"ملازمہ رکھ لوں گا۔"

"دوسری والی کے لیے تو کرانی افورڈ کرلو گے کمینے۔" سونی یک دم دھاڑی۔

"ورنہ دھوبن' باورچن اور مالن وغیرہ کو اکٹھا کرلو' سب سے نکاح کرکے' گنجا کرکے رکھ دیں گی تمہیں۔"

"اتنی بیویاں... اتنی بیویاں۔" ساحی گویا خوش گوار خواب کی کسی حسین وادی میں اتر گیا تھا' تصور کیا۔ وہاں تو کچھ اور ہی منظر تھا۔ سلائی مشین پر جھکی دوشیزہ' کپڑوں کے ڈھیر پر لیٹی نڈھال' بے حال الجھے بالوں' بکھرے حواسوں والی مہ جبیں... اورک' لہسن' پیاز کی بو میں مدہوش کونڈے میں لال مرچیں کوٹتی حسینہ' کیاریوں کی گوڈی کرتی' گھاس کاٹتی' کھردرے اور پھٹے پھٹے ہاتھوں والی گھٹے پسینے کی باس سے ادھ موئی ہوتی دلنشینہ' ہائے نہیں' نہیں' نہیں' نہیں۔

"ساحی!" سونی نے اس کی آنکھوں کے سامنے چٹکی بجائی۔

"کیا ہے؟" وہ ہڑبڑا کر گویا نیند سے جاگا۔

"بیٹھے بیٹھے سو گئے تھے کیا؟"

"نہیں' میں تو..." وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"چہرے پر ہوائیاں کیوں اڑ رہی ہیں' ناشتا تمہیں ملے گا غم نہ کھاؤ' البتہ یہ باؤل تم ہی کو پکڑانا ہے۔"

"پھر سے باؤل۔" ساحی نے اپنے بال نوچے۔ "خود پکڑلو' یہاں ہی تو رکھا ہے۔ میں اٹھ کر لاؤں۔"

"ٹانگیں ٹوٹی ہیں تمہاری؟"

"نہیں اٹھتا۔" ساحی بھی ضدی انداز میں گویا ہوا۔

"تمہیں اٹھانا ہی پڑے گا۔"

"اس باؤل میں ہے کیا؟" ساحی نے مرے مرے انداز میں پوچھا۔

"خود دیکھ لو۔" وہ پراٹھا بنانے کے لیے پیڑہ بنا رہی تھی۔

"اب تو دیکھنا ہی پڑے گا۔" ساحی اٹھا تھا' سلیب پر رکھا ڈونگا اٹھایا اور منہ بنا کر اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے بولا۔ "ہونہہ' پیاز' میں نے سمجھا تھا شاید ہیرے جواہرات سے بھرا ہوگا۔"

"تم اسی شوق میں اٹھے بھی تھے۔" سونی نے ہنسنا شروع کردیا۔ "کہاں جارہے ہو؟ بات سنو۔" وہ باہر نکلتے ساحی کی شرٹ کھینچ کر بولی۔

"تم میرے روئے روئے نینوں کا راز پوچھنا چاہ رہے تھے نا۔"

"کوئی ضرورت نہیں بتانے کی' جانتا ہوں میں۔" ساحی چڑ کر بولا۔

"کیا جانتے ہو؟"

"یہی کہ میرے دوسری شادی کے ارادے نے تمہارے دل پر ستم ڈھایا ہے۔" وہ گنگنایا۔

"خوش فہمی۔" سونی نے طنزیہ کہا۔ "پیاز کاٹ رہی تھی میں' آملیٹ کے لیے پیاز۔" وہ [illegible]

"سچ؟" ساحی بے یقین تھا۔ خوش فہمیوں پر پانی پھر چکا تھا۔

"سچ۔" اب چہکنے کی باری سونی کی تھی۔

"بھاڑ میں جاؤ۔" وہ سخت مشتعل ہو کر باہر نکلنے لگا۔

"رکو ذرا۔" وہ بھاگ کر اس کے سامنے آئی۔

"اب کیا ہے؟"

"ایک بات کرنا تھی۔" اس نے جان بوجھ کر چڑنے کے لیے وقت لیا۔

"پھوٹو۔" ساحی کے منہ کے زاویے بگڑے بگڑے تھے۔

"تم ایک چھوڑ تین' تین شادیاں کرلو' مجھے پروا نہیں۔" وہ ہنس رہی تھی۔

"جس دن کرلی' دیکھوں گا کیسے دانت نکالتی ہو۔" ساحی بھنایا۔

"آپا کر دیکھ لو۔" وہ صاف مذاق اڑا رہی تھی۔ "تم سے بھلا کس احمق نے شادی کرنی ہے۔"

"اگر کسی احمق نے مجھے پرپوز کردیا تو؟" وہ بھی چیلنجنگ انداز میں بولا۔

"تمہیں پرپوز۔" سونی کو ہنسی کا دورہ پڑ گیا۔ "خود کو آئینے میں غور سے دیکھنا ذرا۔"

"دیکھیں سالوں سے دیکھ رہا ہوں۔" وہ چہرے پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔ "راہ چلتی خواتین مڑ مڑ کر دیکھتی ہیں۔"

"شہزادہ گلفام جو ہو۔" سونی نے پھر سے طنز کیا۔

"اس میں شک ہے کیا؟" ساحی کے لہجے میں تفاخر [illegible]

"ہونہہ۔" سونی یہاں پر مات کھا جاتی تھی۔ بولتی بند ہو جاتی۔ وہ سچ کہہ رہا تھا۔ لڑکیاں بالیاں تو خواتین تک رک رک کر اسے دیکھنے لگتی تھیں۔ وہ ایسا ہی تھا' بس دیکھے جانے کے لائق' ایک ایک نقش بولتا ہوا' واضح ہوتا' اس کی تعریف بس ایک لفظ میں تھی۔ "وجیہہ و شکیل" اور وہ خود کیا تھی؟ اکثر وہ دونوں برابر چل رہے ہوتے تو لوگ چونک جاتے' کئی دفعہ بازار میں آنٹی نما خواتین بے تکلفی سے رشتے کی نوعیت بھی پوچھ لیتی تھیں۔ پھر حیران ہوتیں۔ بھلا ان دونوں کا کیا جوڑ۔ "اور جوڑ تو واقعی نہیں تھا یہ تو رب نے بنا دیا تھا۔ اوپر آسمانوں پر لکھا جاچکا تھا۔ نصیب ساتھ جڑے تھے۔ ہاتھ کی لکیروں میں ایک دوسرے کا نام کھدا تھا۔

"کہاں گم ہو گئیں؟ کسی نئی کریم کا فارمولا سوچنے لگی ہو؟ تو میری پیاری چندا' نہ تردد کرو اتنا' رنگ تو رگڑ رگڑ کر نکھار ـــــــ لوگی مگر یہ پھیلی سی ناک اونچی کیسے کروگی۔ ہونٹوں کو باریک کرنا بھی ضروری ہوگا۔ ہاں یہ ڈیلے نہ چھوٹے ہیں نہ بڑے... بس ٹھیک ہیں اور اگر ان میں میری محبت تھامیں مارنے لگتی تو ان آنکھوں کے علاوہ دنیا کی ساری خوب صورتی مجھے کہاں نظر آتی تھی۔ خیر [illegible] ہوں' تم غم نہ کھاؤ' مجھے اس سانولی رنگت [illegible] اور ان روکھے بے جان بالوں والی [illegible] بھی لگتی ہے۔ بہت' بہت' بہت [illegible] تو نکاح نامے پر جھٹ سے دستخط [illegible] کردیے تھے۔" سونی جانتی تھی' اب وہ محض اسے چڑا رہا ہے' جلا رہا ہے۔

"خالہ نے مجبور کیا تھا' سب جانتی ہوں میں۔" سونی خواہ مخواہ ملکہ جذبات بنی۔ حالانکہ جانتی تھی' سب جانتی تھی کہ ساحی نے کس طرح خالہ کے پیر پکڑ لیے تھے کہ شادی کروانی ہے تو سونی سے کروادیں۔ وہ اس کی محبت میں اوائل عمری سے مبتلا ہو گیا تھا۔ اور یہ بہت پرانی بات تھی۔

"آج تمہارا بھوکے رہنے کا ارادہ ہوگا۔" وہ خطرناک تیور لیے اس کی سمت بڑھی۔

"یہ ظلم مت کرنا۔" ساحی نے دہائی دی۔

"گھڑی کی طرف دیکھو ذرا۔ سوئیاں آگے پیچھے بھاگ رہی ہیں۔ یہ جو ایڑیاں رگڑ رگڑ کے نوکری لی ہے نا' ساڑھے نو ہزار والی' بس چار دن کی مہمان سمجھو۔" وہ اسے وقت کا احساس دلانا چاہتی تھی۔ ساحی روزانہ ہی دانستہ لیٹ دفتر جاتا تھا' بقول اس کے گھر سے نکلنے کو دل نہیں کرتا۔ تمہاری صورت ہر سو نظر آتی ہے۔ فائلوں میں' باس کی سیکریٹری کے چہرے میں' کمپیوٹر اسکرین پر' بھلا میں کیا کروں؟ وہ بھولی سی صورت بنا کر کہتا تھا۔

"یہ نوکری مجھے اس وقت ملی تھی' جب تم میری زندگی میں شامل ہو گئی تھیں۔ بڑی بھاگوان ہو ڈارلنگ۔" وہ اس کے کان میں گنگنایا۔

"ساحی! دو منٹ میں کپڑے چینج کرکے آؤ' میں ناشتا لگا رہی ہوں۔ فٹافٹ آجاؤ بس' مجھے بہت سخت بھوک لگی ہے؟" سونی نے سنہرے آملیٹ کو پلیٹ میں رکھ کے ساحی کو زبردستی کچن سے باہر دھکیلا۔

"تمہیں پھر سے بھوک لگ گئی ہے سونی؟" وہ حیرت کے مارے بس گرنے ہی والا تھا۔

"تو اور کیا؟ کافی دیر سے کچھ بھی نہیں کھایا۔" سوفی نے مسکین سی صورت بنائی۔
"اور وہ کیک اور چائے' دو عدد آلو کے پراٹھے' وہ کہاں گئے۔"
"وہ تو صبح کھائے تھے۔" سوفی اطمینان سے بولی۔
"اور اب دوپہر ہو گئی ہے کیا؟"
"سامی! جاؤ یہاں سے' میری روٹیاں گنتے بیٹھ جاتے ہو۔" سوفی کو ہمیشہ کی طرح غصہ آ گیا۔
"میں کہاں ہوں' میں تو کھڑا ہوں۔" سامی نے حیران ہونے کی ایکٹنگ کی۔
"اور اب چلتے پھرتے نظر آؤ۔"
"اللہ کا شکر ہے چلتا پھرتا بھی ہوں۔ ماشاء اللہ سے بھاگتا دوڑتا بھی ہوں۔" سامی پر اثر نہ ہوا۔
"بس دودھ کے دانت نہیں نکلے ابھی تک' دفع ہو جاؤ سامی۔" وہ اسے بازو سے کھینچ کر کمرے میں لے آئی۔
"آج پھر تمہارا چھٹی کا ارادہ ہو گا۔ یہ جو باتوں میں مجھے الجھا رہے ہو نا سب جانتی ہوں میں یہ ڈرامے۔"
"سوفی! میری طبیعت ٹھیک نہیں۔" وہ مچلا۔
"کیا ہوا ہے طبیعت کو' بھلے چنگے تو کھڑے ہو۔" سوفی کو اور بھی غصہ آ گیا۔ اس کی آئے دن کی بہانے بازیوں سے سوفی بہت چڑتی تھی۔
"سر میں درد ہے' ٹیسیں اٹھ رہی ہیں۔ فشار خون بلند ہو گیا ہے۔ لگتا ہے بلڈ کا پریشر بڑھ گیا ہے۔" وہ آواز میں نقاہت بھرے بیڈ پر ڈھے گیا۔
"میرا دماغ چاٹتے ہوئے تو سر درد نہیں تھا۔"
"اچانک ٹیسیں اٹھنے لگی ہیں۔" سامی نے اور بھی چہرے پر مظلومیت طاری کر لی تھی۔
"فوراً اٹھ جاؤ۔ میں ٹیبلٹ دیتی ہوں تمہیں۔" وہ اس کا بازو پکڑ کر اٹھانے لگی۔
"مجھے نہیں دوائی کھانی۔" سامی کا بغیر دوا کھائے منہ کڑوا ہو گیا۔
"ناشتا تو کرنا ہے نا کہ آج نہ کرو گے؟"
"ناشتا!" سامی نے سوچتے ہوئے توقف کیا۔ "اگر تم اصرار کرتی ہو تو... اچھا تو دھری لے آؤ۔"
"نہیں' میں کیوں اصرار کرنے لگی۔ تمہارا دل نہیں چاہ رہا تو خود کو مجبور مت کرو۔" وہ بھی اس کی ہر نبض سے واقف تھی۔
"سر میں درد ہے سوفی! پیٹ میں نہیں۔" سامی لاچاری سے بولا۔
"مگر تکلیف تو تکلیف ہوتی ہے نا۔ میں تمہارے لیے دلیہ لے کر آتی ہوں۔" وہ اٹھ کر جانے لگی تھی۔
"نہیں سوفی! دلیہ تو بالکل نہیں۔" وہ چیخا۔
"تو پھر؟" سوفی رکی۔
"وہ آملیٹ اور پراٹھے کیا ضائع کرنے ہیں۔"
"ضائع کیوں ہوں گے۔" وہ بے نیازی سے بولی۔ "دوا بھی کھاؤں گی اور دوپہر کو گرم کر کے کھا لوں گی۔"
"اس سادگی پر میں مر ہی نہ جاؤں۔" سامی جل کر رہ گیا۔ "جا رہا ہوں' کپڑے نکالو میرے۔"
"درد سر میں ہے اور اثر نظر پر ہو گیا ہے۔ یہ صوفے پر کیا رکھا ہے۔" سوفی فتح مندی کے احساس سے سرشار ہو گئی۔
"لے بھی آؤ ناشتا!" وہ کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔
"ابھی لائی۔" سوفی ہنسی اور پھر ہنستی چلی گئی تھی' کیونکہ سامی کا سر درد بالکل بھاگ گیا تھا اور سوفی کو اس کے سر درد اور ہر قسم کے درد کو بھگانے کے ایک ہزار ایک طریقے آتے تھے۔
"جا رہا ہوں' دروازہ بند کر لو۔" وہ سنگھار کر دروازے کے قریب جا کر بولا۔
"کر لیتی ہوں' تم جاؤ۔" وہ دوسرا پراٹھا کھاتے ہوئے بولی۔ سامی جا چکا تھا۔ ابھی وہ دروازہ بند کرنے کے لیے اٹھنے ہی لگی تھی جب سامی کا چہرہ پھر سے دروازے کے پیچھے سے نمودار ہوا۔
"موبائل لا کر دو۔"
"کتنی مرتبہ کہا ہے' یاد سے ساری چیزیں لے کر جایا کرو' کبھی آئی ڈی کارڈ بھول جاتے ہو' کبھی بائیک کی چابی' کبھی گلاسز اور کبھی یہ چھن چھن۔" وہ موبائل اٹھا کر لے آئی تھی۔
"بک بک نہ کرو۔" وہ پلٹ رہی تھی' جب سامی نے اس کی لمبی چوٹی کو کھینچ کر اسے اپنی طرف گھسیٹا تھا۔
"سامی!" وہ چیخی۔
"وہ سانس میں آخری تڑکا تو رہ گیا تھا۔" سامی نے اس کی پیشانی پر دو' تین بوسے لیے۔ "تمہاری ہوں مت اتنی آنکھوں کو پھاڑ پھاڑ کر مجھے گھورو' یہ نہ چل کر باہر نکل آئیں گے۔"
"دفع ہو جاؤ۔" وہ اسے باہر دھکیل کر گیٹ لاک کر چکی تھی اور پھر ہمیشہ کی طرح کئی سورتیں پڑھ کر غائبانہ سامی پر پھونکنے کے بعد سامی کے بچے کھچے ناشتے کی باقیات کو بھی چٹ کر گئی۔
"رزق کو ضائع کرنا کہاں کی عقل مندی ہے۔"
امی جان کی یہ بات ذہن میں پختہ ہو چکی تھی' عادتوں میں ایک عادت خود کلامی کرنے کی بھی تھی۔ تنہا ہونے کے باوجود بھی آج تک سوفی نے کبھی خود کو اکیلا نہیں محسوس کیا تھا۔ اسے یوں لگتا تھا کہ کوئی اس کے ساتھ ہے ہمیشہ سے۔

☆ ☆ ☆

"اماں بی! کہاں رہ گئی تھیں آپ۔" سوفی' زینت بی کو دیکھتے ہی چہک اٹھی۔ زینت بی نے بھی بڑی گرم جوشی سے سوفی کو گلے لگایا تھا۔ اماں' ابا کے زمانے سے زینت بی کا ان کے گھر آنا جانا تھا۔ رشتہ داری تو نہیں تھی البتہ قرابت داری کی وجہ سے یونہی محسوس ہوتا تھا کہ زینت بی سے گہرا اٹوٹ تعلق ہے۔ اسی محلے اور اسی بند گلی کا آخری مکان زینت بی کا تھا۔ بہو اور بیٹے کے ہمراہ رہتی تھیں' مگر اکثر ہی عزیزوں کے ہاں سے بلاوا آ جاتا تھا۔ بڑی ہی معاملہ فہم' سمجھ دار خاتون تھیں' سوفی کو تو ہمیشہ اپنی اماں کا پرتو ہی لگا کرتی تھیں۔
"گھسوال سے مہمان آئے ہوئے تھے' ان ہی میں مصروف رہی' پر پتا ہے تو ادھر ہی اٹکا رہا تھا۔ مہمانوں کے جاتے ہی بھاگی چلی آئی ہوں۔ سوچا بچی کو اک نظر دیکھ آؤں۔ تم تو کم کم ہی نظر آتی ہو۔"
"مہمان والے کمرے میں چلیے۔" وہ اماں بی کو لیے صحن میں آ گئی۔ [illegible] اونچے اور بے تحاشا درختوں کی وجہ سے [illegible] ہی جھلک دکھاتا تھا۔ مگر اس وقت [illegible] خاصی دھوپ پڑنے سے آنگن میں [illegible] تھی۔
وہ خستہ مکان تھا' پرانی طرز کا بنا ہوا' مگر سہولت کی ہر شے موجود تھی۔ اس کی اماں بڑی سلیقے قرینے والی خاتون تھیں۔ کفایت شعار بھی تھیں۔ ہر کمیٹی کھلنے کے بعد گھر کے لیے کچھ نہ کچھ منگوا لی رہتیں' فریج' واشنگ مشین' ایئر کولر' گیزر اور اے سی تک لگوایا تھا۔ سوفی کے پوچھنے پر اماں ہنس پڑتیں۔
"یہ ساری چیزیں تیری سہولت کے لیے ہیں۔ شادی کے بعد کام آئیں گی۔" سوفی گویا سمجھ کر سر ہلا لیتی تھی' حالانکہ پلے کچھ بھی نہیں پڑتا تھا۔ وہ عمر ہی ایسی تھی۔ سوفی جاگی سی' بچپن جا رہا تھا' لڑکپن دامن کھینچ رہا تھا۔ شعور ابھی دور تھا' کوسوں دور' بے فکری کا زمانہ اور اماں کی بے حساب محبت' ابا تو تین سال پہلے دل کے معمولی جھٹکے سے سنبھل نہ پائے تھے۔
"مہمان ابھی ادھر ہیں' ہمیشہ ادھر ہی رہیں گے۔" اماں بی کی آواز اسے سوچوں کی وادی سے واپس کھینچ لائی۔
"اچھا۔" سوفی حیران ہوئی۔ "تو واپس نہیں جائیں گے؟"
"نہیں...." اماں بی نے ٹھنڈی آہ بھری۔ "میرے مرحوم چچا کی نواسی اور اس کی بیٹی ہے۔ ماں' بیٹی بے آسرا ہیں۔ کرایوں پر دھکے کھاتی رہی ہے۔ ساری زندگی مشقت ہی کی۔ کچھ بنا نہ پائی کہ پیٹ کا دوزخ بھرتا تو کچھ اور سوچتی' لڑکی کو پڑھا لکھا دیا تھا' یہ بھی نانی کی مہربانی سے سولہ جماعتیں پاس کر گئی۔ ادھر پرائیویٹ اسکول میں نوکری کی بات کر کے آئی ہوں بچی کے لیے۔ صرف دو ہزار تنخواہ' ماں کہتی ہے گھر میں ڈھونڈ دو چاہے ایک کمرہ ہی ملے۔ ماں' بیٹی سر چھپا کر بیٹھ جائیں گی۔ میری بہو کے مزاج سے تو واقف ہو'

انھیں پل پل شرمندہ کیے دیتی ہے۔ میں نے بھی سوچا' ٹھکانہ تو ڈھونڈ رہی ہوں' مگر دو ہزار تنخواہ میں اگر پندرہ سو کرایہ نکل گیا تو یہ دونوں مہینے کے دن کیسے گزاریں گی۔ بہت سوچنے کے بعد تمہارے پاس آگئی ہوں۔"

اماں بی کے چہرے پر سوچ کی پرچھائیاں تھیں' سونی چپ سی رہی۔

"میں چاہتی ہوں اگر تم سامی سے مشورہ کر کے اوپر کی منزل کا ایک کمرہ ان ماں' بیٹی کو دے دو' تو بے چاریوں کی پریشانی کم ہو جائے گی۔ میرا تو دل کٹتا ہے ان دونوں کی بے بسی دیکھ کر' بچی تو سونے کی تار ہے' رچ رچ کر سوہنی' ماں اپنے پروں میں چھپائے بیٹھی ہے۔ یہ معاشرہ اور اس کے چلن کہاں کسی شریف چہرہ کو چین سے جینے دیتے ہیں۔ اللہ تمہارا بھلا کرے بیٹی! یک طرفہ فیصلہ نہ کرنا۔ سامی سے مشورہ کر لو۔ تم بھی تنہا ہوتی ہو' تمہارا وقت بھی اچھا کٹ جائے گا۔ ثروت اور اس کی بیٹی سوہنی کی تسلی میں دیتی ہوں۔ میری ذمہ داری پر بغیر کسی خوف کے تم فیصلہ کرنا۔ سامی بھی دیکھا بھالا' شریف بچہ ہے۔ مجھے ثروت اور سوہنی کے لیے اس سے زیادہ اچھا اور باحفاظت ٹھکانہ نہیں ملے گا۔" اماں بی بات کے اختتام پر گم سم بیٹھی سونی کے ہاتھ پر اپنا کھردرا مگر شفیق ہاتھ رکھ کے نرمی سے بولیں۔

"تم اچھی طرح سے سوچ لو۔ اگر دل نہیں مانتا تو زبردستی کاہے کی۔"

"اماں بی! میں سامی سے بات کر لوں' مجھے تو کوئی اعتراض نہیں۔ اس گھر میں بھی انسانی آوازیں گونجیں گی' اس سے اچھا شگون اور کیا ہے' اماں' ابا کے بعد تو اپنا جمود طاری ہوا ہے جو ابھی تک سامی اور میری موجودگی کے باوجود نہیں ٹوٹا۔" سونی نے سنجیدگی سے پھلوں سے لدی شاخوں کی طرف دیکھ کر یاسیت سے کہا۔

"اللہ نے چاہا تو اس آنگن میں بچوں کی قلقاریاں ضرور گونجیں گی۔ پھر دیکھنا جمود کیسے ٹوٹتا ہے۔" اماں بی نے حلاوت سے کہا تھا۔ پھر اس کا ہاتھ دباتے ہوئے نرمی سے مزید بولیں۔

"بیٹی! جس ڈاکٹرنی کا میں نے تمہیں پتا دیا تھا' اس سے رابطہ نہیں کیا؟"

"یہ دیر تو اللہ کی طرف سے ہے اماں بی! ہم دونوں کی رپورٹس ٹھیک ہیں۔" سونی نے لہجے میں اترتی رنجیدگی کو بمشکل خود پر طاری نہیں ہونے دیا۔

"رب سوہنا اپنا فضل ضرور کرے گا' نماز میں دل لگایا کرو بیٹی! دعا عبادت کا مغز ہوتی ہے۔"

"جی اچھا۔" ہمیشہ کی طرح سونی جی بھر کر شرمندہ ہوئی تھی۔ نماز تو وہ پڑھتی تھی' مگر ایک یا دو نمازیں ہمیشہ چھوٹ جاتیں۔ پابندی کا تسلسل قائم نہیں رہتا تھا۔

"سامی کب تک آجاتا ہے دفتر سے۔" اماں بی پھل کے بوجھ سے جھکی امرود کی شاخوں کو دیکھ کر پوچھنے لگیں۔

"چار بجے تک' مگر آج دیر سے آئے گا۔ جناب بازار جانا ہے اس نے کرایہ لینے۔"

"اللہ رزق میں اور برکت ڈالے بیٹی! یہ پھل اتار لینا تھا۔"

"کتنی مرتبہ سامی سے کہا ہے' مگر مجال ہے جو میری بات مان لے' خود کا دل چاہا تو میرے [illegible] سارے صحن میں پتے ہی پتے بکھیر دے گا' [illegible] پھل مار لے گا' مگر صحن کی صفائی کرنے میں [illegible] دکھائے گا۔"

"لیموں بھی زیادہ [illegible] ہو رہے ہیں' اچار ڈال لیتیں۔"

"اماں بی! سامی کو اچار پسند نہیں' میں بھی صرف آم کا اچار کھاتی ہوں۔ آپ کو ضرورت ہے تو لے جائیے۔"

"نہیں بیٹی! میں نے مرتبان بھر کے مرچ اور آم کا اچار ڈالا تھا۔ یاد ہے نا' آم بھی اسی درخت سے سامی نے توڑ کر دیے تھے اور لیموں بھی یہیں سے لے کر گئی تھی۔ رب تعالیٰ زیادہ کی ہوس سے بچائے' جب تمہاری ماں زندہ تھی نا' پورے محلے میں موسم کے [illegible] اور سبزیاں بانٹتی تھی۔" اماں بی کسی اچھی یاد کو وقت کے کسی لمحے میں کھوجنے لگیں۔ سونی کو [illegible] تھا۔ وہ پل بھر کے لیے ساکت رہ گئی۔

"اور میں کیا کرتی ہوں۔ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو ضائع' محض سستی کی وجہ سے۔" سالن اور روٹی کے [illegible] کو بچانے کے لیے ہر وقت کانشس رہنے والی [illegible] کو کبھی خیال نہیں آیا تھا کہ پیڑوں پر پکے پھل بھی کیسی دہائی دیتے ہیں۔ مگر اس کا بھی قصور نہ تھا۔ سامی کی منتیں کرتی رہتی تھی کہ امرود' لیموں وغیرہ اتار دیا کرے' موڈ ہوتا تو اتار دیتا ورنہ [illegible] کی موج ہو جاتی تھی۔ کبھی موڈ میں ہوتا ہے تو کبھی تازہ پھلوں کی چاٹ' کبھی فروٹ [illegible] اور کبھی طرح طرح کے مربے۔ اماں اس [illegible] اماں کی روایت برقرار نہیں رکھی تھی۔ [illegible] کسی گھر میں موسم کی سبزی یا پھل نہیں بھیجا تھا۔ نہ جانے کیوں سونی کو جی بھر کے [illegible] اس نے دل ہی دل میں ارادہ باندھا تھا کہ وہ اماں کی یاد اسی طرح تازہ کرے گی اور پھر [illegible] کی رہے گی۔

"اماں بی! میری پہنچ جہاں تک ہوتی ہے نا' کوئی بھی امرود میرے ہاتھوں سے بچ نہیں پاتا۔ آپ کو پتا ہے [illegible] میں کتنا کھاتی ہوں۔ اگر کچھ نہ ملے تو گاجر اور مولی سے پیٹ بھر لیتی ہوں۔ مگر یہ اونچے درختوں کی چوٹیوں تک پہنچنا میرے لیے آسان نہیں۔ ایک دفعہ کوشش بھی کی تھی' مگر اس کوشش کے بعد توبہ کر لی۔ مرتے مرتے بچی تھی میں' یاد ہے نا آپ کو' کتنے دن بستر پر پڑی رہی۔ آپ کے گھر سے تینوں وقت کا ناشتا کھانا آتا تھا۔ اور یہ سبزیاں بھی میرے شوق کی بدولت ہری بھری ہیں۔ آپ کو نہیں لگتا درختوں' پھولوں اور پودوں سے محبت میں نے اماں سے وراثت میں لی ہے۔ اور صفائی ستھرائی کا خبط بھی اماں کی طرح میرے سر پر سوار رہتا ہے۔ صبح صبح صحن دھوتی ہوں۔ سارا دن [illegible] کرنے والوں پتوں کو اٹھاتی رہتی ہوں' مگر شام کو پھر [illegible] نہیں ہوتی کہ سامی درختوں کو ہلا ہلا کر پتوں کے ڈھیر لگا دے اور پھر مجھے دوبارہ سے صفائی کرنا پڑے۔"

اس نے اپنی سستی دوسرے معنوں میں بے بسی کی اچھی خاصی وضاحت کر ڈالی تھی۔

"سلیقہ قرینہ ہی تو عورت کی پہچان ہوتا ہے۔" اماں بی صاف ستھرے چمکتے فرش کو دیکھتے ہوئے بولیں۔ پچھلے سال سونی کی ضد اور شوق کے ہاتھوں مجبور ہو کر سامی نے پورے صحن میں ماربل لگوا کر دیا تھا۔ سونی کی خواہش پر ہی پورے گھر کو پینٹ بھی کروا لیا گیا تھا۔ اس گلی کے سبھی گھروں میں یہ دو منزلہ مکان اپنی الگ ہی شناخت اور پہچان رکھتا تھا۔ بیرونی دیواریں تک بیلوں سے لدی ہوئی تھیں۔ گیٹ بھی نیا لگوایا تھا۔ اماں کے وقت میں لکڑی کا بھاری دروازہ تھا' جسے وقت نے دیمک کی بیماری لگا دی تھی۔

گیٹ کے اوپر انگور کی بیل نے سایہ کر رکھا تھا۔ اتنا پھل لگتا تھا کہ گلی کے بچے اور کھٹے میٹھے انگور کے گچھے پکنے سے پہلے ہی ہڑپ کر جاتے تھے۔ یہ بیل نہ جانے کس نسل کی تھی۔ محلے میں اکثر مہمان کسی گھر میں آتے تو خصوصاً انگور کی اس بیل کا دیدار ضرور کرتے۔ جو ابا کے ہاتھ سے لگائی گئی تھی اور اس کا پھل نہ جانے کس کس نے کھایا تھا۔ سونی کو یاد تھا۔ اماں نے کبھی بھی کسی بچے کو پھل توڑنے سے منع نہیں کیا تھا۔ حالانکہ سونی کو بہت غصہ آتا۔

"اماں! کچے توڑ کر لے جاتے ہیں۔ پکنے کا انتظار بھی نہیں کرتے۔ ایک دن سارے کٹوا دوں گی۔"

"نہ میری بیٹی! وعدہ کر ان درختوں کو محض اس وجہ سے نہیں کٹوائے گی کہ محلے کے بچے پتھر پھینکتے ہیں۔ کچے پھل کو توڑتے ہیں۔ انہیں کھانے دے' یہ ان کا بچپنا اور شوق ہے اور لگانے والوں کے لیے صدقہ جاریہ' موت کے بعد کا بھی انعام۔" اماں ہمیشہ دلیل کر ٹوک دیتی تھیں اسے' اور سونی کو اماں کا ٹوکنا ہمیشہ یاد رہا تھا۔ اس کے ذہن میں محفوظ تھا اسی لیے کبھی بھی اس نے درختوں کو کٹوانے کے بارے میں نہیں سوچا تھا اور نہ ہی بچوں کو کبھی منع کیا تھا۔ حالانکہ اس وقت کے بچے اب جوان ہو چکے تھے اور ان کے بچوں نے کنکر اور پتھر اٹھا لیے تھے۔ ہاں' سونی نے اماں کی طرح بھی

نوکری بھر بھر کے کسی کے گھر موسم کی سبزی نہیں بھجوائی تھی۔

"ایک ہماری بہو ہے۔ گندگی کی پوٹ نہ کبھی خود کو صاف رکھا نہ گھر کو۔ سوہنی بے چاری نے کمروں اور برساتی کا کاٹھ کباڑ نکال دیا وہ بھی میرے ہی کہنے پر۔ بس بہو بیگم نے سارے بھرم کے چولے اتار دیے۔ بچی کو ایسی بے بھاؤ کی سنائیں کہ منہ سے ادا کرنا بھی مشکل ہیں، ایسے گھٹیا الفاظ، گندے القابات، توبہ توبہ۔" اماں بی کا چہرہ ایک دم رنگ بدل گیا۔ شاید ثروت اور ان کی بچی کے لیے اماں بی کے دل میں بہت گنجائش تھی، نرمی بھی تھی۔ غیر نرمی کے کیا ہی کہنے! اماں بی تو راہ چلتے فقیروں سے بھی ہمدردی جتانے سے باز نہیں آتی تھیں۔ اجنبیوں کو گھر لے آتیں، کھانا کھلاتیں، بساط بھر مدد کرتیں۔

"کوثر بھابھی کا مزاج ہی ایسا ہے۔" سونی نے عام سے انداز میں کہا۔ "آپ کے لیے چائے لاتی ہوں۔"

"نہ بیٹی! اب چائے کا تردد مت کرنا۔ میں چلتی ہوں۔" وہ اٹھنے لگی تھی اور اماں بی نے سرعت سے اس کا ہاتھ تھام کر روکا۔

"تردد کیسا، میں اپنے لیے بنا رہی ہوں۔" وہ سونی ہی کیا جو اپنی منوائے نہ، اٹھ کر اندر جاتے ہوئے اس نے اماں بی کو دھمکایا تھا۔

"آپ اگر چلی گئیں میری چائے پیے بغیر تو پھر دیکھیے گا۔"

"اگر میں چلی گئی اور پورا امکان ہے کہ میری بیٹی کچن میں گھسے گی اور میں باہر کی طرف دوڑ لگا دوں گی۔ تب چائے کی دوسری پیالی میری بیٹی قطعاً "ضائع" تو نہیں ہونے دے گی۔" اماں بی کے لبوں پر شفیق سی مسکراہٹ ابھر آئی۔ اس محلے کی بھی بچیاں انہیں مان اور عزت دیتی تھیں۔ خواتین تو کیا مرد حضرات بھی سلام کیے بغیر آگے نہیں بڑھتے تھے۔ آس پڑوس کی بچیوں نے ان سے بہت کچھ سیکھا تھا۔ سلائی، کڑھائی، کھانا پکانا، لحاف اور ہر قسم کے غلاف بنانا۔ غرض ہر اس فن کو اماں بی نے مفت میں آگے منتقل کیا تھا۔ ان کے ہنر نے انہیں سکھایا تھا۔ سونی بھی اماں بی کی شاگردوں میں سے تھی بلکہ ہردل عزیز شاگرد تھی۔

"آپ نے ٹھیک کہا۔ چائے کی پیالی میری شکتی ہی چلی جائے گی۔ تاہم گاجر کا یہ حلوہ کون چکھے گا۔" تھوڑی ہی دیر میں سونی جھٹ پٹ چائے بنا کر لے آئی تھی۔

"حلوہ کب بنایا؟"

"ساحی کے لیے بنایا تھا۔ شام کو گاجریں چھیلیں۔ صبح کش کر لی تھیں اور پھر ساتھ ہی چولہے پر چڑھا دیں۔ جھٹ پٹ بن گیا تھا۔" سونی نے چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے بتایا۔

"گاجریں کوکر میں نرم کر لی ہوں گی، آج کل سہولت کے سو طریقے ایجاد ہو گئے ہیں۔" اماں بی نے سچ ہی کہا تھا، سونی ہنس پڑی۔

"اماں بی! یہ سہولتیں وقت بھی تو بچاتی ہیں۔"

"ٹھیک کہا، نا صرف وقت، بلکہ گیس کی بچت بھی۔"

"تو اور کیا۔" سونی نے شدومد سے سر ہلایا۔

"اماں بی! اتنے دن غائب مت رہا کریں۔" سونی نے لاڈ سے ان کے گلے میں بانہیں ڈال دی تھیں۔

"کیوں بھلا۔" انہوں نے جان بوجھ کر استفسار کیا۔

"جی بور ہو جاتی ہوں۔"

"پھوپھی کی طرف نہیں گئی تھی کیا؟" اماں بی نے اس کی اکلوتی پھوپھی کے بارے میں پوچھا تھا۔ نفیسہ پھوپھو بیٹے کے نام پر اس کا مان تھیں۔ اماں کے بعد سوا سال عرصہ پھوپھی کے گھر قیام پذیر رہی تھی۔ اس کی شادی بھی پھوپھی نے کی تھی۔ پھوپھی کے گھر سے رخصت ہو کر وہ اپنے بابل کے گھر آئی تھی۔ پھوپھی کے گھر کو وہ اپنا میکا سمجھتی تھی۔ اور پھوپھی اور ان کی اولاد نے اس مان کو کبھی توڑا نہیں تھا۔ پھوپھی کی سب سے چھوٹی بیٹی شازیہ اس کی بیسٹ فرینڈ تھی۔ شازی کی شادی بھی پچھلے ماہ اپنے چچا کے بیٹے سے ہوئی

تھی۔ شازی بیاہ کر اسی محلے کی تیسری گلی میں آئی تھی۔ مگر ساس کی نازک مزاجی کے باعث کم کم ہی آتی تھی اور سونی تو بغیر کسی وجہ کے کسی کے گھر جاتی نہیں تھی۔ سو ملنا ملانا بہت کم ہو کر رہ گیا تھا۔

"پھوپھی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ گھڑی دو گھڑی کے لیے گئی تھی۔" اس نے منہ بنا کر بتایا۔

"تو ٹھہر جاتی۔" اماں بی نے سادگی سے کہا۔

"ساحی کا بچہ ٹھہرنے دیتا تب نا۔" سونی نے ان سے بھی زیادہ سادگی کا مظاہرہ کیا۔

"قسم سے اماں بی! جتنی دیر بھی بیٹھی رہی ساحی نے ٹہوکے مارے تھے اور گاڑی میں چٹکیاں میرے بازو میں بھری تھیں۔ بیچ نیل پڑ گئے تھے۔"

"اللہ تمہاری خوشیوں کو سدا قائم دائم رکھے، سہاگ سلامت رہے۔" اماں بی نے ہنستے ہوئے دعائیہ کلمات کہے تھے اور یہ ان کا مخصوص انداز تھا۔ ان کے لبوں پر دعائیں رہتی تھیں۔ سونی اس محبت پر ہمیشہ دل ہی دل میں مشکور رہتی۔

"کچھ دیر تو بیٹھیے۔" اس نے بھی ہمیشہ کی طرح اصرار کیا۔

"چلتی ہوں بیٹی! کافی دیر ہو گئی ہے۔" وہ اٹھنے لگی تھیں۔

"ساحی سے ضرور بات کرنا، میں منتظر رہی ہوں گی۔" جاتے جاتے انہوں نے ایک دفعہ پھر یاد دہانی کروائی تھی۔

"میں ضرور بات کروں گی۔ اگر ساحی مان گیا تو مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" سونی نے خوشدلی سے کہا۔

"جیتی رہو بیٹی! اللہ تیری گود بھرے۔ بس میری یہی دعا ہے رب تعالیٰ تیری جھولی کو بھر دے۔" اماں بی آبدیدہ ہو گئی تھیں۔ سونی محض سر جھکا کر رہ گئی تھی۔ اور یہ تو اس کا دل جانتا تھا جو اس کمی پر پہروں رویا کرتا تھا۔ اماں بی چلی گئی تھیں۔ سونی نے چائے کے گندے برتن دھو کر رکھے۔ شام تک وہ اماں بی کی درخواست ذہن میں محفوظ رکھے ہوئے تھی مگر ساحی کو دیکھتے ہی سب کچھ دماغ سے نکل گیا۔ بلکہ وہ اپنے سوا کچھ یاد رہنے ہی کہاں دیتا تھا۔

"سونی! اور سونی! کہاں گئی ہو۔" ساحی کی بائیک رکنے کی آواز آئی تھی اور دوسرے ہی لمحے وہ چیختا ہوا اندر داخل ہوا۔

"کیا ہوا ہے؟" ہمیشہ کی طرح سونی دہل کر اس کی طرف آئی۔

"یہ دیکھو میں تمہارے لیے کیا لایا ہوں۔" وہ ایک ڈبا ہاتھ میں پکڑے اس کے ارد گرد گھوم رہا تھا۔

"کیا ہے؟" سونی مارے اشتیاق کے مچل اٹھی۔

"تمہیں بھی میرے لیے کچھ لے کر آنا یاد رہا۔"

"ایسے تو نہیں کھولنے دوں گا۔" ساحی نے پیکنگ میں لپٹا ڈبا پیچھے کر لیا۔

"اس میں ہے کیا؟" وہ مچلی۔

"بوجھو۔" ساحی جان بوجھ کر اس کے تجسس کو ہوا دے رہا تھا۔

"بتا دو نا۔"

"اگر بتا دیا تو مارو گی تو نہیں۔" ساحی نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"کوئی فضول چیز ہو گی۔" اسے غصہ آ گیا۔

"ہاں، واقعی۔ تم نے بوجھ ہی لیا۔ اچھی خاصی ذہین ہو۔ پھر بھی۔ انٹر میں بورڈ والوں کی سازش کی وجہ سے فیل ہو گئی تھیں۔" ساحی نے اسے چڑایا۔

"اور تم نے بی اے کی نہ جانے کتنی رشوت دے کر ڈگری حاصل کی تھی۔" سونی نے بھی بدلہ چکایا۔

"اپنے ملک کے سیاست دانوں کی طرح نہ سمجھو مجھے۔" وہ بھی کہاں چوکتا تھا۔

"میرا بھیجا مت کھاؤ۔ جلدی سے بتاؤ اس میں کیا ہے۔" سونی بھی تجسس کے ہاتھوں مجبور تھی۔

"لال بیگ۔" ساحی نے اطمینان سے کہا۔

"تم سے مجھے یہی امید تھی۔" وہ جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔

"دفتر میں لال بیگ پکڑتے رہتے ہو۔"

"تو اور کیا؟" سامی سنجیدہ تھا۔
"باس نے اپنی بیوی کے لیے لے کر جانے تھے' بھی نے اپنی اپنی بیویوں کے لیے دو' دو' چار' چار پکڑ لیے۔ میں نے بھی سوچا تمہیں کیوں ناخوش کر دیا جائے۔"
"بورے کمینے ہو۔" وہ جل بھن کر رہ گئی۔
"مجھے پتا ہے۔" سامی ہنس رہا تھا۔
"ویسے تمہاری اماں زندہ ہوتی نا تو اپنی لاڈلی کے زبان سے نکلنے والے شعلوں کو دیکھ کر خود کشی کر لیتیں۔ میں تمہارا شوہر ہوں سونی! تمہیں بار بار کیوں تمہیں یاد دلانا پڑتا ہے۔" وہ تاسف سے بولتا گیا۔
"جانتی ہوں۔ بتانے کی ضرورت نہیں۔" سونی نے بے نیازی سے کہا۔ وہ سامی کے اتارے جوتے' جرابیں وغیرہ ٹھکانے لگا رہی تھی۔ سامی کا شلوار قمیص باتھ روم میں لٹک رہا تھا۔ وہ پالش اور برش دراز میں سے نکال لائی۔ فوراً" جوتے بھی دوبارہ سے چمکا ڈالے تھے۔ وہ آج کا کام کل پر چھوڑنے والوں میں سے نہیں تھی۔ پھر بھی سامی کے شکوے ختم ہونے کا نام نہیں لیتے تھے۔
"یہ لال بیگ تم نے اچھا کیا ہے لے آئے ہو' بریانی کے ساتھ کھا لینا۔"
"حساب برابر کر چکی ہو تو ادھر دیکھو۔" وہ اس کے سامنے دو زانو بیٹھ چکا تھا۔
"کیا ہے؟" سونی پھاڑ کھانے کو دوڑی۔
"یہ ہے بریسلٹ۔" چھوٹا سا ڈبا کھل چکا تھا۔ سونے کا نازک سا بریسلٹ' سونی دم بخود رہ گئی تھی۔
"سامی! تم نے یہ کب خریدا؟ اور کیسے؟"
"کب اور کیسے کو مارو گولی' بتاؤ پسند آیا۔" اس لمحے سامی کی آنکھیں جگر جگر کر رہی تھیں۔ یوں کہ سونی کا دل بری طرح پھڑ پھڑانے لگا تھا اور وہ ان آنکھوں کی چمک سے نظر چرا گئی تھی۔
"ماشاء اللہ۔" اس کے ہونٹوں سے صدا نکلی۔ اور یہ صدا بریسلٹ کے لیے نہیں تھی' سامنے بیٹھے خدا کے اس شاہکار کے لیے تھی۔ جو اس کا کچھ تھا۔ اور جس کی طرف نظر بھر کر دیکھنا بھی دھڑکتے دل کے لیے قیامت تھا۔
"پسند آیا۔" وہ بریسلٹ سامی نے اس کی کلائی میں سجا دیا تھا اور لمحہ بھر کے لیے سونی کو یوں لگا تھا بریسلٹ بے قیمت ہو کر رہ گیا ہے۔ سانولی سی گول مٹول نرم کلائی میں پھنسا چمکتا دمکتا بریسلٹ سونی کو پیارا نہیں لگ رہا تھا۔ بس یہ کلائی اتنی خوب صورت تھی جس میں یہ قیمتی بریسلٹ اپنی قیمت کو بڑھا رہا تھا۔ اس کے منفی خیالات سے انجان سامی بہت پر جوش تھا۔
"اتنے عرصے سے تمہیں کوئی ڈھنگ کا تحفہ دینے کے لیے سوچ رہا تھا۔ اپنی سالگرہ پر تمہیں سوٹ دیا تھا۔ تمہاری سالگرہ پر تم نے سویٹر لے لیے' وہ بھی میرے لیے' بجٹ نے اجازت ہی نہیں دی تھی۔ شادی کی سالگرہ بھی روکھی پھیکی گزر گئی۔ تمہاری پھوپھی بیمار تھیں۔ دوسری سالگرہ ہم نے منائی ہی نہیں۔ یاد ہے تم جامن کے درخت سے گر گئی تھیں تیسری بھی فلاپ ہو گئی۔ اور چوتھی کے لیے یہ چھوٹی سی گفٹ۔" سامی نے اس کا ہاتھ تھام کر چوما۔ "اب تو خوش ہو نا۔" وہ اس کا گال تھپتھپا رہا تھا۔
"ہاں... خوش تو میں بہت ہوں۔ لیکن اتنے قیمتی تحفے کی کیا ضرورت تھی۔ اپنا جیب دیکھنا تھا۔" وہ سنبھل کر بولی۔
"یہ تحفہ تم سے قیمتی نہیں۔" وہ پورے دل سے مسکرایا۔
"اب بات بعد میں' وقت بہت ہو گیا ہے۔" سونی جوتے پالش کر چکی تھی۔ اب ہاتھ دھونے باتھ روم میں جا رہی تھی۔
"کھانا۔" سامی نے دہائی دی۔
"ابھی آ رہی ہوں' تم ہاتھ منہ تو دھو لو۔"
"میرے حصے کے تم دھو آنا۔" اسے سخت بھوک لگی تھی اور وہ میز پر سجے لوازمات بھی دیکھ چکا تھا۔ سونی آئی تو وہ کرسی کی بجائے میز پر بیٹھا بریانی کھا رہا تھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح ٹوکنے کی بجائے خود بھی کھانا کھانے لگی تھی۔ سامی کا موڈ بہت خوشگوار تھا اور وہ چاہتی تھی کہ اس کا موڈ اسی طرح خوشگوار ہی رہے۔ کیونکہ روک ٹوک سامی کو کریلوں کی طرح بری لگتی تھی جو سونی نے چپکے سے میز پر سے اٹھا دیے تھے۔

☼ ☼ ☼

سونی یعنی سونیا باقر' بانو بیگم اور باقر شریف کی اکلوتی اولاد تھی۔ ماں اور باپ کی آنکھ کا تارا۔ بھی بھی نفیسہ کی لاڈلی' دلاری بچی۔ اماں بی کی عمران جان شاگرد' اماں بی نے اسے قرآن پاک بھی پڑھایا تھا اور اس کی اماں اس لیے بھی اماں بی کی بہت عزت کرتی تھیں۔
ابا کی وفات کے بعد اماں نے بڑے سلیقے سے وقت بتایا۔ چناب بازار میں ابا کی سات دکانیں تھیں۔ جن کا کرایہ باقاعدہ وصول کیا جاتا تھا۔ یہ ہی ذریعہ آمدن تھا۔ اماں کی فہم و فراست اور اماں بی جیسے لوگوں کے تعاون سے اچھا وقت گزرنے لگا تھا۔ معاشی طور پر سونی کو اماں نے کسی بھی بنیادی ضرورت سے محروم نہیں رہنے دیا۔ ہمیشہ اچھا کھلایا' اچھا پہنایا' اچھی تربیت کی۔ تھوڑی ضدی اور جذباتی تھی' اماں کا خیال تھا وقت کے ساتھ ساتھ ٹھیک ہو جائے گی۔
اماں کا ساتھ بھی مختصر رہا تھا۔ ابا کے جانے کے نو سال بعد چل بسیں۔ اماں بی اور پھوپھی کے سہارے نے سونی کو کبھی بے سہارا نہیں ہونے دیا۔
پھوپھی اسے اپنے ساتھ اپنے گھر لے گئی تھیں۔ چار سال وہ پھوپھی کے پاس رہی' پھوپھی کی شفقتوں اور محبتوں سے دامن بھرتی رہی۔
شازی اور سونی نے ایک ساتھ انٹر کے پرچے دیے تھے۔ شازی پاس اور وہ شاندار طریقے سے فیل ہو گئی تھی۔ اماں بی انٹر کے رزلٹ کا سن کر مٹھائی کے ڈبے سمیت پھوپھی کے گھر آ گئیں۔ سونی کو ڈھیروں پیار کیا تھا۔
"راشدہ کا لڑکا پاس ہوا ہے' جلیبی دینے آئی تھی' مجھے خیال آیا کہ میری سونی نے بھی بار ہویں کے پرچے دے رکھے ہیں۔ بس پھو کو بھیج کر مٹھائی منگوائی اور فوراً" آ گئی۔" وہ خوشی خوشی بتا رہی تھیں۔ سونی کے لیے سوٹ بھی لائی تھیں' جو شازی کو پسند آ گیا۔
"اماں بی! یہ تو برا ہوا۔"
"کیوں؟" اماں بی تذبذب کا شکار ہو گئیں۔
"یہ سوٹ اسے ملنا چاہیے' جو پاس ہوا ہے۔" شازی نے سونی کا کالر کھینچا۔
"کیا مطلب؟" اماں بی حیران سی بولیں۔
"اماں بی! آپ کی لاڈلی تو فیل ہو گئی ہے۔" شازی نے پٹاخہ چھوڑا۔
"نہیں..." اماں بی بے یقین سی شرمندہ شرمندہ سونی کو دیکھنے لگیں۔ گویا پوچھنا چاہ رہی تھیں کہ "بچی! کیا یہ ٹھیک بول رہی ہے۔"
"اماں بی! پرچے چیک کرنے والا کوئی بڑا ہی سنگ دل تھا۔ گول گول انڈے دیتا رہا۔ دیتا رہا' دیتا رہا۔" سونی نے منہ بسور کر کہنا شروع کیا۔
"بچی! کیا وہ مرغ تھا۔" اماں بی اور بھی حیران ہوئیں۔
"مرغ نہیں' مرغی انڈے دیتی ہے۔" شازی چہکی۔
"مگر اس نے سونی کو انڈے کیوں دیے۔" اماں بی گویا اٹک کر رہ گئیں۔
"یہ انڈے لینے کے قابل تھی اماں! سارے پرچے خالی پکڑا آئی تھی' بغیر کچھ لکھے۔" شازی نے راز اگل دیا تھا۔
"سونی! کیا یہ سچ کہہ رہی ہے؟" اماں بی کو اب بھی یقین نہیں آیا تھا۔
"جی اماں بی!" سونی نے اثبات میں سر ہلایا۔
"اچھا... تم دل چھوٹا مت کرو' اب کے محنت کر کے پھر سے پرچے دینا۔" انہوں نے اس کی ہمت بندھائی۔ "راشدہ کا لڑکا بھی تیسری مرتبہ کامیاب ہوا ہے۔"
"محنت کرنا اسے پسند ہے' ہر کام کو دلجمعی سے کر سکتی ہے مگر سوائے پڑھنے کے' کتاب دیکھتے ہی محترمہ کے پسینے چھوٹ جاتے ہیں۔" شازی سچ کہہ

رہی تھی۔ سونی بغیر برا مانے گلاب جامن کھائے جا رہی تھی۔

"اماں بی! مٹھائی تو بڑے مزے کی ہے۔"

"تمہیں پسند آئی۔" اماں بی خوش ہو گئی تھیں۔ اب وہ بٹوہ کھولے دو مڑے تڑے نوٹ نکالنے لگی تھیں۔ پھر یہ نوٹ انہوں نے شازی کے ہاتھ میں دبا دیے۔

"مجھے خبر ہوتی کہ تم بھی بارہویں میں پاس ہوئی ہو تو تمہارے لیے بھی جوڑا لاتی۔ اب یہ رکھ لو۔"

"اماں بی! میں تو مذاق کر رہی تھی۔" شازی شرمندہ ہو گئی۔

"رکھ لو شازی! اماں بی کو تمہارا انکار کرنا برا لگے گا۔" سونی اب انگلیاں چوس رہی تھی۔ پھوپھی اماں بی کے لیے چائے لے کر آئی تھیں۔

"بیٹی! اتنا کچھ کیوں اٹھا لائی ہو۔" اماں بی سخت خفا ہوئیں۔

"کوئی بات نہیں اماں بی! ہم جو ہیں آپ کا ساتھ دینے والے۔" سونی نے کباب اور سموسے پلیٹ میں رکھ لیے۔

"سونی نے ٹھیک کہا۔" شازی کیوں پیچھے رہتی، فوراً ایک سموسہ اور کباب اچک لیا۔ حالانکہ پھوپھی دونوں کو بیک وقت گھور رہی تھیں۔

"پھوپھی! آپ بھی لیں نا۔" اماں بی کے "نہ نہ" کرنے کے باوجود سونی ان کی پلیٹ میں کچھ نہ کچھ رکھ رہی تھی اور اب وہ پھوپھی کے آنکھیں دکھانے کے باوجود بڑی معصومیت سے انہیں بھی پلیٹ میں آخری بچا ہوا سموسہ آفر کر رہی تھی۔ اماں بی نے تو صرف بسکٹ لیے تھے۔ باقی سب کچھ ان دونوں نے چٹ کر دیا۔ اماں بی کے جانے کے بعد ان دونوں کو خوب جھاڑ پڑی تھی۔ اور وہ دونوں ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہوتی رہیں۔

"کاش میں پاس ہو ہی جاتی۔" سونی نے چکنے شازی کے دوپٹے سے ہاتھ پونچھے۔

"اچھا۔ وہ کس لیے۔"

"اماں بی کے لیے۔" سونی اٹھ کر ذرا دور بیٹھ گئی تھی۔ "میرے فیل ہونے کی خبر نے انہیں کافی رنجیدہ کر دیا تھا۔"

"اگلی دفعہ اماں بی کو خوش کر دینا۔" شازی برتن دھونے لگی تھی۔ دوپٹہ اتار کر کرسی کی پشت پر رکھا تھا، مگر پلو کو دیکھ کر چونک گئی۔

"یہ کیا ہوا ہے؟"

"کیا؟" سونی نے چونکنے کی بھرپور اداکاری کی۔

"میرے نئے سوٹ کا دوپٹہ تھا ہائے یہ کس بد نظر نے کیا ہے۔" شازی رو دینے کو تھی۔

"مجھے تو لگتا ہے کسی نے ہاتھ پونچھ ڈالے ہیں۔" باریک بینی سے پلو ہاتھ میں لیے جلدی اور گھبراہٹ میں اس نے سچ اگل دیا۔

"کسی نے نہیں، تم نے تمہارے علاوہ کون ہے اس وقت گھر میں۔" شازی خطرناک تیور لیے اس کی سمت بڑھی تھی، جبکہ سونی "پھوپھی جی! بچائیں۔" کی دہائی دیتی سرپٹ بھاگ گئی۔

☆ ☆ ☆

"تم جانتی ہو اماں نے کیا حکم صادر کیا ہے۔" شازی جلتی کلستی چھت پر چلی آئی تھی۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ سونی کینوؤں سے بھری ٹوکری لیے چھت پر بیٹھی ہو گی۔

"میں نہیں جانتی۔" وہ کینو کا رس نکال رہی تھی۔ ساتھ ساتھ پھانکیں کھا بھی رہی تھی۔

"تم جانو گی کیسے۔" شازی کا انداز بھرپور طنز لیے ہوئے تھا۔

"کھانے کے علاوہ تمہارا دھیان کب کسی اور چیز پر ہوتا ہے۔ کھانا اور سونا وہی تو تمہارے شوق ہیں۔"

"اور نہیں میرے یہ ہی دونوں شوق ایک آنکھ نہیں بھاتے۔" وہ دلجمعی سے اپنے کام میں مصروف رہی۔

"شوق تو ڈھنگ کے پالتی کھانا اور سونا۔" شازی نے کھا جانے والی نظر سے کینوؤں سے بھری ٹوکری کو دیکھا۔

"اور کام کرنا، بے حساب، بے شمار۔" وہ بھی جتا دینے میں ماہر تھی۔ "کام چور! تیرے جیسے کا کام بھی کرتی ہوں۔ انرجی ڈاؤن ہو جاتی ہے، تبھی تو کچھ نہ کچھ کھاتی رہتی ہوں۔"

"پھر بھی بے حساب کھانے کے باوجود جسم پر ماس نہیں آرہا، وری سیڈ۔" شازی نے تاسف کا برملا اظہار کیا۔

"اور تم بغیر کھائے پیے پھٹنے کے قریب پہنچ چکی ہو۔"

"تمہاری طرح کھا لیا یا مستقل کوئی ہوتا رہا تا کھاتی ہوں تو نظر بھی آتا ہے۔" شازی نے ایک کینو اٹھا لیا۔

"تمہارے بھی لگے ہیں۔"

"ہاں۔"

"کون لایا۔" شازی نے میٹھا رسیلا کینو دو منٹوں میں چٹ کر لیا تھا۔ اب وہ ایک اور اٹھانا چاہتی تھی۔

"اماں بی نے بھجوائے ہیں، گھر کی دیکھ ریکھ وہی تو کرتی ہیں۔" وہ اس کا ارادہ بھانپ چکی تھی، تبھی ٹوکری بائیں سے دائیں طرف منتقل ہو چکی تھی۔

"ایک اور دو نا۔" شازی نے لجاجت سے کہا۔

"سوری! میں نے تین گلاس جوس پینا ہے۔"

"مگر یہ تو چار سے بھی اوپر ہو جائے گا۔ بس بھی کرو، انہیں نمک لگا کر کھاتے ہیں۔" شازی کے منہ میں پانی بھر آیا۔

"ایک گلاس تمہیں بھی ملے گا اور دوسرا پھوپھی جی کو۔" وہ ہاتھ کی مشین سے جوس نکال رہی تھی۔ اماں کے جہیز کی مشین تھی جو اس نے ساحر کے ہاتھ منگوائی تھی گھر سے۔ وہ بڑی مہارت سے ہینڈل گھما کر جوس نکال رہی تھی۔ ہاتھ کی مشین سے احتیاط کے ساتھ رس نکالنا پڑتا تھا، تاکہ چھلکے کی کڑواہٹ جوس میں گھلنے نہ پائے۔

"جیو، میری جان! ہزاروں، لاکھوں برس۔" شازی اس عنایت پر کھل اٹھی۔

"بددعا تو نہ دو۔" وہ خوامخواہ بھنائی۔

"بددعا نہیں دیتی، تم مجھے ایک کینو دے دو، یہ تو بڑے مزے کے ہیں۔" شازی نے للچائی نظر سے اسے دیکھا۔

"جوس کے علاوہ کچھ بھی نہیں ملے گا، ہاں، یہ چھلکے نہیں، کھانا چاہو تو شوق سے کھا سکتی ہو۔"

"اور مجھے دو۔"

"بھاگو یہاں سے، جوس بھی نہیں دوں گی۔" اس نے دھمکایا۔ "ویسے تم چھت پر کرنے کیا آئی تھیں۔"

"شکر ہے، تمہیں خیال تو آیا پوچھنے کا۔" وہ ٹھس کر رہ گئی۔

"بتاؤ۔" وہ اپنا کام ختم کر چکی تھی۔ چھت پر لگی ٹونٹی کھول کر ہاتھ دھوتے ہوئے بولی۔

"اماں نے آگے پڑھنے سے منع کر دیا ہے۔" شازی کو رونا آگیا تھا، سچ مچ کا رونا۔

"تو نہ پڑھو۔" وہ ہاتھ دوپٹے سے خشک کرتی بے نیازی سے بولی۔

"آستین کی سپولن۔ کیسے منہ پھاڑ کر کہہ دیا ہے نہ پڑھو، جبکہ میں چاہ رہی ہوں تم اماں کو راضی کرو۔" شازی پھاڑ کھانے کو دوڑی۔

"پھوپھی جی ہرگز نہیں مانیں گی، اگر انہوں نے منع کر دیا ہے تو بس کر دیا۔ کوئی بھی انہیں منا نہیں سکتا، حتیٰ کہ زمین پر لوٹیں لگا کر پیسے مانگتا ساحر بھی نہیں۔" وہ اطمینان سے بولی۔ ساحر شازی کا چھوٹا بھائی تھا۔ اور پھوپھی کا بہت لاڈلا بھی تھا۔

"وہ میری شادی کرنا چاہتی ہیں۔" شازی بسوری۔

"مجھے خبر ہے، کب جا رہے ہیں ہم رشتہ دیکھنے، دہی بھلے اور فروٹ چاٹ کھانے۔" سونی نے چٹخارا لیا۔

"بس تم تو کھانے پر مرتی رہنا۔" شازی جل کر اٹھی۔ منڈیر پر سے کپڑے اتارے۔

"تو اور کس پر مروں۔" وہ جوس کا تیسرا گلاس چڑھاتے ہوئے بولی۔

"وہ ہے نا میری رشتے کی خالہ کا سوتیلا بیٹا۔" شازی معنی خیزی سے مسکرائی۔

"کون؟" وہ حیران ہوئی۔
"سامی اور کون؟" شازی ہنس رہی تھی۔
"دیکھو اس نہ کر۔" وہ برا مان گئی۔
"غصہ کھانے کی کیا بات ہے، مرتا ہی ہے تو سامی پر مرو، کچھ حاصل بھی ہو، ویسے ہے تو وہ دیکھنے کی چیز۔" شازی نے آنکھ دبائی۔
"تم نے کب دیکھا اسے۔" وہ بھنویں اچکا کر دیکھ رہی تھی۔
"ایک ہزار ایک مرتبہ تو دیکھا ہے۔ سامی کی فوتگی پر، قل اور دسویں والے روز، چالیسویں کے بعد بھی خالہ اور سامی آتے رہے تھے نا، تیری خبر گیری کے لیے۔" شازی کپڑے تہ کرنے کے ساتھ ساتھ کن انکھیوں سے اسے بھی دیکھ رہی تھی، جو بیچ میں کسی سوچ کے زیر اثر دور بہت دور پہنچی ہوئی تھی۔
"سامی!" اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ آمنا سامنا تو بے شمار مرتبہ ہوا تھا۔ خوش مزاج اور شوخ و شریر سا خالہ کا سوتیلا بیٹا حسام سہیل، کھلتی رنگت، سیاہ آنکھیں، کھڑی ناک، جس پر اسے بڑا ہی مان تھا۔ ہر دفعہ اس پر نظر پڑتی تو وہ لمحہ بھر کو ضرور رک جاتا تھا اور پھر دانستہ کوئی نہ کوئی شریر سا جملہ بھی اچھال دیتا۔ اماں کی عیادت کے بہانے کئی مرتبہ خالہ کے ساتھ آیا تھا۔ خالہ، اماں کی دور کی کزن تھیں۔ اماں کو ان سے خصوصی لگاؤ تھا۔ وہ بھی اماں سے ملنے آتی جاتی رہتی تھیں۔ جب سے وہ پھوپھی کے ساتھ آئی تھی، خالہ نے چکر نہیں لگایا تھا۔
"تم تو سامی کی تصور میں گم ہو گئی ہو، بہن! لوٹ آؤ اپنے حواسوں میں۔" وہ اس کی آنکھوں کے سامنے چٹکی بجاتے ہوئے بولی۔
"دفع دور۔" سوفی بری طرح سے جھینپ گئی۔
"ایک بات کہوں؟" اس نے ڈرتے ڈرتے اجازت طلب کی۔
"برے منہ سے اچھی بات نکالنا۔" سوفی نے وارننگ دی۔
"سنو تو۔" شازی قدرے آگے کو جھکی۔ "سامی کے ساتھ تیری خاص بے تکلفی ہے۔"
"کچھ خاص بھی نہیں۔" سوفی نے بے نیازی دکھائی۔ "خود بے تکلف ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ شاید اس کا مزاج ہی ایسا ہے اور پھر مجھ سے گالیاں سنتا ہے۔"
"اور گالیاں سن کر کیا کرتا ہے؟" وہ بے حد سنجیدگی سے پوچھ رہی تھی۔
"خوش ہوتا ہے۔ ہنستا ہے۔" سوفی نے لاپروائی سے کہا۔
"اچھا۔" وہ معنی خیزی سے ہونٹ سیکڑنے لگی۔ "مجھے تو لگتا ہے۔"
"کیا؟" سوفی بغیر اس کے کہے ہی سمجھ گئی تھی جبھی پھاڑ کھانے کو دوڑی۔
"سامی کو تجھ سے خاص قسم کا لگاؤ ہے۔"
"وضاحت کرنا پسند کرو گی۔" سوفی نے طنزیہ کہا۔
"بھئی صاف لفظوں میں کہوں گی تو تمہیں بظاہر تو برا لگے گا البتہ دل ہی دل میں لڈو پھوٹ رہے ہوں گے۔" وہ کپڑے تہ کر چکی تھی۔ اب فرصت سے چارپائی پر پھسکڑا مارے بیٹھ گئی۔
"بکو۔" سوفی نے انجان بننے کی بھرپور ایکٹنگ کی۔
"مجھے تو گول مول باتیں کرنا نہیں آتیں۔ صاف بات کروں گی۔ سامی اور تمہاری خالہ کا اینٹ پتھر کا بیر ہے۔ ایک شیر ہے تو دوسرا سوا سیر۔ شیر اور بکری ایک گھاٹ پر اکٹھے آتے رہے ہیں۔ یعنی تمہارے دال میں کچھ کالا تو ضرور ہے۔" شازی نے شرارت سے آنکھیں پٹپٹائیں۔
"باسوں جلو مری بہن کی طرح ڈیلوں کو مت مٹکاؤ اندازے لگایا کرو۔" وہ دل کی بے قابو ہوتی دھڑکنوں کو ڈپٹتے ہوئے بولی تھی۔
"مجھے تو لگتا ہے۔ سامی تجھ سے محبت کرتا ہے۔ عنقریب تمہارا ہاتھ مانگنے آئے گا۔ لکھوا لو مجھ سے۔"
"اور میں اتنی احمق ہوں۔ اپنا ہاتھ کاٹ کر اسے دے دوں گی۔ ہونہہ۔" سوفی نے تنک کر کہا۔
"تم احمق نہیں ہو بلکہ احمقوں کی ملکہ ہو۔" شازی نے اپنا ماتھا پیٹا تھا۔ "اماں کے پاس آئے گا۔ تیرا رشتہ مانگنے۔"
"اچھا۔" سوفی نے طنزیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ "مجھے تو لگتا ہے۔ سامی تیرے سے مشورے کرتا ہے روزانہ۔"
"یہی سمجھ لو۔" وہ مزے سے پیر جھلانے لگی۔
"تو ڈیئر شازی! تم بھی ایک بات ذہن نشین کر لو۔ سامی جیسے خوبرو نوجوان کو بھلا پاگل کتے نے کاٹا ہے کہ مجھ سے محبت کرنے کی حماقت کرے۔ ہے ہی کون میری، بھلا کیا کمی ہے۔ جہاں بھی جائے حسینائیں تتلیوں کی طرح صنف نازک کو کھینچ لیتی ہیں اپنی طرف۔ اماں کی وفات پر تو مجھے ہوش نہیں تھا البتہ دسویں اور چالیسویں پر میں نے سامی کے گرد "ہالے" کا جمگھٹا دیکھا ہے نا۔ اور بالیوں کی لوؤں تک تو اس پر فدا ہوتے ان گناہ گار آنکھوں نے دیکھا ہے۔ مجھے تو لگتا تھا تمام خواتین بیٹیوں سمیت سامی سے روابط بڑھانے کے لیے آئی ہیں۔" سوفی بے حد سنجیدہ تھی۔
"ایسے لڑکے ہمارے گلی محلوں میں کسی ہیرو کی طرح پہچان بنا لیتے ہیں۔"
"سامی معاشی طور پر بہت کمزور ہے۔ اپنا گھر بھی نہیں، کرائے کا مکان وہ بھی ڈیڑھ کمرے کا۔" شازی سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔ "ٹھیک ہے۔ ہم بھی سفید پوش لوگ ہیں۔ ابا کی دودھ، دہی کی چلتی دوکان ہے۔ یہ تین کمروں کا مکان ہے، لیکن ہے تو اپنا۔ سامی تو ابھی تک کوئی کام دھام بھی نہیں کرتا۔"
"کام سے تو لگا ہوا ہے۔"
"بڑی معلومات ہیں۔ واہ جی واہ۔" شازی گویا یہی سب سننے کے لیے سنجیدہ خانم بنی ہوئی تھی۔ "وہ کس نوعیت کے کام سے منسلک ہیں جناب!"
"خالہ کسی کا پوچھنے پر بتا رہی تھیں۔ رنگساز کی دوکان پر کام کرتا ہے۔"
"چلو اب تو ہماری اماں اعتراض کا کوئی نقطہ بھی نہیں اٹھائیں گی۔ لڑکا برسر روزگار ہے۔ رج کے سوہنا ہے۔ ہماری سوفی کا دل سے طلبگار ہے۔" شازی کی زبان تان اسٹاپ چل پڑی تھی۔
"بکومت۔" سوفی برا مان گئی۔ "میں خوابوں اور خوش گمانیوں میں رہنے والی نہیں ہوں اور نہ ہی میں سامی کے حوالے سے خوابوں کے تاج محل کھڑے کر سکتی ہوں۔"
"خوش رہو۔ سامی کی طرف سے نکاح کا پیام آئے تو تم کیا جواب دو گی۔ اماں بھی رضامند ہوں۔ اور بھی کسی کو اعتراض نہ ہو۔" نجانے کیوں شازی سوفی کو کھلنے پر اسے بھی مجبور کر رہی تھی۔
"میں ایسا کچھ بھی فرض نہیں کر سکتی۔" ایکدم اس کے تاثرات پتھریلے ہو گئے تھے۔ اپنے نازک آبگینے سے دل کو وہ کسی بھی قسم کی ٹھیس پہنچانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ "میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی۔"
"مگر اب سوچنا شروع کر دو۔" شازی نے چٹکی بجائی۔
"تم کہنا کیا چاہتی ہو۔" اب کے سوفی سچ مچ ٹھٹک گئی۔
"جو تمہیں کچھ کچھ سمجھ میں آ چکا ہے۔" وہ چہکی۔
"شازی!" سوفی کا چہرہ ایک دم سرخ ہو گیا۔ "تم ایسے سنگین مذاق بھی کرنے لگی ہو۔"
"یہ مذاق سنگین نہیں رنگین ہے۔ ٹوٹلی گلرفل۔" وہ ہنس رہی تھی۔
"بکتی ہو یا لگاؤں دو جھانپڑ۔" اس کے ضبط کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔
"ہو۔ ہو، اتنی بے صبری۔" وہ اس کی بے چینی سے لطف اٹھا رہی تھی۔
"شازی۔" اس نے دانت پیستے ہوئے شازی کے بازو پر مکا جڑا۔
"جا رہی ہوں میں۔" وہ سچ مچ اٹھ کر سیڑھیوں کی طرف بڑھنے لگی تھی۔ محض اپنی آنکھ میں اترنے والی نمی کو چھپانے کے لیے۔
"سوفی! رکو تو، سنو تو۔" شازی چلائی۔
"مجھے رکوں گی نہ سنوں گی۔"
"سننا تو تجھے پڑے گا۔ وہ جو تیری رشتے کی خالہ ہیں

تا ان کے سوتیلے بیٹے نے تیرے لیے نکاح کا پیغام بھجوایا ہے۔ بتانا منظور ہے یا نہیں۔" شازی نے بالاخر دھماکا کرہی دیا تھا۔ ساتویں سیڑھی پر رکھے اس کے قدم ہی نہیں۔ پوری سونیا یا فرازڈ کر رہ گئی تھی۔

"کیا۔" اس کی دل کی دھڑکنوں نے اودھم مچا ڈالا۔

✻ ✻ ✻

"اماں نے مجھے تیری رضامندی لینے کے لیے بھیجا ہے۔" وہ گاجر کترتی اس کے کان میں گھس کر چلائی تھی۔ سونی کپڑے دھو رہی تھی۔ مشین کا بزر بھی بجے جا رہا تھا۔

"میرا کان پھاڑنا ہے کیا۔"

"مشین کا کان مروڑ کر اسے تو چپ کراؤ۔" شازی نے کاہلی سے موڑھا گھسیٹا اور بیٹھ گئی۔

"دیکھ نہیں رہی۔ میں کپڑے کھنگال رہی ہوں۔ تم ہی اس کا کان مروڑ دو۔"

"سوری میں جس کام کے لیے آئی ہوں بس وہ ہی کروں گی نہ یہ کون سا معمولی کام ہے۔" وہ سست الوجود تھی اور اس کی ساری سستی چچا کے گھر جا کر ہوا ہو گئی تھی۔

"کون سا کام؟" وہ مصروف سے انداز میں بولی۔

"تمہاری رضامندی۔"

"تمہیں کیوں بتاؤں۔" آن کی آن میں ڈھیروں لاج برس پڑی تھی گویا۔ شازی کو زور کی کھانسی آگئی۔

"تیری رضا تو ان آنکھوں میں اترتے رنگوں نے اچھی طرح بتادی ہے۔" اب وہ اسے چھیڑ رہی تھی۔

"میں نے سارا معاملہ پھوپھی جی پر چھوڑ دیا ہے۔ وہ جو بھی فیصلہ کریں۔ مجھے اعتراض نہیں ہوگا۔ ابا اور اماں کے بعد وہ ہی میری سرپرست ہیں۔ میرا سب کچھ ہیں۔" سونی حد درجہ سنجیدگی سے بولی۔

"ایسے رشتے ہمارے جیسے گھروں میں آئیں تو نیازیں بٹنے لگتی ہیں۔ ارد گرد نظر دوڑاؤ تو ہر گھر میں تین، چار لڑکیاں اچھے رشتوں کا معمولی سے معقول رشتے کے انتظار میں سروں میں چاندی لیے بیٹھی ہیں۔" شازی کے لہجے میں واضح دکھ کی جھلک تھی۔ سونی بھی رنجیدہ ہو گئی یہ مسئلہ تو ان جیسے معمولی مڈل کلاس گھرانوں کا المیہ بنتا جا رہا تھا۔

"تو اماں کی طرح بالوں کو لال مہندی سے رنگتی کیوں نہیں۔ ایسے نیک مشورے تو ثواب کا کام ہیں۔ تم یہ بیڑا اپنے ناتواں کندھوں پر اٹھالو آپا!" سائر کبوتر کو چنے لگانے قریب پڑی چارپائی پر ڈھے گیا تھا۔

"کمینے اماں کہہ گئے تھے صبح سے۔" شازی کو چھوٹے بھائی کی مداخلت ہمیشہ کی طرح زہر لگی۔

"بہت دفعہ سمجھایا ہے بڑوں کے درمیان مت بولا کرو۔ مگر تمہاری عقل میں بات سماتی نہیں۔"

"کبوتروں کے پیچھے خوار ہو رہا تھا آپا! تم جانتی تو ہو پھر بھی زخم ادھیڑنے سے باز نہیں آتیں۔" سائر نے شاید کسی ڈرامے کا ڈائیلاگ جھاڑا تھا۔ آپا سخت اشتعال میں آگئی۔

"کتاب کو ہاتھ مت لگانا۔ غلطی سے کہیں پاس ہی نہ ہو جاؤ۔"

"اس معاملے میں میرا سونی آپا کا نقش قدم پر چلنے کا ارادہ ہے۔" سائر نے شان بے نیازی سے کہا۔

"سونی آپا کو تو بس چند دنوں کی مہمان ہی سمجھو۔" شازی کا دھیان پھر سے بٹ گیا۔

"کسی ڈاکٹر نے بتایا ہے یا حکیم صاحب نے۔" سائر غم کی شدت سے دوہرا ہو گیا تھا۔

"بے عقل! میرا مطلب ہے سونی کو ڈولی میں بٹھانے کا وقت قریب آگیا ہے۔ تو ڈولی کا ڈنڈا پکڑنے کی تیاری کر۔" شازی نے سائر کا کندھا تھپتھپایا۔

"سچ آپا۔" سائر الگنی پر کپڑے پھیلاتی سونی سے لپٹ گیا۔

"سچ مچ پھیلنے۔" شازی نے لقمہ دیا۔

"آپا! بہت یاد آؤ گی۔" سائر خوامخواہ جذباتی ہونے لگا۔ آٹھویں کا اسٹوڈنٹ تھا۔ مگر حرکتیں پانچویں کے بچوں جیسی۔ سونی نے پیار سے اس کے ماتھے پر چپکے بال ہاتھ سے پیچھے ہٹائے۔

"تم بھی بہت یاد آؤ گے۔"

"مگر تم جا کہاں رہی ہو۔" اس نے معصومیت سے پوچھا۔

"پیا کے دیس۔" جواب شازی کی طرف سے آیا۔

"ہائے سچی۔" وہ خوشی سے جھوما۔ "یہ کون سا ملک ہے؟"

"ہیں۔" سونی اور شازی کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"میرا مذاق اڑا رہی ہو۔" سائر برا مان گیا۔

"ہماری مجال۔" ان دونوں نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"آپا! پردیس جا کر مجھے مت بھولنا۔" وہ ٹھنک کر کہہ رہا تھا۔ "ٹافیاں اور چاکلیٹ بھجواتا۔ ہو سکے تو کپڑے اور جوتے بھی۔ دل چاہے تو ایک کرکٹ کٹ بھی بھیج دینا۔ اپنی خوشی سے۔ جو مرضی لے آیا کرنا۔ کبھی منع نہیں کروں گا۔ سائر دل توڑنے کا تو میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ تصور بھی نہیں کر سکتا۔"

"عقل کو ہاتھ مارے ورنہ تیری آپا اٹلی یا فرانس نہیں جا رہی۔" سونی نے اسے خوابوں کی دنیا سے کھینچ کر باہر نکالا۔

"تو پھر کہاں جا رہی ہو۔" سائر نے ہونق پن کی انتہا کردی۔

"سونی پورہ جا رہی ہے۔ یعنی شادی کے بعد اپنی اماں کے گھر۔" شازی کے انکشاف نے سائر کو بدمزا کر دیا تھا۔

"سونی پورہ سے تو لیموں، یا پھپالک، گاجر، بینگن، بھنڈی کے ٹوکرے ہی آیا کریں گے۔"

"اٹھ کر کپڑے بدل لو، بلکہ نہالو۔ میں یہ کپڑے بھی ساتھ ہی دھو رہی ہوں۔"

"رہنے دو آپا! ابھی تو میں پی جن فلائنگ کی آخری پرواز دیکھنے جا رہا ہوں۔" سائر ایک دفعہ پھر اٹھ گیا۔

"ٹانگیں توڑ کر رکھ دوں گی۔" شازی ڈنڈا پکڑ کر اٹھ گئی۔

"پہلے اوپر تو دیکھو۔"

"کیا ہے؟" شازی نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ سائر نظر بچا کر بھاگ گیا تھا۔

"وہ تو نکل گیا ہے۔" سونی نے ہنسنا شروع کر دیا۔

"یہ ہوا لوٹ کر یہیں آنا ہے۔" وہ اسے دھمکا رہی تھی۔

"اللہ کرے سونی آپا کی جگہ تم ہی پیا کے دیس رخصت ہو جاؤ۔" وہ جاتے جاتے بھی اسے چڑانے سے باز نہیں آیا۔

"تیری جان تو چھوٹ جائے گی۔"

"تیری جان نہیں چھوڑ کر جانے والی۔"

"بڑے بول مت بولو آپا! یہ نہ ہو کل ہی چاچی اور لیاقت بھائی تجھے لینے آجائیں۔" وہ چمک کر پلٹا۔ "میں تو جلیبی پر ختم لوا کر محلے میں بانٹوں گا۔"

"قطمے منہ تیری اوقات کا۔" شازی جل بھن کر رہ گئی۔ "تیرے جیسے بھائی ہوتے ہیں۔ ہونہہ بہنوں کا مان تم ہو گے۔؟"

"تمہارا نہ سہی، سونی آپا کا مان ضرور بنوں گا۔" وہ کالر کھڑے کرتے ہوئے بولا۔ "آپا! یہ تو بتاؤ، تمہیں کس کے کھونٹے سے باندھا جا رہا ہے۔"

"بڑی بہنوں کا ذرا بھی لحاظ نہیں۔" سونی نے تاسف سے ماتھا پیٹا۔ "بے شرم! ایسی باتیں آپاؤں سے نہیں پوچھتے۔"

"اچھا۔" وہ سچ مچ شرمندہ ہو گیا۔ "سوری آپا۔"

"سوری کے بچے! چل غسل خانے میں گھس۔ بدبو کے بھبکے اٹھ رہے ہیں تیرے آس پاس سے۔" شازی اسے گھسیٹ کر غسل خانے کی طرف لے گئی تھی۔ جبکہ وہ "سونی آپا بچاؤ۔" کی گردان کیے چلا رہا تھا۔

✻ ✻ ✻

خالہ نہ جانے کس دل کے ساتھ شگن کا سامان لے کر آئی تھیں۔ ساحی کے ساتھ ان کا روایتی سا تعلق تھا۔ انہوں نے ہمیشہ ہی ساحی کو اپنا سوتیلا بیٹا سمجھا تھا۔ ساحی کے ساتھ انہوں نے کبھی بھی اچھا سلوک نہیں کیا تھا۔ اسے ذہنی طور پر ہمیشہ ٹارچر کرتی رہی تھیں۔ غرض وہ ساحی کے لیے بدترین سوتیلی ماں

ثابت ہوئی تھیں۔ اور سننے میں آیا تھا کہ سامی کے مجبور کرنے پر ہی وہ سولی کا رشتہ لے کر آئی تھیں کہ اب وہ اسی سوتیلے بیٹے کے رحم و کرم پر تھیں جس کو تین تین وقت بھوکا رکھ کے اور گرما کی دوپہروں میں چھت پر کھڑا کروتی تھیں وہ بھی ننگے پاؤں۔ اور یہ سزا میں چودہ سال تک سامی کا مقدر رہی تھیں۔

بہت اعلا اور قیمتی سامان نہیں تھا۔ مگر جو کچھ بھی تھا بہت اچھا تھا۔ سولی کو سب کچھ پسند آیا۔ اور جب خالہ نے اسے بتایا کہ خریداری سامی نے کی ہے تو سولی کا دل نجانے کتنی ہی مرتبہ خوشی کے احساس سے جھوما۔

خالہ بیمار تھیں ظاہر ہے وہ تو بازار جا نہیں سکتی تھیں۔ سامی کو ہی تمام بھاگ دوڑ کرنا پڑ رہی تھی۔ حالانکہ پھوپھی نے سامی کو فضول خرچی سے منع کر رکھا تھا۔

اسی شام سامی کا فون آگیا تھا۔ مگر مسئلہ یہ تھا کہ فون پھوپھا کے کمرے میں رکھا ہوا تھا۔ شازی نے اپنے زرخیز دماغ سے ترکیب ڈھونڈ ہی نکالی تھی۔ دوسرے ہی پل وہ پھوپھا کے کمرے میں پہنچ گئی تھی مگر چائے کی پیالی کے بغیر۔

"چائے لائی ہو۔؟"

"نہیں ابا۔" شازی گڑبڑائی۔

"میرے موزے لینے ہیں۔ آج انہیں مت دھونا' صبح تک سوکھیں گے نہیں۔" وہ اپنا حساب کتاب کر رہے تھے۔

"جی ابا! موزے ہی لینے آئی تھی۔" شازی بلاوجہ ہی مسکرائی۔ "ابا! آپ کو چاچا رسول بخش بلا رہے تھے۔"

"تم نے بتایا کیوں نہیں۔ کون آیا تھا بلانے۔" ابا کو سارا حساب کتاب بھول گیا۔ چاچا رسول بخش ابا کے قریبی عزیز از جان دوست تھے۔ بے چارے معذور تھے' چلنے پھرنے سے قاصر۔ ابا شام کے وقت ضرور ان سے ملاقات کی غرض سے جاتے تھے مگر ٹیلی فون کو چھوٹا سا تالا لگا کر۔

"ٹیپو آیا تھا۔" وہ جھوٹ پر جھوٹ بولے جا رہی تھی۔

"اپنی ماں کو بتا دینا۔ میں جا رہا ہوں' رسول بخش کی طبیعت خراب نہ ہو۔۔۔" ابا فکرمندی سے باہر نکل گئے۔ شازی نے جوش کے عالم میں ابا کا دراز کھولا۔ چابی باآسانی مل گئی تھی۔ لکڑی کا باکس جھٹ سے کھل گیا۔ وہ بھاگ کر سولی کو بلا لائی تھی۔

"شازی! کیا مذاق ہے یہ۔" وہ سرتاپا کانپ رہی تھی۔

"سامی سے بات کرلو۔ فٹافٹ آجاؤ۔" شازی زبردستی اس کا ہاتھ کھینچ کر فون کے پاس لے آئی۔ اس نے سامی کا نمبر نہ جانے کہاں سے لیا تھا۔

"یہ لو' کرو بات۔" وہ ریسیور اسے زبردستی پکڑا کر خود پلنگ پر بیٹھ گئی۔

"میں نہیں کروں گی۔" اس نے ریسیور کو یوں پھینکا گویا کوئی ظالم سا اژدھا ہو۔ فون سے سامی کے بولنے کی آواز آرہی تھی۔ ناچار شازی کو بات کرنا پڑی۔ اور وہ نان اسٹاپ شروع ہوگئی۔

"آپ کی خیریت پوچھنے کے ارادے سے فون کیا ہے۔" شازی نے سامی کی کسی بات کے جواب میں چہک کر کہا۔

"جناب! وہ پاس ہی موجود ہیں مگر ذرا خفا خفا۔" وہ گنگنا کر اسے مسلسل چڑا رہی تھی۔

"کیوں نہیں میں ضرور بات کرواتی مگر جناب کے تیور بگڑے بگڑے ہیں۔" وہ [illegible] لگا کر [illegible] سے بولی تھی پھر ریسیور پر ہاتھ [illegible] شروع ہو گئی "سامی کہہ رہا ہے میں تیور درست کروں گا۔ ذرا ریسیور تو محترمہ کو پکڑاؤ۔ کرو نا بات۔" شازی نے ریسیور اس کے [illegible] پکڑا دیا۔

"تم تو یہاں سے [illegible] میں تمہارے سامنے بات نہیں کروں گی۔"

"لو۔ یاروں سے پردہ داری۔" شازی چہک کر بولی پھر دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے پلٹی۔

"ذرا جلدی سے باہر آجانا۔ ابا کے آنے سے پہلے پہلے۔"

"تم تو دفع ہو جاؤ۔" وہ دانت پیس کر بولی۔

"تمہاری بلی اور ہمیں ہی میاؤں۔" شازی ہنستے ہوئے باہر نکل گئی تھی۔

"شکر ہے تمہاری آواز تو سنائی دی ہے۔" ایئر پیس میں سے سامی کی آواز سنائی دی۔ سولی کے دل کی دھڑکن بے قابو ہو گئی تھی۔

"تم نے دن کو بھی فون کیا تھا۔؟" سولی کو کوئی بات نہ سوجھی تو بے تکا سا سوال جڑ دیا۔

"ہاں۔"

"شازی کے ساتھ مل کر پلاننگ بھی انہی نے بنائی ہوگی۔"

"تو اور کیا۔" وہ بغیر جھجکے اعتراف سے بولا۔

"کرو بات پھر۔" گویا احسان عظیم کیا گیا تھا۔ سامی عش عش کر اٹھا۔ "میں ذرا یہ کچھ کھا کر مر ہی نہ جاؤں؟"

"اللہ نہ کرے۔" وہ گھبرا اٹھی۔ "کم از کم اچھا تو بول لیا کرو۔"

"میں برا بولتا ہوں۔ بدشگونی کی باتیں کرتا ہوں۔" وہ ٹھنک کر بولا۔

"تو اور کیا۔"

"تم ہی کسی اچھی بات سے آغاز کر لیتیں۔" سامی نے نفیس سا شکوہ کیا۔

"میں فون رکھ رہی ہوں۔" وہ گھبرا کر بار بار دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"ارے یہ غضب مت ڈھانا۔" سامی دبی آواز میں چیخا۔

"کیا ہوا؟" وہ اور بھی گھبرائی۔

"ابھی فون مت رکھنا۔" گویا التجا کی گئی تھی۔

"پھوپھا آجائیں گے۔"

"نہیں آئیں گے۔ شازی نے چاچا رسول بخش کے گھر انہیں بھیجا ہے۔ گیارہ بجے سے پہلے نہیں آئیں گے۔" وہ مطمئن تھا۔

"گیارہ بجنے میں صرف دس منٹ باقی رہ گئے ہیں۔ آنکھیں کھول کر گھڑی کی طرف دیکھو۔" اس نے گویا جتا کر کہا تھا۔

"اچھا۔" وہ سچ مچ گھڑی کی طرف دیکھ کر چونکا۔

"ابھی تو بات بھی [illegible]"

"[illegible]"

"تمہیں میری خریداری پسند آئی۔؟"

"ہاں۔"

"صرف ہاں۔" وہ بسورا۔

"ہاں' ہاں' ہاں۔"

"یہ ہوئی نا بات۔" سامی کھل اٹھا "ایک سوال کا اور جواب دو۔؟"

"کیا؟" وہ خوفزدہ ہو گئی۔

"تمہیں میرا ساتھ دل سے قبول ہے۔؟"

"جی۔" اس نے اطمینان سے بھرا سانس لیا۔

"صرف جی۔" وہ گویا چیخ کر رہ گیا۔

"جی' جی' جی۔" سولی نے پھر سے گردان کی۔

"جیو میری جان! دل خوش کر دیا ہے۔ باقی کے دن سکون سے گزریں گے۔" وہ چہکا۔

"فون رکھ دوں؟" سولی نے اجازت طلب کی تھی۔

"ابھی سے۔" وہ ناراضی سے بولا "تم فون رکھو' میں کال کرتا ہوں۔"

"نہیں پھر سہی۔" وہ ہکلائی۔

"یار! ڈر کیوں رہی ہو۔ پھوپھا کچھ نہیں کہیں گے۔ میں نے ان سے پرمیشن لے کر دن کو فون کیا تھا مگر تم نجانے کہاں تفریح کرنے نکلی ہوئی تھیں۔"

"میں پھوپھی جی کی دوائیں لینے سائرہ کے ساتھ اسٹور تک گئی تھی۔" وہ تفریح کی ناراضی کے ساتھ تشریح کرنے لگی۔

"تو کام کے بہانے نجانے کہاں کہاں آوارہ گردی کرتے ہو۔"

"یہ ہوائی کس دشمن نے اڑائی ہے۔" وہ چیخا۔

"تمہارا دھیان آپ میں ہی اٹکا رہتا ہے جناب۔" سولی تو کہہ کر پچھتائی تھی۔

"یہ ہماری خوش نصیبی ہے۔" وہ گویا کورنش بجا لایا۔ "اور کیا کیا جانتی ہیں ہمارے بارے میں۔"

"بہت کچھ۔" اس نے اختصار سے کام لیا۔

"پھر بھی کیا کیا؟" وہ جاننے کے لیے بے چین ہوا۔
"یہی کہ خوبصورت لڑکیوں کو تاڑتے ہو۔"
"یہ تمہیں کس نے بتایا ہے؟ نرا جھوٹ۔" ساحی ماننے سے انکاری ہو گیا۔ "میں نے تو صرف ایک لڑکی کو تاڑا تھا۔ اور وہ تم ہو۔ اپنے بارے میں تو تم اچھی طرح سے جانتی ہو نا۔" اب وہ سونی کو چھیڑ رہا تھا۔
"کیا میں خوبصورت نہیں ہوں۔" سونی نے ضد کے زیر اثر پوچھا۔
"مجھے تو لگتی ہو مگر۔" اس نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔
"مگر کیا؟" وہ جھنا کر بولی۔
"مگر آئینہ تو سچ ہی بولتا ہے نا۔" ساحی نے معصوم بن کر کہا۔
"خود بڑے شہزادۂ عالم ہو۔" وہ بل کھا کر رہ گئی تھی۔
"خبردار جو آئندہ مجھ سے بات کرنے کی کوشش کی۔"
"مجھے بھی تمہاری سڑی ہوئی باتیں سننے کا کوئی شوق نہیں۔" وہ بھی ساحی تھا۔ کیوں پیچھے رہتا۔
"ہونہہ۔" سونی نے جھنا کر فون بند دیا تھا۔ ادھر ساحی نے بھی یہی عمل دہرایا۔ یہ بھی ان کی پہلی باضابطہ لڑائی۔ اس کے بعد لڑائیوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ خوشگوار آغاز کا انجام ایسا ہی کھٹی میٹھی لڑائیوں اور جھڑپوں سے آراستہ۔
سونی کے مزاج میں حاکمیت تھی جو ساحی کو سخت ناپسند تھی۔ وہ ضدی بھی تھی۔ منہ سے نکلی ہر بات منوا لینا چاہتی تھی۔ ایک اضافی خوبی یہ بھی تھی کہ اسے غصہ بھی جلدی آتا تھا۔ مگر اترنے میں بھی زیادہ دیر نہیں لگتی تھی۔ وہ پل میں جھاگ کی طرح بیٹھ جاتا۔

☼ ☼ ☼

شادی سے صرف چار دن پہلے خالہ چل بسیں۔ ساحی کو سخت تپ چڑھ گئی کئی دن اس نے پھوپھی کے گھر کے چکر لگائے تھے۔ ایک دن پھوپھی نے [illegible] کہنا شروع کر دیے۔ شازی اور وہ [illegible] رہی تھیں۔ پھوپھی گاجریں چھیل رہی تھیں۔ مربہ بنانے کے لیے ساحی پھوپھی کے قریب موڑھے پر بیٹھا تھا۔
"سونی کی خالہ جنت کے باغوں میں سیر کریں ہمیشہ پر جاتے جاتے بھی میرا کام بگاڑ کر ہی گئی ہیں۔ اچھی بھلی تاریخ طے تھی۔ دعوت نامے تقسیم کر دیے تھے۔ میری خوشی برداشت نہ ہو سکی۔" وہ جلا بھنا بیٹھا تھا۔
"چپ! یہ تو اللہ کے کام ہیں۔ تمہاری اماں کا بلاوا آ گیا تھا' جانا تو تھا ہی۔" پھوپھی نے سادگی سے اسے ٹھنڈا کرنا چاہا۔ شازی اور سونی اپنی ہنسی چھپانے میں ہلکان ہو رہی تھیں۔
"اس وقت بلاوا آ جاتا تو اچھا تھا۔ جب دھوپ میں میری کمر سینکا کرتی تھیں۔ سچ بتاؤں' پھپھی! بہت مارا کرتی تھیں۔ رات بھر جھوکا رکھتیں۔ دن بھر گدھے کی طرح جوتے رکھتیں۔ ابا کاٹھ کے وہ۔ ابا تھے' اب انہیں کیا کہوں۔ دونوں میاں بیوی جنت مکانی' ہماری تو یہی دعا ہے۔ دونوں کی دعائے مغفرت کرتا ہوں۔ پر میری بچپن میں مانگی بددعائیں عین شادی سے چار دن پہلے پوری ہوئی ہیں بطور میری سزا کے۔"
"اللہ کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے۔ چار دن شادی آگے ہو گئی ہے تو اس میں بھی کوئی بہتری پوشیدہ ہو گی۔" پھوپھی نے نرمی سے سمجھایا تھا پھر سونی سے مخاطب ہوئیں۔ "ساحی کو گاجر کا رس نکال کر دے دو بیٹی!"
"اچھا پھوپھی!" وہ خوشی خوشی اٹھ گئی۔ کیونکہ گاجر کا رس اسے خود بہت پسند تھا۔
"نہ پھوپھی! مجھے نہیں پینا۔" ساحی نے منہ بنایا۔
"کیوں پتر!" پھوپھی نے نرمی سے پوچھا۔ "کیا چائے پیو گے؟"
"نہ جی۔"
"تو پھر؟" سونی نے کلس کر پوچھا۔
"کھانا۔"
"واہ جی واہ۔" شازی جھومی۔ "تم ہماری برادری سے ہو یعنی کھانے پینے کے شوقین۔"
"جی نہیں۔" ساحی نے ان کی خوش فہمی دور کی۔ "میں کھانے کے بعد کچھ نہیں کھاتا اور کھانا میں کھا کر آ رہا ہوں۔"

"ہم نے تو کڑاہی بنائی تھی۔ سوچا تھا تم آؤ گے تو کھائیں گے۔ چلو بھئی سونی! ہم خود ہی کھا لیتے ہیں۔" شازی نے بے تابی سے ہاتھ جھاڑ کر کہا۔
"کڑاہی کس نے بنائی۔" ساحی نے گاجر کترتے ہوئے پوچھا۔
"میں نے۔" جواب سونی کی طرف سے آیا تھا۔ ساحی کو ادھر سے ہی جواب کی توقع تھی۔
"اور کیا کچھ بنانا آتا ہے؟" باقاعدہ انٹرویو کا آغاز ہو گیا۔
"دیسی گوشت اور۔" ابھی وہ [illegible] گئی تھی جب چوبارے سے [illegible] جھانک کر لقمہ دیا۔
"ساحی بھائی! مجھ سے پوچھیں۔ آپا کو سب بنانا آتا ہے۔ دیسی گوشت' مرغی' بھنا گوشت' بانٹی گوشت' ٹب گوشت' کڑاہی گوشت' فرائنگ پین چکن' بھنڈی بانڈی' اروی کی پالک کو کر' دال کو کر' پائے کو کر' نیہ کو کر' ہر [illegible] والی ڈشز تھیں۔ تو کباب' کباب ٹرے تلے جاتے تھے' گولا کباب' بارود کباب' سیخ کباب' توپ کباب' بندوق کباب سب آتا ہے میری آپا کو بنانا۔" بڑے فخر سے سینہ پھلا کر سائرہ نے کہا تھا۔
سونی اور شازی نے گویا ماتھا پیٹا تھا جبکہ ساحی بھائی تو گویا جھوم اٹھا۔
"میرے بھائی! مجھے ایک مشورہ تو دے۔" ساحی نے سوچتے ہوئے کہا۔
"جی بھائی! بولیے۔" ساحی پتنگ کی ڈور اپنے دوست کو تھما کر نیچے چلا آیا۔
"فیوچر پلاننگ کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ کیا میں ایک ہوٹل نہ کھول لوں؟"
"ضرور کیوں نہیں۔" سائرہ نے زور و شور سے اثبات میں سر ہلایا۔
"کک کی تو ضرورت نہیں پڑے گی۔"
"تو اور کیا۔" وہ سنجیدگی سے سر ہلاتا رہا۔
"تمہاری آپا جو ہے۔ ہر فن مولا۔ جسے بندوق اور توپ کباب بھی بنانے آتے ہیں۔ دال کو کر اور پائے کو کر بھی بنا سکتی ہے۔ ٹب گوشت اور بانٹی گوشت تمہاری آپا کے اضافی کمالات ہیں۔ تو پھر میرا تو فائدہ ہی فائدہ ہوا نا۔" ساحی نے سنجیدگی کے ریکارڈ توڑے۔
"آپ ہوٹل میں کام کریں اچھی لگے گی کیا۔" سائرہ نے [illegible] کے بعد بر لانے کی کوشش کی۔
"ابے گدھے! اٹھ' جا کر اپنا کام کر۔" شازی نے چپل اٹھائی ہی تھی۔ وہ واقعی اٹھ کر بھاگ گیا۔
"تم کہاں کھسک رہی ہو؟" ساحی نے نظر بچا کر کچن کی طرف جاتی سونی سے پوچھا۔
"بھوک لگی ہے؟" وہ منمنائی۔
"ناشتا نہیں کیا تھا۔" ساحی نے ہمدردی سے پوچھا۔
"کیا تھا۔" سونی نے اثبات میں سر ہلایا۔
"کیا کھایا تھا ناشتے میں؟" اس نے سرسری سے انداز میں پوچھا تھا جبکہ سونی تو تفصیل سنانے کے لیے بیٹھ گئی۔
"دو فرائی انڈے' دو چھوٹے پراٹھے۔ شازی اتنا سا پیڑہ لیتی ہے۔" باقاعدہ دو انگلیوں کا دائرہ بنا کر دکھایا گیا تھا۔
"دو گلاس لسی پی تھی۔ پھر مجھے سخت نیند آئی۔ مگر کام بھی تو ضروری تھے۔ برتن دھوئے' صفائی کی' کپڑوں کے ڈھیر کو استری کیا۔ پھر سو گئی' صرف دس منٹ سوئی تھی۔ بھوک نے جگا دیا تھا۔ سوجی کا حلوہ گرم کر کے جلدی جلدی سے کھایا۔ ایک کپ چائے پی۔ صبح کا بچا ہوا پراٹھا کھایا۔ پھر چکن کڑاہی بنائی۔ شازی نے بتایا تھا تم نے آنا ہے۔ پھوپھی نے کہا' رس ملائی بھی بناؤ۔ کھانا بنایا' گندم صاف کی' تمہاری باتیں سنی اور پھر سے بھوک لگ گئی ہے۔"
"ماشاء اللہ' پیٹ ہے کہ کنواں۔" ساحی نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔
"سب کھایا پیا کہاں جاتا ہے؟" ساحی کا اشارہ اس کی صحت کی طرف تھا۔
"نظر لگانے والے بھی تو بہت ہیں۔" وہ شازی کو چڑا رہی تھی۔
"دیکھ رہے ہو ساحی! یہ قدر ہے ہماری۔"

"غم نہ کھاؤ میری بہنا! ہماری قدر اتنی بھی نہیں۔" سامی خواہ مخواہ جذباتی ہوا۔

"کیسی توپوں کی سلامی دوں تمہیں۔" سونی بھنا کر پلٹی۔

"مجھے سلامی دینے سے زیادہ اہم کام مرغ کو چیرنا پھاڑنا ہے۔" آپ جا کر اپنا شغل فرمائیے، چکن کڑاہی آپ کو پکار رہی ہے۔" سامی نے پچکار کر کہا۔

"ہم تو گویا کچھ کھاتے نہیں، سونگھتے ہو صرف۔" سونی نے جواب دینا ضروری سمجھا۔

"اس رفتار سے تو نہیں کھا سکتا۔"

"سونی کے ساتھ رہو گے تو ایسی ہی رفتار پکڑ لو گے۔" شازی بھی سونی کے پیچھے کچن کی طرف بھاگی تھی۔

"پھوپھی جی! یہ دونوں کتنا کھاتی ہیں۔"

"تو اور کیا۔" پھوپھی کو اپنے دکھڑے یاد آگئے تھے کہ کس طرح ان دونوں کے بابرکت ہاتھوں کی بدولت راشن ہفتہ بھر میں ہوا ہو جاتا ہے۔

☼ ☼ ☼
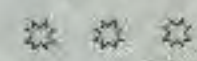
سونی، پھوپھی کے گھر سے رخصت ہو کر اپنی اماں کے گھر آگئی تھی۔ زندگی میں گویا رنگوں کی برسات اتر آئی تھی۔ سامی کی بے پایاں محبت توجہ اور چاہتوں کے سنگ وقت سبک خرامی سے گزرنے لگا تھا۔ کمی تھی تو صرف اس ننھے منے وجود کی جو ان کی خوشیوں کے ستاروں کو قوس و قزح سے سجا دیتا۔

ایک معمول سے گزرتی زندگی کے سمندر میں تلاطم بھلا کب اور کیسے آیا؟

صبح اور شام کی اس کہانی کے صفحات پورب سے آتی ہوا نے پھڑپھڑائے تھے اور صفحہ قرطاس پر کچھ اور ہی نئے انداز میں رقم ہونے لگا۔

بہار سر جھکائے آنسو پیتی چپکے سے کسی اور دیس نکل گئی تھی اور خزاں نے نخوت سے [illegible] درختوں کے نوحوں کو سنا اور استہزائیہ ہنس دی۔

سورج اپنی نرم کرنوں کو سمیٹ [illegible] غروب میں

تپش سی محسوس ہونے لگی تھی۔ دوپہر میں بھی آنگن میں بیٹھنا محال ہو گیا تھا۔ اپریل کی آخری تاریخیں تھیں۔ موسم نے ایک دم ہی کروٹ بدل لی تھی۔ دن اور راتیں نہ جانے کیوں اداسی کی لپیٹ میں گم ہو کر رہ گئے تھے۔

آج صبح سے سونی پر نامعلوم سی سستی سوار تھی۔ معمول کے کام بھی بس جیسے تیسے نبٹائے تھے۔ بڑے دن ہوئے تھے اماں بی نے چکر نہیں لگایا تھا۔ ورنہ سونی کی طبیعت اماں بی سے ملاقات کے بعد فریش ہو جاتی تھی اور اماں بی کی گزارش اور درخواست تو سونی کے ذہن سے نہ جانے کب کی پرواز کر چکی تھی۔ سامی سے بات کرنا، مشورہ کرنا تو دور کی بات تھی، ذہن میں اماں بی کی التجا محفوظ ہوتی تو کرائے داروں کے بارے میں سوچا جاتا۔

سامی نے آج دیر سے آنا تھا۔ آج پھر سے چناب بازار کی دکانوں کا کرایہ ملنا تھا۔ سامی نے گھر کے لیے ضروری سامان خریدنا تھا۔ سو وہ جانتی تھی کہ سامی دو، تین گھنٹوں سے پہلے آنے والا نہیں۔

وہ کھانا تو کب کا بنا چکی تھی۔ چکن بریانی، کڑھی کوفتے اور میٹھے میں کھیر، ایک ہی تو سونی کا شوق تھا۔ اچھا پکانا اور رج کے کھانا۔

رات کے آٹھ بج چکے تھے گلیاں [illegible] ہی سنسان ہو جاتی تھیں۔ چھوٹے [illegible] کے محنت کش لوگ تھکے ہارے بستروں پہ لیٹتے ہی خراٹے لینے لگتے۔ مگر آج کچھ الگ اور انوکھی سی باس فضا محسوس کر رہی تھی۔

گلی میں معمول سے ہٹ کر چہل پہل، ہلکی ہلکی سرگوشیاں، [illegible] سے دبی آوازیں، کسی کے چیخنے اور چلانے کی چنگھاڑ، جواباً "دروں میں دبی سسکیاں" آہیں۔

"یا رب! یہ معاملہ کیا ہے؟" سونی تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر بیرونی گیٹ تک چلی آئی، جھری میں سے دیکھا تو بہت سے چہرے نظر آئے۔ تنویر باجی، خالہ بتول، چاندنی، بے بے نعمت اور نہ جانے کون کون۔

سونی نے دروازے کا پٹ کھول کر باہر جھانکا

تھا۔ تقریباً سبھی کے گھروں کے کواڑ کھلے تھے۔ عورتیں اور بچیاں جھانک رہی تھیں۔ کچھ چوبارے پر لٹکی ہوئی تھیں۔ سونی حیران ہی تو رہ گئی۔

"تنویر باجی! کیوں کھڑی ہیں؟"

"ارے سونی! تم کیسی ہو؟" تنویر باجی نے سونی کو دیکھ کر خوشی کا بے ساختہ اظہار کیا۔

"میں ٹھیک ہوں۔ آپ سب یہاں اس وقت کیوں کھڑی ہیں، خیریت تو ہے؟" سونی ا[illegible] کا کواڑ پکڑے کھڑی تھی۔ تنویر باجی نے [illegible] جلدی جلدی اپنا دروازہ بند کر کے اس کے پاس چلی آئیں۔

"آؤ، تم بھی دیکھو، یہاں تو اچھا خاصا تماشا لگا ہے۔"

"کیا ہوا؟" وہ اور بھی حیران ہوئی۔

"کوثر نے اماں بی کے مہمانوں کو گھر سے نکال دیا ہے۔" تنویر باجی نے تاسف سے کہا۔

"کیوں؟" سونی کا منہ بے ساختہ کھل گیا۔

"کوثر سدا کی زبان دراز ہے، بے چاری ماں بیٹی پر ایسے گندے گندے الزام لگائے ہیں، رات کے اس پہر گھر سے نکال دیا ہے، سامان اٹھا کر گلی میں پھنکوا کر خود ایسی ایسی غلیظ گالیاں دینے لگی۔" تنویر باجی نے کانوں کو ہاتھ لگا کر دیدے گھمائے۔

"بڑی بے عزتی کی ہے کوثر نے ثروت بے چاری کی، ساری گلی، محلے کے سامنے۔"

"اماں بی کہاں ہیں؟"

"وہ تو پندرہ، بیس دن سے کسی نواسی کی شادی کے سلسلے میں سکھر گئی ہیں۔" تنویر باجی نے مزید اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

"اور وہ مہمان کہاں ہیں؟" سونی ساکت ہی تو رہ گئی تھی۔ پشیمانی کے عمیق گڑھے میں گرنا اسی کو کہتے ہیں۔ "آناً فاناً" اسے اماں بی کی درخواست کا خیال آیا۔ ساتھ ڈھیروں شرمندگی نے گھیر لیا تھا۔

"بے بے نعمت کے گھر۔ اب اس وقت بے چاری کہاں جاتیں، صبح کو کہیں جانے کے لیے نکلیں گی۔"

تنویر باجی [illegible] پلٹ گئی [illegible] بے بے نعمت [illegible] دونوں ماں بیٹی [illegible] میں بیٹھی تھیں [illegible] رنجیدہ، شرمندہ۔

"میں سونی ہوں، اماں بی نے ذکر تو کیا ہو گا۔ آپ خالہ ثروت ہیں اور یہ آپ کی بیٹی سوہنی۔" وہ ان کے قریب ہی دو زانو بیٹھ گئی تھی۔ اس کے نرم ملائم لہجے نے ان دونوں ماں بیٹی کو سر اٹھانے پر مجبور کر دیا۔

"آپ سونی ہیں۔" دودھ اور گلاب سے گندھی اس لڑکی نے اپنی غلافی آنکھوں سے سونی کی طرف دیکھا تھا اور سونی تو اس کے حسن جہاں سوز میں چند پل کے لیے کھو گئی۔

"جی۔ اور میں آپ کو لینے کے لیے آئی ہوں۔" فیصلہ تو ہو چکا تھا اب تو عمل کرنا باقی تھا۔

"ہمیں۔" دونوں ماں بیٹی تحیر زدہ رہ گئیں۔

"جی۔ اٹھیے، میرے ساتھ چلیے۔" سونی اب مسکرا رہی تھی۔ بے حد سادہ اور اجلی مسکراہٹ۔

"کہاں؟" ان دونوں کے مردہ تن میں گویا جان پڑ گئی تھی۔ بھیگی آنکھوں اور اداس ہونٹوں پر شفق اتر آئی۔

"میرے گھر۔" سونی نے کپڑوں کا تھیلا ہاتھ میں پکڑ لیا تھا۔ سوہنی نے دوسرا تھیلا اور ماں کی دواؤں کا شاپر تھاما۔ وہ ان ٹوٹی بکھری دو عورتوں کو سائبان دینے کی غرض سے گھر لے آئی تھی۔ انسان دردِ دل کے واسطے ہی تو پیدا کیا گیا ہے، تخلیق کیا گیا ہے۔

"اس بے درد دنیا میں تیرے جیسے لوگ بھی موجود ہیں بیٹی۔" گھر آنے کے تیسرے دن بعد بھی ثروت خالہ بے یقین تھیں، حیران تھیں، اور سوہنی ششدر۔

"خالہ! اس گھر کو اپنا گھر سمجھیے گا۔ مجھے اماں بی پر پورا پورا اعتماد ہے اور میں آپ کا بھی اعتبار کرتی ہوں، مجھے کسی وضاحت، تسلی یا سرٹیفکیٹ کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ اپنے دل سے سارے بوجھ اتار دیجیے، میں ہی نہیں یہ پورا محلہ کوثر باجی کی فطرت اور مزاج سے بخوبی آگاہ ہے۔" سونی نے حلاوت سے ان کی

تمام پریشانی کو دور کرنے کی کوشش کی۔ وہ جواب کوثر کے رویے کی وضاحت دینا چاہتی تھیں۔ محض آنسو پی کر خاموش ہو گئیں۔

چند دنوں میں ہی سونی کی خالہ اور سوہنی سے اچھی خاصی بے تکلفی ہو گئی تھی۔ ان دونوں کے آنے سے گویا گھر میں رونق سی اتر آئی۔ کسی بزرگ کی موجودگی بھی نعمتوں سے کم نہیں ہوتی۔ خالہ ثروت بہت کم گو، سنجیدہ اور صوم و صلوۃ کی پابند خاتون تھیں۔ سوہنی میں بھی اپنی ماں کی عادتیں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ وہ سونی کے ساتھ بہت جلد گھل مل گئی تھی۔

سامی کو اماں بی کی ان مہمان خواتین کی اپنے گھر میں موجودگی خاصی کھلی تھی۔ پوری رات تقریباً" ان دونوں کی بحث و مباحثے میں گزر گئی تھی۔ اور یہ اسی رات کی بات تھی جب سونی خالہ اور سوہنی کو گھر لے کر آئی تھی۔ سامی نے سنا تو تاؤ کھا کر رہ گیا۔

"ہر ایک پر اعتبار کر لیا کرو، نہ جانے کسے اٹھا کر گھر لے آئی ہو۔"

"مجھے پوری تسلی ہے، تم فکر مت کرو، یہ ہمیں کوئی بھی نقصان نہیں پہنچائیں گی، عزت دار شریف عورت، حالات کی ستائی ہوئی، جوان بیٹی کو لیے در در دھکے کھا رہی ہے۔ اور دنیا کو دیکھنے اور لطف لینے کے لیے ایک تماشا مل گیا ہے۔"

"تم مجھ سے پوچھ تو لیتیں۔" سامی سخت خفا تھا۔

"میں گھر میں کہاں ہوتا ہوں، تمہیں تنہا جان کر اگر کوئی نقصان پہنچا دیں تو پھر؟"

"ایسا کچھ نہیں ہو گا۔" سونی بھی سنجیدہ تھی۔

"میں کچھ نہیں جانتا۔ تم انہیں صبح ہی چلتا کرو۔"

"میں ایسا ہرگز نہیں کروں گی۔" وہ اٹل انداز میں گویا ہوئی۔

"تم بہت بھولی ہو سونی۔" اس نے اپنا چائے کا کپ خالی کر کے سونی کو تھمایا۔ "میری بات [illegible] فائدہ اسی میں ہے، کب تک انہیں گھر [illegible]"

"جب تک خالہ ثروت چاہیں یہاں رہ سکتی ہیں۔"

"ساری زندگی اگر رہنا چاہیں، یہیں ڈیرہ لگا لیں تو پھر۔" سامی نے طنز بھرے انداز میں کہا۔

"میرے دل میں اور گھر میں بہت جگہ ہے۔"

"بھاڑ میں جاؤ تم۔" سامی کو غصہ آ گیا۔ "ہر کسی سے ہمدردی کرنے لگتی ہو، کسی دن سخت چوٹ کھاؤ گی۔"

"کبھی اچھی بات بھی منہ سے نکال لیا کرو۔" وہ بھی برا مان گئی تھی۔ رات بھر سامی خفا ہی رہا تھا اور یہ خفگی سویرے سویرے دو پل میں جاتی رہی۔ خالہ کی میٹھی طبیعت نے سامی کو بھی اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ حالانکہ وہ بہت کم بولتی تھیں اور سوہنی کے حسن کو دیکھ کر تو اچھے بھلے بندے سدھ بدھ بھول جائیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

"لڑکی خوب صورت ہی نہیں معصوم بھی ہے۔ دھوکے باز تو نہیں لگتیں دونوں۔" سامی کے اس تبصرے نے سونی کو غصہ دلانے کی بجائے مسکرانے پر مجبور کر دیا تھا۔

"سوہنی کے حسن کا جادو تو نہیں چل گیا۔"

"توبہ توبہ۔" سامی نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"میری ایسی مجال کہاں۔" وہ بائیک کی چابی اٹھا کر باہر نکل گیا تھا۔ سونی بھی ہنستے ہوئے اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

٭

سونی خالہ کے ہمراہ [illegible] بھی بیٹی کے کپڑے لینے۔ پہلے اماں بی اس کے ساتھ جایا کرتی تھیں مگر اب اسے اماں بی کو بازاروں میں گھسیٹنا خود بھی اچھا نہیں لگتا تھا۔ سوہنی تو اسکول چلی گئی تھی۔ خالہ نے اس کے ساتھ برابر کام نمٹائے تھے۔ حالانکہ سونی انہیں بہت دفعہ منع کرتی رہی تھی۔

"کوئی بات نہیں بیٹی! مجھے کام کرنے کی عادت ہے۔"

"پھر بھی خالہ! مجھے آپ کا کپڑے دھونا تو بالکل پسند نہیں، ہفتے کے روز میں مشین لگاتی ہوں، آپ کے بھی دھو دیا کروں گی۔" وہ بازار سے واپس آ چکی تھیں۔ اب نچلی منزل کے تخت پر ہی بیٹھی تھیں۔ سوہنی دو بجے تک آتی تھی۔ پھر دوپہر کا کھانا اکٹھے ہی کھایا جاتا۔ سونی انہیں الگ سے کھانا بھی پکانے نہیں دیتی تھی۔ دوپہر کے برتن وغیرہ سوہنی دھو لیتی تھی۔ سونی کو محسوس ہوتا تھا کہ اس کی ذمہ داریاں کئی حصوں میں تقسیم ہو گئی ہیں۔

ابھی وہ دونوں باتیں کر رہی تھیں جب اماں بی چلی آئیں۔ سوہنی بھی اسکول سے آ گئی تھی۔ ان دونوں نے جھٹ پٹ کھانا لگا دیا۔

"اماں بی! آپ نے تو مجھ پر بڑا احسان کیا ہے۔" سونی مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"کیسا احسان بھئی؟"

"خالہ اور سوہنی کو میرے پاس بھیج کر۔"

"میں نے تو [illegible] سوہنی لے کر آئی ہو، میں تو جنم جلی کی بد بخت کوثر سے چار دن بھی برداشت نہ کر سکی۔" اماں بی نے افسردگی سے کہا۔

"مگر وسیلہ تو آپ ہی ہیں۔" خالہ نے محبت سے سونی کی طرف دیکھا۔ کھانا خوشگوار ماحول میں کھایا گیا تھا۔ اماں بی اور خالہ دونوں باتوں میں مصروف ہو گئی تھیں جبکہ سونی اور سوہنی دونوں کمرے میں آ گئیں۔ سوہنی کے ہاتھ میں نئے کپڑے تھے، جو وہ الماری میں رکھ رہی تھی۔ سوہنی جانے لگی تو اس نے روکا۔

"کیا کرو گی اوپر جا کر۔"

"سوؤں گی۔ آج تھکاوٹ محسوس ہو رہی ہے۔" وہ سادگی سے بتانے لگی۔

"ادھر ہی سو جاؤ۔" سونی اپنے بیڈ کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔

"یہاں۔" سوہنی گویا اچھل پڑی۔ "آپ کے بیڈ روم میں سوؤں، کبھی نہیں۔"

"کیا حرج ہے۔" وہ حیران ہوئی۔

"سامی بھائی کی جگہ میں کبھی بھی نہیں سوؤں گی۔"

"تو جگہ بدل لیتے ہیں۔ میٹرس نیچے بچھا لیں۔" سونی نے کچھ سوچتے ہوئے ایک حل پیش کیا۔

"آپ ہی اوپر آ جائیں۔"

"یہاں سو جاؤ، اماں بی کو ضرورت ہوئی تو آئے گا، بلکہ خالہ کو بھی اوپر جانا ہے، میں ہی آ جاتی ہوں، خوامخواہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جانا۔" سونی اٹھنے لگی۔

"ارے نہیں، آپ بھی آرام کر لیں۔ میں اور اماں عصر کے بعد نیچے آئیں گی، کھانا میں بناؤں گی، آپ تردد مت کیجیے گا۔" وہ بولتے ہوئے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی تھی۔

"چائے بھی تم نے بنانی ہے، جلدی آ جانا جناب۔" سونی نے ہانک لگائی۔ کچھ دیر بعد اماں بی کمرے میں چلی آئی تھیں۔

"سوری اماں بی! میں نے سمجھا آپ چلی گئی ہیں۔" سونی شرمندہ ہو گئی۔

"سوری موری کی ضرورت نہیں۔ ویسے میں جانے لگی تھی، سوچا جاتے ہوئے تمہیں دیکھ لوں۔" وہ اس کے قریب بیٹھ گئی تھیں۔

"بیٹی! ثروت اور سوہنی تمہیں کیسی لگیں؟"

"بہت اچھی ہیں اماں بی! میرا تو ان دونوں کی وجہ سے بڑا دل لگ گیا ہے۔ ورنہ تو سامی کے جانے کے بعد میرا دن کٹتا ہی نہیں تھا۔" وہ پرجوش سی بتانے لگی۔

"تمہیں کبھی بھی شکایت نہیں ہو گی، ثروت بہت بھلی عورت ہے، بیٹی بھی ماں کا دوسرا روپ ہے۔" اماں بی نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کے نرمی سے دبایا۔ "سامی کو غصہ تو نہیں آیا؟"

"غصہ تو آیا تھا مگر جلدی ہی اتر گیا۔" اس نے سادگی سے بتا دیا۔ "بولا، اماں بی کا کہا ٹالا نہیں جا سکتا۔"

"بڑا نیک بچہ ہے، اللہ تم دونوں کے ساتھ میں برکت ڈالے، جلدی گود ہری ہو تمہاری۔" اماں بی کا دل خوش ہو گیا۔ پھر کچھ سوچ کر وہ بتانے لگی تھیں۔

"ثروت کا قیام زیادہ طویل نہیں ہو گا۔ اس کی سسرالی زمینوں کا جھگڑا چل رہا ہے۔ فیصلہ ہو گیا تو بیٹی کو لے کر اپنے گھر چلی جائے گی۔ ان بدبختوں کو خوف خدا نہیں۔ یتیم بچی کا حق مار کر کون سے محل کھڑے کر لیں

گے۔ اللہ بہتر فیصلہ کرے ان ماں بیٹی کے حق میں۔"

"اماں بی! میری تو خواہش ہے خالہ اور سوہنی ہمیشہ میرے پاس رہیں۔" وہ خلوص دل سے بولی۔

"میں تو خوش نصیب ہوں اماں بی! کہ کسی بے آسرا کو میری وجہ سے ٹھکانہ مل گیا ہے' نہ جانے اللہ کو کوئی سی بھی ادا پسند آجائے۔"

"تمہاری ساری تمنائیں اور نیک خواہشات بارگاہ ایزدی میں قبولیت کا درجہ پائیں۔" اماں بی کی آنکھیں نم ہوگئیں۔

"بیٹی! جانے والے کہاں رکتے ہیں' چار دن آزمائش کے تھے۔ ثروت کی بھی اور ہماری بھی' ہم تو مانو اس آزمائش میں پورا نہیں اتر سکے' فیل ہوگئے' کیا تھا جو دو دن کوثر اور صبر سے کام لیتی۔ یوں انہیں محلے میں رسوا نہ کرتی۔ گھر سے نہ نکالتی۔"

"اللہ کے ہر کام میں بہتری ہوتی ہے۔ کوثر باجی یہ سنگین قدم نہ اٹھاتیں تو میرے ذہن کی کھڑکی بھی شاید نہ ہی کھلتی۔ میں تو بھول ہی چکی تھی کہ آپ نے مجھ سے ثروت خالہ کے قیام کے متعلق کچھ کہا تھا۔"

"یہ رحم بھی خدا کسی کسی کے دل میں ڈالتا ہے۔ ورنہ اس رات تماشائی تو بہت تھے' پر کسی کے دل میں خوف خدا نہ جاگا۔" اماں بی استغفار پڑھتی اٹھ رہی تھیں۔

"بیٹی! دروازہ بند کرلو' ثروت بھی اوپر چلی گئی ہے' سامی عصر کے بعد آجاتا ہے نا۔"

"جی... اگر کوئی کام نہ ہو تو۔" وہ سلیپر اڑس کر اٹھ گئی۔

"تمہاری پھوپھی ٹھیک ہیں اب' کسی دن ان کی بھی عیادت کرنے جاؤں گی۔" اماں بی گویا خود کلامی کے سے انداز میں بول رہی تھیں۔

"پہلے سے بہتر ہیں۔" وہ بھی پر سوچ سی کہنے لگی۔ "اس بے وفا شازی کا حال دیکھو کبھی چکر لگانے کی توفیق نہیں ہوئی' کسی دن جاؤں گی میں سامی کے ساتھ۔" سونی گیٹ بند کرکے اندرونی حصے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

اتوار کے روز سوہنی کی بھی چھٹی ہوتی تھی اور سامی کی بھی۔ مگر اس روز خالہ اور سوہنی نیچے بالکل نہیں آئی تھیں۔ خالہ بہت سمجھ دار اور معاملہ فہم خاتون تھیں۔ اور سونی ان کی سمجھ داری کو دل ہی دل میں بہت سراہتی تھی۔

عام دنوں میں بھی سوہنی اپنا اور خالہ کا رات کا کھانا اوپر لے جاتی تھی۔ جس روز سامی لنچ گھر میں آکر کرتا تھا اس روز بھی خالہ یا سوہنی اپنا کھانا نکال کر لے جاتیں۔ وہ ان کی تنہائی میں کبھی مخل نہیں ہوئی تھیں۔ نہ ہی بلا ضرورت اوپر نیچے کے چکر لگاتی تھیں۔ سامی کا سوہنی سے آمنا سامنا بہت کم ہوتا تھا۔

چھٹی والا دن سونی کا بہت مصروف گزرتا تھا۔ سامی کے فرمائشی پروگرام ہی ختم ہونے کا نام نہیں لیتے تھے اور جب سے سوہنی نے اس کی ذمہ داریاں بانٹ لی تھیں۔ سونی کافی آرام طلب ہوگئی تھی۔ کام نبٹنے اور سمٹنے کا نام نہیں لیتے تھے۔ اب بھی سامی کے لیے چائے بناتے ہوئے اس کے ہاتھ سے برتن چھوٹ چھوٹ کر گرتے رہے۔

"سارا دن پلنگ توڑنے کا یہی نتیجہ ہے۔ تمہیں کام کرنا بھول چکا ہے سونی۔" وہ [illegible] کے لیے معمول کے مطابق اپنا چہرہ [illegible] میں سجا کر کھڑا ہوگیا۔

"میں خالہ کو منع کرتا ہوں۔ اپنی بیٹی کو اوپر تک محدود رکھیں۔ ورنہ سوہنی بھی ناکارہ ہوجائے گی۔ فریج کے پاس کھڑی ہوکر آواز لگاؤ گی۔ سوہنی! ابول تو نکال دو۔ کچھ غلط تو نہیں کہا۔ اتنا مت گھورو' ڈیلے باہر نکل آئیں گے۔"

"دفع ہوجاؤ تم' ورنہ چائے ہرگز نہیں ملے گی۔"

"اس دھمکی سے ذرا پرہیز کیا کرو' میں خالہ سے یا ان کی دختر سے بنوالوں گا۔ ویسے وہ تم سے زیادہ اچھی چائے بناتی ہے۔" سامی نے اسے چڑانا چاہا۔

"واقعی' تم ٹھیک کہتے ہو۔ سوہنی چائے بنائے تو حلق تک خوشبو سے مہک اٹھتا ہے۔" سونی نے زور و شور سے تائید کی۔

"یا حیرت' تم میری بات سے اختلاف نہیں کررہی۔" سامی نے حیران ہونے کی اداکاری کی۔

"ڈھنگ کی بات کروگے تو اختلاف نہیں کروں گی۔"

"یہ چائے بنائی ہے یا جوشاندہ۔" سامی کپ پکڑ کر چیخا۔

"چائے ہے' ذرا آنکھیں کھول کر پیو۔" وہ بے نیازی سے بولی۔

"اتنی کالی تو نہیں پیوں گا۔" کپ سلیب پر پٹخ کر سامی نے ناراضی سے کہا۔

"تو نہ پیو۔" وہ اطمینان سے بولی۔ "ضائع تو نہیں کروں گی۔" وہ اطمینان سے کپ پکڑ کر باہر نکل آئی۔

"مجھے اور بنا کر دو۔" سامی بھی اس کے پیچھے چلا آیا۔

"اب تین گھنٹے بعد ہی ملے گی۔" وہ ٹی وی آن کرکے بیٹھ گئی۔

"یعنی جب تم خود پیوگی۔" سامی چیخا۔ "یہ میری قدر ہے۔"

"نخرہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ تمہارے لیے بنائی تھی' پی لیتے۔" وہ مزے سے چینل سرچنگ میں مصروف ہوگئی۔

"اٹھو... مجھے چائے بنا کر دو۔" سامی کے انداز میں تحکم تھا۔

"سوری... میرا فیورٹ ڈرامہ آرہا ہے۔"

"سونی!" وہ خفگی سے اسے دیکھ کر رہ گیا۔ "ڈرامہ چائے سے زیادہ ضروری ہے۔"

"ہاں...."

"ڈرامہ تم بھی نہیں دیکھ سکوگی۔" وہ بھی سامی تھا۔ غصے سے بھنا کر اٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد لائٹ چلی گئی تھی۔ سونی اپنا سا منہ لے کر رہ گئی۔

"اتنا زبردست سین چل رہا تھا۔ احسن خان اور عائشہ خان بے حیائی کے ریکارڈ توڑ رہے تھے۔"

"سونی!" سیڑھیاں اتر کر سوہنی نیچے چلی آئی تھی۔

"کیا بات ہے؟" سونی اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"سامی بھائی سے کہیں' موٹر بعد میں ٹھیک کرلیں' تھوڑی دیر کے لیے مین سوئچ آن کردیں۔ میں یہ چادر استری کرلوں۔" وہ لجاجت سے کہہ رہی تھی۔

"اوف... تو یہ کارنامہ سامی کا ہے' بدتمیز نہ ہو تو۔" سونی سمجھ کر کھڑی ہوئی۔ "سامی موٹر ٹھیک کرنے لگا ہے' تمہیں سامی نے بتایا ہے؟"

"نہیں... اماں کو بتایا ہے' وہ بالکونی میں کھڑی تھیں۔ سامی بھائی گیراج میں مین سوئچ کے بٹنوں کو چھیڑ رہے تھے۔ کہنے لگے کچھ دیر کے لیے لائٹ آف کرنے لگا ہوں' موٹر ٹھیک کرنی ہے' پانی ٹھیک سے نہیں آرہا۔" سوہنی نے اپنے مخصوص دھیمے لہجے میں سامی کی کارستانی اس تک پہنچائی تھی۔ وہ کچھ بولنے لگی تھی' جب سامی کو اندر آتا دیکھ کر خاموش ہوگئی۔

"دیکھ لیا ہے ڈرامہ' واپڈا والے بھی اچھے موقعوں پر ساتھ دیتے ہیں۔" وہ مزے سے اسے چڑاتا صوفے پر ڈھے گیا۔

"مگر لائٹ تو آپ نے آف کی ہے سامی بھائی!" گھنٹیاں بجاتی اس آواز نے سامی کو اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔

"میرا اس محکمے سے کوئی تعلق نہیں۔" وہ گڑبڑا کر بولا۔ "میں تمہیں لائن مین نظر آتا ہوں۔"

"میرا مطلب ہے آپ نے مین سوئچ کے بٹن...."

"کب؟ کہاں؟ کس وقت؟" سامی چیخا تھا' جبکہ سوہنی گھبرا کر بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہوگئی۔

"تم نے مجھے کہاں دیکھا ہے؟"

"میں نے نہیں اماں نے دیکھا تھا۔" وہ منمنائی۔

"اچھا... اچھا۔" سامی آئیں بائیں کرنے لگا۔

"تمہاری انٹری بھی بے موقع نہیں' جاؤ شاباش' ایک کپ چائے بنا لاؤ۔"

"سوہنی چندا! میرے لیے بھی' بجی اپنے ہاتھ کی چائے میں ذرا مزا نہیں رہا۔" سونی نے بھی ہانک لگائی۔ وہ سر ہلا کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔

"کچھ شرم کرو۔" ساحی نے تاسف سے اسے دیکھا۔

"تمہیں شرم آئی اُسے چائے کا کہتے ہوئے۔"

"یہ خواتین کا شعبہ ہے۔" ساحی کو بات گھمانے میں کمال حاصل تھا۔

"لنچ میں کیا بناؤں؟" وہ با آواز بلند سوچ رہی تھی۔

"دال' چاول بنالیں۔" سوہنی ٹرے میں دو کپ رکھے چلی آئی تھی۔

"تمہیں پسند ہیں؟" سونی نے پوچھا' وہ سوچ رہی تھی کہ ساتھ چکن بنالے گی' کیونکہ ساحی دال چاول دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔

"جی۔" وہ سر جھکا کر بولی۔ "دراصل اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ وہ مسور کی دال کھانا چاہتی ہیں۔" سوہنی سخت شرمندگی کا شکار تھی۔ اپنی کوئی فرمائش ایسے لوگوں تک پہنچانا جن کے پہلے ہی بے شمار احسانات ہوں' کس قدر مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔ مگر وہ بھی کیا کرتی' اماں کی جب بھی طبیعت خراب ہوتی' گلا دکھنے لگتا یا زکام' کھانسی کی شکایت ہوتی' وہ مسور کی دال پکواتی تھیں اور منٹوں میں بھلی چنگی ہو جاتیں۔

"ٹھیک ہے' ابھی دال چاول بنالیتے ہیں۔ اور ساحی! تم چکن کھاؤ گے؟" سونی نے بغیر جرح کیے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔ اور سوہنی کی آنکھوں میں تشکر کی نمی جھلکنے لگی تھی۔ سیاہ ریشمی پلکوں پر اٹکی شبنم پر اک سرسری نگاہ ٹھہری تھی' مگر ساحی لمحہ بھر کے لیے دم بخود رہ گیا تھا۔ نگاہیں گویا ہٹنے سے انکاری ہو گئیں۔

"ساحی!" وہ چائے کی طرف متوجہ تھی۔ ساتھ ساتھ ہاتھ میں پکڑا میگزین بھی دیکھ رہی تھی۔

"بتاؤ نا چکن بناؤں یا کوئی سبزی وغیرہ۔"

"لنچ میں تو کچھ ہلکا پھلکا ہی ہونا چاہیے' چکن وغیرہ کا تردد کرنے کی ضرورت نہیں' یہ ہی ٹھیک ہیں نا' دال چاول۔" وہ اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

چائے میز پر رکھی تھی' سونی حیران ہی تو ہو گئی۔ ذرا کچھ غور کرتی تو ضرور ٹھٹک جاتی۔ ساحی کا رویہ معمول سے ہٹ کے تھا' چند پل میں ہی الجھا دینے والا۔

"ساحی دال چاول کھائے گا یا حیرت۔" اب وہ سوہنی سے مخاطب تھی۔ "یہ کایا پلٹ کیسے ہوئی۔" وہ سوہنی سے پوچھ رہی تھی۔ جو اس کی طرح ہی انجان تھی۔ اپنی سادگی میں سونیا حسام سہیل بہت سی واضح چیزوں کو بھی نظرانداز کر دیتی تھی۔

☆ ☆ ☆

"سونی! یہ رکھ لو نا۔" وہ کب سے پندرہ سو روپے ہاتھ میں دبائے اصرار کیے جا رہی تھی۔

"کیوں رکھوں؟" سونی کو غصہ آ گیا۔

"ہم ادھر سے کھاتے ہیں' کرایہ تک آپ لیتی نہیں' یہ پیسے تو رکھ لیں نا۔" سوہنی منمنائی۔ "اب میں تمہیں ایک جھانپڑ لگاؤں گی۔"

"پلیز سونی جی! اتنا زیربار نہ کریں' آپ یہ رکھ لیں' گیس اور بجلی کا بل ہی سہی۔" وہ ابھی تک اپنی بات پر اڑی ہوئی تھی۔

"چندا! یہ پیسے میں نہیں لے سکتی' تم خالہ کی دوائیں منگوا لینا۔ اپنے لیے جمع کر لو' مشکل وقت میں کام آئیں گے۔ رہا کھانے پینے کا سوال تو تم اپنے نصیب کا کھاتی ہو' اور کرایہ وصول کر کے میں نے کون سا محل کھڑا کر لینا ہے' ابھی تم انہیں سنبھال کر رکھو' تمہاری محنت کی کمائی ہے۔" سونی نے اس کی بھرائی آنکھوں پر نرمی سے ہاتھ رکھا تو وہ اس سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"سونی جی! آپ کیا چیز ہیں' رحم دل پری' نیک شہزادی یا انسان [illegible] فرشتہ۔"

"ارے [illegible] نہیں ہوں میں' بہت حقیر انسان ہوں [illegible]" "چل آنسو تو صاف کر۔" سوہنی [illegible] روتے روتے مسکرانے لگی تھی۔ دھوپ چھاؤں جیسے اس روپ کو سونی نے دیکھا اور دل ہی دل میں ماشاءاللہ کہا۔

رات کو وہ ساحی کو آج کا تازہ ترین سوہنی کا کارنامہ بتا رہی تھی۔

"تم نے پندرہ سو روپے لے لیے؟" ساحی نے

ناقابلِ فہم سے انداز میں پوچھا۔

"ہاں۔" وہ محض ساحی کے تاثرات جانچنا چاہ رہی تھی۔ جبھی غلط بیانی کرتے ہوئے سنجیدگی سے بولی۔

"اتنی چھچھوری حرکت۔" ساحی کو گویا یقین نہیں آ رہا تھا۔

"تم نے واقعی روپے لے لیے۔"

"تو اور کیا۔"

"مگر کیوں؟" ساحی کو بہت برا لگا۔ "اتنی معصوم سی رقم لیتے ہوئے تمہیں قطعاً شرمندگی نہیں ہوئی۔"

"نہیں۔" سونی اطمینان سے بولی۔

"واہ جی واہ! ویسے تو بڑی ہمدرد بنتی ہو۔" وہ طنزیہ بولا۔ "کیا سوچتی ہوگی۔"

"کون؟"

"سوہنی [illegible] میرا مطلب ہے سوہنی کی ماں یعنی خالہ ثروت۔" ساحی نے گڑبڑا کر وضاحت کی۔

"سوچتی رہیں۔" سونی لاپروائی سے اپنے مساج کرتی رہی۔ "مفت میں یہاں رہ رہی ہیں۔ کھا پی رہی ہیں' پانی' بجلی' گیس حتیٰ کہ فون تک استعمال کرتی ہیں۔ میں نے پیسے لے لیے ہیں تو کون سا قیامت آ گئی ہے۔" سونی کو جھوٹ بولنے میں مزا آ رہا تھا۔ اپنے تئیں وہ ساحی کو چڑا رہی تھی' یہ دیکھے بغیر کہ ساحی کی آنکھوں میں کیسے کیسے رنگ چھلک رہے ہیں۔ وہ سلگ رہا تھا' گیلی لکڑی کی طرح۔ جی چاہ رہا تھا' اس نیک پروین کو دو جھانپڑ لگا دے۔ ویسے تو رحم دلی کی تقریریں کی جاتی تھیں اور اب یہ گھٹیا حرکت نہ جانے کیا ثابت کرنے کے لیے کی تھی۔ صرف یہ جتانے کے لیے کہ وہ دو بے آسرا خواتین ان محترمہ کے مکان میں رہ رہی ہیں۔

"تم۔" وہ کچھ سخت الفاظ بولتے بولتے لب بھینچ کر خاموش ہو گیا۔ اپنے جذبات اور احساسات کی اسے خود سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ وہ کیوں غصہ کر رہا تھا؟ سونی سے کیوں الجھ رہا تھا؟ اگر سونی نے پیسے لے بھی لیے تھے تو یہ سونی کا معاملہ تھا۔ اسے اس قدر جذباتیت دکھانے کی کیا ضرورت تھی؟

"میں نے اچھا کیا ہے نا۔" وہ کروٹ کے بل لیٹے ساحی کو چھیڑ رہی تھی۔

"بھاڑ میں جاؤ تم۔" ساحی نے تکیے میں منہ گھسا لیا۔

"تمہیں کیا ہوا ہے؟" وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے [illegible] سے بولی۔ مساج کی مصروفیت ترک کر دی تھی۔

"کچھ نہیں۔"

"سونے لگے ہو؟" وہ پیار سے اس کے قریب جھکتے ہوئے بولی۔

"ہاں۔" ساحی رکھائی سے بولا۔

"اتنی جلدی۔" وہ گھڑی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ابھی صرف نو ہی تو بجے تھے۔ جبکہ وہ دونوں ایک دوسرے سے فضول گفتگو کے چکر میں ایک' دو بجا کر سوتے تھے۔

"نیند آ رہی ہے۔"

"مجھے ابھی باتیں کرنا ہیں۔" وہ ٹھنکی۔

"مگر مجھے نہیں کرنا۔"

"ساحی کے بچے! اٹھو نا۔" وہ اس کا بازو ہلا رہی تھی۔

"سونے دو' ورنہ میں دوسرے کمرے میں چلا جاؤں گا۔" اس نے گویا دھمکی دی تھی۔ سونی ششدر رہ گئی۔

"تم دوسرے کمرے میں چلے جاؤ گے۔" وہ گویا بے یقین تھی۔

"ہاں۔" وہ پھاڑ کھانے کو دوڑا۔

"اس طرح کیوں بات کر رہے ہو۔" سونی روہانسی ہو گئی۔

"مجھے اسی طرح بات کرنا آتی ہے۔" وہ چٹخا۔

"ساحی!" وہ دم بخود ساکت تھی۔ اور ساحی تکیہ اٹھا کر دوسرے کمرے میں جا رہا تھا۔ شادی کے ساڑھے تین سال میں پہلی مرتبہ' پہلی مرتبہ' نہ جانے کیوں؟ کیا وجہ تھی؟ آخر ساحی کو ہوا کیا تھا؟ ساحی نے ایسا کیوں کیا؟ وہ بہت سے سوالوں کے درمیان چکرا رہی تھی۔

"یہ کون ہے؟" شازی الگنی پر کپڑے پھیلاتی سوہنی کو دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔ سوہنی نے مشین لگا رکھی تھی۔ ساتھ ساتھ وہ حلیم بھی پکا رہی تھی۔ خالہ سونی کے کپڑے سلائی کر رہی تھیں۔ شازی ابھی ابھی آئی تھی۔ بچہ بھی ساتھ تھا، جسے دیکھ کر سونی دیوانی ہو گئی تھی۔ چوم چوم کر اسے رلا دیا تھا۔ شازی تو اس جیتی جاگتی چلتی کی گڑیا کو دیکھ کر دم بخود تھی۔

"سوہنی ہے۔" وہ عادل کو ہنسانے کی کوشش میں اوٹ پٹانگ حرکتیں کر رہی تھی۔

"سوہنی ہے، رج رج کے سوہنی ہے۔ مجھے بھی نظر آ رہا ہے مگر یہ ہے کون؟" شازی سنجیدہ تھی۔

"خالہ ثروت کی بیٹی ہے۔ اماں بی کی رشتہ دار ہیں۔ اوپر کی منزل میں رہتی ہیں۔ کسووال سے آئی ہیں۔"

"اماں بی کی رشتے دار یہاں کیوں رہ رہی ہیں؟" شازی دبی آواز میں بولی تھی۔ سونی نے اسے تمام تفصیل اور ساری روداد سنا دی۔

"تیرا دماغ چل گیا ہے سونی!" شازی نے اپنا ماتھا پیٹا۔

"تجھے کیا ضرورت تھی انہیں اپنے گھر میں لے کر آنے کی۔"

"کیوں؟ کہاں دھکے کھاتیں یہ۔ کوثر باجی نے گھر سے نکال دیا تھا۔ میرے ضمیر نے گوارا نہیں کیا۔ وہ میرے دروازے کے سامنے سے گزر کر نعمت بے بے کے گھر بیٹھی تھیں۔ بے یار و مددگار، آنکھوں میں آنسو اور چہرے پر ویرانی لیے۔ میں تو سر تا پا کانپ کر رہ گئی تھی۔ میرے دل نے فیصلہ کیا تھا اور میں نے دل کی مان لی۔" سونی بھی سنجیدہ ہو گئی۔

"اور تو اس چلتی پھرتی قیامت کو گھر لے آئی۔"

"کیا مطلب؟" وہ بھی ٹھٹک گئی۔

"تجھے کبھی عقل نہیں آنے کی۔ بھوسہ بھرا ہے تیرے دماغ میں۔"

"میں سمجھی نہیں۔" سونی نے نا سمجھی کے انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔

"تب تم سمجھو گی جب پانی سر سے اونچا ہو گیا۔" شازی نے ریں ریں کرتے عادل کو زور کا دھمو کا جڑا۔

"چپ کر جاؤ۔"

"اس حسین صورت کو گھر میں رکھنے کی بھلا کیا تک بنتی تھی۔ آگ اور تیل کو آمنے سامنے یا قریب قریب رکھنا کہاں کی عقل مندی ہے۔" شازی خطرناک حد تک سنجیدہ تھی۔

"سوہنی ایسی ویسی لڑکی نہیں۔" سونی سمجھ چکی تھی، جبھی روکھے سے لہجے میں بولی۔

"سوہنی میں بڑی خوبیاں ہوں گی بہت اچھی ہو گی، مگر مردوں کا بھلا کیا بھروسہ، ایسی من موہنی صورت دیکھتے کے ساتھ ہی دل پانی بن کر بہنے لگے اور تم بے عقل۔" شازی دانت پیس کر رہ گئی۔

"تم ساحی کو اس طرح کا مرد سمجھتی ہو۔" وہ ناراضی سے بولی۔

"مرد سارے ایک جیسے ہوتے ہیں۔"

"مگر ساحی ایسا نہیں۔" سونی اٹھ کر چلی گئی تھی۔ واپس آئی تو ہاتھ میں کیلے تھے۔ اب وہ عادل کو کیلا کھلا رہی تھی۔

"اسی خوش فہمی میں گم رہنا۔" شازی جھلے انداز میں بولی۔ "اور یہ محترمہ تمہارے گھر میں کس کا نہ انداز لیے کام کاج میں مصروف۔"

"وہ میرا ہاتھ بٹانے کے لیے۔" سونی سے بات نہیں بن پائی تھی۔

"میری بات سنو سونی! تم بہت سادہ طبیعت رکھتی ہو، لوگوں کے چلن سے کہاں واقف ہو۔" وہ اسے سمجھا رہی تھی۔ "پھر مرد ذات پر بھروسہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ویسے ساحی ہے کہاں؟" شازی پوچھ رہی تھی۔ اسی اثنا میں ساحی اندر چلا آیا۔

"تم کہاں سے راستہ بھول آئی ہو۔" ساحی نے خود پر بڑی دقتوں کے ساتھ بشاشت طاری کی تھی۔

"اور تم دونوں نے کبھی راستہ بھولنا بھی گوارا نہیں کیا۔" شازی بھی بھلا کہاں چوکتی تھی۔

"سونی نے کبھی کہا نہیں۔" وہ اس کے کندھے پر بندوق رکھے مسکرا رہا تھا۔ سراسر مصنوعی مسکراہٹ۔

"ایک ہزار مرتبہ تو اس مہینے میں کہہ چکی ہوں۔ یہ وزیر اعظم سے بھی زیادہ مصروف ہے۔" سونی نے جتا کر کہا۔ اسی پل سوہنی دروازہ کھولے اندر چلی آئی۔

"کھانا لگا دوں؟"

"ہاں۔" سونی کسی سوچ میں گم تھی۔

"کیا پکایا ہے؟" شازی تو ٹھٹک کر رہ گئی تھی۔ جب اس نے ساحی کے جگمگاتے چہرے کی طرف دیکھا، وہ سونی کی بجائے سوہنی سے پوچھ رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں ستاروں کی سی چمک تھی۔

"سونی کیا اندھی ہے؟ اسے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔" شازی بے تحاشا پریشان سی سوچے گئی۔

"حلیم اور روٹی۔" سوہنی نے سادگی سے بتایا۔

"شازی کے لیے چار پانچ روٹیاں بنائی تھیں۔" وہ شازی کو چھیڑ رہا تھا۔ اور اس کا موڈ دیکھ کر شگفتہ ہوا تھا۔ شازی دھک سے رہ گئی۔

"کچھ میٹھا بھی بنا لیتا تھا۔ آخر ہمارے مہمان پکے لاہوری ہیں۔ حد سے زیادہ چٹورے۔"

"کسٹرڈ بنایا ہے۔ ڈبل روٹی کی پڈنگ بھی ہے۔" سوہنی عادل کو پیار کر رہی تھی۔

"شازی! سوہنی کے ہاتھ کا کھانا کھا کر یہیں ڈیرہ مت لگا کے بیٹھ جانا۔" وہ ہنس رہا تھا۔

"سونی کے ہاتھ میں بھی بہت لذت ہے۔" نہ جانے کیوں شازی نے روکھے سے انداز میں جواب دیا۔

"یہ لذت ہمیں تو محسوس نہیں ہوئی آج تک۔" ساحی مذاق تو نہیں کر رہا تھا۔ اب کے سونی بھی چونک گئی۔

"تم نئے نئے ذائقے چکھ رہے ہو اب تو کچھ یاد بھی نہیں رہے گا تمہیں۔" شازی نے مسکرا کر طنز کیا۔

"یہ تو تم نے ٹھیک کہا۔" ساحی نے فوراً تسلیم کر لیا تھا۔

"سوہنی کے ہاتھ میں ذائقہ ہے، اپنی سونی سے پوچھ لو یہ بھی مانتی ہے۔"

"ہاں۔ واقعی۔" سونی لب کچل کر رہ گئی تھی، جبکہ سوہنی خود کو ڈسکس ہوتا دیکھ کر منظر سے ہٹ گئی تھی۔

کھانا کھاتے ہوئے ساحی نے سوہنی کو پکارا تھا۔ جو آخری چپاتی رکھے جا رہی تھی شاید اوپر۔

"سوہنی! تم بھی آؤ نا۔"

"میں اماں کے ساتھ کھاؤں گی۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"یار! مہمان کا ساتھ دو، شازی بڑی مزے کی گفتگو کرتی ہے۔ وہ بھی طنزیہ۔" ساحی مزے سے کہہ رہا تھا۔

"آ جاؤ سوہنی! اتنے اصرار سے ساحی کم کم کسی کو بلاتا ہے۔" شازی نے پانی کا گلاس اٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔

"دیکھا، میں نہ کہتا تھا، شازی سے زیادہ اچھے طنز تو کوئی کر ہی نہیں سکتا۔" ساحی نے گویا سر دھن لیا۔

"آ جاؤ یار! بیٹھو یہاں۔" وہ جو تذبذب میں کھڑی تھی، لب کچلتے ہوئے بیٹھ گئی۔

"کیا لو گی، گرمی یا حلیم۔" اس اپنائیت اور توجہ کو شازی کے ساتھ ساتھ سونی نے بھی محسوس کیا تھا۔

"میں کھاؤں گی، آپ پلیز کھائیں۔" سوہنی بری طرح گھبرا گئی۔

"کیا تعلیم ہے تمہاری، سنا ہے اسکول میں پڑھاتی ہو۔" شازی نے تیکھے انداز میں پوچھا۔

"ایم اے کیا ہے۔" وہ دھیمی آواز میں بولی۔

"یہاں کب تک قیام کا ارادہ ہے؟" شازی سے ایسے سوال کی نہ ساحی کی توقع تھی، نہ سونی کو۔

"جی۔" سوہنی کی آواز حلق میں پھنس کر رہ گئی۔

"میں نے کچھ غلط پوچھ لیا ہے۔" شازی نے معصومیت سے فوراً سب کی طرف دیکھا۔ ساحی کے چہرے پر واضح ناگواری جھلک رہی تھی۔

"پتا نہیں جی! وقت کیا فیصلہ کرتا ہے۔" سوہنی کی آواز بھرا رہی تھی۔

"بڑا فلسفیانہ سا جواب ہے' ماشاء اللہ سے۔" شازی نے پھر سے طنز کا تیر پھینکا۔

"سونی! سویٹ تو لے آؤ' لگتا ہے شازی کو میٹھے کی ضرورت ہے' میاں صاحب سے کڑوی سی ڈوز لے کر آئی ہے۔" سامی نے بھی نفیس سا طنز کیا۔

"سنا ہے' تمہاری پروموشن ہو گئی ہے۔" یہ خبر سونی کے لیے بچ کا دھماکہ ثابت ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ سے نوالہ چھوٹ کر پلیٹ میں گر گیا۔

"لگتا ہے تم نے سونی کو یہ خوش خبری نہیں سنائی۔" شازی چبا چبا کر بولی۔

"دراصل میں..." وہ رک سا گیا۔ "سرپرائز دینا چاہ رہا تھا اسے۔" صاف لگ رہا تھا۔ سامی نے بات بنائی ہے۔

"اچھا۔" شازی کھانا کھا چکی تھی۔ بلکہ اس نے کھایا کہاں تھا محض خانہ پری کی تھی اور زندگی میں شاید پہلی مرتبہ وہ کھانے کی طرف متوجہ نہیں ہوئی تھی۔ اس کا ذہن تو کئی دنوں سے منتشر تھا۔ اس کے میاں نے ابھی کل شام اسے بتایا تھا کہ سامی پراپرٹی ڈیلر سے کسی مناسب سے گھر کا مطالبہ کر رہا تھا۔ مگر کس کے لیے؟ کیوں؟ آخر کیا وجہ تھی؟ پوری رات وہ سو نہیں پائی تھی۔ صبح ہوتے ہی ساس کی بڑبڑاہٹ کی پروا کیے بغیر وہ بھاگی چلی آئی تھی۔ ادھر آ کر اس کا دماغ اور گھوم چکا تھا۔

جاتے سمے وہ صرف اتنا ہی بولی تھی۔

"سونی! میں تیرے لیے دعا کر سکتی ہوں۔ اور ضرور کروں گی' کرتی رہوں گی' تیرے آنگنے سے دل کو کبھی ٹھیس نہ پہنچے' سامی کی طرف سے تو کبھی نہیں۔"

"شازی' رک جا' میرا دل گھبرا رہا ہے۔" سونی لب کچلتے درخواست کر رہی تھی۔

"میں رک نہیں سکتی' میری ساس کے مزاج تو تم جانتی ہو' گھر میں سو طرح کے بکھیڑے ہیں۔ ہاں سونی! اب اپنا خیال رکھنا۔"

"عادل کو میرے پاس چھوڑ دو۔" اس کی ہکلاہٹ' منتشر سوچوں کی عکاسی کر رہی تھی۔

"تنگ کرے گا تمہیں' بہت چڑچڑا ہو رہا ہے آج کل۔" شازی بچے کے کپڑے سمیٹ رہی تھی۔

"دانت نکال رہا ہے؟"

"شاید۔" وہ خود بھی سخت پریشان تھی اور سونی کو مزید پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی مگر سونی کو بے خبر رکھنا بھی کہاں کی عقل مندی تھی۔ بہت دیر سوچنے کے بعد شازی آنگن میں رکھی چارپائی پر بیٹھ گئی تھی۔ سونی بھی حیران سی اس کے برابر بیٹھ گئی۔ ابھی تو شازی جانے کے لیے بے چین تھی مگر اب...

"سونی! جو کچھ میں تمہیں بتانا چاہ رہی ہوں' تحمل سے سننا' صحیح سے الفاظ ڈھونڈ رہی ہوں' مگر کیا کروں' سمجھ نہیں آ رہا کہ کیسے کہوں۔" شازی کی تمہید میں لرزا دینے والے انکشاف کی بو سے ماحول پر سانسوں کو بوجھل کر دینے والی کثافت چھا گئی تھی۔

"کیا کہنا چاہتی ہو شازی!"

"سامی ان دنوں گھر ڈھونڈ رہا ہے۔ پراپرٹی ڈیلر سے بات کر رکھی ہے اس نے۔ کیوں کس لیے؟ کیا تمہیں نہیں خبر؟ سامی کو گھر کی کیوں ضرورت ہے؟" شازی نے بڑے نرم الفاظ میں وضاحت کی تھی۔

"گھر دیکھ رہا ہے۔" سونی بے یقینی کی کیفیت میں تھی۔

"تم دونوں کی لڑائی ہوئی ہے؟" شازی پوچھ رہی تھی۔

"لڑائی۔" سونی تو گویا سکتے کی کیفیت میں تھی۔ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"ہاں... لڑائی تو ہوئی تھی مگر روزانہ ہی لڑائی ہوتی ہے' ہم میں کھٹی میٹھی' تیکھی' کڑوی' ہماری جھڑپوں سے تم بھی تو واقف ہو' بات نہ جانے کہاں سے شروع ہوئی تھی۔ میں نے بھی غصے میں سامی سے کہہ دیا تھا کہ وہ میرے گھر میں رہتا ہے' یہ گھر میرا ہے' میرے اماں' ابا کا۔ اس کے ابا تو اس کے لیے کچھ بھی نہیں چھوڑ کر گئے ترکے میں' بس اتنی سی بات ہوئی'

کئی مرتبہ ہماری اسی موضوع پر نوک جھونک ہوتی رہی ہے' یہ کوئی ایسی سیریس بات تو نہیں تھی جو سامی الگ گھر دیکھ رہا ہے۔" سونی کا دماغ گویا سوچ سوچ کر دکھنے لگا تھا۔

"بات کچھ اور ہے سونی! مزید کیا کہوں' چلتی ہوں' اس کے ابو آ گئے ہیں شاید۔" اسکوٹر کی آواز سن کر شازی اس کے رخسار چوم کر اٹھ گئی تھی' جبکہ سونی میں اتنی بھی ہمت نہیں تھی کہ وہ شازی کو گیٹ تک چھوڑ ہی آتی۔ اللہ حافظ ہی بول دیتی۔ وہ بے جان سی چارپائی پر بیٹھی رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

سوہنی معمول سے ہٹ کر تیار ہوئی تھی۔ اس کے اسکول میں فنکشن تھا اور فنکشن کی مناسبت سے اس نے تیاری کر رکھی تھی۔ سوہنی کی اٹھان اتنی اچھی تھی کہ جو بن سنگ لگتی بس دیکھتے کو جی کرتا۔

وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے آئی تھی۔ سونی ٹھٹک کر اسے بغور دیکھ رہی تھی۔ گورا رنگ' ریشمی بال اور تیکھے نقوش' بلاشبہ وہ حسین لڑکیوں میں شمار ہوتی تھی۔ سونی کی نظریں اب سامی پر مرکوز تھیں۔ جو دنیا بھلائے سوہنی کو دیکھ رہا تھا۔ دیکھے جا رہا تھا' سونیا کے دل کی دھڑکن رک رک کر چلنے لگی۔

"کہاں جا رہی ہو؟" سامی کو اس سے یہ پوچھنے کی بھلا کیا ضرورت تھی۔ سونیا کو یہ بات شدت سے محسوس ہوئی تھی۔

"اسکول جا رہی ہوں۔" وہ سادگی سے بولی۔ سونیا کو ایک دم یہ سادگی بناوٹ لگنے لگی تھی۔

"اتنی تیاری کے ساتھ؟"

"جی۔ اسکول میں تقریب ہے۔" وہ چادر اوڑھ رہی تھی۔

"سونی جی! میں نے گڑ کا شربت بنا دیا ہے۔ بس گھی میں الائچی فرائی کر کے شربت ابال لیجیے گا اور پھر چاول ڈال کے دم دینا ہو گا۔" وہ سونی کو گڑ والے چاول بنانے کے متعلق بتا رہی تھی۔ سونی کا ذہن تو کہیں اور تھا۔

اسے کچھ بھی سنائی نہیں دیا۔ وہ تو بس سامی کو دیکھ رہی تھی' دیکھے جا رہی تھی۔

"او! میں تمہیں چھوڑ آؤں۔" سامی بائیک کی چابی اٹھائے کھڑا ہو رہا تھا۔

"نہیں بھائی! میں چلی جاؤں گی۔" سوہنی گھبرائی۔

"کیسے جاؤ گی۔ اتنا بن سنور کر' میں چھوڑ آتا ہوں۔" سامی نے کب سے تکلف کی حدود پار کر لی تھیں۔ سونیا نے توجہ ہی نہیں دی۔ اپنے سامنے سب کچھ دیکھتی رہی' سامی کے مذاق چھیڑ چھاڑ' وہ سامی کا مزاج سمجھ کر نظر انداز کرتی رہی تھی۔ سامی کی توجہ' سوہنی کا کترانا' گھبرانا' سر جھکائے پاس سے گزر جانا۔ سامی کی تشنہ سی نظریں۔ پردے ہٹتے چلے جا رہے تھے۔ منظر واضح ہو رہے تھے۔ وہ دونوں برابر کھڑے تھے۔ ایک ساتھ باہر جا رہے تھے۔ سامی اور سوہنی ایک ساتھ چلتے ہوئے بہت مکمل لگ رہے تھے' منظر بھرپور تھا۔ اس میں کسی سونی کی گنجائش نکلتی تھی کیا؟ وہ سوچوں کی بھول بھلیوں میں گم تھی۔ وہ حیران تھی' ساکت تھی' غم زدہ تھی' ششدر تھی۔

"سونی! سونی پتر۔" اماں بی کی آواز اس کے بہت قریب ابھری تھی۔

"اماں بی!" سونی نے کھوئی کھوئی نظروں سے اماں بی کو دیکھا تھا۔ دوسرے ہی پل وہ ان کے شفیق وجود میں گم سسک رہی تھی۔

"سونی! میری بچی! کیا ہوا ہے؟ خیریت تو ہے۔" اماں بی بری طرح سے گھبرا گئیں۔

"میرا دل پھٹ رہا ہے اماں بی!" وہ روئے جا رہی تھی۔

"میری بچی! کیا ہوا ہے۔" اماں بی خود بھی رونے لگیں۔ ان کا دل تو ویسے بھی بہت کمزور تھا۔

"میں لٹ گئی ہوں اماں بی! میرا اعتبار' میرا یقین' میں برباد ہو گئی۔" وہ سسک رہی تھی۔

"ثروت! او ثروت' نیچے آ۔" اماں بی نے بلند آواز میں خالہ ثروت کو آوازیں دی تھیں۔ دوسرے ہی لمحے خالہ بھی جلدی سے سیڑھیاں اتر کر نیچے آ گئیں۔

"دیکھو، میری بچی کو کیا ہوا ہے۔" اماں بی پھپک پھپک کر رودیں۔
"سونی! میری بچی، آنکھیں کھولو۔ اماں بی! یہ تو بے ہوش ہو گئی ہے۔ میں پانی لاتی ہوں۔" خالہ کچن کی طرف دوڑیں۔
"ہائے یہ سامی کہاں گیا۔" اماں بی سخت پریشان تھیں۔ سونی کی حالت دیکھ کر بوکھلا کر رہ گئی تھیں۔
"شاید باہر نکلا ہے۔" خالہ بھی گھبرا کر بولیں۔
"تم ڈاکٹرنی کو فون کرو۔"
"ارے اماں بی! مجھے تو نمبر نہیں آتا۔" خالہ بے چارگی سے بولیں۔ ساتھ ساتھ سونی کے منہ پر پانی کے چھینٹے پھینک رہی تھیں۔ کچھ دیر بعد گھریلو ٹوٹکوں کے استعمال سے اسے ہوش آگیا تھا، مگر وہ مسلسل رو رہی تھی اور اس کا رونا ان دونوں خواتین کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

☆ ☆ ☆

"یہ پندرہ سو روپے۔" سوہنی پھر سے مٹھی میں چند نوٹ دبائے کھڑی تھی۔
"پھر پیسے اٹھا لائی ہو، کتنی مرتبہ سمجھایا ہے۔ اب میں تمہیں سچ مچ دو لگاؤں گی۔" سونی تھکی تھکی آواز میں کہہ رہی تھی۔ اس کے لہجے میں پہلے والی بشاشت مفقود ہو کر رہ گئی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ کیسے سامی سے وہ سب کچھ کہہ ڈالے جو اس کے دل کا ناسور بن رہا تھا۔ وہ سب کچھ، وہ سارے خدشات، خوف، شکوک، جنہوں نے سونیا کی راتوں کی نیندیں اڑا کر رکھ دی تھیں۔
"سونی جی! یہ میری تنخواہ کے پیسے نہیں۔" وہ انگلیاں مروڑے کہہ رہی تھی۔
"تو پھر؟" اب کے سونی چونک گئی۔
"سونی جی! یہ پیسے مجھے سامی بھائی نے دیے ہیں۔ وہ اسکول مجھے چھوڑنے کے لیے گئے تھے نا اسی دن۔ اس وقت مجھے سمجھ نہیں آئی۔ میں حیران بھی ہوئی اور خوف زدہ بھی ہو گئی۔ اردگرد کے لوگوں نے ...

ہونے کا خدشہ تھا۔ اسی لیے خاموش ہونا پڑا۔ مگر مجھے ان پندرہ سو کی سمجھ نہیں آئی تھی۔ سامی بھائی نے مجھے یہ پیسے کیوں دیے تھے۔ انہوں نے کہا، مجھے سخت شرمندگی ہے سونی نے تم لوگوں سے گھر میں رہنے کی یہ حقیر سی رقم وصول کی ہے۔ مجھے سونی کی ذہنیت سے گھن آئی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ سونی تم لوگوں سے گھر میں رہنے کا کرایہ لے گی۔ یہ پیسے انہوں نے اسی لیے لوٹائے تھے۔ یہ میں ان سے کہہ ہی نہیں سکی کہ آپ نے تو آج تک ان پانچ مہینوں میں ایک روپیہ تک نہیں لیا۔ سامی بھائی کو غلط فہمی ہوئی تھی، مجھے تو ..." سوہنی اور بھی نہ جانے کیا کچھ کہہ رہی تھی، مگر سونیا کو لگا وہ کچھ اور سن نہیں پائے گی۔ اس کی سماعتیں مفلوج ہو جائیں گی یا اس کا دل پھٹ جائے گا۔ اس دل میں کوئی نیزہ اترا تھا یا بھالا، وہ سمجھ نہیں پائی تھی، مگر یہ جو آتش فشاں ابل رہا تھا اسی رات ہی گویا پھٹ پڑا۔ اس کے پھٹتے ہی سونی کی پوری عمارت پورے قد سے زمین بوس ہو گئی تھی۔ بھرم کا ہلکا سا بلوریں شیشہ نہ جانے کب ٹوٹا تھا۔ سونیا حسام کسیل کو آج کی رات اندازہ ہو گیا تھا۔ وہ تو ایک تباہ شدہ عمارت ہے ٹوٹی پھوٹی ریزہ ریزہ عمارت۔
اس نے کبھی نہیں چاہا تھا کہ وہ سامی کے گریبان تک ہاتھ کرے۔ مگر جب مان، اعتبار اور اعتماد کا خون ہوا تو اس سے رہا نہیں گیا تھا۔ وہ بھری بیٹھی اور بپھرے دریا تباہی تو مچاتے ہیں۔
"تم نے میرے ذرا سے ... کو بھی نہیں سمجھا۔ تم مان گئے کہ سونیا اتنی گھٹیا ... ذہنیت کی ہو سکتی ہے کہ خالی ہاتھ ان دو عورتوں سے اس گھر میں رہنے کا خراج ... تم نے کیا سوچا، یقین کیا اور سوہنی تک پہنچ ... یہ پندرہ سو لوٹانے جو وہ ابھی مجھے دے کر گئی ہے۔ اور تم نے سامی! مجھے ذلیل کر دیا۔ رسوا کر دیا۔ دو کوڑی کا کر دیا۔ اس لڑکی کے سامنے جو میرے اور تمہارے لیے قطعاً اجنبی ہے۔ جس سے میں نے انسانیت کا رشتہ جوڑا۔ کل رات جب ان کے سر پہ پہنچی تو میں صبح کا پیغام لیے ان ماں بیٹی کے پاس

... شکوہ مجھے ان سے نہیں تم سے ہے۔ تم نے ... میرا مان توڑا اور تم نے سامی! مجھے پوری کی ... سونیا کو توڑ کر رکھ دیا۔" وہ چلا رہی تھی۔ رو رہی ... بین کر رہی تھی۔
... لاؤ مت۔" سامی شرمندہ کہاں تھا۔ وہ تو دھاڑ رہا ...

"بات کھل گئی ہے تو کچھ اور بھی سن لو۔ میں سوہنی ... شادی کرنے لگا ہوں۔ تمہارے اس محل ... دوں گا۔ چار سال سے ذلیل کر رہی ہو ... رہنے کے طعنے دے رہی ہو ... گھر میں۔ آج تک مجھے شوہر نہیں سمجھا۔ میری ... تمہارے نزدیک اہمیت ہی کیا ہے۔ ہمیشہ جتاتی رہی ... تمہیں ... کا۔ اپنے باپ کی سات ... کا، لعنت ... ہوں میں ہر اس چیز پر جو مجھے ... تم نے مجھے ... عزت دی، نہ ... عزت کا سوال کرنا ہی بے کار ہے۔ مجھے ... جیسی عورت سوٹ ہی نہیں کرتی۔ خود ... ضدی، بدمزاج۔" وہ اس کے وجود کے پرخچے ... رہا تھا۔ ذلت کی اتھاہ گہرائیوں میں دھکیل رہا تھا۔ ... کی محبت اس کی وفا کی دھجیاں بکھیر رہا تھا۔
"تم سوہنی سے شادی کرو گے۔" سونی کو لگا تھا اس ... دماغ کی نس پھٹ جائے گی۔
"ہاں۔" وہ اٹل انداز میں بولا۔
"مجھے چھوڑ دو گے؟" سونی یک دم پتھر ہو گئی۔
"نہیں۔" یہ فیصلہ بھی شاید وہ پہلے سے کر چکا تھا۔ ... لیے بغیر سوچے سمجھے بولا۔
"اس کے لیے گھر ڈھونڈ رہے ہو؟"
"ہاں۔"
"سوہنی سے بات کر لی۔" وہ گویا اپنے ضبط کو آزما رہی تھی۔
"نہیں، مگر مجھے یقین ہے، اسے اعتراض نہیں ہو گا کیونکہ اس کے پاس کوئی اور آپشن ہو نہیں۔" وہ ... غرور سے کہہ رہا تھا۔ اس پر غرور جچتا بھی تھا۔ ... کے دل میں گویا آخری نیزہ بھی اتر گیا۔ وہ بڑے

ضبط سے سرخ پڑتی پلٹی اور مسکرا دی۔ یہ مسکراہٹ
اور اس میں چھپی "ہار" حسام سہیل نے بھی محسوس
کر لی تھی۔ اس "ہار" کو سونی نے تسلیم کر لیا تھا۔ جبھی
تو وہ سر جھکا کر رہ گئی تھی اور اسی ہار میں چھپے نوحے
دروازے میں کھڑی سوہنی نے بھی سن لیے تھے اور وہ
سوچ رہی تھی کہ اس عورت نے اسے نوچا کھسوٹا
کیوں نہیں۔ دھکے کیوں نہیں دیے، گھر سے کیوں
نہیں نکالا۔

✲ ✲ ✲

"میں سوہنی ہوں، ماں نے میری صورت دیکھ کر
سوہنی نام تجویز کیا تھا۔ میں سوہنی ضرور تھی مگر نصیب
اتنے سوہنے نہیں تھے۔ آپ کو سب بتاتی ہوں، آج
اگر کچھ نہ کہا تو کبھی نہ کہہ پاؤں گی۔" وہ جس سے
مخاطب تھی وہ ہمہ تن گوش تھا۔

"ابا مر گئے تو چچاؤں نے گھر بدر کر دیا، نانی کے آنگن
نے پناہ دی، محبت بھی ملی اور نفرت بھی، حقارت اور
ذلت کا پلڑا ہمیشہ بھاری رہا، زندگی میں سکھ بہت کم دیکھے
ہیں، دکھوں سے بھری ایک طویل داستان ہے نہ آپ
کے پاس وقت ہوگا، نہ میرے پاس، مختصر یہ کہ نانی کی
مہربانی سے میں نے اپنے واحد شوق کو پایہ تکمیل تک
پہنچایا تھا۔ میں نے تعلیم حاصل کی، جاب کرنا چاہی تو
ماموؤں کی غیرت جاگ اٹھی، سرکاری نوکری مل رہی
تھی مگر بعض حاسدوں نے روڑے اٹکا دیے، پھر نانی
مر گئیں، گھر والوں کے رویے بدل گئے، لہجے بدل گئے،
چہرے بدل گئے، حتیٰ کہ شکلیں بدل گئیں، ہمیں گھر
بدری کا حکم نامہ مل گیا۔ اماں مجھے پروں میں چھپائے
اماں بی کی پناہ میں لے آئیں۔ بدنصیبی نے یہاں بھی
پیچھا کیا، ذلت ادھر سے ملنا ہی نصیب میں لکھا تھا۔ اماں
بی کی غیر موجودگی میں جو کچھ کوثر بھابھی نے کہا تھا، پاک
زبان ایسے گندے الفاظ بولنے کی ہمت کہاں سے
پکڑے، ہم گھر سے نکلنا ازل سے ہمارے مقدر میں تھا۔
جب اپنوں نے مان نہ بخشا، تحفظ نہ دیا تو غیروں سے
کیسے گلے۔

بس لاج آ رہی تھی کہ گلی سے کیسے گزریں، محلے
دار وہاں اپنی جوان بیٹی کا ہاتھ پکڑے پل پل مر رہی تھی،
شرمندگی سے پاؤں بھاری تھے۔ محلے کی گلی پل صراط
تھی، جہاں سے گزرنا تو تھا ہی، تماشا تو اہل محلہ دیکھ ہی
چکے تھے، کچھ اور سین دیکھنا باقی تھے۔

کسی عزت دار گھرانے کی عورت نے کواڑ کھول کر
ان درد کی ماری دو عورتوں کو پناہ کا سندیسہ نہ دیا۔ نیکی
گلے بھی تو پڑ جاتی ہے۔ کون نیکیوں کے ڈھول بجائے؟
ایک بوڑھی عورت ترس کھا گئی۔ اس بے بس ماں کی
جوان بیٹی پر اسے رحم آ گیا۔ اس نے کہا رات کے اس
پہر بس اسٹاپ تک جاؤ، صبح سویرے نکلنا، میرے گھر
رات گزار لو۔ ہم لٹے پٹے چل دیے، یہ نہیں پتا تھا، یہ
نہیں خبر تھی کہ سنگ دلوں کی اس دنیا میں آبگینے جیسا
نازک، حساس، شفاف اور بے انتہا نرم دل رکھنے والی
ایک لڑکی بھی ہے۔ اسی محلے کے کسی گھر سے اٹھ کر
ہمیں لینے کے لیے آ جائے گی۔ یہ انہونی ہو گئی۔ ہم پناہ
گاہ میں آ کے محفوظ ہو گئے۔ میری ماں حیران تھی۔
گھر میں رہتے ہوئے ______ بے انتہا اچھا وقت
گزرا۔ مگر برا وقت بھی تو تعاقب میں رہتا ہے۔
آپ کو شاید پتا نہیں، عورت کی نظر ہر رنگ کو پہچان
لیتی ہے۔ میں نے آپ کی نظر کے بدلتے رنگ دیکھ لیے
اور جان گئی، اس گھر سے کوچ کرنے کا وقت آ گیا ہے۔
آپ نے کیسے سوچا ساہی بھائی! میں آپ سے
شادی کروں گی، اگر دنیا میں آخری مرد بھی آپ
بچے تو میں حسام سہیل کبھی اس سے نہ
چھینتی۔ ایک عورت ہی دوسری عورت کو تباہ کرتی
ہے، برباد کرتی ہے، عورت ہی عورت کی دشمن ہے۔
میں سونیا کا نہ دل اجاڑ سکتی ہوں، نہ گھر، میں اس
آبگینے سے دل کو کیسے توڑوں؟ کیا یہ دل پھر کسی درد
کے مارے کسی مظلوم پر ترس کھائے گا؟ رحم کھائے
گا؟ احسان کرے گا؟ اعتبار کرے گا؟ اعتماد کرے گا؟
مجھے سونیا حسام کے دل کو توڑنا ہے، نہ مان کو، نہ اعتبار
کو۔

ساہی بھائی! ہم نے سامان باندھ لیا ہے۔ ابھی

[...]وال کے لیے نکل رہے ہیں۔ ہماری زمین کا فیصلہ
ہو گیا ہے۔ ددھیال سے مکان میں سے بھی حصہ ملا
ہے۔ سر چھپانے کو جگہ مل گئی اور کیا چاہیے، زندگی
کے سفر میں کوئی ہم سفر بھی مل جائے گا ان شاء اللہ۔
میں چاہتی ہوں، آپ کی کچھ اور غلط فہمیاں بھی دور
کر دوں۔ آپ نے سونیا جی سے بولا کہ وہ آپ سے نہ
محبت کرتی ہیں، نہ عزت، آپ پر حکم چلاتی ہیں، آپ کو
اہمیت نہیں دیتیں۔

آپ کیسی نگاہ رکھتے ہیں حسام سہیل صاحب! محبت
اور نفرت کو پرکھ نہیں سکتے۔ جانتے نہیں کیا
سونیا جی کے ہر ہر انداز میں محبت جھلکتی ہے۔
وہ عورت سراپا محبت ہے، اس کے دل جیسا دل تو
ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے، آپ اس کے دل سے نکل
کر کہاں جائیں گے۔ وہ آپ سے محبت کرتی ہیں۔
یہ تماشا ... سب اس عورت کی عظمت پر پہرا
... اس نے ایک دفعہ بھی میری طرف انگلی
اٹھا کر مجھ پر کیچڑ نہیں اچھالا۔ میرے وجود کو گندا
نہیں کیا۔ ایسی باہمت اور صابر عورت خوش نصیبوں کو
ملتی ہے۔ آپ خوش نصیب ہیں۔ آپ بلند بخت
ہیں۔ اپنے بخت کو پستیوں کے حوالے نہ کریں، اسے
بلند ہی رہنے دیں۔ لوٹ جائیے کہ محبت بہت وسعت
رکھتی ہے، معاف کرنے کا ظرف رکھتی ہے اور آپ
بھٹکے ضرور ہیں، صرف گھڑی دو گھڑی کے لیے، مگر بہکے
نہیں۔

وقتی پسندیدگی محبت نہیں ہوتی۔ محبت وہ ہے جو
آپ کو اپنی سونی سے ہے۔ آپ کا آشیانہ سدا سلامت
رہے۔ ہم سے کچھ غلطی ہو گئی ہو تو ہمیں معاف
کر دیجیے گا۔ رب راکھا۔" وہ چلی گئی تھی۔ ایک چھوٹی
سی قندیل اس کے ہاتھ میں تھما کر۔ ساہی اور سونی کی
جنت میں سے سوہنی نکل گئی تھی ہمیشہ کے لیے۔

✲ ✲ ✲

سوہنی نے کہا تھا حسام بھٹکا ضرور ہے مگر بہکا نہیں
بھٹکنے والے کو ایک موقع تو ملنا چاہیے اور میں نے
یعنی سونیا حسام نے اسے ہی کو معاف کر دیا تھا، مجھے
ایسا ہی کرنا چاہیے تھا ... کرتی تو بھٹکنے والا
اور بھی بھٹک جاتا ... اور میں اپنے
ساہی کو ... کھونا نہیں چاہتی تھی۔ یہ لوگ بھی یعنی
سونیا حسام کو ... سہیل سے محبت ہے، بے تحاشا
محبت، اور سوہنی نے ٹھیک کہا تھا کہ عورت ہی عورت
کی دشمن بھی ہوتی ہے، خود ایک عورت ہو کر دوسری
عورت کا گھر اجاڑتی ہے اور کبھی کبھی یہ ہی عورت
دوسری عورت کا گھر بچاتی بھی ہے۔ بہت کم لوگ
سوہنی کی طرح کے ہوتے ہیں، ہاتھ آئی نعمت کو محض
کسی دوسرے کی خوشی کی خاطر ٹھکرانے والے، غرض
سے پاک، حسد سے دور، بہت دور، خود غرضی جن کی
فطرت میں نہیں ہوتی، عزت کے لیے قربان ہونے
والے، خود موم کی طرح پگھل پگھل کر بھٹک جانے
والوں کو گھر کی راہ دکھانے والے۔ سچے اور خالص
لوگ۔ میں نے کھڑکی کے پٹ کھول کر کمرے میں
موجود اس حبس کو باہر نکلنے کا راستہ دے دیا تھا، جو بہت
دنوں سے میرے کمرے کی فضا کو بوجھل کیے ہوئے
تھی۔

✲ ✲

نازیہ جمال

دیوار گیر کلاک نے رات کا ایک بجایا ایمن نے نیند کے بوجھ سے بند ہوتی آنکھوں کو ہتھیلیوں سے رگڑا تو صحن کا داخلی دروازہ قدرے واضح دکھائی دیا، جس پہ وہ تقریباً پچھلے چار گھنٹوں سے نظریں جمائے بیٹھی تھی۔

چمکتے تاروں کے جھرمٹ میں آخری تاریخوں کا چاند ماحول کو ملگجا سا اجالا بخش رہا تھا۔ ہر طرف گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا۔

آخری پہر میں داخل ہوتی رات کے اندھیرے میں برآمدے کی سیڑھیوں پہ بیٹھے بیٹھے وہ گاہے بگاہے اب ہیولے کو سراسیمگی سے دیکھنے لگتی۔ یہ سراسیمگی وہراس اس خوف کا پرتو تھے جو اس وقت اس کے ذہن واعصاب پہ پنجے گاڑے بیٹھا تھا۔

"اللہ خیر کرے تمہارے ابو ابھی تک نہیں لوٹے۔" پشت پہ ماں کی تفکر میں ڈوبی آواز سن کر وہ ٹھنڈی سانس لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ ارادہ لائٹ آن کرنے کا تھا۔

"آپ پریشان نہ ہوں۔ ایسے کاموں میں دیر سویر ہو ہی جاتی ہے۔" اندھیرے میں وہ ماں کے چہرے کے تاثرات کا اندازہ لگانے سے قاصر تھی، تاہم اس وقت وہ ان کے اوہام و خدشات جانتی تھی۔

رات اگر دن بھر کام سے بدن سے ہوئی تھکاوٹ کو دور کرتی ہے، رات ہوتے ہی اگر پھولوں میں خوشبو اور پھلوں میں رس پڑنا شروع ہو جاتا ہے، وہیں یہ رات خوف و تنہائی کا بھی استعارہ بھی ہے، لائٹ کے آن کرتے ہی روشن ماحول نے ایمن کے خوف کو قدرے خفیف سا کر دیا تھا۔

"کیوں بتی جلائی ہے، فوراً بند کرو۔ کیوں بلاوجہ محلے والوں کو تجسس میں مبتلا کر رہی ہو؟" مسرت نے بے چین ہو کر بیٹی کو ٹوکا۔ انہیں یوں لگا یہ روشنی ان کے دکھ کو سب پر عیاں کر دے گی جسے وہ اندھیرے کی اوٹ میں چھپانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ انتہائی مضطربانہ انداز میں صحن کے چکر لگاتے ہوئے انہوں نے دروازے کو امید بھری نظروں سے دیکھا۔

لیکن ہر بار کی طرح نظر مایوسی کا بوجھ لے کر پلٹی تھی۔ ہاتھ میں پکڑی تسبیح کے ہر گرتے دانے کے ساتھ انہیں یوں لگا ان کا دل کسی گہرے پاتال میں گرتا چلا جا رہا ہے۔

"فکر نہ کریں ہمسایوں کو ویسے بھی علم ہے کہ ہم ماں بیٹیاں کئی سالوں سے ایسا "رت جگا" منا رہی ہیں۔" وہ تلخی سے بولی۔

بیمار ماں اور مضمحل باپ کی پریشانی نے پورے گھر کے معمولات کے ساتھ ساتھ اس کی پڑھائی کو بھی خاصا متاثر کیا تھا۔ آج بھی اس نے مسرت کی ناسازی طبع کی بدولت کالج سے چھٹی کی تھی۔

خوش مزاج و خوش باش احسان احمد جو اپنی زندگی کی تمام تر کامیابیوں کا سہرا اپنی شریک حیات کے سر باندھتے چلے آ رہے تھے۔ اب چھوٹی موٹی کوتاہیوں پہ مسرت کو بلا تکلف سب کے سامنے جھاڑ دیتے اور گھریلو ذمہ داریوں اور اولاد کی تعلیم و تربیت جیسی کٹھن ذمہ داریوں کو با احسن طریقے سے نبھانے والی متحمل مزاج اور خوش اخلاق مسرت، شوہر پہ آیا غصہ بیٹیوں کو بے دریغ ڈانٹ ڈپٹ کر اتار لیتیں۔ ایمن تو بڑی ہونے کے سبب ماں باپ کے بدلے ہوئے رویوں کی وجہ جانتی تھی۔ لیکن حمزہ اور نمو صغر سنی کے سبب ڈری سہمی رہتی تھیں۔ پر سکون و طمانیت بھرا گھر کا ماحول ہر وقت کی کل کل سے کھنچاؤ کی زد میں آ گیا تھا۔

کہتے ہیں کہ انتظار موت سے بدتر ہوتا ہے۔ جب کل عالم میٹھی نیند کے مزے لوٹ رہا ہوتا تو یہ دکھ اور اذیت سے بوجھل اس مرگ مسلسل کو جھیلتے ہوئے پورے صحن میں جلے پیر کی بلی کی طرح چکر کاٹتی رہتیں۔

"جاؤ تم جا کر سو جاؤ، کافی رات ہو گئی ہے، کل کالج بھی جانا ہے تم نے۔" مسرت جمائی پہ جمائی لیتی ایمن کو دیکھ کر نرمی سے بولیں۔

"نہیں میں یہیں ٹھیک ہوں، ویسے بھی [illegible] ڈھل۔۔۔" ایمن کی بات ادھوری [illegible] گھر کا داخلی دروازہ دھڑ سے کھلا تھا۔ احسان احمد تھکے تھکے انداز میں داخل ہوئے تھے۔ ان کے پیچھے یاسر داخل ہوا۔

یاسر۔ ان کا اکلوتا بیٹا ان کی انتہائی خشوع و خضوع سے مانگی ہوئی دعاؤں کا ثمر۔

گھسی ہوئی جینز کے اوپر شوخ رنگ کی شرٹ جس کے صرف نیچے کے دو بٹن بند تھے۔ اوپر سے سارا گریبان کھلا ہوا تھا۔ گلے میں دو تین زنجیریں لٹک رہی تھیں تو دونوں کلائیوں میں رنگ برنگے بریسلٹس اور بینڈز چڑھے تھے۔ دائیں رخسار پہ ٹیٹو کھدا تھا۔ اسی طرح پورے جسم پر اس کی فیورٹ ایکٹریسز کے ٹیٹوز بنے ہوئے تھے۔ منہ پان کھانے کی وجہ سے سرخ جب کہ براؤن آنکھوں میں وحشت بھری تھی۔

مسرت کی تو جان میں جان آ گئی تھی اسے دیکھ کر تیر کی طرح اس کی طرف لپکیں۔

"یاسر! میری جان، تم کہاں تھے، تمہارے ابو تمہیں شام سے ڈھونڈتے پھر رہے ہیں، کچھ کھایا بھی ہے یا صبح کے ناشتے پہ سارا دن گزارا ہے۔ اپنا حلیہ دیکھو کس ڈگر پہ تم جا نکلے ہو۔" مسرت اسے ساتھ لگا کر رو دیں۔ طرح طرح کے ستاتے وہم، بیٹے کو سامنے صحیح سلامت پا کر اڑن چھو ہو گئے تھے۔

"بجائے جھڑکنے کے اسے بیٹے سے لگا رہی ہو، پوچھو اس لوفر سے کہاں آوارہ گردیاں کرتا پھر رہا تھا۔" احسان احمد غصے سے دھاڑے۔

گستی رنق لڑتے [illegible] کوئی جواب دینے لگے تھے اور [illegible] بیٹے کی بے راہ روی اور غیر ذمہ دارانہ رو [illegible] توڑ کے رکھ دی تھی۔

"[illegible] بولیں۔ رات کا وقت ہے آواز دور [illegible]" مسرت نے گھبرا کر کہا۔

"ہونہہ، اب جتنی بدنامی ہونی تھی ہو چکی، تھیا تو دب چکی ہے دوست، عزیز، ہمسائے جس کو دیکھو اس بیٹے کی حرکتوں کی طرف توجہ دلانے چلا آ رہا ہے جیسے میں نے تو اس کی طرف سے آنکھیں بند کر رکھی ہوں۔" احسان احمد نے غصے سے مٹھیاں بھینچ کر شرر بار نگاہوں سے یاسر کو دیکھا جو سخت اکتائے ہوئے انداز میں گلے میں پڑی زنجیر کو انگلی پہ لپیٹ رہا تھا جیسے باپ کی باتیں اس پہ خاصی گراں گزر رہی ہوں۔

"صاحبزادے اسنوکر کلب میں جوئے کی بازی لگائے بیٹھے تھے۔ چرس، کوکین، شراب، ایسا کون سا نشہ ہے جو وہاں نہیں چل رہا تھا۔ مسرت بیگم! میں بتا رہا ہوں آج آخری دن ہے میری برداشت کا۔ اس روز روز کے "سرچ آپریشن" سے تنگ آ گیا ہوں۔" انگلی اٹھا کر وہ سخت تنبیہی انداز میں بولے۔

"تو مجھے کیوں سنا رہے ہیں، کیا میں [illegible] غلط صحبت میں پڑ کر اپنی صحت [illegible] نقصان کرے۔" مسرت رو پڑیں۔

ہر دفعہ کی طرح یاسر کی بگڑی عادتوں اور سرکش رویے کا الزام انہوں نے مسرت کے سر رکھ دیا تھا، اولاد اگر دنیا میں کامیابیاں اور دین کی سعادتیں سمیٹے تو کریڈٹ [illegible] کو جاتا ہے۔ ہاں اگر اولاد برے طور طریقے اپنائے تو مورد الزام ماں ہی ٹھہرائی جاتی ہے۔ یہ [illegible] معاشرے کا عام دستور بن چکا ہے۔

"ہر بار تم آڑے آ جاتی ہو، ورنہ میں تو اسے کب کا چلتا کر چکا ہوتا۔ یہ نا ہنجار اب مزید میرے گھر میں رہنے کے قابل نہیں ہے۔ اسے کہو اپنا کہیں اور ٹھکانہ بنا لے۔ بلکہ کہیں اور کیوں، اپنے لچے لفنگے ایک نمبر کے غنڈے دوستوں کے پاس مستقل رہائش پذیر ہو جائے کند ہم جنس با ہم جنس پرواز۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولے۔

"تو میں نے کب کہا ہے کہ آپ میرے پیچھے آئیں، میرے دوست اچھے ہیں یا برے آپ کو اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے، مجھے اتنا معلوم ہے کہ ان کے ماں باپ ان کا یوں پیچھا کرتے نہیں پھرتے اور نہ ہی ان کی یوں ہر وقت عدالت لگائے رکھتے ہیں۔"

احسان ڈھونڈتے ڈھونڈتے اسے کسی کلب یا کچھ ہاؤس میں دوستوں کے نرغے میں نشے میں مدہوش اچانک جا لیتے اور خوب جھاڑتے جھاڑتے، گھر لے آتے تو اگلے دن اس کے دوست تمسخرانہ انداز میں اس کا سواگت کرتے۔

"لو! وہ آ گیا فیڈر بچہ، ماں کی چنری اور باپ کی انگلی پکڑ کر چلنے والا [illegible] کاکا؟" کوئی ایک ٹھٹھا لگاتا۔

"[illegible] کسی جیب سے کوئی چوسنی وغیرہ نکل [illegible]" دوسرا آواز لگاتا تو سب ہاتھ پہ ہاتھ مار کر قہقہے لگاتے۔

"ارے یار! تو اپنے ماں باپ کو بتاتا کیوں نہیں تو اب بڑا ہو گیا ہے۔ کیوں تجھے لڑکیوں کی طرح قید رکھنا چاہتے ہیں۔ مرد بچہ ہے، جی بہلانے کو اگر یار دوستوں کے پاس ذرا بیٹھ بھی گئے تو بھلا کون سا آسمان ٹوٹ پڑا۔" لہجہ ہمدردانہ اور انداز غمگساری لیے ہوتا۔ ایسے میں یاسر کا سبکی اور شرمندگی کے مارے برا حال ہو جاتا۔ ماں باپ کی روک ٹوک اور نگرانی اسے اپنی شخصی آزادی کو سلب کرنے کے مترادف لگتا۔

"ہاں تمہیں یوں اپنے سروں پہ خاک ڈالنے کے لیے چھوڑ دیں، خوش ہو رہا تھا کہ بیٹا پیدا ہوا ہے جو بڑا ہو کر میری بیک بون بنے گا، لیکن تم تو میری کمر توڑنے پہ تلے بیٹھے ہو۔ بس میں تمہیں آخری بار سمجھا رہا ہوں اپنے رنگ ڈھنگ سنوار لو ورنہ میں کوئی انتہائی قدم اٹھانے سے گریز نہیں کروں گا۔" بلند فشار خون کے سبب آواز یک دم بیٹھ سی گئی تھی۔

"آپ اتنی ٹینشن نہ لیں، سدھر جائے گا۔ یہ نوعمری یونہی لغزشوں کا ارتکاب کیے بغیر کب گزرتی ہے۔" شوہر کو ٹھنڈا کرنے کی خاطر مسرت نے ہلکا پھلکا انداز اپنایا ورنہ تو بیٹے کا سرکش و بے لحاظ روپ دیکھ کر ان کا اپنا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔

"یہ کھوکھلی تسلیاں مجھے نہ دو۔ اتھری گھوڑی اور نوجوان اولاد پر نرمی سے ہاتھ پھیرا جاتا ہے۔ میں اس کی ابتدائی حرکتوں کو نظر انداز کیے گیا، نتیجتاً آج یہ میرے منہ کو آ رہا ہے۔ اگر پہلے روز سے ہی اس کے ساتھ گربہ کشتن روز اول والا معاملہ روا رکھا جاتا تو آج یوں پانی سر سے اونچا نہ ہو چکا ہوتا۔"

بزرگ کہتے ہیں کہ لڑکوں اور خرگوش کو کان سے پکڑنا چاہیے، ورنہ ان کے ہاتھ سے نکلنے کے امکانات

بڑھ جاتے ہیں' میری ذرا سی ڈانٹ ڈپٹ اور سرزنش تمہاری ممتا پر کاری ضرب لگاتی تھی تب ہی تو یہ حال ہے اس کا۔"

انہیں نئے سرے سے تاؤ آیا' وہ اپنے آپ کو ایسے ہارے ہوئے جواری کی طرح محسوس کر رہے تھے جو ساری جمع پونجی لگا چکا ہو۔ مسرت تو تڑپ اٹھی تھیں اس الزام پر۔

"خدا گواہ ہے پچیس سالہ ازدواجی زندگی میں' کبھی جو میں نے اپنی ذمہ داریوں سے غفلت برتی ہو' مال اور اولاد انسان کی سب سے بڑی آزمائش ہوتے ہیں' خدائے بزرگ و برتر کو ہم گناہ گاروں کی آزمائش مطلوب ہے تو ٹھیک ہے یہ نصیب کے عارضی اندھیرے ہمیں بھی منظور ہیں' اس کی رضا ہماری رضا؟" وہ آنسو پونچھتے ہوئے بولیں۔

مسرت کس حد تک وفا شعار بیوی اور ذمہ دار ماں تھیں' یہ احسان احمد بخوبی جانتے تھے۔ بس اشتعال اور بے بسی کے احساس سے مغلوب ہو کر انہیں سخت سست سنا بیٹھے تھے۔ اولاد کے حوالے سے انہوں نے خود انتہائی محدود آمدنی میں بھی "کھلاؤ سونے کا نوالا اور دیکھو شیر کی آنکھ سے" والا اصول ساری زندگی اپنائے رکھا تھا۔ تعلیم اور انداز و اطوار میں ذرا برابر بھی بے ضابطگی پاتے تو وہیں گوشمالی کر لیتے۔ انتہائی منظم و متوازن ماحول میں پروان چڑھنے کے باوجود بھی نجانے یاسر کب اور کیسے غلط صحبت کا شکار ہو گیا تھا۔ کالج لائف شروع ہوتے ہی اس کی شخصیت پہ لگے ماں باپ کی تربیت کے رنگ ماند پڑنے لگے تھے۔ کالج اکیڈمی سے غیر حاضر ہونے کے ساتھ ساتھ اب نوبت راتوں کو گھر سے غائب رہنے تک آپہنچی تھی۔

زور زبردستی' دھونس دھمکی' جیب خرچ کی بندش غرض کوئی بھی گر قابل اصلاح ثابت نہ ہو پایا تھا۔

"میرا بیٹا بڑا ہو کر ڈاکٹر بنے گا' ملک و قوم کی خدمت کر کے ماں باپ کا خوب نام روشن کرے گا۔" مسرت بچپن میں اس کے لاڈ اٹھاتے ہوئے انتہائی مان سے کہتیں۔

"جی نہیں ہمارا بھائی پائلٹ بنے گا۔ آکاش کی وسعتوں کو ناپے گا۔" ثمین اپنی دھونس جماتی۔

"لیکن آپی! مجھے تو سولجر بہت پسند ہیں۔ سلیوٹ کرتے ہوئے۔" حمرہ نے بھی تو بھائی کے حوالے سے ڈھیر سارے خواب دیکھ رکھے تھے۔

"ارے بھئی! تم لوگوں کے بڑے بڑے اور مہنگے خواب میری چھوٹی سی ہٹی کی آمدنی افورڈ نہیں کر سکتی۔"

احسان احمد ہنستے ہوئے سرخ و سپید صحت مند یاسر کو بانہوں میں بھر لیتے۔

"میرا بیٹا ڈاکٹر انجینئر بنے نہ بنے لیکن اچھا انسان ضرور بنے گا' انسانیت کا پیش رو' صدق و صفا کی تصویر۔"

ان کے ایقان بھرے لہجے پہ سب یک زبان آمین بولے۔ لیکن اب ایک ایک کر کے سارے خواب چکنا چور ہوتے جا رہے تھے۔

"یاسر! تم ہمارے اکلوتے بیٹے ہو' ہم سب کا مستقبل تمہارے وجود سے جڑا ہے' کیوں ہمارے خوابوں پہ سیاہی پھیرنا چاہتے ہو۔" مسرت روہانسی ہو جاتی تھیں۔

"میں کوئی غنڈہ ہوں یا موالی ہوں' یا کسی کی گردن کاٹی ہے میں نے' بھتہ خوری کا الزام ہے مجھ پر' جو یوں آپ سب میرے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہیں۔" وہ بری طرح بگڑ جاتا۔ آنکھوں میں لحاظ اور زبان میں ادب کا نام و نشان تک باقی نہیں رہا تھا۔

"برائی صرف چوری چکاری اور قتل و غارت تک محدود نہیں ہوتی' برے دوستوں کی صحبت' پڑھائی سے فرار' بات بے بات گالم گلوچ' یہ کسی شریف خاندانی بچے کو کہاں زیب دیتے ہیں۔ جن بدنام زمانہ تفریح کے اڈوں پر تمہارے بے فکرے دوست لے جاتے ہیں' اپنی پچھلی سات نسلیں کھنگال لو کسی ایک مرد نے وہاں سے گزرنا تک گوارا نہ کیا۔ تمہارے باپ دادا نے غربت میں نیک نامی کمائی ہے' ان کی برسوں کی بنی بنائی عزت مٹی میں ملانے پہ تلے ہو' خدا کے واسطے یاسر!

یہ زوبیہ ساری منفی سرگرمیاں' صرف اپنی پڑھائی پہ دھیان دو۔"

مسرت کا آنسوؤں میں ڈوبا لہجہ التجائیہ سا ہو جاتا۔ لیکن ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا آخر ان سے ایسا کون سا گناہ سرزد ہوا تھا جس کی پاداش میں ایسے ناخلف اور نافرمان بیٹے سے خدا نے انہیں نوازا تھا۔

تین بیٹیوں کے بعد نرینہ اولاد کی خواہش جہاں انہیں دن کا بیشتر وقت عبادات میں مصروف رکھتی وہیں یہ خواہش انہیں مزاروں' درگاہوں اور مطلبی پیروں کے آستانوں تک کھینچ لے گئی تھی۔ ان کی دعائیں مستجاب تو ضرور ہوئی تھیں لیکن شاید مالک دوجہاں کو اس نعمت کے ذریعے آزمانے کا ارادہ تھا۔ مسرت کو بے شمار بار لگا کہ حقوق اللہ کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ کبھی ان سے حقوق العباد میں کوتاہی ہوئی ہو۔ بلکہ خواتین جہاں خانگی ذمہ داریوں میں اتنی الجھی ہوتی ہیں کہ نماز کے لیے وقت نکالنا دشوار ہوتا ہے' گھر کا نظام بہترین طریقے سے چلانے کے ساتھ ساتھ نا صرف فرض بلکہ نفلی عبادات کا بھی خصوصی اہتمام کیا کرتیں' صدقات و خیرات میں بھی بخل سے کام نہ لیتیں۔ محلے والے' احباب و دوست سب ان کی مہمان نوازی' دیانت داری' خوش اخلاقی کے گرویدہ تھے۔

اور احسان احمد محنت' ایمان داری اور کسب حلال کے تمام اصولوں پہ عمل کرتے ہوئے ایک چھوٹی سی کریانے کی دکان کو چند سالوں میں ایک بہت بڑے جنرل اسٹور کی شکل دے چکے تھے۔

ایسے میں دونوں میاں بیوی رہ رہ کر یہی سوچا کرتے کہ آخر ان کی کون سی لغزش اللہ کی ناراضی کا سبب بنی ہے جس کی بنا پر ان کا اکلوتا لاڈلا بیٹا ان کی عزت کی دھجیاں بکھیرنے پہ تلا ہوا ہے۔

☆ ☆ ☆

"امی! وہ میں نے ڈونگے میں ایئر رنگز رکھی تھیں اب وہاں نہیں ہیں۔" اسکول یونیفارم پہنے حمرہ گھبرائی ہوئی کچن میں داخل ہوئی تو پراٹھا توے سے اتارتے ہوئے مسرت نے چونک کر اسے دیکھا۔

"کیا بات ہے وہاں نہیں ہیں' اچھی طرح دیکھو۔ وہیں کہیں ہوں گی۔ ذرا توجہ اور دھیان سے ڈھونڈو۔" حمرہ کی گھبرائی صورت دیکھ کر مسرت نے ہلکا پھلکا انداز اپنایا ورنہ فکر مند تو وہ پہلے ہی سے تھیں۔ احسان انہیں روز کے خرچ کے علاوہ دکان سے حاصل ہونے والی آمدنی ان کے ہاتھ میں تھما دیتے تھے اور بوقت ضرورت واپس لے لیتے تھے۔ ابھی کل جو ضرورت پڑنے پر انہوں نے جمع شدہ رقم احسان احمد کے حوالے کی تو انہیں یوں محسوس ہوا کہ چار پانچ ہزار روپے کم پڑ رہے ہوں۔ شوہر سے تذکرہ کرنا اپنی شامت بلوانے کے مترادف لگا۔ سو چپ رہیں۔ وہ پہلے ہی یاسر کی نالائقیوں اور غیر ذمہ دارانہ حرکتوں پہ تپے ہوئے تھے۔ اس نقصان پر مسرت کے ہی لتے لے ڈالتے کہ رقم کو ایسی غیر محفوظ جگہ پہ رکھا ہی کیوں تھا جو کوئی آسانی سے ہاتھ صاف کر گیا ہے۔

اب جو حمرہ کے منہ سے اس کی گولڈ کی ایئر رنگز کی گمشدگی کا سنا تو پریشانی حد سے سوا ہو گئی۔

"ثمین! تم ایسا کرو خود جا کر شیلف کا ایک ایک برتن کھنگالو' ہو سکتا ہے اس نے ڈونگے کی بجائے کسی اور برتن میں بالیاں ڈال دی ہوں۔" کسی خیال کے تحت انہوں نے ثمین کو مخاطب کیا تو وہ آخری نوالہ منہ میں رکھ کر سہلاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

لیکن بالیوں کا نہ ملنا تھا نہ ملیں۔

"تمہیں اتنی لاپروائی سے کام لینے کی کیا ضرورت تھی۔ بھلا برتنوں میں بھی کسی نے زیور رکھے ہیں جو یہ حماقت تم کر بیٹھیں۔" مارے غصے کے وہ حمرہ پر برس پڑیں۔

"امی! صرف ایک دن کے لیے اتار رہی ہیں ورنہ تو میں انہیں ہر وقت پہنے رکھتی ہوں۔ کل اسکول کے فنکشن میں ڈریس کے ساتھ کے میچنگ ٹاپس جو پہننے تھے۔ اس لیے بالیاں دراز کی بجائے ڈونگے میں اس

لے رکھی تھیں کہ کہیں صفائی کے دوران بے دھیانی میں ادھر ادھر نہ ہو جائیں۔" حمرو رندھے ہوئے لہجے میں بولی جب کہ آنکھیں جھلملا گئی تھیں۔ ان ائیر رنگز سے تو ویسے بھی اسے قلبی لگاؤ تھا کیونکہ ابو نے اسے میٹرک میں اے پلس گریڈ لینے کی خوشی میں گفٹ کی تھیں۔ تب ہی تو وہ انہیں ہر وقت پہنے رکھتی تھی۔

"اچھا چھوڑو گزشتہ را صلوٰۃ آئندہ را احتیاط" میں اپنی بیٹی کو اور بالیاں بنوا دوں گی ذرا اس مالی بحران سے نکل آئیں تو۔ بس آئندہ کبھی یوں تساہل اور کام چوری سے کام نہیں لینا۔ ممکن ہے بالیاں تم نے دوپٹے میں نہ رکھی ہوں۔ فی الوقت مقام تمہاری یادداشت سے محو ہو گیا ہو۔" بیٹی کو مغموم دیکھ مسرت نرم پڑ گئیں۔

لیکن حمرو کی بالیاں ان کے لیے پریشانی کی تمہید ثابت ہوئیں۔ آنے والے چند دنوں میں ایمن کی سیونگ، مسرت کی گولڈ چین اور نمرو کی عیدی کے دو ہزار روپوں کو یوں کسی نے اٹھایا کہ وہ چور کے نشانات ڈھونڈتے رہ گئے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آئے دن کی چوریوں پہ کس کو دھر کر ٹھکائی کریں۔ پہلے تو مسرت بلا تردد جھجک۔ روپے پیسے یونہی دراز میں ڈال دیتی تھیں۔ لاک لگانے کا تو انہیں خیال ہی کبھی نہیں آیا تھا کون سا وہ جوائنٹ فیملی سسٹم کا حصہ تھے۔

احسان صاحب سے بات کرنے کا سوچتے ہی ان کے حواس جواب دینے لگے تھے کیونکہ وہ بھی کچھ اسی قسم کی پریشانی میں مبتلا تھے۔

"میری تو کچھ سمجھ نہیں آرہا آخر گلے سے پیسے غائب کیوں ہوتے چلے جارہے ہیں۔ میں ٹھیک ٹھاک حساب رکھتا ہوں پھر پتا نہیں کیوں آمدنی کم پڑ رہی ہے۔" وہ کافی الجھن کا شکار تھے کاروبار میں کافی اتار چڑھاؤ آتے رہے تھے۔ لیکن مسرت نے انہیں یوں پریشان پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ فکر اور پریشانی نے تو جیسے ان کا پیچھا لے لیا تھا۔ ایسے میں انہیں [illegible] چیزوں اور نقدی کے غائب ہونے کے متعلق [illegible] ان کی پریشانی کو دو چند کرنا تھا۔ اور [illegible] نہیں چاہتی تھیں۔

"یا اللہ! یہ آزمائش کا کون سا رنگ ہے؟ کس گناہ کی تو ہمیں سزا دے رہا ہے۔" وہ بلک بلک کر رو پڑیں۔

"امی پلیز حوصلہ رکھیں۔ میری دوست عاصمہ کی امی ایک عامل بابا کے پاس جاتی ہیں۔ چور جو بھی ہو گا وہ بابا پتا کرلیں گے۔" حمرو سے ماں کا یوں رونا دیکھا نہیں گیا تھا۔

"امی! آپ کو ایسا نہیں لگتا کہ اس چوری میں کہیں "ماجھے" کا ہاتھ نہ ہو۔" کافی دیر خاموش بیٹھی ایمن بولی تو لہجہ گہری پراسراریت لیے ہوئے تھا۔ انداز بھی کافی معنی خیز تھا۔

"کون ماجھا؟" مسرت بری طرح چونکیں۔ پھر سرگوشی کے انداز میں ہولے سے خود کلامی کی۔

"ماجھا۔ ہاں معراج دین۔" پھر غصے سے چیخ اٹھیں۔

"تم پاگل تو نہیں ہو گئیں ایمن! کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہی ہو۔ بھلا ماجھا یہاں کہاں سے آگیا۔ اسے تو پندرہ سال پہلے۔" کچھ کہتے کہتے وہ لب بھینچ گئیں۔ حمرو نے ماں کے چہرے پہ ابھرتے اضطرابی تاثرات کو حیرانی جب کہ ایمن نے کچھ ترحم [illegible] نظروں سے دیکھا تھا۔

☼ ☼ ☼
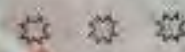
"ارے یہ کسے ساتھ لے آئے آپ؟" شام کو دکان سے واپسی پہ احسان احمد کے [illegible] دس سالہ کمزور نحیف لڑکا پایا تو حیرانی سے پوچھے بنا نہ رہ پائیں۔

"ذرا تسلی [illegible] بتاتا ہوں۔ پہلے تم ماجھے [illegible] بہت میلے ہو رہے ہیں اور کچھ کھلا [illegible] وہ پتا نہیں بے چارے نے کچھ [illegible] ہے کہ نہیں۔ اور بیٹے!" وہ بولتے ہوئے [illegible] کی طرف مڑے۔

"تم گھبراؤ نہیں یہ تمہارا اپنا گھر ہے۔ بلا جھجک یہاں کی ہر چیز استعمال میں لا سکتے ہو۔" انتہائی شفقت سے گھبرائے شرمائے لڑکے کو چارپائی پہ بٹھا کر خود منہ ہاتھ دھونے غسل خانے میں چلے گئے۔

"آخر پتا تو چلے یہ کون ہے؟ کس کا بیٹا ہے" اور سیدھا اسے گھر کیوں پکڑ لائے ہیں۔" کھانا ان کے سامنے رکھتے ہوئے مسرت نے ایک ہی سانس میں کئی سوالات کر ڈالے تھے۔

دراصل بچے کا پھٹا پرانا لباس، کالے بدرنگ پیروں میں ٹوٹی ہوئی چپل، الجھے ہوئے غلیظ سے بال اور فاقہ زدہ صورت دیکھ کر انہیں فطری تجسس ہوا تھا۔

"ارے بھئی! میرے سامنے جو صدیق صاحب [illegible] آٹو موبائل والے، ان کی کسی عزیزہ کا بیٹا ہے [illegible] اس کی پیدائش کے ایک سال بعد [illegible] چل بسا۔ اب ان خاتون نے [illegible] سوتیلا باپ اس مسکین کو اپنے ساتھ [illegible] رکھنے پر تیار نہیں۔ خدا ترسی سے کام لیتے ہوئے صدیق صاحب اسے اپنے گھر لے آئے [illegible] دکان پہ بھی لگا لیا۔ اب قسمت کی [illegible] دیکھو، صدیق کا ارادہ مع فیملی دبئی میں [illegible] کرنے کا بن گیا ہے۔ اور یہ [illegible] ایک بار پھر بے سائباں ہو گیا مجھ سے تذکرہ کیا تو [illegible] دکان پہ رکھ لیا۔ مجھے بھی ایک اسسٹنٹ کی ضرورت تھی۔ یوں سمجھو کام بھی بن گیا اور خدمت خلق کا ایک وسیلہ بھی نکل آیا۔ اب تم فٹ اسے انسانوں والی جون میں لے آؤ۔" احسان احمد نے رسانیت سے بات مکمل کی۔ اور مسرت کا تو خمیر ہی محبت، ہمدردی اور نیک دلی سے اٹھا تھا۔ لپک کے بازو تھاما اور غسل خانے میں لے جا کے خود اپنے ہاتھوں سے اس کا منہ ہاتھ دھویا۔ نرینہ اولاد نہ ہونے کے سبب گھر میں مردانہ لباس تو موجود نہیں تھا۔ کھانا کھلا کر قریبی گارمنٹ شاپ پہ لے جا کے دو تین ریڈی میڈ سوٹ دلوا دیے۔ چند گھنٹوں میں ماجھے کی تو ہیئت ہی بدل گئی تھی۔ تینوں بچیوں کو بھی گھر میں یہ اضافہ اچھا لگا۔

"واہ بھئی! اپنے ماجھے صاحب تو پہچانے نہیں جا رہے۔" احسان احمد نے شگفتگی سے چھیڑا تو وہ شرما سا گیا۔

"ماجھا؟ یہ کیا نام ہوا؟ بچے کا کوئی بھلا سا نام تو ہو گا۔ بیٹے! آپ کا کیا نام ہے؟" مسرت نے نرمی سے پوچھا۔

"جی وہاں پنڈ میں سب مجھے ماجھا کہتے ہیں پر اماں کہتی ہے ابے نے [illegible] نام معراج دین رکھا تھا۔" تو جیسی آواز [illegible] دیا۔

"معراج دین [illegible] کی بلندی ماشاء اللہ کتنا پیارا اور مبارک [illegible] اللہ تمہیں دین کی سربلندی میں بدر [illegible] صحبت کی خدائی تو چلو حالات کی عطا کردہ تھی لیکن [illegible] بھلے نام کو لے کے بگاڑ کر رکھ دیا۔" مسرت کی ممتا کا پیالہ لبالب بھرا ہوا تھا۔ باپ کی شفقت اور ماں کی محبت سے محروم معراج دین جی بھر کر جام محبت سے سیراب ہونے لگا۔

پڑوسی، عزیز اور احباب جو بھی معراج دین کو دیکھتا ان میاں بیوی کی فیاضی اور وسعت قلبی کی داد دیے بغیر رہ نہ پاتا۔

"ارے بھئی! یہ احسان صاحب جیسا ہی دردمند اور سخی دل انسان کسی یتیم کو اپنے بچوں جیسا کھلا پلا سکتا ہے۔ ورنہ آج گرانی کے دور میں تو اپنی اولاد بھی بھاری پڑ رہی ہے۔"

"مسرت کی دریادلی اور ملنساری پر تو کوئی کلام نہیں ہے۔"

انہیں خود نمائی کا نہ مرض لاحق تھا، نہ کسی ستائش کی تمنا لیکن ان کی اس چھوٹی سی نیکی کو سب نے یوں سراہا کہ پیمانۂ دل ڈھیر ساری طمانیت سے لبریز ہو جاتا۔

معراج اسکول سے واپس آکر گھر کے چھوٹے موٹے کام نمٹانے کے بعد دکان پہ گاہک بھگتانے میں احسان احمد کا ہاتھ بٹا دیتا۔

بھرپور خوراک، بہترین لباس اور پرسکون، شائستہ ماحول میسر آتے ہی بدن میں توانائی اور چستی بھر آئی تھی۔

کلثوم... معراج دین کی ماں پہلی نظر میں تو اسے اپنا بیٹا ہی ماننے سے انکاری ہو گئی تھی۔ کہاں وہ سوکھا چرخ، پچکے گالوں اور ابھری آنکھوں والا ماجھا جس کے میلے بدبو دار حلیے کو دیکھ کر صرف کراہیت کا احساس ہوتا تھا اور کہاں یہ صحت مند سلیقے سے بات کرتا ہوا صاف ستھرا معراج دین۔ کلثوم کو لگا کہ وہ اپنے بیٹے کے

لیے جس قسم کا مستقبل چاہتی تھی وہ اسے یہاں مل سکتا ہے۔ ان میاں بیوی کا شکریہ ادا کرنے کا اسے کوئی اور طریقہ سمجھ میں نہ آیا سوائے اس کے کہ جھولیاں بھر بھر دعائیں دے۔ اور انہیں بھی صرف یہی دعائیں تو مطلوب تھیں۔

"اللہ آپ کو آپ کے بال بچوں کو سدا سکھی رکھے ہمیشہ شاد رہیں۔ مجھ غریب ماں پہ بڑا احسان کیا ہے جو میرے یتیم بے سہارا بچے کو اپنی چھت تلے جگہ دی ہے۔" آنسو پونچھتے ہوئے کلثوم عاجزی سے کہہ رہی تھی۔

"احسان کیسا؟ یہ تو انسانیت کا تقاضا ہے۔ ہم معراج دین کو نہ سنبھالتے تو کوئی اور سنبھال لیتا۔ یہ جو ہر روز لاکھوں روحیں وجود میں آرہی ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ اپنے بندوں سے مکمل مایوس نہیں ہوا ہے۔ اس زمین پہ اچھائی اور نیکی کا وجود کہیں نہ کہیں تو ہے۔ بس تم دعا کرو اللہ اپنے فضل سے ہمیں ایک بیٹے سے نواز دے۔ ہمارے پاس اس کی تین رحمتیں موجود ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ صرف ایک بار ہی سہی اپنی نعمت سے نواز دے۔

تم غم زدہ ہو اولاد سے دوری کا دکھ جھیل رہی ہو اور اللہ اپنے دکھی دلوں کی دعا ضرور قبول کرتا ہے۔ مہربانی کرکے ہمارے لیے بھی دعا کرو۔" مسرت کے نرم لہجے میں ایک درخواست سی تھی۔

"اللہ آپ کی سب مرادیں پوری کرے۔ مجھ غریب دو ہاجو پر آپ نے بڑا احسان کیا ہے۔ میرا مرد بڑا کھردلا ہے جی! یہ غریب تو کانٹے کی طرح اس کی آنکھوں میں چبھتا ہے۔ کہتا ہے اپنی اولاد کی تو روٹی پوری نہیں پڑتی 'دوسروں کے بچے کو کہاں سے کھلاؤں' میں پوکب کے گزر گئے میکے کے نام پہ صرف ایک بھائی ہے جو دور ایک جھوک میں رہتا ہے۔ بے چارہ غریب جو ہے سو ہے پر ہے بڑا دل کا بادشاہ۔ میرے بچے کو رضا و خوشی سے اپنے پاس رکھ لیتا۔ پر ادھر کو میرا دل ہی نہیں مانتا میرے بھتیجے سارا دن لوفر بنے پھرتے رہتے ہیں گھر [illegible]

جوئے اور نشے کے تھڑوں پہ گزرتا ہے۔ گاؤں میں صرف ایک پرائمری اسکول ہے۔ جس کا منہ انہوں نے کبھی نہیں دیکھا۔ بس سارا دن گھر میں اینڈنے کے بعد نشہ پورا کرنے کے لیے کبھی کسی کی بکری چرالی کبھی باہر پڑے شہتیر اور کڑیاں بیچ آئے۔ میرا بھائی بڑا تنگ آیا ہوا ہے اپنی اولاد سے۔ میں گھبراتی تھی کہ میرا بھانجا بھی وہاں رہتے ہوئے کہیں ان کا رنگ نہ اپنا لے کون ماں چاہتی ہے کہ اس کا بیٹا چور اچکا اور اٹھائی گیرا بنے۔ بڑی سخت پریشان تھی میں۔ آپ نے میری ساری دردسری ختم کر ڈالی۔ اب مجھے کم از کم اتنی تو تسلی ہوگئی ہے میرا بچہ اچھے لوگوں کے ہاتھوں میں پل رہا ہے۔ جو اسے برے اور بھلے کی شناخت کروائیں گے۔ یہ بڑا ہو کر نہ کسی کا گلا کاٹے گا نہ کسی کو گھاٹا دے گا۔" کلثوم نے جھولی کو دعاؤں سے خالی کیا اور تسلی اور بے فکری سے معمور دل لیے وہاں سے رخصت ہوگئی۔

اب اس کی دعاؤں کی تاثیر تھی یا اللہ کو ان کی اس بے لوث نیکی کا صلہ دینا مقصود تھا' پورے نو سال بعد یاسر نے ان کے آنگن میں آنکھ کھولی تو انہیں یوں لگا جیسے خدائے عزوجل نے اپنی نعمتیں ان پہ تمام کردی ہوں' خوشی کے جس رنگ سے انہیں آشنائی ملی۔ اس سے پہلے وہ اس رنگ سے ناآشنا تھے۔

یاسر نے پاؤں اٹھانا اور وقت نے دوڑنا شروع کردیا۔

آٹھویں جماعت کے طالب علم معراج دین کو ناشناسا احسان احمد بڑا لائق سمجھتے تھے۔ جس نے ان کی تربیت کا خوب پاس رکھا تھا۔ اپنی شائستہ عادات اور فرماں برداری فطرت سے گھر کے ساتھ ساتھ معراج نے سب کے دلوں میں بھی خوب جگہ بنالی تھی۔

اس دن احسان احمد کو ملتان روانہ ہونا تھا۔ دکان کا سامان لینے کے لیے۔ حسب سابق پورے اعتماد سے دکان معراج کے حوالے کی۔

کاروبار تو پورے زوروں پہ تھا لیکن آمدنی دن بہ دن گھٹتی جارہی تھی۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ جب

سودا دھڑا دھڑ بک رہا ہے تو منافع تو دور کی بات اصل رقم بھی ان کے ہاتھ نہیں آرہی تھی۔ اور ایسے میں مسرت کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ ایسے موقع پہ شوہر کی دلجوئی کیسے کریں جب کہ وہ خود بھی آج کل کچھ اسی قسم کے کرائسس سے گزر رہی تھیں۔ چار پانچ سو کی گمشدگی کا تو خاص نوٹس نہیں لیا۔ لیکن جب دس دس ہزار کے دو بانڈ الماری سے غائب دیکھے تو وہ چکرا کر رہ گئیں۔

ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کس کو شک کے دائرے میں رکھیں سارے تو اپنے ہی بچے تھے۔

زیادتی ہر چیز میں نقصان دہ ہوتی ہے حد سے زیادہ اعتبار اور بھروسہ بعض اوقات مثبت نتائج لانے کی بجائے جذبات و احساسات کے نازک شیشے کو یوں ٹھیس پہنچاتا ہے کہ کرچی کرچی کر جاتا ہے۔ لیکن دراڑیں پھر نہیں جاتیں کسی کو جانچے پرکھے بغیر جب کسی پہ بھروسے اور مان کا بوجھ ضرورت سے زیادہ لاد دیا جائے تو بدلے میں صرف خسارہ ہی آتا ہے۔

مسرت کو لگتا تھا کہ یہ بے یقینی اور صدماتی کیفیت ان کی جان لے لے گی۔ اور سمجھ تو احسان احمد کی بھی نہیں آرہا تھا کہ روٹی کپڑا، لباس' تعلیم اور پیار و محبت' کہیں کون سی بنیادی ضرورت نہیں تھی جنہیں مہیا کرنے میں انہوں نے معراج اور اپنے بچوں میں کوئی فرق روا رکھا ہو۔ پھر کیوں معراج نے چوری جیسی رذیل حرکت کی۔

"تمہیں پیسوں کی ضرورت تھی تو مانگ لیتے یہ گھناؤنی حرکت کرنے کی کیا ضرورت تھی تمہیں' بولو معراج؟"

ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولتے ہوئے مسرت نے اس کا بازو زور سے جھنجوڑا تھا۔ شرمندگی کے بوجھ سے گردن جھکائے معراج اپنے اندر اتنی ہمت نہیں پا رہا تھا کہ وہ غیض و غضب کی آگ میں جلتے احسان احمد کا سامنا کرسکے۔

جب ملازم لڑکے نے جھجکتے ہوئے انہیں یہ بتایا تھا کہ اس نے متعدد بار معراج کو گلے میں سے

نکالتے اور احسان احمد کی غیر موجودگی میں چند آوارہ لڑکوں کے ساتھ ان پیسوں سے عیاشی کرتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے لڑکے کو بری طرح جھاڑ دیا تھا کہ وہ احسان احمد کے معراج کے ساتھ غیر معمولی التفات کی وجہ سے حسد کی بنا پر معراج کی کردار کشی کر رہا ہے۔ مگر آج خدا ترسی کے سارے دعوے بودے نکلے تھے۔ سارا مان' بھروسہ کرچی کرچی ہوگئے تھے۔

"آج سے اس گھر میں تمہارے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ سچ ہے نالی کی اینٹ اگر چوبارے میں لگ بھی جائے تو دور سے اپنی اوقات بتاتی رہتی ہے۔ غربت جہالت اور تنگ دستی کے کیچڑ سے نکال کر تمہیں تعلیم اور شعور کے جوہر سے اس لیے نہیں آراستہ کیا تھا کہ مار آستین اور ننگ انسانیت ثابت ہو۔" احسان احمد کا لہجہ سرد اور انداز بے لچک تھا۔

"بھائی صاحب! اس نامراد کو معاف کردیں۔ اس کم ذات کو اس چھت کی قدر معلوم نہیں۔ سامنے کے گھر دو وقت کی روٹی تو کھا لے گا۔ سونے کے لیے کچی ٹوٹی چھت بھی مل جائے گی۔ پر پنڈ کی جہالت اس سے دونوں جہاں برباد کروا دے گی۔ آپ کو رب دا واسطہ اپنی مہربانی کی چادر اس کے سر سے نہ چھینیں۔" کلثوم بری طرح گڑگڑا رہی تھی۔ مسرت کا دل لمحہ بھر کو پسیجا لیکن شوہر کے پتھریلے تاثرات کو دیکھتے ہوئے لب کھولنے کی ہمت نہ پڑی۔

"چل بدبخت! صاحب کے پاؤں پکڑ۔ بے حیا تو کمینوں کی اولاد ہے' تب ہی تو یہ سکھ آرام تجھ سے ہضم نہیں ہوا۔" دونوں ہاتھوں سے بری طرح پیٹنے کے بعد کلثوم معراج کو گھسیٹتے ہوئے احسان احمد کے پاس لے آئی۔

"چل معافی مانگ۔ کم بخت جس تھالی میں کھایا اسی میں چھید نہیں کرتے۔" سوکھے کالے ہاتھوں سے ایک زوردار تھپڑ معراج کے چہرے پہ رسید کیا۔

"معاف کردیں بھائی جان! جاوید لوگوں کے کہنے میں آگیا۔ وہ زبردستی مجھے پکچر دکھانے لے جاتے تھے' یقین کریں میں کل ان سے ساری سنگت ختم کر آیا

ہوں۔ بس مجھ سے غلطی ہو گئی۔ مجھے معاف کردیں۔" ندامت سے چور احسان احمد کے آگے گھٹنے ٹیکتے ہوئے معراج پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔

"ہرگز نہیں۔ بے اعتباری کی مہر تم خود پہ لگا چکے ہو۔ اب مزید کوئی نقصان اٹھانے کا میں متحمل نہیں ہو سکتا، آج میری بچیاں چھوٹی ہیں۔ کل کو بڑی ہوں گی۔ بھیڑ کے بھیس میں بھیڑیے کو میں اپنے گلے کا محافظ و نگہبان کیسے بنا سکتا ہوں۔ ویسے بھی آج میرا یاسر کم سن ہے۔ ہو سکتا ہے کل کو وہ تمہاری صحبت میں رہ کر یہ چوری چکاری سیکھ لے۔ میری تو کل کمائی میرا اکلوتا بیٹا ہے۔ اپنی کل پونجی کو اپنے ہاتھوں کیسے ڈبو دوں۔ تم نے میرے بھروسے کا خون کیا ہے۔ مجھے ناقابل تلافی نقصان سے دوچار کیا ہے۔ اب میں شاید ہی کسی پر اعتماد کر سکوں۔ تمہاری صورت دیکھ کر مجھے اپنا نقصان یاد آجاتا ہے۔ تم چلے جاؤ یہاں سے۔" حتمی انداز میں کہتے وہ کمرے میں چلے گئے۔

دن کا اجالا تیزی سے پچھم کی سمت سمٹ رہا تھا۔ ملگجے اندھیرے میں شکستہ قدموں سے کلثوم کے پیچھے معراج دین نے دہلیز پار کی تھی یا شاید ماتھے نے۔

افق سے سرخی غائب ہو چکی تھی۔ ایمن کو لگا یہ روشنی افق سے نہیں بلکہ ان کے گھر سے رخصت ہو گئی ہے۔ ہمیشہ کے لیے۔

☼ ☼ ☼

"ہم سب گارڈین ہیں۔ کیئر ٹیکر ہیں۔ ہمارے دفتروں، گھروں میں ایسے بے شمار لوگ ہوتے ہیں، جو دو تین ہزار روپے کے لیے ہماری خدمت کرتے ہیں۔ ان کا رزق ہمارے رزق سے وابستہ ہوتا ہے۔ وہ کون ہے جس کا شکر ہمارے رزق کو وسعت دے رہا ہے۔ مگر پھر ہمارا تکبر، ہماری نخوت، ہمارا غرور ہمیں ڈنگ مارتا ہے اور کسی کمزور لمحے میں ہم ذریعے کو اپنی زندگی سے خارج کر دیتے ہیں۔ پھر ان ساری آسائشوں، نعمتوں کا سورج اس شخص کے ساتھ ہمارے صحنوں سے رخصت ہو جاتا ہے۔

واقعی ہم سب سرپرست ہی تو ہوتے ہیں۔ صرف راعی۔" اس نے ایک لمبا سانس کھینچتے ہوئے دھیرے سے "زیرو پوائنٹ" بند کر دی۔

سرمائی کہر آلود خجستہ صبح کے منظر کو شدید دھند نے لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔ اس نے اٹھ کر کھڑکی کا پردہ سرکایا۔

سکھ چین کے درخت کے نیچے رات کو برسنے والی ہلکی سی پھوار سے صحن کے نشیبی حصوں میں انچ بھر کئی چھوٹے چھوٹے تالاب سے بن گئے تھے۔ پتوں پہ ٹکے شبنم کے شفاف آبدار قطرے "ٹپ" کی آواز سے پانی میں گرتے تو ٹھنڈے یخ خاموش ماحول میں ہلکی سی مدھر موسیقی پھیل جاتی۔

"کسی یتیم اور بے سہارا کے سر پہ ہاتھ رکھنے، دو وقت روٹی کھلانے، تن ڈھانپنے اور سر چھپانے کو چھت فراہم کرنے سے خدانخواستہ ہم خدائی کا درجہ نہیں پا لیتے۔ پروردگار کی عطا کردہ بے بہا نعمتوں سے اگر تھوڑا سا حصہ اپنے زیر سایہ پلنے والے کسی یتیم اور بے گھر پر خرچ بھی کر دیتے ہیں تو یہ خناس ہمارے ذہنوں میں کیوں سما جاتا؟ اگر یہ سب ضروریات زندگی ہم فراہم نہیں کریں گے تو اس بشر کے جسم کا روح سے رابطہ منقطع ہو جائے گا۔ یہ تو قدرت کی طرف سے تفویض کردہ ایک ڈیوٹی ہوتی ہے۔ جس کی رضا اور رغبت سے سر انجام دینے سے اللہ تعالیٰ ہمارے کھاتے میں اس دنیا کی آسائشیں، مسرتیں اور اجر رقم کر دیتا ہے۔ جب یہ ڈیوٹی ترک کر دیں تو لامحالہ قدرت کو بھی کھاتہ بند کرنا پڑ جاتا ہے۔"

"آپی! امی کی دوا کا ٹائم ہو گیا ہے۔ دوا آپ دیں گی یا میں کھلا دوں۔" جویریہ اندر داخل ہوئی تو وہ چونک کر خیالوں سے باہر نکلی۔

"نہیں میں خود دیتی ہوں، تمہیں ٹائم ٹیبل کا علم نہیں ہے۔" وہ کتاب شیلف میں رکھتے ہوئے بولی تو وہ واپس ہوئی۔ دھند کافی چھٹ چکی تھی۔ مشرق کی گود سے نکل کر ہلکے زرد اور ٹھنڈے سورج کو اس نے نظر بھر کر دیکھا جو اب آسمان کے سینے پہ پہنچ چکا تھا۔

کپڑے دھوتے ہوئے کئی بار یاسر کی جیب سے اسے گٹکا اور سگریٹ کے پیکٹ ملے تھے۔ اس باپ کو ان کے ضبط سے زیادہ نہ آزمانے کا فیصلہ کرتے ہوئے اس بات کو اس نے اپنے تک ہی محدود رکھا تھا لیکن کب تک۔

کمزور نفس کا گھوڑا، جس کی لگامیں شیطان کے ہاتھ میں تھیں اور نفسانی خواہشات کا تازیانہ اسے سرپٹ دوڑائے چلا جا رہا تھا۔ اس پہ سوار یاسر دکان پہ باپ کی اور گھر پہ ماں بہنوں سے نظر بچا کر بڑی صفائی سے کبھی زیور تو کبھی نقدی اڑا لیتا تھا۔ اب یاسر کی بدقسمتی یا ان کی بدقسمتی، یاسر کو دراز میں سے پیسے نکالتے ہوئے مسرت نے خود دیکھ لیا۔

پھر وہ دن اور آج کا دن مسرت تو چارپائی کی ہی ہو کر رہ گئی تھیں۔ ایمن کے ذمے گھنٹہ دو گھنٹہ بعد ماں کو دوائیں کھلانا اور وقت سے پہلے بوڑھے ہوتے باپ کو سہارا دینا ہوتا تھا۔

"امی ابو کی اس حالت کے ذمہ دار تم ہو۔ گھر، دکان، سب کچھ تمہارا ہی تو ہے۔ کیوں اپنے سر چوری کا گناہ لے رہے ہو۔" شدید غم و غصے میں اس نے یاسر کا گریبان پکڑ کر کئی جھٹکے دے ڈالے تھے۔

"یہ سب کچھ کرنے پر آپ خود مجھے مجبور کر رہے ہیں۔ ترسا ترسا کر چند روپے ہاتھ پہ رکھ دیتے ہیں کہ جاؤ لالی پاپ لے لینا جیسے میں کوئی فیڈر پیتا بچہ ہوں۔" وہ تنفر و بےزاری سے کہتا۔

ایمن کو یوں محسوس ہوا کہ گیا وقت کسی نہ کسی شکل میں لوٹ کر ضرور آتا ہے۔ سب کچھ وہی ہے بس ماجھے کی جگہ پہ اب یاسر ہے۔ خاندانی و نجیب الطرفین جس کی رگوں میں نیک اور عبادت گزار ماں باپ کا خون دوڑ رہا تھا نہ کہ کسی کمی کمین کا۔ ہاں اتنا فرق ضرور تھا کہ چوری پکڑے جانے کے بعد ماجھے کی نگاہیں شرم سے جھکی ہوئی تھیں اور ماتھے پہ ندامت کے قطرے چمک رہے تھے۔

لیکن یاسر۔ آنکھوں میں بےخوفی اور ڈھٹائی کا تاثر لیے اپنی مستی میں مگن تھا جیسے اس بات سے کوئی سروکار نہ تھا کہ اس کی ماں موت کو ہاتھ لگا کر واپس آئی ہے۔ باپ کے شانے دن بدن جھکتے چلے جا رہے ہیں اور ہنستی مسکراتی بہنیں ایک دم سے خاموش کیوں رہنے لگی ہیں۔

"تمہارے ابو ابھی تک یاسر کو نہیں لائے؟" مسرت نے انتہائی نحیف آواز میں دریافت کیا۔ اندر کو دھنسی آنکھوں میں وحشت اور ویرانی کا بسیرا تھا۔

"آجائیں گے۔ آپ فکر نہ کریں۔" بےتاثر لہجے میں کہتے ہوئے دوا کا چمچ ان کے منہ کی طرف بڑھایا۔

"یاسر اگر وہ پیسے نہ چراتا تو تمہارے جہیز کی کئی چیزیں خرید لیتے۔" مسرت یاسیت سے بولیں تو ایمن ان کو دوبارہ لٹاتے ہوئے تلخی سے بولی۔

"کون سا شادی سر پہ آ کھڑی ہے۔ بس آپ ٹھیک ہو جائیں۔ سامان آتا رہے گا۔" اس کے سسرال والے تین سال قبل منگنی کی انگوٹھی پہنا کر شادی کی تاریخ لینا شاید بھول گئے تھے۔ خود منہ سے کہنا اپنی بیٹی کی توقیر خود گھٹانے کے مترادف لگتا تھا۔ سوچ رہے تھے۔ زندگی کو نجانے کہاں کہاں سے انہیں آزمانا مقصود تھا۔

"واقعی سچ کہتی ہو بیٹیوں کا باپ [illegible] کی میل کا کیا غم کرتا۔ وہ ماں اور [illegible] پیدائش پہ ماں محسوس کرتی ہے [illegible] میں مل چکا ہے۔ کونوں [illegible] ٹوٹ چکی ہیں۔" چند الفاظ [illegible] مسرت کی سانس پھول گئی تھی۔

[illegible] ایک کپ چائے کا پیالہ اور دوسرا سوئٹر [illegible] یہ والا لاؤنج میں پھرنے سے یوں گم ہو گیا جیسے ابھی پھوٹوں تو چند قطرے پانی کے نکل ہی [illegible]۔

سوئٹر کے اوپر کوٹ، سر اور منہ کو مفلر سے اچھی طرح لپیٹے کے باوجود احسان احمد سردی سے کپکپاتے [illegible] اندر داخل ہوئے۔

"آ گئے آپ، یاسر کہاں ہے؟ میرے بچے نے ساری رات نہ جانے کہاں ٹھنڈ میں گزاری ہو گی؟"

جاں بلب مریض جس طرح چند حیات بخش قطرے جسم میں جانے سے اپنے اندر توانائی محسوس کرتا ہے ویسے ہی مسرت شوہر کو سامنے پا کر اس خیال سے بےتابی سے اٹھ بیٹھیں کہ صبح منہ اندھیرے نکلے یاسر کو ضرور ساتھ لے آئے ہوں گے۔ نافرمان ہی سہی پر اکلوتے بیٹے کے رات بھر باہر رہنے پہ ان کی ممتا کس کڑی آزمائش سے گزری تھی یہ وہی جانتی تھیں۔

ایمن کو باپ پہ بے طرح ترس آیا۔ جب ہر نفس ہڈیوں میں گودے تک [illegible] والی سردی سے بچنے کے لیے کسی بند مقام پہ [illegible] موسم کی سختی سے بچا ہوا تھا، اس کا باپ [illegible] کڑاکے کی سردی ہو یا چلچلاتی گرمی، اپنے [illegible] ڈھونڈتے ہوئے حق پدری ادا کر رہا ہوتا۔

"آپ نے بتایا نہیں یاسر آخر کہاں تھا ساری رات۔"

"امین کے پاس۔" صوفے کی پشت پہ سر رکھے، بےتاثر نظروں سے چھت پہ نجانے کیا تلاش کر رہے تھے۔ مسرت کو ان کے الفاظ اور انداز اجنبی سے لگے۔ وہ ہمیشہ یاسر کو اس کے چند دوستوں یا کسی تفریحی پوائنٹ سے "بازیاب" کرا لاتے تھے لیکن یہ نام ان سنا سا لگ رہا تھا۔

"کون امین؟"

"ہے ایک قوم لوط کی بھٹکی ہوئی روح۔"

احسان احمد کے منہ سے سرسراتی آواز میں نکلے یہ الفاظ مسرت کو انہیں یوں لگا کہ جیسے پاؤں سے لے کر سر تک، ان کے پورے جسم کو کسی نے تیز دھار آلے سے چیر ڈالا ہو۔ وہ بےدم سی ہو کر دوبارہ بستر پہ لیٹ گئیں۔

"کاش ابو! آپ اس دن ماجھے کو گھر سے نہ نکالتے۔ بےشک اس غلطی پہ مار پیٹ لیتے لیکن اسے دربدری کی سزا نہ دیتے۔

بہت ممکن ہے ہمارے گھر کے اندر بقول کلثوم کے اس کا دوسرا ٹھکانہ [illegible] اس کا آسرا بن گئی۔ ماجھوں کے بیٹوں کی صحبت میں رہ کر ان کا رنگ اپنا [illegible] ہوئے وہ [illegible] اچھا چور یا قمار باز بن چکا ہو۔ [illegible] اپنی سربراہی کا دائرہ وسیع کر لیتے۔ ماجھے کو معاشرے کا ایک مفید اور باعزت فرد بنانے کا قدرت نے آپ کو موقع دیا تھا۔ لیکن اپنے غصے اور بڑائی کے زعم میں آ کر وہ موقع آپ نے اپنے ہاتھ سے گنوا دیا۔"

ایک دکھ بھری نظر وہ بےحس و حرکت پڑے باپ پہ ڈال کر حسب سابق یاسر کے لیے کھانا نکالنے کچن میں چلی آئی۔

نافرمان اولاد ہاتھ کی چھٹی انگلی کی طرح ہوتی ہے۔ اگر ساتھ لگی رہے تو بدنما دکھائی دیتی ہے۔ جو اگر کاٹا جائے تو درد ہوتا ہے اور ایسے ہی درد کا لامتناہی سلسلہ قدرت نے بھی احسان احمد کی زندگی میں رقم کر دیا تھا۔ اکلوتے نافرمان بیٹے جیسا بدنما دھبا ان کی زندگی کے حسن کو گہنا چکا تھا۔ خود احتسابی کے عمل سے خود کو بار بار گزارنے کے باوجود ایسی کوئی بھی "خطا" نہیں مل پاتی جس کی اللہ نے انہیں اتنی سخت "سزا" دے دی تھی۔ پھر یہ سوچ ایک گونہ دل کو تسلی دے دیتی کہ اللہ اپنے "عبادت گزار" اور "باخلاق" بندوں کو سزا تو نہیں البتہ آزما ضرور لیتا ہے۔ لیکن وہ بھی یہ جان ہی نہیں پاتے کہ کسی یتیم و بےکس کی غلطی پر صبر و تحمل سے کام لینے کی بجائے "سزا" دینے کا اختیار اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے اس پہ عفو اور چشم پوشی کا دروازہ جب بند کرتے ہیں تو ہماری زندگی میں گھپ اندھیرا در آتا ہے۔ اس بند دروازے کے پیچھے ہی ہمارے نصیب کی خوشیاں، آسائشیں اور راحتیں رہ جاتی ہیں۔ اور ہم اپنی تاریک زندگی میں ٹٹول ٹٹول کر انہیں تلاشتے رہ جاتے ہیں۔

سالگرہ نمبر

دردِ دل

نبیلہ عزیز

ساتویں قسط

بڑی حویلی کے تمام مکین وقار آفندی سے بڑی عقیدت اور محبت رکھتے ہیں اور علیزے تو اپنے بابا کی شخصیت سے بہت ہی متاثر ہے۔

مدحیہ اور نبیل حیات دونوں بہن بھائی ہیں، مدحیہ انتہائی بگڑی ہوئی اور خود سر لڑکی ہے۔ وہ انگلینڈ کی رنگینیوں میں مکمل طور پہ رنگ چکی ہے، جس کے پیش نظر فائزہ بیگم، نبیل کو پاکستان شفٹ ہونے کا مشورہ دیتی ہیں، لیکن مدحیہ پاکستان جانے سے انکار کر دیتی ہے، جس پہ نبیل اور فائزہ بیگم بے حد پریشان ہیں۔

زری کو اپنے بھائی عبداللہ کے دوست سے محبت ہے، مگر وہ کسی کو بھی اس راز میں شامل نہیں کرنا چاہتی اور یہ جذبہ اندر ہی اندر پنپ رہا ہے۔

عدیل کافی عرصہ سے نوکری کی تلاش میں ہے، مگر ہر روز مایوسی اور ناکامی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ بے بسی اور مجبوری سے تنگ آ کر خودکشی کرنے کا سوچتا ہے، لیکن ایسے میں ایک روز اسے ڈھابے میں چائے پیتے ہوئے سید امتیاز مل جاتا ہے، جو اسے کام کی آفر کرتا ہے، جس پر عدیل کافی خوش ہوتا ہے۔ اسی خوشی میں وہ کام کی بابت پوچھنا بھول جاتا ہے۔

منصور حسین ایک غریب اور میٹرک پاس آدمی ہے، وہ مبارک خان کے توسط سے بڑی حویلی میں وقار آفندی سے نوکری مانگنے آتا ہے، وقار آفندی کوئی بھی جگہ خالی نہ ہونے کے باعث اسے دوبارہ آنے کا کہہ کر واپس بھیج دیتے ہیں اور وہ مایوسی سے واپس لوٹ جاتا ہے۔

دل آویز شاہ کا شمار ملک کے بہترین اور منجھے ہوئے وکیلوں میں ہوتا ہے۔ وہ اپنے قول و فعل کا بہت پکا آدمی ہے، اس نے کبھی ہارنا نہیں سیکھا، اس کی ماں بتول شاہ کو اپنے بیٹے کی قابلیت اور ذہانت پہ بہت بھروسہ ہے اور اس کا یقین وہ دوسروں کو بھی دلاتی ہیں۔

"دل آور شاہ آپ ہی ہیں نا؟" کسی نے اس کے عقب سے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا تھا اور وہ اس جانی پہچانی سی آواز پہ ایک جھٹکے سے پلٹا تھا۔

"نبیل؟" اس کی آواز اور لہجے سے خوشی کا رس ٹپک رہا تھا۔

"دل آور!" وہ دونوں یکدم ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے تھے۔

"کیسا ہے شہزادے؟" دل آور اس کو بھینچتے ہوئے بولا تھا۔

"دیکھ لو کیسا ہوں؟" نبیل نے ہنس کر جواب دیا ان دونوں کی اس قدر محبت بھری اور جذباتی ملاقات پہ کئی لوگوں نے باقاعدہ ٹھہر کر ان کی اس ملاقات کا سین دیکھا تھا۔

"ماشاء اللہ پہلے سے جوان ہو گیا ہے۔" دل آور کا جملہ نبیل کو قہقہہ لگانے پہ مجبور کر گیا تھا۔

"تیری یہی باتیں تو مجھے یاد رکھنے پہ مجبور کرتی ہیں۔" نبیل شرارت سے بولا۔

"اس بات کا بھی حساب لے لوں گا تم سے۔ تم یہ بتاؤ مدیحہ اور آنٹی کہاں ہیں؟" دل آور اس کے عقب میں دیکھتے ہوئے بولا۔

"وہ ابھی اندر ہیں، سامان کی چیکنگ ہونی ہے ابھی۔" نبیل نے اشارہ کیا۔

"یار چیکنگ میں تو تم لوگوں کا سارا سامان خراب ہو جائے گا، میں کچھ کرتا ہوں۔" اس نے کچھ سوچتے ہوئے اپنا سیل نکالا اور کسی کا نمبر ڈائل کیا تھا اور واقعی اس کی سفارش کام آئی تھی ان کا سامان چیکنگ کے عذاب سے بچ گیا تھا اور وہ لوگ جلدی باہر آ گئے تھے۔

"بھائی...!" مدیحہ بڑے والہانہ انداز میں اس کی طرف بڑھی تھی۔

"میری گڑیا۔" وہ سینے سے لگی مدیحہ کا سر تھپکتے ہوئے نرمی سے مسکرایا تھا اس وقت اگر اس کے کولیگز اسے دیکھ لیتے تو حیران رہ جاتے اسے دیکھ کر کہیں سے بھی نہیں لگ رہا تھا کہ یہ وہ دل آور شاہ ہے، جو کورٹ میں کھڑا ہوتا تھا تو لفظوں کی جگہ آگ اگلتا تھا اور سننے والے دم سادھ جاتے تھے۔

"کیسی ہو؟" وہ اس کے دونوں کندھوں پہ ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

"بس ٹھیک ہوں، آپ سنائیں کیسے ہیں؟ اور آنٹی کہاں ہیں؟" مدیحہ نے بتول شاہ کا پوچھا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں میری جان، اماں اسلام آباد میں ہیں، ان کے کالج میں آج کل ایگزام ہو رہے ہیں اس لیے مصروفیت کی وجہ سے نہیں آ سکیں۔" دل آور نے اس کو جواب دیا اور آگے بڑھ کے فائزہ بیگم سے ملا۔

"السلام علیکم آنٹی۔" اس نے ان کے سامنے سر خم کیا تھا اور انہوں نے دل آور کی پیشانی چومی تھی۔

"جیتے رہو، خوش رہو اللہ عمر دراز کرے۔" انہوں نے اس کے کندھے پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے دعائیں دیں۔

"آمین۔" نبیل نے شرارت سے آمین کہا۔

"بچے! تم سے تو میں بعد میں بات کروں گا، ابھی گھر چلو، بڑی ہوا لگ گئی ہے تمہیں۔" دل آور مدیحہ کے ہاتھ سے سامان سے لدی ٹرالی دھکیلتا ہوا آگے بڑھا دوسری ٹرالی نبیل دھکیل رہا تھا وہ لوگ وہاں سے اپنے گھر کی ضرورت کے لیے کافی سامان لے کر آئے تھے۔

"لائیے صاحب۔" گلاب خان لپک کے قریب آیا۔

"نبیل صاحب کی ہیلپ کرو۔" اس نے اشارہ کیا۔

"سلام صاحب۔" گلاب خان نے نبیل کو سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔" نبیل سمجھ گیا کہ وہ دل آور کا ملازم ہے۔

"لائیے صاحب میں رکھتا ہوں گاڑی میں۔" گلاب خان نے ٹرالی کے ہینڈل اس کے ہاتھ سے تھام لیے تھے۔

"گلاب خان میں نے وین ہائر کی ہے تم اس وین میں سارا سامان لے کر نبیل صاحب کے گھر پہنچو گاڑی میں خود ڈرائیو کر لوں گا۔" دل آور نے سامان زیادہ دیکھ کر گاڑی بک کروائی تھی۔

"جی صاحب جیسے آپ کا حکم۔" گلاب خان سعادت مندی سے بولا۔

"سلور رکھواؤ سامان گاڑی میں۔" دل آور نے اپنی نگرانی میں سارا سامان احتیاط کے ساتھ گاڑی میں رکھوایا تھا۔

"یار ہر چیز کے معاملے میں بہت کیئرنگ ہو تم۔" نبیل کہے بغیر نہ رہ سکا۔

"ہاہاہا... میں دوست تو دوست دشمن کی بھی بہت کیئر کرتا ہوں۔" وہ قہقہہ لگاتا ہوا اپنی گاڑی کی سمت بڑھا اور نبیل اس کی گاڑی کے قریب آ کر ٹھہر گیا تھا۔

"تو جناب نے آج کل "سرف" خریدی ہوئی ہے۔" نبیل سلور کلر کی چمچماتی ہوئی گاڑی کو ستائشی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"بس، جو غریبوں کو پسند آ جائے۔" وہ عاجزی سے کہتا ہوا ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھ گیا دوسری سائیڈ سے دروازہ کھول کر نبیل بھی فرنٹ سیٹ پہ بیٹھ گیا تھا۔

"ویسے یار، پراڈو، لینڈ کروزر، پجارو اور سرف میں کوئی خاص فرق تو نہیں ہے؟" نبیل واقعی ٹھیک کہہ رہا تھا اس گاڑی کی شیپ بھی پراڈو اور لینڈ کروزر جیسی ہی تھی۔

"بہت زیادہ فرق نہ ہو لیکن یار پیسے کا اور نام کا فرق تو ہے نا؟" دل آور مسکرا کر فرق سے آگاہ کیا۔

"ہاں یہ تو ٹھیک کہا تم نے، پاکستان میں چیزوں کا دکھاوا زیادہ ہی ہوتا ہے چاہے وہ موبائل فون ہو، چاہے گاڑی، چاہے خواتین کے ہینڈ بیگ... بس سب کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ اس کی چیز باقیوں سے منفرد نظر آئے۔" نبیل نے اپنی رائے کا اظہار کیا تھا۔

"ایک بات کہوں نبیل؟" دل آور نے گاڑی روڈ پہ ڈالتے ہوئے کہا۔

"کہو......"

"لاہور پاکستان کا دل ہے اور دل میں آ کر ایسی باتیں مت کرو کہ دل کو ناگوار گزرے، اس لیے بہتر ہے کہ کوئی اور بات چھیڑو۔" اس نے بڑی نرمی اور بڑے طریقے سے نبیل کو سمجھایا تھا۔

"اوہ... یعنی سچ اور بے کیا گستاخی ہو؟" نبیل معنی خیزی سے بولا۔

"یہی سمجھ لو اور اس میں کوئی شک بھی نہیں ہے۔" اس نے کندھے اچکائے۔

وہ دونوں اتنے عرصے بعد ملے تھے اس لیے ان کی باتوں کو باہر نکلنے کا موقع مل گیا تھا۔ جبکہ پچھلی سیٹ پہ فائزہ بیگم کے ساتھ بیٹھی مدیحہ چپ چاپ لاہور کے مناظر دیکھ رہی تھی سڑکوں پہ خاصی چہل پہل اور گہما گہمی تھی سب کچھ ویسا ہی نظر آ رہا تھا جو وہ لوگ فلموں اور ڈراموں میں دیکھتے تھے وہی سڑکیں، وہ راستے، وہی لوگ، وہی بازار۔

"اف! اب یہاں ان لوگوں کے ساتھ رہنا پڑے گا؟ جن کو کسی بھی چیز کی تمیز نہیں ہے؟" سے سوچ کر ہی کوفت اور بے زاری ہونے لگی تھی وہ گاڑی میں بیٹھے بیٹھے پہلو بدل کر رہ گئی۔ دل آور اس کی بے زاری صورت بیک ویو مرر سے ہی دیکھ چکا تھا اور کچھ بھی کہنے کا ارادہ ملتوی کرتے ہوئے نبیل کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"عبداللہ کیسا تھا؟"

"فٹ فاٹ ہے یار۔"

"اور نگارش بھابھی؟"

"وہ بھی ٹھیک ہیں۔ ساری فیملی ہمیں ائیر پورٹ سی آف کرنے آئی تھی۔" نبیل نارمل سے انداز میں بولا اس

نے یہ بھی نوٹ نہ کیا کہ ولی آور نے عبداللہ اور نگارش بھابھی کا حال احوال پوچھ لیا ہے، لیکن زری کا کیوں نہیں پوچھا وہ بھی تو عبداللہ کی فیملی کا حصہ تھی؟

"وہس کا کوئی ارادہ نہیں ہے پاکستان چکر لگانے کا؟" ولی آور گاڑی کا موڑ کاٹتے ہوئے بولا۔

"زری کی اسٹڈی کمپلیٹ ہو گئی تو پھر ہی کوئی پروگرام بنے گا اس کا' زری اور نگارش بھابھی کو اکیلے چھوڑ کر تو نہیں آسکتا وہ۔" نبیل نے اندازاً جواب دیا تھا۔

"ہوں یعنی ابھی کچھ عرصہ لگے گا؟"

"ہاں یقیناً۔" نبیل نے اس کی بات کی تائید کی۔

"خیر تم آگئے ہو تو وہ بھی آجائے گا' یار زندہ صحبت باقی۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ویسے یار ایک چیز کا بہت افسوس ہو رہا ہے۔" وہ افسوس بھرے لہجے میں بولا۔

"کس چیز کا؟"

"تیرے پہلو میں کوئی گوری میم نہیں ہے اس لیے۔" اس نے افسردگی اور مایوسی کا اظہار کیا۔

"جب تو لندن سے آیا تھا تو کیا تمہارے پہلو میں گوری میم تھی؟" نبیل نے گھور کے پوچھا۔

"یار یہاں کیا لڑکیاں مرگئی تھیں جو میں گوری میم کو لے کر آتا؟" ولی آور چڑانے والے انداز سے بولا۔

"یعنی تمہارے لیے یہاں لڑکیاں زندہ ہیں اور میرے لیے مرگئی ہیں؟" نبیل نے اس کی بات کا مطلب اخذ کیا۔ "جواباً" وہ ایک بار پھر فلک شگاف قہقہہ لگا کر ہنسا تھا آج اس کی دلی خوشی کا اظہار اس کے قہقہوں سے ہو رہا تھا۔

"ولی آور باز آجا۔" نبیل نے گھور کے کہا یہ ان کا آپس میں بات کرنے کا ایک مخصوص اسٹائل تھا۔ ولی آور نے رہائشی ایریا میں پہنچتے ہوئے ان کے گیٹ کے سامنے ہارن دیا تھا۔ چوکیدار نے فوراً سلام کرتے ہوئے گیٹ کھول دیا۔ وہ گاڑی اندر لے آیا۔

سب ملازم ولی آور کی ہدایت پہ ان کے انتظار میں ڈرائیو وے پر ہی کھڑے تھے ان کے گاڑی سے اترتے ہی انہوں نے سلام کرنا شروع کر دیا۔

"شکر ہے تیری ذات کا جس نے اتنے سالوں بعد ہمیں اپنے گھر کی چار دیواری دیکھنی نصیب کی ہے۔" فائزہ بیگم نے اوپر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے اللہ کا شکر ادا کیا تھا۔ ان کی آنکھوں میں اس وقت تشکر کے آنسو تھے۔ لیکن ان سے چند قدم دور کھڑی مدیحہ اس گھر کے ملازموں کو اور اس گھر کے در و دیوار کو اجنبی نظروں سے دیکھ رہی تھی اس کا چہرہ بالکل سرد و سپاٹ ہو رہا تھا کہ یہ وہ گھر تھا جو اس کے باپ ممتاز حیات نے اپنی کمائی سے بنایا تھا اور یہی وہ گھر تھا جہاں اس کی ماں فائزہ حیات دلہن بن کے آئی تھیں اور اس گھر سے انہوں نے بہت ارمان وابستہ کیے تھے اور بہت سے خواب سجائے تھے' لیکن اتنے ڈھیر سارے خوابوں میں سے صرف دو خواب زندہ رہ پائے تھے۔

ایک نبیل حیات اور ایک مدیحہ حیات اور ان دونوں کے سوا باقی سارے خواب مرگئے تھے' بکھر گئے تھے' کرچی کرچی ہو گئے تھے۔ کیونکہ ان کے خوابوں کے باغ کو سینچنے والا خود باغی ہو گیا تھا اور اب یہی دھڑکا انہیں بیٹی کی طرف سے بھی لگا رہتا تھا۔

"مام اندر چلیں پلیز۔" نبیل نے ان کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کے انہیں سوچوں کے گرداب سے نکالا۔

"چلو۔" وہ آنکھوں کی نمی پونچھتی ہوئی اس کے ساتھ اندر آگئیں ولی آور مدیحہ کے ساتھ بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔

☆☆☆

وہ بیڈ پہ نیم دراز سے لیٹے تھے جب دروازے پہ ہلکی سی دستک ہوئی۔

"لیس کم ان۔" ان کی اجازت پہ علیزے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھی۔

"علیزے۔" وہ فوراً اٹھ کر بیٹھ گئے۔

"السلام علیکم پاپا۔"

"وعلیکم السلام ادھر بیٹھو یہاں۔" انہوں نے بیڈ پہ اپنے قریب بیٹھنے کا کہا۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک ہے نا۔"

"ہاں ٹھیک ہوں وہ دن آفس نہیں گیا اس لیے آج آفس میں فارغ رہ کر بھی تھکن ہو گئی ہے۔"

"تو آپ کوئی ٹیبلٹ لے لیتے؟"

"نہیں بیٹا ٹیبلٹ کی ضرورت نہیں۔ چائے سے ہی تھکن دور ہو جائے گی۔"

"آپ آرام کریں میں چلی جاتی ہوں [illegible] گی۔"

"بیٹھو میری جان' بیٹھو اور یہ بتاؤ کہ [illegible] سے آئی ہو؟" انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا دیا تھا۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے پھر بات کر لوں گی۔" اس نے انکار کر دیا۔

"پگلی میری طبیعت ٹھیک ہے بس ذرا سی تھکن ہے وہ بھی اتر جائے گی تم بتاؤ کیا کہنے آئی ہو؟" انہوں نے اس کا ہاتھ تھپکا۔ علیزے [illegible] ان کے چہرے کو دیکھنے لگی وہ اسی کی طرف متوجہ تھے۔

"پاپا وہ میں نے آپ کو بتانا تھا کہ۔۔۔"

"ہاں بولو بیٹا۔"

"وہ میرے ایگزامز ہونے والے ہیں میری ایک کلاس فیلو نے بتایا ہے کہ پیپرز کی ڈیٹ شیٹ آگئی ہے شاید نیکسٹ ویک پہلا پیپر ہو گا؟" علیزے نے اپنی پریشانی کی وجہ بیان کی۔

"پھر۔۔۔؟" وقار آفندی کو بھی سن کر کافی پریشانی ہوئی تھی۔

"پاپا کیا میں اب کالج نہیں جا سکتی؟" علیزے نے کافی سہمے ہوئے انداز میں پوچھا تھا۔

"ارے نہیں بیٹا کیوں نہیں جا سکتی؟ ان شاء اللہ تم کالج ضرور جاؤ گی۔" وقار آفندی نے اسے تسلی تو دے دی لیکن اندر سے خود بھی فکر اور پریشانی میں گھر گئے تھے۔

"تم پیپرز کے روز کالج جاؤ گی یا پھر پہلے بھی؟"

"پاپا پیپرز سے پہلے ہونے والے لیکچرز تو زیادہ اہم ہوتے ہیں۔ لیکچرز تو اٹینڈ کرنا ہی ہوں گے؟" علیزے خود بھی پریشان اور تذبذب کا شکار تھی کہ آج کل کے مسئلے کے بعد اسے جانا چاہیے یا نہیں۔

"سب سے پہلے تو تمہاری گاڑی کا مسئلہ ہے آذر فارغ نہیں تھا ورنہ وہ ہی شو روم چلا جاتا' خیر اس کام کے لیے تو تھوڑا ٹائم نکال ہی لے گا' لیکن اس کے بعد سب سے بڑا مسئلہ ہے تمہارے لیے ڈرائیور رکھنے کا۔ خیر و بابا کافی بوڑھے ہو چکے ہیں اور اب اس حادثے کے بعد تو اور بھی کمزور ہو گئے ہیں' ان کی عمر اب گھر بیٹھنے کی ہے ڈرائیونگ کرنے کی نہیں۔"

"لیکن پاپا کسی نئے ڈرائیور کے ساتھ کیسے سب کچھ مینج ہو گا؟"

"یہی تو میں سوچ رہا ہوں کہ نیا ڈرائیور رکھنا' یا اس پہ اعتماد کرنا آسان بھی نہیں ہے۔"

"پھر کیا ہو گا؟" علیزے فکر مند تھی۔

"کچھ ہو ہی جائے گا' تم جاؤ آرام کرو اور جاتے جاتے آذر کو میرے بیڈ روم میں بھیج دو۔" انہوں نے علیزے کو وہاں سے بھیج دیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد آذر ان کے سامنے تھا۔

"بیٹھو۔" وہ دائیں دیوار والے صوفے پہ بیٹھ گیا۔
"فارغ تھے تم؟"
"جی فارغ ہی تھا۔"
"نیند تو نہیں آ رہی؟"
"نہیں۔"
"دانیال کہاں ہے؟"
"عائشہ پھپھو کو چیک اپ کے لیے ڈاکٹر کے پاس لے کر گیا ہے۔"
"آج کل بڑی انڈر اسٹینڈنگ ہے تم دونوں میں؟" وہ چھیڑنے والے انداز سے بولے۔
"کیا نہیں ہونی چاہیے؟" وہ بھی مسکرایا۔
"ارے کیوں نہیں بیٹا ہونی چاہیے اور ضرور ہونی چاہیے' تم دونوں بھائی ہو' کزن ہو اور یہ رشتہ بہت ہی خوب صورت رشتہ ہے' جو وت تم سے چھوٹا ہے اور زین دانیال سے چھوٹا ہے اس لیے تم دونوں کی انڈر اسٹینڈنگ ان کے ساتھ تو ہو نہیں سکتی تھی اس لیے بہتر ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو سمجھ لو' ویسے بھی دانیال بہت سمجھ دار اور سعادت مند لڑکا ہے' ہر اونچ نیچ سمجھتا ہے۔" وقار آفندی اس کی تعریف کر رہے تھے۔
"ڈیڈ آپ کی بات درمیان میں ٹوکنے کے لیے سوری' لیکن پلیز آپ وہ بات کریں جس کے لیے مجھے یہاں بلایا ہے۔" آذر شائستگی سے بولا۔
"بور ہو گئے ہو؟"
"نہیں بور نہیں ہوا' بس لیٹ ہو گیا ہوں۔" آذر نے رسان سے کہا۔
"لیٹ کس لیے؟"
"آفس کا کچھ ضروری کام نبٹانا تھا۔"
"بیٹا آفس کے کام کے علاوہ بھی اور بہت سے ضروری کام نبٹانے والے پڑے ہیں۔"
"کون سے کام؟" آذر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔
"علیزے کے لیے نئی گاڑی نکلوانی ہے' اس کے لیے کسی ڈرائیور یا کسی گارڈ کا بندوبست بھی کرنا ہے' اس کے ایگزامز سر پہ آ گئے ہیں۔" وقار آفندی نے اپنی پریشانی بیان کی۔
"کیا مطلب؟ کب ایگزامز ہیں؟" آذر چونک گیا۔
"نیکسٹ ویک۔"
"اوہ! یہ تو واقعی پرابلم ہو گئی ہے۔"
"اسی لیے تمہیں بلایا ہے کہ اس پرابلم کا کوئی حل نکالو۔"
"کیا اس حادثے کے بعد علیزے ذہنی طور پہ کالج جانے کے لیے تیار ہے؟" آذر کو پتا تھا کہ وہ اندر سے کتنی ڈری سہمی ہو گی۔
"یقیناً تیار ہی ہو گی' وہ خود میرے پاس آئی تھی کہ اس کے ایگزامز کی ڈیٹ شیٹ آ گئی ہے۔"
"گاڑی کا مسئلہ تو کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے جب تک شو روم سے گاڑی نکلے گی تب تک گھر سے کوئی اور گاڑی بھی استعمال میں لائی جا سکتی ہے' اصل مسئلہ تو ڈرائیور کا ہے۔"
"لیکن ڈیڈ یہ کام تو مبارک خان بھی کر سکتا ہے؟" آذر بات کرتے کرتے ان سے سوال کر بیٹھا۔
"مبارک خان یہ کام کر تو سکتا ہے' لیکن اگر اسے علیزے کی گاڑی ڈرائیو کرنے پہ مامور کر دیا تو حویلی کے اور

آفس کے بہت سے کام رک جائیں گے اس پہ بہت ذمہ داریاں اور بھی ہیں۔" وقار آفندی بھی اپنی جگہ ٹھیک ہی سوچ رہے تھے جو کام مبارک خان انجام دیتا تھا وہ کوئی اور ملازم نہیں کر سکتا تھا۔
"تو پھر اتنی جلدی کوئی نیا ملازم ملنا بھی تو بہت مشکل کام ہے' وہ بھی قابل اعتبار بندہ؟" آذر اور وقار آفندی کی پریشانی ایک ہی تھی۔
"بس بندہ اعتماد کا ہو۔"
"یہ کام بھی مبارک خان کر سکتا ہے۔" وقار آفندی کا دھیان اس آدمی کی طرف چلا گیا جسے کافی روز پہلے مبارک خان کوئی کام دلانے کی غرض سے اپنے ساتھ لے کر حویلی آیا تھا۔
"مبارک خان؟ وہ کیسے؟"
"اس کے پاس کوئی آدمی ہے اسے کام کی ضرورت ہے' ایک بار مجھ سے مل بھی چکا ہے' نام بھی بتایا تھا اس نے لیکن میرے ذہن سے محو ہو چکا ہے' میرے خیال میں وہی بندہ ٹھیک رہے گا؟" وقار آفندی فیصلہ کر چکے تھے۔
"کون آدمی ہے؟ کچھ پتا ہے؟"
"وہ بھی پتا چل جائے گا' میں مبارک خان سے کہتا ہوں وہ صبح ہی اسے بلا لے گا۔"
"ٹھیک ہے آپ بلا لیجیے گا' لیکن پہلے ساری تسلی کر لیجیے گا۔" آذر صوفے سے کھڑا ہو گیا۔
"اور گاڑی؟"
"گاڑی کا کام آپ پرسوں پہ رہنے دیں' ہو سکتا ہے کہ مجھے کل کام کے سلسلے میں کراچی جانا پڑے۔ البتہ میں کل گاڑی کی بکنگ کروا دوں گا۔" آذر نے انہیں تسلی دی۔
"آذر بات سنو۔"
"جی ڈیڈ۔"
"ادھر آؤ۔"
"جی کہیے؟"
"اتنے دن ہو گئے' تم نے کوئی بات نہیں بتائی؟ کیا بنا اس معاملے کا؟" وقار آفندی فائرنگ والے معاملے کا پوچھ رہے تھے۔
"ڈیڈ! مجھے کوئی بات پتا چلتی تو میں بتاتا نا؟ فی الحال تو کوئی سرا ہاتھ نہیں آ رہا۔" اس نے کندھے اچکائے۔
"وہ دو لڑکے جو خیرو بابا کو ہسپتال لے کر گئے تھے ان کا کچھ پتا چلا؟" وقار آفندی نے پوچھ ہی لیا تھا۔
"آپ کو کس نے بتایا؟" آذر ٹھٹک چکا تھا یہ بات تو اس نے چھپائی تھی ان سے۔
"کیا تم نہیں بتاؤ گے تو ہمارا دشمن بھی نہیں بتائے گا؟" انہوں نے اپنے موبائل کی طرف اشارہ کیا' یعنی وہی میسج ان کے نمبر پہ بھی آیا تھا۔
"اوہ۔" اس نے گہری سانس خارج کی تھی۔
"نہ ان لڑکوں کا پتا چلا ہے اور نہ ہی ہسپتال کے ریسپشن سے کال کرنے والے آدمی کا..." ان لڑکوں نے اپنا نام و پتا غلط لکھوایا تھا۔ آذر اور دانیال اندر ہی اندر کافی بھاگ دوڑ کر چکے تھے لیکن ابھی تک کچھ بھی حاصل نہیں ہوا تھا اور اب گزشتہ دو دن سے ہر طرف سکون ہی سکون نظر آ رہا تھا دو دن سے کوئی میسج اور فون کال موصول نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی کوئی اور ایکشن سامنے آیا تھا۔
"ٹھیک ہے بیٹا تم زیادہ ٹینشن نہ لو اور آرام کرو۔"
"اوکے گڈ نائٹ..." آذر ان کو گڈ نائٹ کہتا کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"لگتا ہے زیرو میٹر ہے۔؟" سائم نے پاس سے گزرتی لڑکی کو دیکھ کر خباثت سے کمنٹ پاس کیا تھا۔
"کیوں تو انجینئر ہے کیا؟" کامی نے آنکھ دبا کر کہا تھا۔
"یار اتنا تجربہ تو ہو ہی گیا ہے کہ گاڑی کو دیکھ کر ہی اس کی خوبی اور خامی کا پتا چل جاتا ہے۔" سائم نے فخریہ بولا۔
"پھر تو تمہیں انجینئرنگ کی ڈگری ملنی چاہیے۔؟" جوودت اور کامی ہاتھ پہ ہاتھ مار کے ہنسے تھے۔
"میں بھی تو یہی کہتا ہوں۔" سائم نے تائید کی تھی۔
"چل کامی یار اسے جوتوں کا ہار پہنا۔" جوودت نے شان بے نیازی سے کہا۔
"تیری تو۔" سائم جوودت کو مارنے کے لیے لپکا۔
"اوئے سائم رک' ایک اور آئی ہے۔" کامی نے دور سے آتی لڑکی کو دیکھ کر اشارہ کیا۔
"اوئے لوفر تجھے شرم نہیں آتی لڑکیوں کو تاڑتے ہوئے؟ گھر میں ماں بہنیں نہیں ہیں کیا؟" وہ لڑکی قریب آچکی تھی اس لیے کامی کی آواز سن چکی تھی جوودت اور سائم یکدم اس کی اچانک درگت پہ منہ چھپاتے ہوئے اپنی ہنسی روکنے لگے۔
"میں نے تمہیں کب تاڑا ہے؟" کامی نے حیرانی سے اور معصومیت سے پوچھا۔
"تو کیا اپنی اماں کو تاڑ رہے تھے؟" وہ لڑکی خاصی مردمار قسم کی لڑکی تھی وہ ان لڑکوں کو دیکھ کر ڈرنے سہمنے والی نہیں تھی۔
"جوودت' سائم؟" اس نے ان دونوں کو پکارا۔
"ہونہہ' الفنگے کہیں کے سڑک چھاپ۔" وہ ان تینوں پہ خونخوار سی نظر ڈالتی آگے بڑھ گئی تھی۔
"ہاہاہا۔" وہ دونوں قہقہے لگاتے ہوئے اس کے دائیں بائیں آکھڑے ہوئے تھے۔
"سائم' یہ زیرو میٹر تھی یا سیکنڈ ہینڈ؟" جوودت نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔
"یہ تو چلتا پھرتا راکٹ تھی یار۔" سائم نے شرارت سے کامی کو دیکھا وہ اپنا سر کھجا رہا تھا۔
"اسی لیے تو کہتا ہوں کہ ہر کام میں اپنا ایک اسٹینڈرڈ رکھنا چاہیے۔ جب ہمیں ہماری کلاس کی ہی کیا بیلٹ میں بھی سجائی مل جاتی ہیں تو ہمیں ادھر ادھر منہ مارنے کی کیا ضرورت ہے بھلا؟" جوودت نے اس کو سمجھایا۔
"یار میں نے اسے کب چھیڑا تھا؟ میں نے بس سائم کو دعوت دی تھی۔"
"چل یار تم نے نہیں چھیڑا' لیکن وہ تو تمہیں چھیڑ گئی ہے۔ نا؟" جوودت نے مذاق اڑایا۔
اتنے میں اس کا سیل بجنے لگا۔ پینٹ کی پچھلی پاکٹ سے سیل نکال کر دیکھا تو اس کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔
"کس کا فون ہے؟" سائم اور روکی نے بیک وقت پوچھا۔ جوودت نے سیل ان کے سامنے کر دیا۔
"اوہو بیٹھے بیٹھے قسمت جاگ اٹھی ہے۔؟"
"ہیلو؟" وہ کال اٹینڈ کرتے ہوئے بولا۔
"کہاں ہو؟"
"جہاں بھی ہوں تمہارے انتظار میں ہوں؟" وہ لہجے کو گمبھیر بناتے ہوئے بولا۔
"انتظار ختم سمجھو۔" وہ ہنسی تھی۔
"سچی؟" جوودت چہکا۔
"ہاں مجھے پک کرنے آجاؤ۔" وہ نثار ہوتی گئی۔

"اور پک کرنے کے بعد؟" اس نے استفسار کیا۔
"جہاں تم لے جاؤ۔"
"جیتی رہو خوش رہو میں آرہا ہوں۔" اس نے فون بند کر دیا۔
سائم چابی کہاں ہے؟" جوودت بائیک پہ سوار ہوتے ہوئے بولا۔
"تمہاری پاکٹ میں۔"
"ارے نہیں یار میں فلیٹ کی چابی کا پوچھ رہا ہوں۔" اس نے جھنجلا کر کہا۔
"تم اسے لے کر فلیٹ پہ جاؤ گے؟"
"نہیں میں اسے لے کر حویلی جاؤں گا۔"
"کبھی کسی لڑکی کو لے ہی جاؤ تو اچھا ہے۔" سائم نے گھورتے ہوئے چابی اس کے حوالے کی تھی۔
"تھینک یو۔" اس نے کہتے ہوئے بائیک اسٹارٹ کی۔
"یار ہمیں اکیلے چھوڑ کے جا رہے ہو؟ ہمارا ٹائم کیسے گزرے گا؟ ہمیں بھی ساتھ لے جاتے؟" کامی نے فریاد کی جوودت ہنسا تھا۔
"ایک دو اور دیکھ لو۔" اس نے چوٹ کی اور بائیک اڑا لے گیا تھا۔ لیکن کامی کی آہیں اتنی پر اثر تھیں کہ وہ اس کی حسرت دل میں ہی لے کر رہ گیا تھا اسے آذر کی کال آگئی تھی۔
"کہاں ہو؟" آذر کا لہجہ سنجیدہ اور دو ٹوک تھا۔
"بزنس۔" جوودت نے بمشکل جواب دیا۔
"بزنس کیوں؟"
"وہ اپنے ایک دوست سے ملنے جا رہا تھا۔" اس نے بات بنائی۔
"دوست سے تم بعد میں مل لینا پہلے خیرو بابا کے پاس ہسپتال پہنچو۔"
"کیوں خیریت؟" جوودت ٹھٹکا۔
"ہاں خیریت ہی ہے' دراصل میں کام کے سلسلے میں کراچی جا رہا ہوں اور مبارک خان کو ڈیڈ نے گھر بلوایا ہے اس لیے خیرو بابا کے پاس اور کوئی بھی نہیں ہے۔"
"اور دانیال بھائی؟" جوودت نے کسی امید کے تحت استفسار کیا۔
"کیا تمہیں پہلے ساری ڈیٹیلز ریکارڈ کرواؤں پھر تم آؤ گے؟" آذر کو غصہ آگیا تھا۔
"حن۔ نہیں آپ ٹینشن نہ لیں میں آرہا ہوں۔" جوودت کو ماننے ہی بنی۔
"میں ہسپتال میں تمہارا ویٹ کر رہا ہوں۔" آذر نے کہہ کر کال بند کر دی اور جوودت تو بھر کے رہ گیا۔
"یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال یار ہوتا۔" وہ باآواز بلند کہتا اپنی بائیک اسٹارٹ کرتے ہوئے ہسپتال کے لیے واپس مڑ گیا تھا اور اگلے چند منٹوں میں وہ ہسپتال میں آذر کے سامنے کھڑا تھا۔
"تم نے شام تک ہسپتال میں خیرو بابا کے پاس رہنا ہے۔"
"اور شام کے بعد؟" جوودت اپنی عادت کے مطابق بے ساختہ پوچھ بیٹھا۔
"شٹ اپ۔ میں تم سے کوئی ہنسی مذاق نہیں کر رہا کہ تمہیں اس وقت بھی شرارت سوجھ رہی ہے؟ خیرو بابا کی حفاظت اور تیمارداری ہمارا فرض بنتا ہے ان کی یہ حالت ہماری وجہ سے ہوئی ہے ان کی ذاتی کوئی دشمنی نہیں تھی کسی سے' ایک دن کی ذمہ داری نہیں نبھا سکتے تم؟ شرم آنی چاہیے تمہیں۔" آذر کا غصہ عود کے آیا تھا۔ جوودت کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔

"آئی ایم سوری بھائی۔"
"ہونہہ! سوری۔"
"بس یونہی منہ سے نکل گیا آئی ایم رئیلی سوری۔"
"اپنا منہ بند رکھا کرو۔" آذر بے وجہ اور بات بے بات غصہ نہیں کرتا تھا لیکن جب کرتا تھا تو۔
"تم شام تک نہیں بلکہ کل میرے آنے تک یہیں رہو گے اور خیرو بابا کا ہر طرح سے خیال رکھو گے' کوئی شکایت نہیں ہونی چاہیے۔" آذر نے اسے سزا کے ساتھ ساتھ وارننگ بھی دی تھی۔
"آپ جب تک نہیں گے میں یہیں رہوں گا۔" وہ مودب سے انداز میں بولا تھا۔
"ٹھیک ہے' یہ رکھ لو کوئی بھی ضرورت پڑ سکتی ہے۔" آذر نے اپنے والٹ سے ہزار ہزار کے نوٹ نکال کر اسے تھمادیے اور وہاں سے چلا گیا تھا۔ جودت پیسوں کو دیکھتا رہ گیا اس کا اپنا والٹ پیسوں سے بھرا ہوا تھا۔ اسے بھلا ان پیسوں کی کیا ضرورت تھی؟ لیکن آذر اس سے بڑا تھا اس کا فرض تھا کہ وہ ہر چیز کا دھیان رکھتا' سو اس نے یہی کیا تھا۔ جودت سر جھٹک کر اندر خیرو بابا کے پاس آگیا وہ دوائیوں کے زیر اثر سو رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

آج کا دن منصور حسین کے لیے بہت ہی مبارک دن تھا شاید؟ وہ پی سی او سے مبارک خان کو فون کرنے آیا تھا اور جیسے ہی مبارک خان نے اس کی آواز سنی فوراً" خوشی کا اظہار کیا تھا۔
"اوئے منصور حسین تو جلدی حویلی پہنچ' میں تجھے کب سے فون کر رہا ہوں مگر تیرا نمبر ہی بند تھا۔" مبارک خان کے ذہن سے یہ نکل گیا تھا کہ منصور حسین نے اپنا موبائل بیچ دیا ہے۔
"کیا میرے لیے کام مل گیا؟" منصور حسین کے لہجے میں بھی خوشی در آئی تھی۔
"سمجھو مل گیا ہے' بس ایک بار صاحب سے ملنا ضروری ہے۔"
"ارے میں مل تو چکا ہوں تیرے صاحب سے؟"
"منصور حسین وہ ملنا اور تھا' یہ ملنا اور ہے۔"
"کیوں کیا اب میری ان سے رشتہ داری ہونے والی ہے؟"
"اف یار منصور حسین ایک تو تیری زبان بھی تلوار ہے تلوار' بس کاٹ دینے کو تیار۔" مبارک خان سر پیٹ کے بولا تھا۔
"تو کام کا بندہ ہے' تجھے نہیں کاٹے گی۔" منصور حسین نے اسے تسلی دی۔
"اچھا چھوڑ اس بات کو' تو یہ بتا حویلی کب پہنچ رہا ہے؟" مبارک خان سارا کام جلدی جلدی نبٹا لینا چاہتا تھا اس کی یہی کوشش تھی کہ منصور حسین کو جیسا بھی سہی بس کام مل جائے۔
"تو فون رکھ' میں ابھی پہنچا۔" اس نے فون بند کر دیا اور بڑی حویلی کی طرف چل پڑا تھا ایک اسٹاپ تک اسے رکشا کا سہارا لینا پڑا باقی رستہ اس نے پیدل طے کیا تھا اور جب وہ بڑی حویلی کے سامنے پہنچا اس کی پیشانی سے پسینے کے قطرے گر رہے تھے۔
"اوئے خانماں خراب تو پھر آگیا ہے؟" عارف اسے دیکھ کر ٹھٹک گیا تھا۔
"آیا نہیں ہوں' بلایا گیا ہوں۔" اس نے چبا کر جواب دیا تھا۔
"کیا مطلب ہے؟"
"مطلب اپنے صاحب سے پوچھ۔"

"ہیں؟ صاحب نے بلایا ہے؟" عارف کو حیرت ہوئی۔
"پہلے ایک گلاس پانی پلاؤ' پھر بتاتا ہوں۔" وہ آج پھر عارف کی کرسی کھینچ کے بیٹھ گیا تھا۔
"دیکھ منصور حسین تیری وجہ سے ہمیں بھی ڈانٹ پڑتی ہے اس روز بڑے صاحب بھی خفا ہو رہے تھے تو بس یہاں سے۔" عارف نے بے مروتی دکھائی۔
"آج تو یہاں سے نکلنے سے پہلے یا تو مر کے جاؤں گا یا مار کے۔" منصور حسین آج مرنے مارنے پہ تل گیا تھا۔
"یار بڑا ظالم انسان ہے تو۔" عارف نے اسے گھورا۔
"ظالموں کے ساتھ ظالم ہونا ہی پڑتا ہے۔" اس نے عارف کو خونخوار نظروں سے دیکھا۔
"اوئے یار یہ لو پانی پیو اور جان چھوڑو۔" عارف نے اسے پانی کا گلاس تھمایا۔
"شکریہ۔" اس نے گلاس فوراً" خالی کر دیا تھا۔
"اب اندر اطلاع کرو کہ منصور حسین آگیا ہے۔" اس نے نیا حکم جاری کیا۔
"لیکن......؟"
"جو کام کہا ہے وہ کرو۔" اس نے عارف کو ہاتھ اٹھا کر کہا۔
"کرتا ہوں۔" اس نے اندر انٹر کام پہ اطلاع کر دی تھی۔
"اسے اندر بھیج دو۔" مبارک خان کی طرف سے اجازت ملی۔
"جاؤ اندر جا کے مرو۔" عارف نے اشارہ کیا۔
"بہت شکریہ۔" منصور حسین مسکرا کر کہتا ہوا اندر داخل ہوا تھا اور اس جنت نما حویلی میں قدم رکھتے ہی اس کی حیرت اور ہو گئی تھی وہ اتنی بڑی حویلی کو جیسے ٹکر ٹکر دیکھ رہا تھا۔
"ادھر آجاؤ' صاحب مردان خانے میں ہیں۔" مبارک خان سامنے ہی کھڑا اس کا انتظار کر رہا تھا وہ اسے اپنے ساتھ لے کر مردان خانے میں داخل ہوا تھا۔

"السلام علیکم صاحب۔" منصور حسین نے آہستگی سے سلام کیا تھا۔
"وعلیکم السلام "آؤ بیٹھو یہاں۔" وقار آفندی اس کی آواز پہ چونکے تھے اور اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے اخبار رول کرکے سائیڈ پہ رکھ دیا تھا۔
"جی ! میں یہیں ٹھیک ہوں۔" اس نے بیٹھنے کی بجائے کھڑے رہنے کو ترجیح دی تھی۔
"کتنی دیر کہاں کھڑے رہو گے؟ بیٹھ جاؤ۔" انہوں نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔
"جی شکریہ۔" منصور حسین کو بیٹھنا ہی پڑا تھا۔
"کیا نام بتایا تھا تم نے؟"
"منصور حسین۔"
"تعلیم کتنی ہے؟"
"میٹرک فیل۔" اس نے کھرا جواب دیا۔
"کرتے کیا ہو؟"
"نوکری تلاش۔"
"اس کے علاوہ کیا کرتے ہو؟"
"اس کے علاوہ فرصت ہی نہیں ملتی۔"
"کتنے عرصے سے بے روزگار ہو؟" وقار آفندی ایک ایک بات پوچھ رہے تھے۔
"جتنے عرصے سے آپ کی حویلی کے چکر کاٹ رہا ہوں۔" اس کے نپے تلے سے جوابات پہ وقار آفندی نے مبارک خان کی طرف دیکھا تھا جواباً مبارک خان نے انہیں تسلی رکھنے کا اشارہ دیا تھا۔
"رہتے کہاں ہو؟"
"میں لاہور میں رہتا ہوں۔" اس نے بتایا۔
"کیا کام کرسکتے ہو؟ اگر تمہیں کوئی بڑی ذمہ داری سونپی جائے تو؟"
"ذمہ داری نبھا کر دکھاؤں گا صاحب' شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔" اس نے سینے پہ ہاتھ رکھ کر کہا تھا۔
"ڈرائیونگ کرلیتے ہو؟"
"جی صاحب آنکھیں بند کرکے ڈرائیونگ کرنے کا کہیں گے تو وہ بھی کرلوں گا' بڑا عرصہ ایک ڈرائیور کے ساتھ واسطہ رہا ہے۔" اس نے ان کی تسلی کرائی۔
"ڈرائیونگ لائسنس ہے تمہارے پاس؟"
"صاحب ہر چیز کا لائسنس ہے آپ مانگیں تو سہی۔" اس نے بے فکری سے کہا۔
"ہوں یہ تو اچھی بات ہے لیکن ہم چاہتے ہیں کہ تم ڈرائیونگ کے ساتھ ساتھ ایک گارڈ کے فرائض بھی سر انجام دو۔ تمہیں ہمہ وقت ہماری بیٹی کے ساتھ رہنا ہوگا اس کی حفاظت کرنی ہوگی اور اس کے لیے تمہیں اپنے ساتھ ریوالور بھی رکھنا پڑے گا۔" وقار آفندی نے اپنی گود میں رکھا ریوالور اٹھا کر سامنے ٹیبل پہ رکھ دیا تھا۔ منصور حسین نے چونک کر وقار آفندی اور پھر مبارک خان کو دیکھا تھا۔
"یہ کیسی نوکری مل رہی تھی اسے؟" اس کی نظر ریوالور پہ آکر ٹھہر گئی تھی!!!
وہ کافی گہری نیند سو رہی تھی جب بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پہ رکھے موبائل پہ رنگ ہونے لگی تھی اور اس کی گہری نیند

کا تسلسل ٹوٹ گیا تھا۔ اس نے موبائل اٹھا کر نمبر دیکھا اور پھر یکدم چونک کر اٹھ بیٹھی تھی' پاکستان سے بی بی جان کی کال تھی۔
"السلام علیکم۔" کال ریسیو کرتے ہی سلام کرنے کی عادت بھی اس نے کسی خاص بندے سے سیکھی تھی۔
"وعلیکم السلام بیٹا کیسی ہو؟" بی بی جان نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔
"میں ٹھیک ہوں بی بی جان آپ کیسی ہیں؟ اور بابا کیسے ہیں؟" وہ نیند سے اٹھتے ہی اپنی ماں کی آواز سن کر خوش ہوگئی تھی۔
"میرے بیٹے کو بڑی جلدی خیال آگیا ہے اپنی ماں اور اپنے بابا کا حال پوچھنے کا؟" ان کی ممتا شکوہ کر بیٹھی۔
"آئم سوری بی بی جان دراصل آج کل ایگزامز کی وجہ سے زیادہ مصروفیت ہے' لیکن آج سنڈے تھا میں رات کو ارادہ کرکے سوئی تھی کہ صبح اٹھ کر سب سے پہلے آپ کو کال ضرور کروں گی' آئی سوری بی بی جان میں آج آپ کو کال کرنے والی تھی۔" اس نے انہیں یقین دلانے کی کوشش کی۔
"ہاں ! بیٹا اب ماں باپ کی اتنی ہی اہمیت رہ گئی ہے کہ بچے انہیں اتوار کے اتوار یاد کرتے ہیں' آگے پیچھے کے دنوں میں تو انہیں ٹائم ہی نہیں ملتا۔" ان کا یہ شکوہ بجا تھا جس پہ زری شرمندہ تھی اسی لیے کچھ کہہ نہ سکی اور چپ ہوگئی۔
"اچھا چھوڑیں یہ بتائیں عبداللہ کیسا ہے؟" وہ اس کی شرمندگی بھانپتے ہوئے بات ہی بدل گئی تھیں۔
"اللہ کا شکر ہے وہ بھی ٹھیک ہیں' آپ کی بات کرواؤں ان سے؟" زری نے آہستگی سے پوچھا۔
"وہ کہیں ہیں؟"
"گھر پہ ہیں بی بی جان؟"
"کیونکہ میں نے ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی اس کے نمبر پہ فون کیا تھا وہ ابھی سو رہا ہے' اس کی بیوی نے فون اٹھایا تھا۔"
"اس کی بیوی آپ کی بہو بھی ہے بی بی جان۔" زری نے باور کروایا تھا۔
"کیسی بہو؟" انہوں نے تعجب سے کہا۔
"دیکھی نہ سنی نہ ہی کوئی بات کی' ہمارا تو اس سے دور دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں۔" بی بی جان کے لہجے سے ان کی خفگی اور ناراضی نمایاں تھی اور زری جانتی تھی کہ یہ سب کیوں ہے؟ اور کب تک ہے؟
"بی بی جان کسی سے کوئی واسطہ بنائیں تو بنتا ہے' یوں کسی سے ملے بغیر غلط اندازے لگانے سے تو نہیں بنتا نا؟" زری نے ان کو سمجھانے کی کوشش کی تھی۔
"ہاں جب سے تجھے انگلینڈ کی ہوا لگی ہے' تجھے اپنی ماں کے اندازے بھی غلط لگنے لگے ہیں۔" ان کے انداز کی خفگی ہنوز تھی اور زری ان کی معصوم سی بات پہ مسکرادی تھی۔
"انگلینڈ میں بندے کو ہوا نہیں لگتی — یا تو برف لگتی ہے یا بارش۔" اس نے بی بی جان کو چھیڑا تھا۔
"بس بس مجھے بہلانے پھسلانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" وہ اپنے لہجے میں سختی لاتے ہوئے بولیں۔
"ارے بی بی جان میں کیوں آپ کو بہلانے لگی؟ آپ یہ بتائیں کہ باقی سب کیسے ہیں؟ کوئی گاؤں کی نئی تازی؟" زری مسکراتے ہوئے پوچھ رہی تھی اسے پتا تھا کہ ابھی وہ بہل بھی جائیں گی۔
"باقی سب بھی ٹھیک ہیں اور گاؤں میں تو آئے روز نئی تازی ہوتی ہی رہتی ہے' کسی کے گھر خوشی اور کسی کے گھر غمی۔" وہ بات کرتے کرتے آہ بھر کے بولی تھیں۔

"کیوں بی بی جان خیریت تو ہے نا؟" زری کو ان کے لہجے میں افسردگی کی جھلک نظر آئی تھی۔

"بس بیٹا زمانہ ہی ایسا آگیا ہے' اب تو اپنی ہی بیٹیوں سے خوف آنے لگا ہے۔" وہ واقعی اندر سے ڈری ہوئی لگ رہی تھیں۔

"ہوا کیا ہے؟" زری کو بے چینی ہوئی۔

"ہونا کیا ہے بیٹا' دینو موچی کی بیٹی نے زہریلی گولیاں کھا کر خودکشی کرلی ہے' چار بھائیوں کی ایک ہی بہن تھی اب چاروں بھائی بھی بیٹھے رو رہے ہیں اور ماں باپ بھی۔" "دینو موچی کی بیٹی؟ کیا نام تھا اس کا' ہاں یاد آیا' زلیخا نام تھا۔ زری نے ذہن پہ زور ڈالا اور سب یاد آگیا تھا۔

"لیکن بی بی جان زلیخا تو بہت اچھی لڑکی تھی بہت سلجھی ہوئی اور عقل مند تھی۔" زری کے دماغ کی اسکرین پہ زلیخا کا خاکہ نمودار ہوچکا تھا وہ زری کی ہم عمر ہی تھی اور کئی بار زری سے ملنے حویلی بھی آئی تھی۔

"بیٹا یہ جو محبت نام کی بیماری ہے نا؟ سب سے پہلے بندے کی عقل ہی تو مارتی ہے اور رفتہ رفتہ بندہ خود بھی مر جاتا ہے' کبھی زہریلی گولیاں کھا کر' کبھی نہر میں کود کر' اور کبھی گھر والوں کی خاطر کسی ان چاہے کی ڈولی میں بیٹھ کر بس فرق اتنا ہے کہ زلیخا نے کسی کی ڈولی میں بیٹھنے والی خودکشی نہیں کی بلکہ گولیاں کھا کر خودکشی کرلی ہے۔" بی بی جان کی بات زری کے دل میں ترازو ہوگئی تھی۔

"لیکن بی بی جان زلیخا کی منگنی تو اس کے چچا کے بیٹے کے ساتھ ہوچکی تھی نا۔" زری کو اک اک بات یاد آرہی تھی۔

"بیٹا جس کے ساتھ منگنی ہوئی تھی اس کے ساتھ محبت نہیں ہوئی اور جس کے ساتھ محبت ہوئی تھی اس کے ساتھ منگنی نہیں ہوئی تھی اس لیے وہ نہ منگنی کی ڈولی میں بیٹھی اور نہ محبت کی ڈولی میں۔" بی بی جان بتاتے ہوئے افسردہ ہو رہی تھیں۔

"اس کے گھر والوں کو اس کی محبت کا پتا تھا۔؟"

"سب پتا تھا ماں باپ کو بھی اور بھائیوں کو بھی' لیکن سب کی ایک ہی ضد تھی کہ اسے بیاہ کر ہی دم لیں گے اور وہ بھی انہی کی اولاد تھی اس کی بھی ایک ہی ضد تھی یا ڈولی یا جنازہ۔ آج اس کا جنازہ نہ اٹھتا تو ڈولی اٹھ جاتی۔ آخر کسی ایک کی ضد تو پوری ہونی ہی تھی' اپنی بات کے پکے سبھی تھے' اور آج سبھی رو رہے ہیں [illegible] رو رہے ہیں کہ اس کی جیت ہے۔۔۔؟ کیا ہوتا اگر مان جاتے؟ کونج کی طرح کرلاتی پھری تھی ان کے سامنے پر کوئی بھی تو نہیں مانا تھا۔ اب نہ ماننے کا ماتم کر بھی رہے ہیں تو ایسی تنتڑی کے کس کام کا؟" بی بی جان [illegible] کے پھپھولے پھوڑ رہی تھیں اور زری چپ سادھے سب سن رہی تھی۔

"بس بیٹا اپنی چیزوں سے ڈر لگتا ہے اور اللہ سے دعا کرتی ہوں جیسے پہلے ایک بیٹی کے فرض سے فارغ کیا ہے اب دوسری بیٹی کے فرض سے بھی فارغ کر دے' زمانہ بڑا ظالم ہے' کیا ہو جائے کچھ پتا نہیں چلتا۔" وہ زری کے لیے دعا کر رہی تھیں۔ زری کچھ بھی نہ کہہ سکی تھی۔

"زری۔" انہوں نے اس کی چپ محسوس کرتے ہوئے پکارا تھا۔

"جی بی بی جان؟"

"چپ کیوں ہوگئی ہو؟"

"زلیخا کو سوچ رہی تھی۔"

"چھوڑو بیٹا ایسی باتوں کو دل پہ نہیں لیتے۔" انہوں نے آہستگی سے کہا۔

"دل کی باتوں کو دل پہ نہ لیں تو اور کیا کریں؟ آج محبت کے قبیلے کا ایک فرد مر گیا تو کیا اس کا افسوس بھی نہ

کریں؟" زری کے لہجے میں اداسی رچی تھی بی بی جان کو خود زلیخا کی موت پہ بے حد دکھ اور افسوس تھا اس لیے مزید کچھ نہ کہا۔

"بی بی جان کیا محبت اتنی ہی نامراد ہوتی ہے؟" اس نے عجیب سے انداز میں پوچھا۔

"نامراد ہوتی ہے' کبھی تو بندے کو قبر میں لے جاتی ہے' چاہے سوہنی ہو چاہے ماہیوال' یہ کسی کو بھی نہیں دیکھتی' نہ چڑھتی جوانی' نہ کالے بال' نہ گوری رنگت' نہ سرخ ہونٹ' بس سارا کچھ مٹی میں لے جاتی ہے اور پیچھے غم اور ماتم چھوڑ جاتی ہے یا پھر اپنا نام۔" بی بی جان تو نہ جانے کب کے کون سے بخیے ادھیڑنے پہ تلی ہوئی تھیں۔ اور زری کا تو خود محبت کے قبیلے سے تعلق تھا [illegible] تھی محبت کے خلاف تو بالکل بھی نہیں تھیں!

بی بی جان نے تھوڑی دیر باتیں کرنے کے بعد فون بند کردیا تھا لیکن زری کا دھیان پھر بھی نہیں ہٹا وہ مسلسل زلیخا کے متعلق اور بی بی جان کی باتوں کے متعلق ہی سوچ رہی تھی۔

"بی بی جان آپ کی بیٹی بھی محبت کی بیمار ہے۔ روگ لگا بیٹھی ہے' اب دیکھنا یہ ہے کہ میں نے کون سی خودکشی کرنی ہے؟" وہ خود کلامی کے انداز میں بولی تھی۔ اور اٹھ کر باہر نکل آئی۔ کچن سے برتنوں کی کھٹرپٹر کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ نگارش اٹھ چکی تھی شاید!

"گڈ مارننگ بھابھی۔" زری نے کچن میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"گڈ مارننگ سویٹ ہارٹ۔" نگارش نے خوشدلی سے مسکراتے ہوئے زری کا گال چھوا تھا۔

"اف بھابھی۔" زری کسمسائی۔

"کیوں؟"

"ٹھنڈے ہاتھ ہیں آپ کے۔" اس نے اپنے گال کو سہلایا۔

"اب میں گرم ہاتھ کہاں سے لاؤں؟" نگارش کے انداز میں شرارت تھی۔ لیکن زری نے ان کی شرارت پہ کوئی رسپانس نہیں دیا تھا۔

"کیا بات ہے زری؟" نگارش نے آنچ دھیمی کرتے ہوئے پوچھا وہ آملیٹ بنا رہی تھی۔

"کچھ نہیں بھابھی۔" زری آگے بڑھ کے اپنے لیے چائے بنانے لگی۔

"زری۔" نگارش نے اس کے ہاتھ سے ٹی بیگز کا پیکٹ تھام لیا تھا وہ سپوٹ چائے بنا رہی تھی۔

"جی بھابھی؟"

"بات کیا ہے؟"

"بی بی جان کا فون آیا تھا۔"

"پھر؟"

"گاؤں کے دینو موچی کی بیٹی زلیخا نے آج خودکشی کرلی ہے۔" وہ آہستگی سے بولی آواز جیسے لرز رہی تھی۔

"کیوں؟ اس نے خودکشی کیوں کی ہے؟" نگارش کو پریشانی ہوئی تھی۔

"جوان لڑکی خودکشی کیوں کرتی ہے؟" الٹا زری نے نگارش سے سوال کیا تھا۔

"یعنی محبت کی وجہ سے؟" نگارش سمجھ گئی تھی۔

"ہاں ایک اور قتل محبت کے سر۔" زری تلخی سے بولی۔

"یہ غلط ہے زری ایسا نہیں کرنا چاہیے ان لڑکے اور لڑکیوں کو اپنی زندگی کے متعلق سوچنا چاہیے' یہ حرام موت ہے کیا حاصل ہوتا ہے ایسا کرکے؟" نگارش نے مخالفت کی تھی۔

"بی بی جان بتا رہی تھیں کہ یہ جو محبت نام کی بیماری ہے نا سب سے پہلے بندے کی عقل ہی کو مارتی ہے اور رفتہ

رفتہ بندہ خود بھی مرجاتا ہے۔" آپ خود سوچیے جس بندے کی عقل ہی مرجاتی ہے وہ اپنی زندگی کے متعلق کیسے سوچ سکتا ہے؟ اسے کیسے احساس ہو سکتا ہے کہ یہ حرام موت ہے؟ وہ تو حاصل اور لاحاصل کی فکر سے بھی بے نیاز ہو چکا ہوتا ہے؟" زری نے بھی دل کے پھپھولے پھوڑے تھے۔

"میں پھر بھی یہی کہوں گی کہ یہ سب غلط ہے غلط کیا ہے اس لڑکی نے۔" نگارش نے سر جھٹکا۔

"دعا کیجیے بھابھی یہ غلط کام آپ کی زری کو نہ کرنا پڑے۔" زری ان کے ہاتھ سے پیکٹ لے کر دوبارہ چائے کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"پاگل ہو گئی ہو تم؟" نگارش کو شاک لگا تھا۔

"عقل مرجائے تو بندہ پاگل ہی ہو جاتا ہے نا بھابی؟"

"اسٹاپ اٹ آئندہ ایسی بات کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔"

نگارش نے اسے جھڑکا۔

"ڈونٹ وری بھابھی ابھی اس محبت کے ڈر سے اتنی مایوس نہیں ہوں میں، ابھی امید باقی ہے آس باقی ہے، دعا کیجیے محبت میں میرا مقدر بھی آپ جیسا ہو، جو چاہا وہ پالیا۔" اس نے نگارش کے ہاتھ تھام کے کہا تھا اور نگارش اپنی گہری نظروں سے زری کے چہرے کو کھوجنے لگی تھی۔

"بات کروں تمہارے بھائی سے؟"

"کیسی بات؟"

"تمہارے رشتے کی، تمہاری شادی کی۔"

"مگر اس میں بھائی بھلا کیا کر سکتے ہیں؟ اور جو کر سکتا ہے وہ تو اتنی دور بیٹھا ہے، لاتعلق اور انجان، کبھی بھولے سے بھی خیال نہیں آیا اسے۔" زری کے لبوں پہ شکوہ مچل گیا تھا۔

"ان شاء اللہ اسے ہی خیال آئے گا بس ہمارے پاکستان جانے کی دیر ہے، ہمارے خیال وہی کرے گا۔" نگارش نے اسے تسلی دے کر بہلایا۔

"اللہ آپ کی زبان مبارک کرے۔" وہ گہری سانس کھینچ کے بولی تھی۔

"آمنہ مدیحہ کی کوئی کال وغیرہ آئی — ؟ فرائیڈے کو وہ لوگ گئے تھے اتنے دن ہو رہے ہیں؟"

"نہیں مدیحہ کی تو نہیں نبیل اور فائزہ آنٹی کی کال آئی تھی عبداللہ بھائی بتا رہے تھے۔"

"مدیحہ نے کیوں نہیں کی؟"

"اس کے پاس اپنا ذاتی نمبر نہیں ہے اس لیے۔"

"او اچھا۔" نگارش اپنے کام کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔ اور زری بھی ان کے قریب بیٹھی چائے کا کپ تھامے باتوں میں مشغول ہو گئی تھی۔

"وائیٹ سٹی چلو گی۔؟" نگارش نے پوچھا۔

"کیوں؟"

"بھئی شاپنگ کرنے، آج تم فارغ ہو نا؟"

"نہیں بھابھی آج موڈ نہیں ہے۔" اس نے انکار کر دیا۔

"مسوڈ کہاں ہے؟"

"اپنے گاؤں کے دینو موچی کے گھر میں۔" اس کے جواب پہ نگارش چونکی اور پھر چپ ہو گئی تھی اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ زری کا پورا دن اب اسی بات کے زیر اثر اداس اور افسردہ گزرے گا وہ چاہے کچھ بھی کرے۔

✡ ✡ ✡

وہ نماز پڑھ کے چپ چاپ چھت پہ آ گئی تھی اور اکیلی ہی چھت پہ ٹہلنے لگی، ذہن الجھا ہوا تھا اسی لیے تنہائی کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی تو جا گھسنہ ٹہلنے کے بعد جب تھک گئی تو چھت پہ رکھی چارپائی پہ لیٹ گئی اور نظر آسمان کے نظاروں سے جا لگی تھی۔ آسمان کا کشادہ سینہ روشن ستاروں سے بھرا ہوا تھا لیکن اس سینے سے چاند کی صورت غائب تھی۔

"اللہ تعالیٰ نے انسان کے علاوہ باقی ہر چیز کو بے فکر کیوں بنایا ہے؟" وہ ستاروں کی ٹمٹماتی روشنی دیکھ کر سوچنے پہ مجبور ہوئی تھی۔

"چاند رات کو بے فکری سے نکلتا اور دن چڑھے غائب ہو جاتا ہے۔ سورج دن کو بے فکری سے طلوع ہوتا اور شام کو ڈوب جاتا ہے نہ کوئی جھگڑا نہ جھنجھٹ بس ایک سی گی بندھی روٹین۔ لیکن انسان کا ہر دن پہلے دن سے مختلف ہوتا ہے اور ہر رات نئی رات ہوتی ہے نئی فکریں اور نئی سوچیں لے کر۔ انسان ہر روز بلکہ ہر پل بدلتا رہتا تھا اور باقی ساری کائنات بے فکر رہتی ہے۔" وہ ستاروں کو دیکھتے ہوئے نجانے کیا کیا سوچے جا رہی تھی کہ نیچے ان کے دروازے پہ دستک ہوئی۔

"کون ہے؟" آواز ایمن کی تھی۔

"دروازہ کھولو۔" باہر سے عدیل کی آواز سنائی دی۔

"بھائی آ گئے، بھائی آ گئے۔" سونیا اور عدینہ اندر سے بھاگتی ہوئی نکلی تھیں ایمن نے دروازہ کھول دیا تھا اور جیسے ہی عدیل اندر داخل ہوا وہ دونوں اس سے لپٹ گئیں وہ دونوں چھوٹی جو تھیں۔

"کیسی ہو میری جان۔" عدیل ان کے بال سہلاتے ہوئے بولا۔ ایمن اس کے ہاتھ سے شاپر وغیرہ تھام چکی تھی۔

"آپ کیا لے کر آئے ہیں بھائی؟" ان دونوں نے اشتیاق سے پوچھا اور عدیل ان کی معصومیت پہ مسکرا دیا۔

"تم لوگوں کے لیے کھانے کی چیزیں لے کر آیا ہوں میری جان، مریم سے کہو وہ تمہیں پلیٹوں میں نکال دے۔" اس نے سونیا کا سر تھپکا۔

"میں نکال لاتی ہوں۔" ایمن نے کچن کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟ مریم کہاں ہے؟" عدیل چونکا اب وہ بھی مریم کی غیر موجودگی نوٹس کر چکا تھا۔

"وہ تو شاید اوپر چھت پہ ہیں۔"

"کیوں؟"

"بس ایسے ہی نماز پڑھی تو اوپر چلی گئی۔"

مریم نے قریب آتے ہوئے جواب دیا وہ نیچے اتر آئی تھی۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟"

عدیل کو اپنی چہیتی بہن کی طرف سے فکر ہوئی تھی۔

"جی بالکل ٹھیک ہوں دن میں شاید کپڑے دھوتی رہی ہوں اس لیے تھکن ہو گئی ہے۔"

"اچھا کیا تمہیں بھی تھکن ہوتی ہے؟" عدیل نے خفگی سے کہا تھا وہ جانتا تھا کہ مریم دن بھر کاموں میں مصروف رہ کر اپنی فراغت کم کرنے کی کوشش میں لگی رہتی ہے۔

"بدقسمتی سے انسان ہی ہوں، تھکن ہو بھی سکتی ہے۔" وہ منہ بنا کر کہتی ایمن سے شاپر وغیرہ تھام کے کچن کی

طرف بڑھی۔
"آج اتنی قوطیت کس لیے؟ خیر تو ہے؟" عدیل کہے بغیر نہ رہ سکا۔
"خیر ہی ہے' آپ پریشان نہ ہوں۔" اس نے سر جھٹک کر کہا۔
"یہ وائیٹ والا شاپر تم رکھ لو' تمہارے لیے ہے۔" اس نے مریم کو اشارہ کیا وہ ہاتھ میں پکڑے شاپرز میں سے وائیٹ شاپر دیکھنے لگی۔
"ابھی رہنے دو بعد میں دیکھ لینا۔" عدیل کا اشارہ وہ سمجھ گئی تھی لیکن اندر سے حیران بھی ہوئی تھی کہ ایسا بھی کیا ہے کہ وہ سب کے سامنے دیکھنے سے منع کر رہا ہے؟ پھر عدیل امی ابو کی طرف آ گیا اور مریم ان سب کو فروٹ چاٹ وغیرہ پلیٹوں میں نکال کر دینے لگی۔ اور کافی دیر بعد کمرے میں آئی تو عدیل بھی آ گیا۔
"یہ کیا ہے بھائی؟" بالآخر اس نے پوچھ ہی لیا تھا۔
"تمہارے لیے سوٹ ہے۔ گوجرانوالہ میں کپڑوں کی بہت اچھی ورائٹی تھی اور کافی سستے بھی تھے یہ سوٹ یونہی تمہارے لیے پسند کر لیا' سوچا اگر دوبارہ آنا ہوا تو امی اور عدینہ وغیرہ کے لیے لے کر آؤں گا۔" عدیل اپنی کہہ رہا تھا اور مریم اپنی سوچ رہی تھی اس کے سامنے انتہائی نفیس سا شیفون کا سوٹ تھا اور دھیان فاطمہ کی برتھ ڈے کی طرف تھا دماغ جوڑ توڑ کرنے میں لگا ہوا تھا۔
"کیا بات ہے پسند نہیں آیا؟" عدیل نے اسے چپ دیکھ کر پوچھا۔
"نن۔۔۔ نہیں بھائی' ایسی تو کوئی بات نہیں ہے' بہت خوبصورت سوٹ ہے' تھینک یو سو مچ۔" مریم کے دماغ پہ رکھی سوچوں کا بوجھ قدرے کم ہو گیا تھا اور عدیل بھی اس کے چہرے پہ مسکراہٹ دیکھ کر خوش ہو گیا تھا پھر اس کا سر تھپکتے ہوئے منہ ہاتھ دھونے چلا گیا۔

☆ ☆ ☆

"ریوالور؟"
"ہاں یہ ریوالور تم رکھو گے۔" وقار آفندی نے منصور حسین کی طرف اشارہ کیا تھا۔
"لیکن صاحب اس کو رکھنے کی کیا ضرورت ہے؟" منصور حسین نا سمجھی سے پوچھ رہا تھا۔
"اس کو رکھنے کی ہی تو ضرورت ہے' اور اگر ڈیوٹی کے وقت تمہیں علیزے کی گاڑی کے آس پاس کوئی بھی مشکوک آدمی نظر آئے' اسے گولی مار دینا۔" انہوں نے اسے اجازت دی تھی۔
"واقعی گولی مار دوں؟" وہ حیرت سے دوہرا کر بولا تھا۔
"ہاں' واقعی گولی مار دینا۔" وہ بھی زور دے کر بولے تھے۔
"اگر کوئی مر گیا تو۔؟"
"تو مر جائے' دشمن کے ساتھ رعایت کرنا خود اپنے ساتھ دشمنی کرنے کے برابر ہوتا ہے۔"
"یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں' میں بھی اسی بات کا قائل ہوں' کوئی رعایت نہیں' کوئی گنجائش نہیں۔" منصور حسین نے ان کی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔
"مجھے اپنی بیٹی کی زندگی سے زیادہ کوئی زندگی عزیز نہیں۔" وقار آفندی کے چہرے پر سختی اتر آئی تھی۔ منصور حسین اور مبارک خان ان کی طرف دیکھتے رہ گئے۔
"ریوالور چلا سکتے ہو؟"
"چلا کر دکھاؤں؟" اس نے ہاتھ بڑھا کر ٹیبل پہ رکھا ریوالور اٹھا لیا تھا اور پھر ریوالور کی نال میں ہلکی سی پھونک

ماری تھی۔
"نہیں یہاں نہیں' حویلی میں فائر کی آواز سے سب پریشان ہو جائیں گے۔" انہوں نے منع کر دیا۔
"نشانہ کیسا ہے؟"
"جب ریوالور چلاؤں گا نہیں تو میرے نشانے کا پتا کیسے چلے گا؟" منصور حسین نے بے دلی سے کہا تھا۔
"اس اسلحے کا لائسنس ہے؟" انہوں نے کچھ یاد آنے پہ پوچھا۔
"جی صاحب ہے تو سہی' پر رینیو کروانے والا ہے۔"
"تو کروا دو' ابھی چند دنوں میں تو ضرورت ہے۔"
"کروا لوں گا سر' لیکن پاس لائسنس کی فیس بھرنے کے لیے پیسے نہیں ہیں ابھی۔" اس نے اصل مسئلہ بیان کیا تھا۔
"ڈونٹ وری' مبارک خان تمہارے ساتھ جائے گا اور سارا کام کروا دے گا۔ مبارک خان نے اپنا لائسنس بھی رینیو کروانا ہے شاید؟" وقار آفندی نے مبارک خان کی سمت دیکھا۔
"جی صاحب میں نے بھی آج اور کل میں ہی کروانا ہے۔" مبارک خان نے فوراً تائید کی تھی۔
"تو ٹھیک ہے پھر منصور حسین کو بھی ساتھ لے جانا۔"
"جی لے جاؤں گا۔"
"تمہارا آئی ڈی کارڈ کہاں ہے؟"
"یہ ہے صاحب۔" منصور حسین نے جیب سے شناختی کارڈ نکال کر ان کے سامنے رکھ دیا تھا وہ اس کا شناختی کارڈ دیکھ کر مطمئن ہو گئے تھے۔
"صاحب اس کے پاس موبائل بھی نہیں ہے ہم اس سے رابطہ کیسے کریں گے؟" مبارک خان نے لگے ہاتھوں ایک اور کمی بیان کی تھی۔
"وہ بریف کیس اٹھا کر ادھر رکھو۔" وقار آفندی نے کاؤچ پہ رکھے بریف کیس کی سمت اشارہ کیا تھا مبارک خان نے بریف کیس اٹھا کر ان کے سامنے ٹیبل پہ رکھ دیا تھا انہوں نے بریف کیس کا پاس ورڈ پریس کیا اور لاک اوپن کر لیا تھا پھر ایک موبائل سیٹ بمعہ چارجر کے نکال کر منصور حسین کے سامنے رکھا۔
"یہ موبائل تمہارے لیے ہے' اسے تم رکھو گے' سم کارڈ ہم خود ایشو کروا کے دیں گے۔ اور ہاں موبائل چوبیس گھنٹے آن رہنا چاہیے' فل چارجر' فل سگنل' فل کریڈٹ' کسی چیز میں بھی کوئی کمی نہیں ہونی چاہیے۔" انہوں نے دو ٹوک سمجھایا تھا۔
"ان شاء اللہ صاحب کوئی کمی نہیں آئے گی' موبائل ہی نہیں میں خود بھی چوبیس گھنٹے آن رہوں گا۔" اس نے وقار آفندی کو تسلی دی تھی۔
"مبارک خان سرونٹ کوارٹر صاف کروا دے گا تم وہاں شفٹ ہو جانا' اپنا کوئی سامان لانا چاہتے ہو تو وہ بھی لے آنا۔" وقار آفندی فیصلہ کن انداز میں کہتے ہوئے بریف کیس بند کر کے کھڑے ہو گئے تھے۔
"نوکری پکی ہے نا صاحب؟" منصور حسین نے ایک بار پھر تصدیق چاہی تھی۔
"ان شاء اللہ۔" انہوں نے بھی اسے تسلی دی تھی اور وہاں سے چلے گئے تھے۔ منصور حسین اور مبارک خان پیچھے اکیلے رہ گئے۔
"شکریہ مبارک خان۔" منصور حسین اس کا مشکور ہوا۔
"کس بات کا؟"

"نوکری دلانے کا۔"

"نہیں منصور حسین نوکری تم نے خود اپنے بل بوتے پہ لی ہے' ورنہ صاحب کہاں اتنا دھیان رکھنے والے تھے' تم نے ہمت نہیں ہاری' بار بار دروازے پہ آتے رہے۔" آج مبارک خان بھی بڑا خوش ہو رہا تھا چلو ایک غریب کا تو بھلا ہوا نا؟

"ضرورت مجھے تھی میں نے بار بار آنا تو تھا ہی؟" منصور حسین نے خوشی اور افسردگی کے ملے جلے تاثرات کا اظہار کیا تھا۔

"چلو تمہیں چھوڑ آؤں۔" مبارک خان نے اشارہ کیا۔

"کہاں؟"

"تمہارے گھر۔"

"آج یہ عنایت کیوں؟"

"آج تم حویلی کے ملازموں کی لسٹ میں شامل ہو چکے ہو اس لیے۔" مبارک خان نے مسکرا کے کہا تھا۔

"بڑے خود غرض ہو؟" منصور حسین نے گھور کے کہا۔

"کام میں خود غرض ہونا ہی پڑتا ہے۔"

"چلو یہ تو وقت وقت کی بات ہے بچے۔" منصور حسین اس کے ساتھ باہر نکل آیا تھا اور ہر بار کی طرح اس بار بھی وہ بڑی حویلی کی پر غرور' بلند و بالا اور مضبوط عمارت کو دیکھ کے رہ گیا تھا بڑی حویلی کے احاطے میں نظر دوڑاتے ہوئے اس کی نظروں میں عجیب سی حسرت ہوتی تھی عجیب سے خواب ہوتے تھے۔

"مبارک خان۔" اس نے کسی خاتون کی آواز پہ چونک کر دیکھا تھا حویلی کے مرکزی دروازے کے سامنے بنی سیڑھیوں پہ آسیہ آفندی کھڑی تھیں۔

"جی بیگم صاحبہ؟" وہ مودب سا ان کے سامنے آکھڑا ہوا تھا۔

"فارغ ہو؟" انہوں نے اک نظر منصور حسین کو دیکھ کر مبارک خان سے پوچھا۔

"آپ حکم کریں بیگم صاحب۔"

"فریزر میں آئس کریم نہیں ہے' علیزے کے لیے آئس کریم لے آنا۔"

"جی لے آؤں گا' صاحب نے کہہ دیا تھا مجھے۔" وقار آفندی کو آسیہ آفندی سے بھی زیادہ بیٹی کی فکر تھی وہ دن میں ایک بار آئس کریم ضرور کھاتی تھی اس لیے فریزر میں ہمہ وقت آئس کریم موجود رہتی تھی۔

"یہ کون ہے؟" انہوں نے کچھ دور کھڑے منصور حسین کے متعلق پوچھا۔

"علیزے بی بی کا نیا ڈرائیور ہے اور گارڈ بھی۔" مبارک خان نے تعارف کروایا تھا۔

"السلام علیکم۔" منصور حسین نے آگے بڑھ کے سلام کیا وہ ان کی نرم لہجے [illegible] پر وقار شخصیت سے حقیقتاً متاثر ہوا تھا۔

"وعلیکم السلام کیا نام ہے تمہارا؟"

"جی منصور حسین۔" اس نے احتراماً جواب دیا تھا۔

"صاحب سے ملاقات ہوئی؟"

"جی صاحب سے مل کر ہی آرہے ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔" وہ سرہلا کر [illegible] لیکن یہ سوچنے پہ مجبور ہو گئی تھیں کہ وقار آفندی نے اتنے جوان جہان آدمی کو کام پہ کیسے رکھ لیا ہے؟ وہ تو اتنے [illegible] ملازم رکھنے کے حق میں ہی نہیں تھے۔

"ہمیں اجازت ہے؟" مبارک خان نے اجازت چاہی۔

"ہوں' جاؤ تم لوگ۔" انہوں نے اجازت دی اور پلٹ کر اندر چلی گئیں۔

"یہ کون ہیں؟" منصور حسین نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ بڑی بیگم صاحبہ ہیں' علیزے بی بی کی امی ہیں۔"

"تمہاری علیزے بی بی کیا چیز ہیں آخر؟" اس نے مبارک [illegible] کیا۔

"علیزے بی بی وہ چیز ہیں' جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔" مبارک خان مسکرا کے بولا۔

"یعنی دیدار لازم ہو گیا ہے؟" جواباً وہ بھی ہنسا تھا۔

"بچ کے منصور حسین' وہ وقار آفندی کی بیٹی ہیں۔"

"صرف دیکھنے کی ہی تو بات کی ہے۔" منصور حسین نے ذو معنی کہا۔

"دیکھنا بھی سوچ سمجھ کے۔"

"اوئے تم سنبھال کے رکھو اپنی علیزے بی بی کو' ہمارے دیکھنے کے لیے اور بہت ہیں۔" منصور حسین نے شاہانہ انداز میں کہا تھا۔

"ہاں بس یہی ٹھیک ہے۔" مبارک خان نے ہاں میں ہاں ملائی اور گاڑی کی اسپیڈ بڑھا دی۔

اس کی گاڑی فراٹے بھرتی گیٹ سے اندر روش پہ آرکی تھی۔ وہ ڈور کھول کے نیچے اتر آیا تھا لیکن ابھی ڈرائنگ روم میں پہنچا ہی تھا کہ موبائل بجنے لگا۔ نمبر دیکھا تو نبیل کا نمبر نظر آیا تھا۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام" مجھے میرے گھر میں چھوڑ کر کہاں غائب ہو گئے ہو؟ پلٹ کر کوئی خبر ہی نہیں لی؟" نبیل نے ناراضی کا اظہار کیا تھا۔

"یعنی تمہیں تمہارے گھر میں چھوڑ کر خود بھی تمہارے ساتھ تمہارے گھر میں رہتا؟"

"تو اس میں کیا قباحت تھی؟"

"اپنا گھر ملازموں کے حوالے کر دیتا؟" دل آور نے استہزائیہ پوچھا۔

"کر دیتے۔"

"کر دیتا' ضرور کر دیتا' لیکن اگر کبھی تم میرے لیے اپنا بزنس اپنے کام چھوڑ کر مجھ سے ملنے پاکستان آئے ہوتے۔ یاد کرو کبھی میرے لیے پاکستان آنے کا سوچا۔" دل آور نے ایک ہی جملے میں اگلے پچھلے حساب بے باق کر دیے تھے نبیل ٹھٹک کے رہ گیا تھا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟ اب تم میرے ساتھ میرے والا برتاؤ کرو گے؟"

"میں تمہارے ساتھ تم سے بھی برا برتاؤ کروں گا۔" اس نے دھمکی دی۔

"اتنی کڑی سزا؟"

"میں نے سزائیں دینا اور سزائیں دلانا ہی تو سیکھا ہے۔" دل آور کا لہجہ عجیب سا ہو گیا تھا۔

"بس بس مجھے ڈراؤ مت اور میرے گھر پہنچو۔" نبیل نے سر جھٹک کر کہا تھا اسے پتا تھا کہ جب دل آور کا لہجہ عجیب ہوتا ہے تو پھر وہ خود بھی سیریس ہو جاتا ہے۔

"کیوں؟"

"یار اتنے سارے کام ہیں۔"

"میں نہیں آسکتا۔"

"کیوں یار؟"
"میں اسلام آباد کے لیے نکل رہا ہوں۔"
"خیریت؟"
"ہوں! اماں سے ملنے جا رہا ہے۔"
"یار ان سے تو میں نے بھی ملنا تھا؟"
"ابھی تم اپنا گھر سیٹ کرو پھر ان سے بھی مل لینا۔" دل آور نے مشورہ دیا۔
"گھر سیٹ کرنے کے لیے ہی تو تمہیں بلایا ہے۔" نبیل خفگی سے بولا۔
"کیوں کیا مسئلہ ہے؟"
"کوئی ایک مسئلہ ہو تو بتاؤں نا؟ اتنے سارے مسئلے بکھرے پڑے ہیں۔"
"مثلاً؟"
"مثلاً" یہ کہ اپنے لیے گاڑی نکلوانی ہے' مدیحہ کے لیے گاڑی نکلوانی ہے' اپنے لیے' ماں کے لیے اور مدیحہ کے لیے موبائل فون کے سم کارڈز لینے ہیں' اپنا بینک اکاؤنٹ اوپن کروانا ہے' کرنسی چینج کروانی ہے بلکہ اور بھی ہزاروں کام ایسے پڑے ہیں جن کے بغیر ہم بے کار بیٹھے ہیں۔" نبیل نے کاموں کی لسٹ گنوائی۔
"ایک دن صبر کر لو کل تمہارے سارے کام ہو جائیں گے میں کل واپس آجاؤں گا۔" دل آور نے اسے تسلی دی۔
"یار اس میں صبر کی بات کہاں سے آگئی یہ سب ضرورت کی چیزیں ہیں اور ہم ہاتھ پہ ہاتھ رکھے بیٹھے ہیں' صرف لینڈ لائن نمبر کا سہارا ہے۔" نبیل نے جھنجلا کر جواب دیا تھا۔
"اچھا میں ایک کام کرتا ہوں گلاب خان کو تمہاری طرف بھیج دیتا ہوں تم اس کے ساتھ کسی بھی موبائل کمپنی کی فرنچائز میں جاؤ اور اپنی مرضی کے نمبر ایشو کروالو' اگر کیش کی ضرورت ہے تو وہ بھی بھیج دیتا ہوں اور کچھ دن کے لیے میری دوسری گاڑی بھی تم اپنے پاس رکھ لو۔" اس نے نبیل کے مسائل کا مختصر اور فوری حل سوچا تھا۔
"لیکن یار۔" نبیل نے کچھ کہنا چاہا۔
"لیکن ویکن کس لیے؟ میں بھیجتا ہوں گلاب خان کو' چھوٹے موٹے کام نپٹالو' باقی میں آجاؤں تو پھر کرا دوں گا۔" دل آور نے اسے ہدایت دی۔
"کل آجاؤ گے؟"
"ہوں!"
"اوکے بھیج دو گلاب خان کو۔"
"وہ تو میں بھیج دیتا ہوں لیکن دھیان رکھنا اس کی کل تمہارے گھر میں ہے' تھوڑی دیر کی تنہائی کی ضرورت ہوگی انہیں۔" دل آور کا لہجہ شرارتی تھا اور نبیل بدک گیا تھا۔
"کیا کہا؟"
"میں نے کہا ہے کہ دو دل کل سے بچھڑے ہوئے ہیں انہیں ملنے کا موقع دے دینا۔" وہ اپنی شرارت سے باز نہیں آیا تھا۔
"بڑا ایکسپیرینس ہے دو دلوں کے ملنے اور بچھڑنے کا۔؟" نبیل نے ذو معنی انداز سے پوچھا۔
"یہ بحث پھر کبھی سہی۔" دل آور نے ٹال دیا۔
"دل آور!"
"جی میری جان؟"

"ٹال رہے ہو؟"
"نہیں یار بس بحث لمبی ہو گئی تو میں لیٹ ہو جاؤں گا اس لیے پھر کبھی۔" دل آور سنجیدہ ہو گیا تھا اور نبیل کو چپ ہونا پڑا۔
"خیر کب تک راز کو راز رکھے گا' کبھی تو سامنے آئے گا نا؟" نبیل نے دھمکی دی۔
"جب آئے گا تب دیکھا جائے گا۔"
"اوکے اللہ حافظ۔" نبیل نے کہہ کے فون رکھ دیا تھا اور دل آور موبائل کو دیکھتا نبیل کی بات سوچتا رہ گیا تھا۔
"یار اس ماہ کا ڈائجسٹ کس کے پاس ہے؟" حرمت اندر داخل ہوتے ہی کافی عجلت بھرے انداز میں استفسار کر رہی تھی۔
"انوشہ کے پاس۔" جویریہ نے لاپروائی سے کہتے ہوئے ڈائجسٹ کو نامحسوس طریقے سے کشن کے نیچے چھپا دیا تھا۔
"لیکن انوشہ تو کہہ رہی تھی کہ وہ کومل کے کمرے میں ہی چھوڑ آئی تھی۔" حرمت نے ادھر ادھر متلاشی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"ایسی کیا خاص بات ہے اس ماہ کے ڈائجسٹ میں؟" جویریہ آنکھیں مٹکا کے بولی تھی کومل' مدحت اور اینہ اپنی مسکراہٹ بمشکل روک پائی تھیں۔
"وہ جلیلے اور نادر کی لاسٹ قسط آئی تھی۔"
"وہ تو بہت بکواس ہے۔" جویریہ نے بے ساختہ کہا تھا۔
"تمہیں کیسے پتا؟ تم نے پڑھ لی ہے؟" حرمت ٹھٹک گئی۔
"نہیں ابھی پڑھنے والی تھی کہ تم آگئیں۔" کومل نے آہستگی سے لقمہ دیا تھا۔
"کیا کہا؟" حرمت چیخ اٹھی اور جویریہ فوراً کشن کے نیچے سے ڈائجسٹ جھپٹ کر بھاگ کھڑی ہوئی تھی۔
"دیکھو حرمت میں قسط پڑھنا شروع کر چکی ہوں' پہلے مجھے پڑھ لینے دو پھر تم پڑھ لینا۔" جویریہ' حرمت اور انوشہ تینوں ہی ڈائجسٹوں کی دیوانی تھیں ہر مہینے تینوں نے باری باری ڈائجسٹ منگوانا ہوتے تھے اور جس مہینے جو ڈائجسٹ منگواتی تھی اس مہینے اسی کی اجارہ داری ہوتی تھی۔ اس بار حرمت کی باری تھی سارے ڈائجسٹ اسی نے منگوائے تھے اسی لیے اسی کی اجارہ داری تھی۔
"میں نے اپنے سارے پیسے صرف اس ایک قسط کے لیے ہی تو خرچ کیے ہیں اور تم کہہ رہی ہو کہ ابھی نہ پڑھوں؟" حرمت نے تلملا کے کہا تھا۔
"یار تھوڑی دیر بعد پڑھ لو گی تو بھی تمہارے پیسے پورے ہو جائیں گے۔" جویریہ نے اسے تسلی رکھنے کا کہا۔
"تو پھر وعدہ کرو جب تک میں قسط نہ پڑھ لوں تم کوئی بھی بات ڈسکس نہیں کرو گی' اس طرح سارا چارم ختم ہو جاتا ہے۔" نجانے کیوں اور کیسے حرمت مان گئی تھی ورنہ وہ ناولز کے معاملے میں بے حد کریزی تھی۔
"اوکے وعدہ۔" جویریہ نے خوشی خوشی وعدہ کیا تھا۔
"چلو تم بیٹھو میں تب تک پڑھ لوں۔" جویریہ خاصی خوش ہوئی تھی اور حرمت اپنی بے چینی پہ کنٹرول کرتے ہوئے کومل کے قریب فلور کشن پہ ٹک گئی تھی۔
"کیا ملتا ہے ان ناولز اور ڈائجسٹوں سے؟" کومل نے تعجب سے پوچھا۔
"جو آج کل کے معاشرے سے نہیں ملتا۔" حرمت نے دو ٹوک کہا۔
"کیا مطلب؟"

"مطلب ان ناولوں اور ڈائجسٹوں سے ہمیں نصیحت ملتی ہے' زندگی جینے کا تھوڑا بہت ڈھنگ ملتا ہے' سبق ملتا ہے اور سب سے بڑی بات کہ چند لمحوں کی خوشی اور راحت ملتی ہے۔ جو آج کل حقیقت کی دنیا میں بالکل بھی نہیں ہے۔" حرمت کے جواب پہ کومل واقعی چپ ہو گئی تھی۔

"یہ سب افسانوی باتیں ہیں یار۔" مدحت نے سر جھٹک کر تمسخرانہ کہا تھا۔

"تمہارے سمجھنے اور میرے سمجھنے میں بہت فرق ہے یار' تم ہر چیز کو سیریس لیتی ہو اور میں ڈیپ لی۔" حرمت نے اپنی بہن کو حقیقت سے آگاہ کیا تھا۔ مدحت بڑے سکون سے بیٹھی اپنے ہاتھوں کے ناخنوں کی تراش خراش میں لگی ہوئی تھی۔

"حرمت۔" باہر سے ثروت بیگم کی آواز سنائی دی تھی۔

"جی امی؟"

"وہ نیچے دانیال آیا ہے اسے کھانا نکال دو۔" انہوں نے کومل کے بیڈ روم کا ڈور کھولتے ہوئے اسے کام سونپا۔

"دانیال کو کھانا؟"

"ہاں وہ عائشہ باجی اور انوشہ مارکیٹ تک گئی ہیں انیکسی میں کوئی نہیں تھا اس لیے میں نے اسے کہا کہ کھانا کھا کر نکل جائے۔ جاؤ وہ انتظار کر رہا ہو گا۔" انہوں نے اشارہ کیا۔

"اس بات کو بھی ڈیپ لی لیجیے گا۔" مدحت نے پیچھے سے آواز دی تھی اور حرمت اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے باہر نکل گئی تھی۔ وہ کچن میں آئی تو دانیال واقعی انتظار کر رہا تھا لیکن شکر تھا کہ وہ اکیلا نہیں تھا اس کے ساتھ احمد بھی بیٹھا ہوا تھا احمد شاید ابھی ابھی آیا تھا' پانی کی بوتل سے پانی انڈیل کر پی رہا تھا اور دانیال اس کے ساتھ محو گفتگو تھا حرمت نظروں کے حصار سے بچ گئی تھی ورنہ وہ دانیال کی چپ اور بولتی آنکھوں سے خائف ہو جاتی تھی۔

☼ ☼ ☼

"بیگم صاحب آج کھانے میں کیا بنانا ہے؟" ملازمہ ان کے پیچھے ڈرائنگ روم میں ہی چلی آئی تھی۔

"قیمہ کریلے۔" بتول شاہ کے لہجے میں تحکم تھا۔

"آج اتنے دنوں بعد میرا بیٹا گھر آ رہا ہے تو کھانا بھی اسی کی پسند کا ہو گا۔"

"لیکن بیگم صاحب وہ قیمہ کریلے؟"

"تم جا کر مسالا تیار کرو قیمہ اور کریلے ابھی آ جائیں گے منگوا لے کر آتا ہی ہو گا۔" بتول شاہ نے حکم جاری کیا تھا آج وہ اس کی آمد کا سن کر بہت خوش ہوئی تھیں اور کالج بھی نہیں گئی تھیں ول آور کافی دنوں بعد آ رہا تھا۔ اور وہ کافی دنوں سے اس کے لیے اداس بھی ہو رہی تھیں لیکن وہ اپنے کاموں میں بزی تھا اسی لیے اسے آنے کا نہیں کہا تھا لیکن آج جب اسے فرصت ملی تو اس نے سب سے پہلے اماں سے ملنے کا ہی سوچا تھا اور فون کر کے انہیں اطلاع بھی دے دی تھی انہوں نے اس کا بیڈ روم از سر نو صاف کروایا اور ملازمہ کو اس کی فیورٹ ڈشز بنانے کا آرڈر بھی دے دیا تھا پورا دن بیٹے کی آمد کی تیاریوں میں ہی گزر گیا تھا شام کے سائے ڈھل رہے تھے جب گیٹ پہ اس کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا وہ تیز قدموں سے راہداری عبور کرتی ہوئی باہر نکل آئی تھیں اتنے میں وہ بھی گاڑی سے اتر آیا تھا۔

"السلام علیکم اماں۔" وہ ان کے سامنے جھک گیا اور بتول شاہ نے اس کی پیشانی پہ بوسہ دیتے ہوئے اسے سینے سے لگا لیا۔

"میری جان' جیتے رہو' خوش رہو۔" وہ اس کے کندھوں اور بالوں پہ ہاتھ پھیر رہی تھیں اور دوبارہ پھر اس کے ماتھے پہ بوسہ دیا تھا۔

"کیسی ہیں آپ؟" وہ ان کے دونوں ہاتھ چوم کر آنکھوں سے لگاتے ہوئے بولا۔

"تمہیں دیکھتی ہوں تو جوان ہو جاتی ہوں' سارے غم بھول جاتی ہوں۔" ان کی آواز ہی نہیں آنکھیں بھی چھلک گئی تھیں اور ول آور شاہ ان کو اپنے بازو کے گھیرے میں لے کر اندر لے آیا تھا۔

"یہ دن آپ کے اداس ہونے کے دن نہیں ہیں' یہ تو آپ کی خوشی کے دن ہیں۔ خوش رہا کریں اور اللہ کے رنگ دیکھتی جائیں۔" اس نے ان کو صوفے پہ بٹھاتے ہوئے کہا اور ان کے آنسوؤں کو پونچھتے ہوئے تسلی دی تھی۔

"میری خوشیوں کے دن تو اسی روز ختم ہو گئے تھے جس روز تمہارے بابا کی موت ہوئی تھی۔" بتول شاہ کے لہجے میں دکھ کی ہوک اٹھ رہی تھی ول آور نے لب بھینچ لیے اور سر جھکا لیا اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھ کر بتول شاہ کو اپنے آپ کو کنٹرول کرنا پڑا کتنی غلطی کر رہی تھیں وہ وہ اتنا طویل سفر طے کر کے آیا تھا اور آتے ہی انہوں نے اس کی تھکن میں اضافہ کر دیا تھا' وہ اپنی غلطی کا احساس ہوتے ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

"کہاں جا رہی ہیں؟"

"تمہارے لیے جوس لے آؤں۔"

"ارے نہیں اماں آپ بیٹھیں میں کہے لوں گا یا پھر ملازمہ کو آواز دے دیجیے۔" اس نے ان کا ہاتھ پکڑ کر روکنا چاہا۔

"ملازمہ کو کیا' میں خود لے کر آتی ہوں۔" وہ نرمی سے کہہ کر کچن میں چلی گئی تھیں اور چند منٹ کے توقف کے بعد اس کے لیے انار کا جوس لے آئی تھیں۔

"آپ یہاں بیٹھیں۔ اور یہ بتائیں کہ آپ اتنی کمزور کیوں لگ رہی ہیں؟"

"میں کمزور لگ رہی ہوں؟" وہ حیرت سے بولیں۔

"لیکن میں تو اپنے آپ کو بالکل فٹ محسوس کر رہی ہوں۔" وہ مسکرانے لگیں۔

"لگتا ہے آپ کالج کو زیادہ ٹائم دے رہی ہیں؟"

"ارے چھوڑو ٹائم کو تم یہ بتاؤ نبیل اور مدحیہ کیسے ہیں؟" بتول شاہ نے سر جھٹک کر استفسار کیا تھا۔

"وہ بھی فٹ فاٹ ہیں' نبیل آپ کو یاد کر رہا تھا آپ سے ملنا چاہتا تھا۔" اس نے مسکرا کر جواب دیا تھا۔

"ہاں میری بات ہوئی تھی فائزہ بھابھی سے وہ پاکستان آ کر بہت خوش ہیں' اللہ کے بڑے شکرانے ادا کر رہی تھیں۔" بتول شاہ نے کل فائزہ بیگم کو باقاعدہ خود فون کیا تھا اور اتنے سالوں بعد وطن واپس آنے پہ مبارک باد دی تھی۔

"ہاں نبیل بھی بہت خوش ہے۔" ول آور نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اور مدحیہ۔؟"

"مدحیہ بھی ٹھیک ہے' بس پہلی بار پاکستان آئی ہے اس لیے اسے ایڈجسٹ ہوتے ہوئے کچھ عرصہ لگے گا۔" اس نے مدحیہ کی ناخوشی کا جواز دیا۔

"عبداللہ اور اس کی فیملی کیسی ہے؟" وہ ول آور کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

"وہ بھی ٹھیک ٹھاک ہیں' عبداللہ سے بھی بات ہوتی رہتی ہے۔" اس نے نارمل سے انداز میں کہتے ہوئے کندھے اچکائے اور جوس کا گلاس منہ سے لگا لیا تھا۔

"زری سے بھی بات ہوتی ہے؟" ان کے اس اچانک اور گہرے سوال پہ ول آور نے بے ساختہ چونک کر دیکھا تھا۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

☼ ☼

آصفہ عنبرین قاضی

اس نے شعور کی دہلیز پر قدم رکھا تو ہر لڑکی کی طرح اپنے دل میں خوابوں کا نگر آباد کرلیا وہ چاندنی راتوں میں جگنوؤں کے سنگ بھاگنا چاہتی تھی مگر اس کی زندگی میں ماہ تمام طلوع ہی نہ ہوا اور رات تیرہ و تار رہی۔ وہ اپنے ہاتھ سے قسمت کی روشن لکیر ڈھونڈتے ڈھونڈتے خوابوں کی تعبیر سے بھی گئی۔

وہ بھی عام دنوں میں ایک عام سا دن تھا جب وہ حسب معمول بال سلجھانے کے لیے آئینے کے سامنے کھڑی ہوئی تو مانگ نکالتے ہوئے دم بخود سی رہ گئی اس کے سیاہ بالوں میں چاندی کا پہلا تار نمودار ہوچکا تھا وہ کتنی دیر بے یقینی کے عالم میں آئینے کے سامنے کھڑی رہی اور شہادت کی انگلی سے اپنی مانگ کو ٹٹول کر ایک بار پھر بغور جائزہ لیا مگر بالوں میں اترتی سفیدی التباس نظر نہیں حقیقت تھی وہ گہری سانس لے کر پیچھے ہٹ گئی۔

انگلیوں کی پوروں پر اپنے سن پیدائش سے لے کر اب تک کا حساب لگایا تو وہ زندگی کی پوٹلی میں عمر کا تیسواں سکہ پھینک چکی تھی۔ اسے یکدم بے مائیگی کے احساس نے آن گھیرا۔ اسے اپنی خوب صورتی، اپنی تعلیم بے وقعت لگنے لگی۔ اس کی طبیعت بوجھل اور ملول تھی وہ سر شام بستر میں دبک گئی امی نے رات کے کھانے کے لیے آواز دی بھی وہ نہ اٹھی اس کی بھوک جیسے مر سی گئی تھی اس رات اماں اور ابا نے اس کے بغیر بے دلی سے چند نوالے کھائے اور سو گئے وہ پلنگ پر چت لیٹی چھت سے لٹکتے پنکھے کو دیکھتی رہی۔ نیند [illegible] آنکھوں سے کترا کر گزر گئی تھی۔ اس [illegible] کو منانے کے لیے نہ جانے کتنی بار کروٹ بدلی اور سر کے نیچے رکھا تکیہ درست کیا مگر بے سود جاڑے کی طویل اور تاریک رات اس کی بے بسی پر مسکراتی رہی۔ اس کے دماغ پر سوچوں کی یلغار تھی۔

"تو کیا یہ طے ہے شہربانو کہ باقی عمر بھی اس دہلیز پر گزر جائے گی۔" اس کی پرچھائیں نے چھپتا ہوا سوال کیا تھا وہ لرز سی گئی۔

"تو پھر اپنے دل کی نہ سن شہربانو! خواہشوں کے پیچھے

بھاگے گی تو بے نیل مرام رہے گی اب ایک ہی راستہ ہے وہ ہے سمجھوتے کا راستہ۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

سردی کے باوجود اس کے ماتھے پر پسینہ سا آگیا۔ اس کی چمپئی رنگت زردی پڑ گئی۔

"تو کیا اب سمجھ لیا جائے کہ شہربانو کے دروازے پر دستک دینے والا اب کوئی ہاتھ بھی باقی نہیں رہا۔" اسے تلخ حقیقتیں گھیرے ہوئے تھیں۔ جاڑے کی تمام رات آنکھوں میں کٹ گئی تھی۔ یہاں تک کہ کہر زدہ زمین پر سورج نے ڈیرہ جمالیا۔

شہربانو کی شربتی آنکھوں کی سرخی اور پپوٹوں کی سوجن اس بات کی گواہ تھی کہ گزشتہ رات اس کی پلکیں کتنی دیر آپس میں پیوست رہی تھیں مگر اس رت جگے نے اس پر بہت کچھ عیاں کردیا تھا۔ دل و دماغ میں جاری رہنے والی کشمکش میں بالآخر منطق کی فتح ہوئی اور دل کی سپاہ نے شکست تسلیم کرلی اس نے صبح ناشتے سے قبل ہی اپنے خالہ زاد اکبر کے حق میں فیصلہ سنادیا۔

"تو سچ کہہ رہی ہے شہربانو؟"

اماں نے روٹی کی چنگیر کو سرپوش سے ڈھانپتے ہوئے بے یقینی اور خوشی سے سامنے پیڑھی پر ساکت بیٹھی شہربانو کی طرف دیکھا وہ خاموشی سے چولہے کے اندر جلنے والے سرکنڈوں کو دیکھتی رہی جیسے اب کسی بھی بات کا جواب دینا غیر ضروری تھا۔ اماں کے چہرے سے اطمینان اور خوشی پھوٹ رہی تھی اللہ نے اپنی ضد چھوڑ کر اکبر کو ہمراہی کی سند بخش ہی دی تھی وہ جو شہربانو کے ابا کی طرف سے تین رشتے ٹھکرائے جانے کے بعد بالکل مایوس ہوچکی تھیں ایک بار پھر کھل اٹھیں شہربانو پیڑھی کو پیچھے سرکا کر اٹھی اور مرے مرے قدموں سے باورچی خانے سے باہر نکل گئی۔

چند ہفتوں بعد اس کی رخصتی کی تاریخ طے کردی گئی۔ گھر میں سکھیاں اکٹھی ہوئیں اور بالوں کی رات گھر کے در و دیوار ڈھولک کی آواز اور شگن کے گیتوں سے گونجنے لگے۔ اکلوتی اولاد ہونے کے سبب اماں اس کی شادی کے تمام چاؤ پورے کرنا چاہ رہی تھیں۔ انہوں نے خود اپنے ہاتھ سے شہربانو کے لیے مہندی کا دوپٹہ تیار کیا تھا۔ کریب کے باریک سبز دوپٹے پر انہوں نے بڑی نفاست سے منقش [illegible] میں پرو کر سلمے اور ستارے ٹانکے تھے۔ گاؤں کی سکھیاں اسے چھیڑ رہی تھیں مگر وہ تخت پر بے حس و حرکت بیٹھی اپنی ہتھیلی پر لگی مہندی کی گول ٹکیا کو دیکھے جا رہی تھی اسے ڈھولک کی تھاپ سنائی دے رہی تھی نہ اس تھاپ پر لبوں سے ادا ہونے والے گیتوں کے بول جن میں دعائیہ کلمات کے ساتھ ساتھ اس کی نئی ازدواجی زندگی کا نقشہ کھینچا جارہا تھا۔

ایسا بھی نہ تھا کہ اس نے اپنے دل میں کسی اور کو جگہ دے رکھی تھی۔ مگر جانے کیوں اکبر کے لیے بھی وہ دل کو راضی نہ کرپائی تھی۔ وہ اپنے گاؤں کی واحد لڑکی تھی جو میٹرک تک تعلیم حاصل کرپائی تھی۔ ورنہ گاؤں کی لڑکیاں سینے پرونے اور گھرداری کو ہی اپنا زیور اور مان سمجھتی تھیں۔ ابا نے اماں کی مخالفت کے باوجود اسے شہر کے ہائی اسکول بھیجا۔ خوب صورت تو وہ تھی ہی تعلیم کی ادنیٰ سی سند نے اس کے حسن میں مزید اضافہ کردیا۔ جونہی اس نے میٹرک کیا لوگوں کو امام بخش کے گھر کی بیری بھی نظر آگئی۔ پہلا پتھر آیا تو اماں پھولے نہ سمائی۔ رشتہ پٹواری کے گھر سے تھا۔ لڑکا اگرچہ ان پڑھ تھا۔ مگر باپ کی طرف سے [illegible] کی ناجائز سرکاری اراضی پر کھیتی باڑی [illegible] اماں ہاں کرنے پر آمادہ تھیں۔ مگر ابا نے [illegible] زمینوں کو حرام کی کمائی کہہ کر رشتے سے انکار کردیا۔ شہربانو ابا کے فیصلے پر خوش [illegible] آنکھوں کو ابھی خوشنما سپنوں [illegible] لیا تھا۔ مگر اس کی خواہش تھی کہ [illegible] زیادہ نہ سہی اس کے جتنا تو [illegible] کتابوں نے اسے اچھے اور برے کا فرق سمجھا دیا تھا۔ وہ جانچنے پرکھنے اور انتخاب کرنے کے عمل سے خود گزرنا چاہتی تھی۔ مگر یہ اختیار ابھی اس کے ہاتھ تک نہیں پہنچا تھا۔ اماں اور ابا بالا ہی بالا آنے والے رشتوں کو دیکھتے پرکھتے اور کوئی نہ کوئی کمی نکال کر کورا سا جواب دے دیتے "ابا کو شہربانو کے لیے کوئی بھی

لڑکا موزوں نہیں لگ رہا تھا۔ اماں کبھی کبھی سخت کوفت میں مبتلا ہو کر چڑ سی جاتیں۔

"وہ کب تک آپ ہر رشتے میں ایسے ہی نقص نکالتے رہیں گے۔ آخر ایک نہ ایک دن تو بیاہنا ہے بیٹی کو کل کو عمر زیادہ ہوگئی تو لوگ دروازے سے واپس پلٹ جائیں گے۔"

"فکر نہ کر نیک بخت اپنی شہربانو کے لیے رشتوں کی کمی نہیں ہے۔ میں کچھ دیکھ کر ہی اسے بیاہوں گا۔ ایسے گھر میں جہاں وہ خوش رہے۔ [illegible]" ابا حقے کی چلم بھرتے ہوئے اطمینان سے [illegible] اور اماں کے اگلے سوالوں پر بھی [illegible] ڈالے لاپروائی سے گزر جاتے رہے۔

☆ ☆ ☆

شہربانو نے جیسے ہی اپنی شادی کا ذکر سنا انجانے میں [illegible] بھی خواہشوں کے کچے دھاگوں سے خواب بننے لگی۔ پر تانے میں ایک ان چھوا سپنا اور بانے میں امنگ تھی۔ وہ یہ خوش رنگ اوڑھنی سر پہ اوڑھے گھر کے کچے آنگن میں قلانچیں بھرتی اور رات کو اسے اوپر پھیلا کر سپنوں کی پہلو دار رفاقت میں ایسے گھومتی کہ خبر ہی نہ ہوتی کہ کب پو پھٹی اور رات اپنی تمام تر تاریکی سمیٹے چلتی بنی۔ نیند اس کی سہیلی تھی۔ وہ اس کی انگلی تھامے ایسے جہان لے جاتی جہاں صرف محبت کی گلابی روشنیاں تھیں۔ نفرت کا گھور اندھیرا کہیں نہ تھا۔ خوش فہمی کی بارش میں بھیگتی شہربانو اس بات سے بے خبر تھی کہ اس بارش کے بعد طویل خشک سالی تھی۔

اٹھارہ سال کی شہربانو پلک جھپکتے جب زندگی کی اٹھائیسویں سیڑھی پر پہنچی تو ابا کی پیشانی پر تفکر کی لکیروں اور اماں کی ٹھنڈی آہوں میں اضافہ ہوگیا۔ مہینوں گزر جاتے "کوئی گھر میں نہ جھانکتا" اماں کے وسوسے خدشوں میں اور پھر خدشے یقین میں بدلنے لگے۔ انہیں لگا شہربانو کا نوخیز چہرہ اپنی آب و تاب کھو رہا تھا۔ وہ گھنٹوں گہری سوچ میں ڈوبی شہربانو کو دیکھتی

رہتیں اور وہ اپنی شفاف ہتھیلی کی اُلجھی لکیروں کو جو شاید اب معدوم ہوتی جارہی تھیں ایسے میں اس کے خالہ زاد اکبر کا رشتہ آگیا' عام سی شکل و صورت والا ان پڑھ اکبر علی اماں کے لیے تاریکی میں امید کا جگنو تھا۔ مگر ابا کو وہ بچپن سے ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ اسکول کی ابتدائی جماعتوں سے پیچھا چھڑا کر وہ اکثر گاؤں کے اوباش لڑکوں کی صحبت میں پایا جاتا' چھوٹی موٹی چور بازاری تو اس کا معمول تھا۔ باپ نے اسے راہ راست پر لانے کی بہت کوشش کی مگر وہ بھی تھک ہار کر چپ سادھ گیا' سنا تھا ان دنوں وہ شہر میں کسی سینیٹری اسٹوری پر ملازم تھا اور سینیٹری کا اکثر سامان اکبر علی کی بیٹھک میں پایا جاتا' جس کا مالک کو علم ہی نہ تھا۔

اماں نے زور دیا تو ابا چپ ہو گئے۔ مگر جیسے ہی شہربانو کو اس رشتے کے بارے میں علم ہوا وہ شکوہ کناں سی ماں کو دیکھنے لگی' جیسے کہہ رہی ہو کہ یہ "نایاب ہیرا" کیا صرف تیری نازوں پلی شہربانو کے لیے ہی رہ گیا تھا۔

اماں چور سی بن گئیں۔

"آپ خالہ سے کہہ دیں ابھی اتنا برا وقت بھی نہیں آیا شہربانو کے لیے۔" وہ رندھی ہوئی آواز میں اتنا کہہ کر وہاں سے ہٹ گئی۔ اسے نہیں معلوم اماں نے خالہ سے کیا بات کی' مگر کچھ دن بعد آئینے میں اپنے بالوں میں ڈیرہ ڈالتی سفیدی کو دیکھا تو لرز سی گئی۔ عمر رواں کا پہیہ اپنے تیس چکر مکمل کر چکا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اس چکر میں پس جاتی' اپنے دل پر جبر کر کے اس نے اکبر علی کو جیون ساتھی کے طور پر چن لیا۔

رخصتی کے وقت وہ ماں کے گلے لگ کر بہت روئی' باپ نے سر پر ہاتھ رکھا تو بس اتنا ہی کہا۔

"آنکھ کے سارے آنسو ادھر ہی چھوڑ جانا شہربانو کہ زندگی کے کسی موڑ پر تیری آنکھیں نہ بھیگیں۔"

اس نے ایسا ہی کیا' سوائے خوابوں کی اوڑھنی کے وہ سب کچھ باپ کی دہلیز پر ہی چھوڑ گئی۔ مادی چیزیں اس کے سامنے اہمیت نہیں رکھتی تھیں۔ [illegible] شمار میں نہ تھیں۔ اہم تھے تو بس اس کے خواب جس میں اس نے اب رنگ بھرنے تھے۔

حجلہ عروسی کو وہ بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ کچھ بھی تو نیا نہیں تھا اس کے سواگت کے لیے' سوائے اس کے جہیز کے فرنیچر کے' نیا اگر کچھ تھا تو صرف اکبر علی اور وہ ابھی کمرے میں وارد نہیں ہوا تھا۔ وہ اپنے سرخ جوڑے پر نظریں جمائے ایک بار پھر آنے والی زندگی کے بارے میں سوچنے لگی تھی۔ اب کی بار اس کی سوچ کا محور و مرکز صرف اکبر تھا۔ سراپا محبت جیون ساتھی کا جو خیالی خاکہ اس نے کب سے ذہن میں بسا رکھا تھا وہ اکبر علی کو اس میں فٹ کرنے لگی۔ ایک بار اس کی استانی نے بتایا تھا کہ "جہاں محبت نہ ہو وہاں سمجھوتا چلتا ہے" اور وہ خود کو سمجھوتے کے لیے تیار کر چکی تھی۔ کمرے کا چوبی دروازہ چرچرایا تھا۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ بند دروازے کا ایک در وا کر کے اندر داخل ہونے والا اکبر تھا۔ سوکھا سڑا' سانولا سا اکبر علی! شہربانو نے دوبارہ زرتار سرخ جوڑے پر نظریں جما دیں۔

اس کا دل دھڑکا تھا نہ ہاتھ ٹھنڈے پڑے تھے کہ سمجھوتے کے بندھن میں دل نہیں دھڑکتا صرف خون جلتا ہے' وہ یونہی ساکت و جامد بیٹھی رہی' اماں نے کہا تھا "اکبر دل کا بہت اچھا ہے' وہ اپنی محبت سے تیرا دل جیت لے گا۔" اور وہ اسی امید پر تو آئی تھی۔

"سنا تھا تو نے خالہ کو صاف انکار کر دیا تھا میرے لیے۔ پھر اچانک راضی کیوں ہو گئیں۔" وہ پلنگ پر بیٹھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں گویا ہوا۔ شہربانو نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔

"بڑا غرور تھا [illegible] چار جماعتوں پر۔" وہ استہزائیہ انداز میں کہہ کر شہربانو کو دیکھنے لگا۔ تعلیم کا پہلا [illegible] اس کی طرف اچھالا گیا تھا۔ خوابوں کی اوڑھنی کا پہلا کچا دھاگہ ٹوٹا' سارا تانا بانا الجھنے لگا تھا۔

ایک اور بھاری رات اس کی منتظر تھی۔ اکبر علی اس کے حسن و اخلاق کے قصیدے کیا پڑھتا وہ تو اس کا مان خاک میں ملا کر چلا گیا تھا۔ وہ شہربانو کو باور کرا گیا تھا کہ ایک عورت کی اوقات کیا ہے۔ گلابی روشنیاں گھور اندھیرے میں گم ہو گئی تھیں۔ وہ چاہتے ہوئے بھی رو

نہ سکی کہ آنکھوں کا پانی تو وہ گھر کی دہلیز پر ہی چھوڑ کر آئی تھی۔ اور خشک آنکھیں لڑکی کے سکھی ہونے کی علامت تھیں۔ اماں نے ٹھیک کہا تھا اکبر دل کا برا نہیں تھا۔ وہ صرف زبان کا برا تھا۔ وہ لفظوں کے نشتر سے شہربانو کی روح کو کچوکے لگاتا رہتا' اس کے دل کو چھیدتا اور حظ اٹھاتا۔

وہ ان مردوں میں سے تھا جو عورتوں کے [illegible] اپنی ہتک سمجھتے تھے اور سپاس گزاری کو ان کا فرض۔ شہربانو پہلی ساعت میں ہی جان گئی تھی کہ اس کے ذمے فرائض کیا ہیں' حقوق کا [illegible]۔

اس نے اپنے آپ کو اکبر [illegible] دیا اور تحویل میں دیا تو خود کو فراموش [illegible] وہ ایک خود کار مشین کی طرح گھر کے کاموں اور اکبر کی خدمت میں جتی رہتی' ذرا سی بھول [illegible] ہوتی "چار جماعتوں" کا طمانچہ اس کے منہ پر [illegible] جاتا اور وہ اس طعنے کی جلن ہفتوں محسوس [illegible] کڑھتی رہتی۔ کبھی کبھی اس کے اندر کی [illegible] شہربانو جاگ جاتی تو سسکنے لگتی۔ خواہشوں کی [illegible] اوڑھنی میں چھپنے کے لیے جسے وہ لڑکپن سے بنتی آئی تھی' کسی شام جب وہ تھکی ہاری برآمدے کی سیڑھیوں پر ملول سی بیٹھی ہوتی تو اس کا دل چاہتا کہ اب کے اکبر علی گھر میں داخل ہو تو اس کے پشت پر بندھے ہاتھوں میں تازہ موتیے کے گجرے ہوں' جن کی مہک سارے آنگن میں پھیل جائے۔ وہ شہربانو کے سامنے جھک کر محبت سے پوچھے۔

"بتا میں تیرے لیے کیا لایا ہوں؟" اور وہ دھیرے سے ہنس کر کہے۔

"تیرے گھر میں داخل ہونے سے پہلے مجھے پتا چل گیا تھا۔ خوشبو چھپ سکتی ہے بھلا؟" مگر ایسا حقیقت میں کبھی نہ ہوا' اکبر علی موتیے کے پھول لایا' نہ اس کے بالوں میں سجائے' نام نہاد انا کو یہ بات کبھی نہ بھولی کہ شہربانو نے اس کو پہلی بار مسترد کر دیا تھا۔ شادی کے ڈیڑھ ماہ بعد وہ اس کو میکے لے کر گیا تھا۔ اسی کے بیچ [illegible] اماں خوشی سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ شہربانو کے چہرے پر سکون ہی سکون تھا۔ اکبر اسے کچھ دن

کے لیے چھوڑ کر چلا گیا۔

"تو خوش تو ہے اکبر کے ساتھ؟" رات اماں نے اسے ٹٹولا۔

"بہت خوش ہوں اماں' آپ سچ کہتی تھیں وہ دل کا بہت اچھا ہے۔" اس کا منہ دوسری طرف تھا۔ اور اندھیرے کے باعث اماں اس آنکھوں کی نمی دیکھنے سے قاصر تھیں۔

"میں کہتی نہیں تھی بانو کے ابا یہ اپنے گھر میں بہت خوش ہے' آپ خوامخواہ پریشان ہوتے ہیں' کہتی ہے اکبر بہت خیال رکھتا ہے اس کا' بس اسی طرح خوش رہے میری بچی۔" دوسری شب صحن میں لیٹے ہوئے اماں' ابا کے کان میں سرگوشی کر رہی تھیں اور ساتھ والی چارپائی پر بازو سر پر رکھ کر لیٹی ہوئی شہربانو تلخی سے مسکرا دی۔

"کاش تیری شہربانو خوش ہوتی اماں۔" یہ مائیں بھی کتنی خوش فہم ہوتی ہیں اولاد کی خوشیاں ان کی خشک آنکھوں سے اخذ کرتی ہیں' انہیں کیا معلوم جن بیٹیوں سے رخصتی کے وقت وہ ہمیشہ خوش رہنے کا عہد لیتے ہیں وہ کبھی حرف شکایت لب پر نہیں لاتیں' چاہے ان کے خوابوں کی نازک رکابیاں بیچ چوراہے میں ہی چھوڑ دی جائیں اور ان کی کرچیاں چنتے چنتے نازک پوریں فگار ہی کیوں نہ ہو جائیں۔

اماں کے اطمینان پر اس کی آنکھیں نمکین پانیوں سے لبریز ہو گئیں۔ اس سے پہلے کہ کسی کی نظر پڑتی اس نے دوپٹے کے پلو سے آنسو پونچھ ڈالے۔ صبر اور سمجھوتا عورت کی جنم گھٹی میں ہوتا ہے اور شہربانو کو اب تمام عمر اس کا بھرم رکھنا تھا۔

☼ ☼

وہ چھوٹی کتاب کی سائز کی ریڈ کور والی ڈائری تھی جس کے چکنے صفحوں کے درمیان ایک گولڈن کلر کا پین اس طرح سے پھنسا تھا جیسے کوئی لکھتے لکھتے کسی کام سے اٹھ کر گیا ہو۔ انہوں نے ڈائری کھول کر پہلے صفحے کو دیکھا جس پر ملیحہ کا نام لکھا تھا۔ وہ اور بھی حیران ہو گئے۔ ملیحہ ڈائری لکھا کرتی تھی یہ بات نور الہدیٰ کے لیے نئی تھی۔۔۔ انہیں کبھی بھی ملیحہ کی اس عادت کے بارے میں پتا نہیں چل سکا بلکہ یہ بات تو کسی کے بھی علم میں نہیں تھی۔۔۔ شاید۔۔۔ بابا جان کے علم میں بھی۔۔۔ ایک تجسس سا ہوا تھا کہ وہ اس ڈائری میں کیا لکھتی تھی۔۔۔ دیکھنا تو چاہیے انہوں نے سوچا اور جوتے اتار کر آرام سے نیم دراز ہوتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر بیڈ کے سائیڈ ٹیبل پر رکھا لیمپ روشن کیا اور ڈائری کھول کر پڑھنے لگے۔

نور الہدیٰ جانتے تھے ملیحہ کی زندگی میں کئی خلا تھے اور انہیں لگتا تھا کہ ملیحہ نے ان خلاؤں میں جینا سیکھ لیا تھا اور ایسا لگنے کی وجہ بھی تھی۔۔۔ نور الہدیٰ نے ہمیشہ اسے پرسکون دیکھا تھا۔

وہ ایسے شوپیس کی طرح لگتی تھی جسے لوگ ڈرائنگ روم میں سجا کر بھول جاتے ہیں بس یہ تو پتا رہتا ہے کہ یہیں کہیں ایک شوپیس رکھا تھا مگر [illegible] کر اسے دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی اور وہ شوپیس بھی کبھی اس بے توجہی کا گلہ نہیں کرتا۔۔۔ بابا جان نے بھی کبھی ملیحہ کو شوپیس سے زیادہ کی اہمیت نہیں دی۔۔۔ وہ آس پاس [illegible] ہے۔۔۔ وہ کس حال میں ہے یہ جاننا ضروری نہیں۔۔۔ نور الہدیٰ کو لگتا تھا ملیحہ نے شوپیس کی طرح ہی بابا جان کے "نو لفٹ" والے رویے کو قبول کر لیا تھا لیکن۔۔۔ ملیحہ شوپیس نہیں تھی اس نے کبھی کہا نہیں تھا مگر اسے بابا جان کی بے توجہی کا گلہ تھا اور اپنی تنہائی سے شکایت۔

بابا جان کو حاوی رہنا پسند تھا اور ملیحہ کے مزاج میں پسپائی تھی۔ جب بھی اس کا آمنا سامنا بابا جان کی سخت گیری سے ہوا اس نے بہت آسانی سے ہار مانتے

سعدیہ راجپوت

۵

پانچویں قسط

مکمل ناول

ہوئے قدم پیچھے لے لیے اور ٹکراؤ کے امکانات کم کرنے کے لیے اس نے بابا جان کے مزاج کو اپنا لیا تھا لیکن اپنی ذات کی نفی نہیں کر پائی۔ جس نے اس کے اندر کشمکش کو جنم دیا تھا اور یہی کشمکش ملیحہ کی زندگی کی سب سے بڑی تکلیف تھی اور نورالہدیٰ نے اس کی تکلیف کو آج جانا تھا۔۔۔ جب اسے اس دنیا کو چھوڑے چوبیس گھنٹے سے زیادہ گزر چکے تھے ملیحہ کی اداسی، ملیحہ کی ناراضی، ملیحہ کی محرومیاں اب جب کہ نورالہدیٰ اس کی تکلیف کو کم کرنے کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ملیحہ کی ڈائری کو پڑھ کر ہی نورالہدیٰ کو ملیحہ کی گھٹن کا احساس ہو رہا تھا۔۔۔ لیکن قدرت اچانک ہی ملیحہ پر مہربان ہوئی اور وہ جو ٹھنڈی ہوا کے جھونکے کے لیے ترستی تھی اس کی زندگی میں ایک ساتھ دو دو روزن کھلے تھے۔ ایک نورالہدیٰ فاروقی اور دوسرا وجدان مصطفیٰ۔ نورالہدیٰ اس نام کو پڑھ کر حیران رہ گئے۔ انہیں تو کبھی احساس بھی نہیں ہوا تھا کہ ملیحہ کی زندگی میں کوئی اور بھی ہے۔

"یہ شخص مجھ سے وہ سب کروائے گا جو میں کبھی کرنا نہیں چاہتی۔۔۔ جسے کرنے کی مجھ میں ہمت بھی نہیں۔ مجھے لگتا ہے میں دائرے میں قید ہو گئی ہوں جس بھی راستے پر قدم بڑھاؤں گی اس کے آخری سرے پر وجدان کو ہی کھڑا پاؤں گی۔" ملیحہ بھی کسی کے لیے بے اختیار بھی ہوئی تھی۔۔۔ نورالہدیٰ کو یقین ہی نہیں آیا۔ پھر ملیحہ کے آگے آگہی کا پل نورالہدیٰ پر حیرتوں کے پہاڑ توڑ گیا۔

نورالہدیٰ کے لیے ایک ایک لفظ میں حیرتوں کا جہاں آباد تھا۔۔۔ وہ بے اختیاری سے صفحے پلٹتے چلے گئے اور آنکھیں تحیر سے پھیل گئیں مگر وہ فون کال۔۔۔ وہ رک گئے۔ آگے کے صفحے سادہ تھے نہ بھی ہوتے تو نورالہدیٰ میں اب اور ہمت نہیں بچی تھی ڈائری ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر بیڈ پر جا گری۔ انہیں ایک دم ہی کمرے میں آکسیجن کی کمی کا احساس ہوا تھا۔ وہ اٹھ کر بالکونی میں آ گئے۔

"تو کیا ملیحہ وجدان سے محبت کرتی تھی۔" نورالہدیٰ نے تھک کر بالکونی کی گرل سے ٹیک لگا لی اور سر جھکا کر بائیں کندھے سے ذرا نیچے اپنی شرٹ پر کاجل کے اس نشان کو دیکھا جو ملیحہ کی آنکھ سے بہہ کر ان کی شرٹ میں جذب ہو گیا تھا۔ ان کے دماغ پر چھائی دھند چھٹنے لگی تھی۔ دھیرے دھیرے اس نشان پر انگلیاں پھیرتے ان کا ذہن بہت تیزی سے تانے بانے جوڑ رہا تھا۔

انگیجمنٹ کی رات ملیحہ نے بابا سے وجدان کا ذکر کیا تھا اور ان کی ناراضی کے اظہار پر اس نے کھل کر وجدان سے محبت کا اعتراف کیا تو بابا جان نے اس پر نورالہدیٰ کے ساتھ شادی کرنے کا فیصلہ مسلط کر دیا۔۔۔ بے شک وہ اس بارے میں نورالہدیٰ کا عندیہ بہت دن پہلے لے چکے تھے لیکن ملیحہ کو یہ فیصلہ سزا کی صورت ہی سنایا گیا تھا۔۔۔ اب نورالہدیٰ کو سمجھ آ رہا تھا کہ بابا جان نے صرف تین دن کے وقفے سے تاریخ کیوں طے کی تھی۔۔۔ وہ ملیحہ کو موقع نہیں دینا چاہتے تھے لیکن ملیحہ نے کسی موقعے کا انتظار نہیں کیا اور زندگی میں پہلی بار وہ بابا جان سے اختلاف کی جرأت کرتے ہوئے وجدان سے ملنے جا پہنچی۔

اگر وجدان اس دن اسے مل جاتا اور اس کا ساتھ دینے کو تیار بھی ہو جاتا تو باپ بیٹی کے بیچ سرد جنگ کا آغاز ہو جاتا۔۔۔ اس جنگ میں جیت کس کی ہوتی کہنا مشکل ہے لیکن پھر ملیحہ [illegible] وجدان سے دستبردار نہیں ہوتی۔ [illegible] نہیں مل پائی اور جب گھر آئی [illegible] والے اس کی منگنی میں شرکت کر رہے تھے۔۔۔ ملیحہ کے پاس فرار کا کوئی راستہ نہیں بچا تھا۔ کتنی عجیب بات ہے وہ جو ساری عمر خود پر جبر کر کے بابا جان سے بلا مقابلہ ہار مانتی آئی تھی پہلی بار اپنے دل کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے ان کے فیصلے کے مخالف اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔۔۔ لیکن قسمت نے اسے اسی فیصلے کو قبول کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ مگر اس رات وہ فون کس کا تھا۔ نورالہدیٰ سوچنے لگے اور سوچتے

سوچتے ان کے ذہن میں جھماکا ہوا۔

"میں آپ سے یہ نہیں کہوں گا کہ ملیحہ کو خوش رکھیے گا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ ان کا خیال رکھے بغیر آپ رہ ہی نہیں سکتے۔" انہیں وہ لڑکا یاد آیا جس نے شادی کی رات اسٹیج پر آ کر انہیں مبارک باد دی تھی۔ نورالہدیٰ سوچنے لگے انہیں "ہادی بھائی" کہہ کر پکارنے والا اجنبی کون تھا جو انہیں اتنی گہرائی سے جانتا تھا۔ نورالہدیٰ کو یہ بھی یاد آ گیا کہ یہ وہی لڑکا تھا جس نے ملیحہ کے جنازے میں شرکت کی تھی۔ جب سب لوگ کندھا بدل کر پیچھے جا رہے تھے تو وہی شخص تمام راستے ملیحہ کی میت کو کندھے دیے آگے آگے چلتا رہا اور جب ملیحہ کی تدفین مکمل ہو چکی تو انہوں نے آفاق کو اس سے کہتے سنا۔

"کیا تم یہاں کچھ دیر ٹھہرنا چاہو گے۔" اس نے پوچھا۔

"مجھے روح سے غرض تھی اور یہاں جسم رکھا ہے ٹھہر کر کیا کروں گا۔ آؤ آفاق اب یہاں سے چلنا چاہیے۔" وہ کون ہو سکتا ہے جسے ملیحہ کے مرنے پر اتنا دکھ ہوا تھا۔۔۔ اچانک ہی ان کے ذہن میں ایک اور جھماکا ہوا۔ وہ تیزی سے چلتے ایزل کے سامنے آ گئے۔ اپنی یادداشت میں محفوظ چہرے کو نورالہدیٰ نے پورٹریٹ سے ملا کر دیکھا اب شک کی کوئی گنجائش نہیں بچی تھی۔

وہ شخص وجدان مصطفیٰ ہی تھا اور اگر وہ شادی کی رات قصر فاروقی میں آیا تھا تو منگنی کی رات ملیحہ کے لیے آنے والا فون بھی اسی نے کیا ہو گا۔۔۔ مگر اس وقت تک بات ملیحہ کے ہاتھوں سے نکل چکی تھی۔

نورالہدیٰ نے اپنا چکراتا سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر بال مٹھیوں میں جکڑ کر کھینچ ڈالے۔ چوبیس گھنٹوں سے ایک ہی سوال ان کے ذہن میں چکرا رہا تھا۔

"ملیحہ کیوں مر گئی۔" انہیں جواب مل گیا تھا۔

"کیوں ملیحہ۔۔۔ کیوں۔" وہ درد کی شدت سے چلا اٹھے۔

"تم جانتی تھیں [illegible] کے بغیر مر جاؤ گی تو کیوں کی یہ خودکشی۔ ایک بار کہا ہوتا تمہیں وجدان چاہیے۔۔۔ خدا کی قسم [illegible] میں وجدان لا دیتا۔۔۔ کہا تھا تم سے تمہاری مسکراہٹ مجھے اپنی محبت سے زیادہ عزیز ہے [illegible] اعتبار نہیں کیا نا۔۔۔ ایک بار تو آزما کر دیکھتیں۔۔۔ کیوں مجھے اندھیرے میں رکھا۔۔۔ کیوں؟" نورالہدیٰ جیسا مضبوط انسان جو ملیحہ کو قبر میں اتارتے ہوئے نہیں رویا اب دیوانوں کی طرح چلا رہا تھا۔ قصر فاروقی ان کی آواز سے گونج اٹھا تھا۔

"سب سے کہا وجدان کے بغیر مر جاؤ گی۔۔۔ ایک بار تو مجھ سے کہا ہوتا میں نے کب تمہاری خواہش کی تھی۔۔۔ کہا تھا نا کہ دل نہ مانے تو اس رشتے کو توڑ دو پھر کیوں خود کو میرا پابند سمجھا۔" آنسوؤں سے روتے وہ فرش پر بیٹھ گئے۔

"میرے اور آپ کے بیچ ایک بس پکار کا فاصلہ ہے۔۔۔ میرا نام لے کر بلائیے گا میں آ جاؤں گی۔" ملیحہ کی آواز ان کے کانوں میں گونجی تھی اور بے اختیار اسے پکارنے لگے۔

"لوٹ آؤ ملیحہ تمہارے بغیر جینا بہت مشکل ہے۔" نورالہدیٰ تڑپ تڑپ کر رو رہے تھے اور رو رو کر تڑپ رہے تھے۔

"تمہاری خوشی کے لیے میں اپنا دکھ بھی سہہ لیتا مگر یہ کیسی سمجھ کہ تمہارا دکھ میری خوشی بن گیا۔۔۔ تم دکھ جھیلتی رہیں اور میں خوش ہوتا رہا یہ احساس مجھے عمر بھر چین نہیں لینے دے گا۔" چمکتی ہوئی چاندنی میں دونوں ہتھیلیاں فرش پر ٹکائے سر جھکا کر روتے اس شخص کو پھر واقعی عمر بھر چین نہیں آیا۔

☆ ☆ ☆

وجدان صبح کا نکلا ہوا تھا اور اب رات کے گیارہ بج رہے تھے اور اس کا کچھ پتا نہیں تھا ویسے رات کو دیر سے آنا اب اس کی روٹین میں شامل تھا اور گھر والے بھی اس روٹین کے عادی ہو چکے تھے اس لیے کھانے

کے بعد چائے پی کر سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے بس عائشہ ہی وجدان کے انتظار میں لاؤنج میں بیٹھی تھیں۔ گیارہ بجنے کے بعد وجدان نے گھر میں قدم رکھا۔ دروازہ کھول کر اندر آتے وجدان کو دیکھ کر عائشہ کو لگا انہوں نے وجدان کے ہیولے کو دیکھا ہو۔ یوں تو کئی دنوں سے وہ خود کو بھلائے ہوئے تھا لیکن اس وقت اس کی حالت بدترین ہو رہی تھی۔ آنکھوں میں بے گانگی لیے اس کے چہرے سے وحشت برس رہی تھی۔ گرد جم کر بلیک پینٹ شرٹ کا رنگ خاکستری لگنے لگا تھا۔ عائشہ آخر ماں تھیں ان کا دل بیج گیا۔ وہ اٹھ کر اس کے پاس چلی آئیں۔

"یہ کیا حالت بنا رکھی ہے وجدان۔" وجدان نے انہیں دیکھا۔ اس کی آنکھوں کا بے جان تاثر دیکھ کر وہ کٹ گئیں۔

"ایسے کیا دیکھ رہا ہے چل ادھر آ۔" وہ اس کا بازو پکڑ کر اسے صوفے پر لے آئیں۔

"اچھا طریقہ ہے ماں کو پریشان کرنے کا۔ یہی ضد ہے نا کہ ملیحہ سے شادی کرنی ہے یہ لے۔" انہوں نے اس کے سامنے اپنے ہاتھ جوڑ دیے۔

"غلطی ہو گئی کہ تیری بات نہیں مانی۔ تو جیتا میں ہاری اب خوش۔" وہ بول کر خود ہی مسکرائیں۔

"اب صبح مجھے اس کے گھر لے جانا اس کے ماں باپ سے شادی کی بات کروں گی اور اس وقت تک چوکھٹ نہیں چھوڑوں گی جب تک وہ ہاں نہیں کر دیتے۔" انجانے میں ہی انہوں نے بھڑکتی آگ پر پیٹرول کی بارش کر دی تھی۔ چپ بیٹھے وجدان کے اندر بلا کے طوفان اٹھے تھے اور وہ ان سے بے خبر کہہ رہی تھیں۔

"میں اپنے بیٹے کے لیے کھانا لے کر آتی ہوں تب تک تم نہا کر کپڑے بدل لو ٹھیک ہے۔" وہ چھوٹے بچے کی طرح اسے پچکار کر بولتیں کھانا [illegible] کچن میں چلی گئیں۔

وجدان کے اندر دھواں بھر رہا تھا۔ [illegible] کی آوازیں کا شور اس کے ذہن میں ہلچل مچا رہا تھا۔

"آپ مجھ سے شادی کریں گی۔"

"آپ یا تو پاگل ہیں یا دیوانے۔"

"کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے ایک بار میرے بارے میں سوچ لیجیے گا۔" کیا التجا تھی۔

"فیصلہ کرنے کا اختیار کبھی بھی میرے پاس نہیں رہا۔" اور کیسی بے بسی تھی۔

"آپ ایک بار اور لائبریری جا سکتے ہیں۔" "میں پورا دن آپ کا انتظار کروں گا۔" مگر وعدہ وفا نہ ہوا۔

"تیجے میری طرف سے تحفہ ہے۔" عشق آتش کیسا انوکھا تحفہ تھا۔

وجدان نے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ کر سر گھٹنوں سے ٹکا دیا مگر آوازیں بند نہ ہوئیں۔

"بہت چاہا ہے اسے۔ اتنا کہ اب اس چاہت سے دستبردار نہیں ہوا جاتا۔ اس سے الگ ہونے کا خیال میرے جسم سے روح کھینچ رہا ہے۔" وجدان کو کفن میں لپٹی ملیحہ کا چہرہ یاد آگیا۔ اس نے کہا تھا۔

"میں قیامت تک آپ کا انتظار کروں گا۔" [illegible] قیامت تک کا انتظار اس کی قسمت میں لکھ دیا گیا [illegible] وجدان نے تیز ہنسی کی آواز سنی تھی۔ [illegible] اس کا مذاق اڑا رہی ہے۔ وہ پاؤں [illegible] ہوا بیٹھا رہا۔ اس بار چوڑیاں [illegible] کی آواز سنائی دی تھی۔ وجدان نے سر [illegible] لاؤنج کے کھلے دروازے [illegible] چاندنی میں ڈھلا ایک پیکر دکھائی [illegible] بڑھا کر بارش کے قطروں کو ہتھیلی پر جذب کرتا ہے وہ [illegible] ہتھیلی کو بھی [illegible] اپنے ہاتھ پر چاندنی کو دیکھ کر بچوں [illegible] ہو رہی تھی۔

وجدان کی طرف اس کی پشت تھی اور اس کے لمبے بال پوری طرح اس کی کمر کو ڈھک رہے تھے پھر وجدان پہلی نظر میں ہی اسے پہچان گیا مگر حیرت کی وجہ سے اس کا نام وجدان کی زبان سے چند سیکنڈ کی تاخیر کے بعد سرسراتی ہوئی آواز میں نکلا۔

"ملیحہ۔" وجدان کی آواز پر اس نے فوراً پلٹ کر دیکھا۔۔۔ وہ ملیحہ ہی تھی مسکراتی نگاہوں سے ہکا بکا بیٹھے وجدان کو دیکھتے ہوئے اس نے اچانک ہی اپنا ہاتھ اس کی طرف اٹھا دیا جیسے اسے ہاتھ تھامنے کی دعوت دے رہی ہو۔ وجدان بے تاب ہو کر اٹھتا تیزی سے باہر آگیا پھر جیسے ہی اس نے ملیحہ کا ہاتھ تھامنا چاہا وہ شرارت سے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ کر ہنستی ہوئی پلٹ کر بھاگی۔

"رکیے ملیحہ۔" اس نے آواز دی۔ [illegible] کر دیکھا مگر رکی نہیں اور بھاگتی ہوئی گیٹ سے نکل گئی۔

"ملیحہ پلیز رک جائیں۔" وجدان اسے آواز دیتا خود بھی گیٹ کی طرف لپکا۔ وہ گیٹ سے باہر نکلا تو ملیحہ دونوں ہاتھ پشت پر باندھے سامنے کھڑی شرارت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وجدان چلتا ہوا اس کے پاس آیا اور وہ الٹے قدم پیچھے کی طرف لینے لگی۔

"میں کب تک آپ کو بلاتا رہوں گا اور آپ کب تک مجھ سے دور بھاگتی رہیں گی۔۔۔ اب بس کر دیں۔" وہ بہت بھر کر شکایت کر رہا تھا مگر ملیحہ الٹے پیروں چلتی رہی پھر اچانک ہی وجدان نے اسے روکنے کے لیے لپک کر اس کا ہاتھ تھامنا چاہا اور وہ تیزی سے پیچھے پلٹ کر بھاگنے لگی۔ وجدان بھی اس کے پیچھے دوڑتا چلا گیا۔

عائشہ کھانے کی ٹرے لیے لاؤنج میں آئیں تو وجدان وہاں نہیں تھا۔ انہوں نے اس کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھا تو کھلے دروازے سے انہوں نے وجدان کو گیٹ کی طرف بھاگ کر جاتے دیکھا۔ وہ اسے آوازیں لگاتیں دروازے تک آئیں مگر وہ گیٹ سے نکل چکا تھا۔ واپس پلٹ کر انہوں نے ٹرے ٹیبل پر رکھی اور تیز قدموں سے چلتی ہوئی گیٹ پر آگئیں۔ انہوں نے سر باہر نکال کر دیکھا تو وجدان بھاگتا ہوا کسی گلی میں مڑ رہا تھا۔ ان کی چھٹی حس نے انہیں وارننگ دی تھی۔ وہ یکدم پلٹیں اور جتنا تیز دوڑ سکتی دوڑتی اپنے کمرے میں آگئیں اور سوتے ہوئے مصطفیٰ عظیم کو جھنجوڑ ڈالا۔

"اٹھیے مصطفیٰ صاحب! وجدان کو روکیں وہ کہیں چلا گیا ہے۔" [illegible] ملتے اٹھ بیٹھے۔

"وجدان [illegible]؟" انہوں نے کچھ اور ہی سوال کیا۔

"ہاں اور چلا بھی گیا ہے۔ میرے دل کو کچھ ہو رہا ہے مصطفیٰ صاحب میرے بیٹے کو میرے پاس لے آئیں۔" وہ اصل صورت حال کو سمجھ نہیں پائے تھے بس اتنا سمجھ آیا کہ وجدان گھر آیا تھا اور پھر چلا گیا اب عائشہ چاہ رہی ہیں کہ مصطفیٰ عظیم اسے گھر لے کر آئیں۔ وہ بہت سے سوال کرنا چاہتے تھے کہ وجدان کیوں اور کہاں گیا ہے اور اگر چلا گیا ہے تو پریشانی کی کیا بات ہے واپس آجائے گا مگر جس طرح عائشہ مصطفیٰ کے ہاتھ پیر پھول رہے تھے انہیں احساس ہوا کہ ضرور کوئی گڑبڑ ہوئی ہے اور ان کے پاس سوال کا وقت نہیں انہیں فوراً وجدان کے پیچھے نکلنا چاہیے۔ وہ جھٹکے سے اٹھ کھڑے ہوئے اور نائٹ ڈریس پہنے ہی سلیپر پاؤں میں اڑستے وہ باہر بھاگے۔ عائشہ بھی باہر آگئیں اور اپنے کمرے کے ساتھ والا دروازہ پیٹتے ہوئے مزمل کو آوازیں دینے لگیں۔ مصطفیٰ عظیم ان کی طرف دھیان دیے بغیر باہر نکلتے چلے گئے۔ ان کی اور مزمل کی کاریں پورچ میں کھڑی تھیں اور وجدان کی بائیک بھی۔۔۔ اس کا مطلب وہ پیدل ہی گیا ہے۔ تیزی سے سوچتے وہ اس کی تلاش میں خود بھی پیدل ہی نکل پڑے۔ دروازہ کھول کر مزمل نے اپنی ماں کے حواس باختہ چہرے کو دیکھا تو فکرمندی سے پوچھا۔

"کیا بات ہے امی؟"

"وجدان کہیں چلا گیا ہے۔ جاؤ مزمل اسے ڈھونڈ کر لے آؤ۔"

"کہاں چلا گیا ہے اور پریشان کیوں ہو رہی ہیں وہ بچہ نہیں ہے واپس آجائے گا۔"

"میرا دل کہہ رہا ہے مزمل وہ واپس نہیں آئے گا تم جا کر اسے لے آؤ۔ تمہارے ابو بھی گئے ہیں۔"

"کیا کچھ ہوا ہے جو وہ چلا گیا۔" مزمل کو کچھ سمجھ

میں آیا کہ شاید وجدان کی ماں باپ سے کوئی بات ہوئی ہے اور وہ جھگڑا کر کے چلا گیا۔ ورنہ عائشہ اتنا پریشان کیوں ہوتیں۔

"مجھے نہیں پتا کہ کیا ہوا ہے لیکن کچھ ہوا ضرور ہے جب وہ آیا تو اس کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ اس کے ساتھ کچھ ہو گیا ہے دیر مت کرو مزمل جاؤ جا کر اپنے بھائی کو ڈھونڈو۔" وہ رونے لگیں تو مزمل کے پیچھے کھڑی حیران ہوتی انیقہ آگے نکل کر ان کے پاس آگئی اور انہیں ساتھ لگا کر چپ کرنے لگی۔

"امی پلیز آپ روئیں تو مت میں جا کر اسے لاتا ہوں۔" ان کے رونے پر اس نے پریشان ہو کر کہا پھر اندر سے گاڑی کی چابی اٹھا کر باہر نکل گیا۔

گاڑی لے کر گلیوں میں گھومتے مزمل کو وجدان تو نہیں ملا لیکن مصطفیٰ عظیم مل گئے اس نے کار روک کر انہیں ساتھ بٹھالیا پھر دونوں باپ بیٹے گلیوں کو چھوڑ کر مین روڈ پر وجدان کو تلاش کرنے کے لیے نکل گئے۔ وہ گھنٹے کی تلاش کے بعد وہ نامراد لوٹ آئے۔

"وجدان نہیں ملا۔" عائشہ کے سوال پر مصطفیٰ عظیم کو لگا وہ اچانک ہی بہت بوڑھے ہو گئے ہیں۔ وہ شکستہ انداز میں گردن جھکا کر بیٹھ گئے۔

"انتظار کر کے دیکھتے ہیں ہو سکتا ہے صبح تک وہ خود ہی آجائے۔" انیقہ نے مرجھائے چہروں پر امید جگانی چاہی۔

"میں وجدان کے دوستوں کو فون کرتا ہوں۔" کسی کو مخاطب کیے بغیر کہہ کر مزمل اٹھا اور ٹیلیفون اسٹینڈ سے ڈائری اٹھا کر اس میں سے وجدان کے دوستوں کے نمبر تلاش کرنے لگا۔ سب سے پہلے اسے آفاق کا نمبر نظر آیا۔ اس نے ریسیور اٹھایا اور نمبر ڈائل کرنے لگا۔

"نہیں مزمل بھائی وجدان یہاں تو نہیں آیا بلکہ میں نے خود اسے آپ کے گھر ڈراپ کیا تھا۔"

"اچھا۔" ان کی آواز پست ہو گئی۔

"مزمل بھائی ایسا کرتے ہیں میں آپ کی طرف آجاتا ہوں پھر مل کر اسے ڈھونڈتے ہیں۔" آفاق واقعی پریشان ہو گیا تھا۔

"فی الحال اس کی ضرورت نہیں۔ ابو اور میں اسے تلاش کر رہے ہیں پھر تمہاری اپنی فیملی کرائسس سے گزر رہی ہے۔ امی نے بتایا تھا تمہاری کزن کے بارے میں سن کر واقعی افسوس ہوا۔" آفاق لب کاٹنے لگے۔

"اچھا میں باقی دوستوں کی طرف ٹرائی کرتا ہوں شاید وہاں مل جائے اور اگر وہ تمہاری طرف آئے تو فون کر دینا۔"

"جی مزمل بھائی ویسے کہنے کی ضرورت نہیں میں سمجھ سکتا ہوں آپ اس وقت کتنے پریشان ہوں گے۔"

"اللہ حافظ۔" دوسری طرف سے لائن ڈس کنیکٹ ہو گئی تو آفاق نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

سمیرا کو اچانک ہی وہ بہت تھکا ہوا لگنے لگا تھا۔ وہ اس کے پاس آئی اور آہستہ سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ آفاق اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے آہستگی سے بولا۔

"سمجھ نہیں آرہا یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ پہلے ملیحہ کی طرف سے بری خبر ملی اب وجدان کی طرف سے دھڑکا لگ گیا ہے۔"

"کیا ہوا۔" سمیرا نے سہم کر پوچھا۔

"وجدان گھر سے چلا گیا ہے۔"

"تو کیا ہوا واپس آجائے گا۔"

"تم سمجھ نہیں رہی ہو وہ ان دنوں میں نہیں ہے مجھے تو ڈر ہے وہ کوئی حماقت نہ کر بیٹھے۔" آفاق پریشان تھا وجدان کے لیے اور جب کچھ نہ سوجھا تو گاڑی لے کر وجدان کی تلاش میں نکل پڑا۔

☆ ☆ ☆

بابا جان کو ملیحہ کے مر جانے پر اتنی حیرت نہیں ہو رہی تھی جتنی اپنے زندہ ہونے پر ہو رہی تھی۔ سر چیئر کی پشت سے لگا کر ملیحہ کی تصویر کو دیکھتے ہوئے وہ اپنے لٹ جانے کا سوگ مناتے رہے۔ نیا دن طلوع ہو رہا تھا لیکن بابا جان کی زندگی کے اندھیروں کو روشن کرنے

جتنی طاقت اب کسی سورج میں نہیں تھی۔ دستک دیے بغیر نور الہدیٰ دروازہ کھول کر اندر آگئے تھے اور چلتے ہوئے بابا جان کے سامنے جا کھڑے ہوئے بابا جان نے ان کی طرف دیکھا اور انہوں نے بابا جان کے بھیگے چہرے کو۔

"آپ کیوں رو رہے ہیں بابا جان۔" انہوں نے حیرت سے استفسار کیا۔

"بیٹی کی موت کا دکھ تو آپ کو ہو نہیں سکتا یقیناً یہ خوشی کے آنسو ہیں۔"

"کیا کہہ رہے ہو؟" ان کو لگا جیسے کسی نے گردن پر چھری پھیر دی ہو۔

"مر جاؤ گی تمہیں کندھوں پر اٹھا کر اپنے ہاتھوں سے دفنا آؤں گا۔" نور الہدیٰ ٹھہر ٹھہر کر بولے۔ بابا جان نے سانس تک روک لیا۔

"بہت شوق تھا آپ کو اسے دفنانے کا کیسے لگ رہا ہے۔" وہ نور الہدیٰ کو رحم طلب نظروں سے دیکھ رہے تھے لیکن نور الہدیٰ کو ان پر رحم نہیں آیا۔

"کیا آپ مجھے اس گناہ بتائیں گے جس کی پاداش میں آپ نے اس پر زندگی حرام کر دی۔"

"بس کرو نور الہدیٰ۔" وہ برداشت نہیں کر سکے۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں کیا اور کرتا بھی کیوں آخر وہ میری بیٹی تھی۔" نور الہدیٰ چیخ کر بولے۔

"یہی تو میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں بابا جان کہ آخر وہ آپ کی بیٹی تھی پھر کیوں آپ نے اپنی ہی بیٹی کو مار ڈالا۔" بابا جان حیرت کی زیادتی سے گنگ رہ گئے پھر اس الزام پر تڑپ اٹھے۔

"چاہو تو مجھے جان سے مار دو نور الہدیٰ لیکن مجھ پر اتنا بھیانک الزام مت لگاؤ۔ میں نے ملیحہ کو نہیں مارا اسے ہارٹ اٹیک ہوا تھا اور یہ بات تم بھی جانتے ہو۔"

"اور ملیحہ کو ہارٹ اٹیک کیوں ہوا تھا۔" وہ برہم لہجے میں سوال کر رہے تھے۔

"بیس سال کی عمر میں ہارٹ اٹیک بے وجہ نہیں ہوا کرتا۔ کیا مجھے وہ وجہ بتائیں گے جو اس کے ہارٹ اٹیک کا سبب بنی۔" سرد آواز اور بے تاثر چہرہ۔ ان دو چیزوں کے ساتھ بابا جان نے بہت سے لوگوں کو بے بس کیا تھا آج وہ خود ان دونوں کے آگے بے بس ہو گئے۔ پھر ان کا دایاں ہاتھ دونوں ہاتھ میں لے کر دھیرے دھیرے کہنے لگے۔

"ملیحہ کیوں مر گئی۔ اس سوال کا جواب دینے کے لیے آپ کو ایک اعتراف کرنا ہے اور اس اعتراف کے بعد ہو سکتا ہے ملیحہ تو آپ کو معاف کر دے لیکن بابا جان میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ قیامت تک تو کیا اس کے بعد بھی میں آپ کو معاف نہیں کروں گا۔" اپنی بات کہہ کر وہ رکے نہیں اور اٹھ کر باہر نکل گئے۔

بابا جان ابھی تک سکتے کی کیفیت میں تھے پھر ان کا دھیان اپنی گود میں رکھی ڈائری کی طرف گیا۔ انہوں نے ڈائری اٹھا کر کھولی پھر پڑھنے لگے۔

ڈائری کیا تھی ان کے جرائم کی فہرست تھی۔ انہیں لگا وہ کٹہرے میں کھڑے ہیں اور تند و تیز لہجے والا وکیل بھری عدالت میں ان کے جرائم کی فہرست پڑھ کر سنا رہا ہے۔ انہوں نے اپنی بیٹی کو قید تنہائی بخشی تھی۔ انہوں نے ہر قدم پر اس کے جذبات مجروح کیے اور آخر بات وہاں تک آپہنچی جہاں انہوں نے ملیحہ کو ایسے دوراہے کی طرف دھکیل دیا جہاں آکر ملیحہ پر زندگی مشکل اور موت آسان ہو گئی۔ الزام کڑے تھے لیکن بابا جان کے پاس اپنی صفائی میں کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ ہر الزام سچا تھا اور ہر جرم حقیقت۔ اعتراف کے سوا اور کیا راستہ تھا۔ ڈائری ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر گود میں گری پھر سرک کر ان کے پیروں پر اوندھی جا پڑی پچھتاوے سے زیادہ اذیت کسی احساس میں نہیں اور اعتراف سے زیادہ کرب انگیز کچھ نہیں ہوتا۔ وہ بھیگی آنکھوں کے ساتھ چلانے لگے۔

"میں نے ملیحہ کو مار ڈالا۔ میں نے اپنی ہی بیٹی کی جان لے لی۔ کوئی ہے جو مجھ جیسے ظالم باپ کی گردن اتار دے جس نے اپنی اولاد کا خون کیا ہو۔ مار ڈالا میں نے اپنی بچی کو اپنی بچی کا قاتل ہوں میں میری ملیحہ میرے ہاتھوں مر گئی لوگوں مجھے مار ڈالو۔" ان کی آواز

کمرے کی دیواروں سے ٹکرا کر گونجتی رہی۔

☼ ☼ ☼

فجر کی اذانوں کے ساتھ کراچی کے مضافات میں زندگی معمول کے مطابق جاگ اٹھی تھی۔ "چاچا ہوٹل" کے مالک چاچا روز کی طرح اپنی بھینسوں کا دودھ نکال کر چھوٹے کی ہمراہی میں تڑکے ہی پہنچ گئے تاکہ گاہکوں کے آنے سے پہلے ان کے ناشتے کا بندوبست ہو سکے۔ ویسے بھی اس ہوٹل پر گاہک بہت آتے تھے ایک تو یہ وجہ تھی کہ یہ ہوٹل ہائی وے کے ساتھ تھا دوسرے آس پاس پچاس میٹر تک کوئی دوسرا ہوٹل نہیں تھا اس لیے ہائی وے سے گزرنے والی ٹرک ڈرائیوروں کو پیٹ پوجا کے لیے "چاچا ہوٹل" میں ہی رکنا پڑتا۔

چاچا تو دودھ کی بالٹیاں سائیڈ میں رکھ کر تھڑے پر بیٹھا غرارے کرنے لگا اور چھوٹا چارپائیوں کو باز یاب کرانے کے لیے کچن کے دروازے کا تالا کھولنے لگا۔ تبھی اس کی نظر تندور کے ساتھ رکھی لکڑیوں کے ڈھیر پر پڑی تھی۔ اسے وہاں کوئی چھپا ہوا نظر آیا۔ اس نے "پھس پھس" کی آواز نکال کر چاچا کو متوجہ کر کے لکڑیوں کے ڈھیر کی طرف اشارہ کیا چاچا نے آنکھیں سکیڑ کر ڈھیر کو دیکھا پھر کسی کی جھلک پا کر وہ تھڑے سے اتر آیا۔ پہلوان تھا اس نے چھپے ہوئے سے ڈرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور اس کے سر پر پہنچ کر اس کا شانہ دبوچ لیا۔

"ہاں بھائی بول کون ہے تو اور ادھر گھسا کیا کر رہا ہے۔"

"بش۔" اس نے فوراً منہ پر انگلی رکھ کر اسے چپ ہونے کو کہا پھر ادھر ادھر دیکھ کر اس کے کان کے پاس سرگوشی کی۔

"آہستہ بولو نہیں تو انہیں پتا چل جائے گا کہ میں یہاں پر چھپا ہوں۔"

"کس کو پتا چل جائے گا۔" چاچا اسی کے لہجے میں بولا۔

"وہ جو اندر ہیں۔" اس نے کچن کے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ چھوٹے نے ڈر کے مارے تالا ہاتھ سے چھوڑ دیا اور دروازے سے دو قدم پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔

"دروازے پر تو تالا ہے پھر کوئی اندر کیسے جائے گا۔" چاچا بولا۔

"وہ دروازے سے نہیں گئیں۔"

"پھر۔" چاچا نے چونک کر پوچھا۔

"وہ وہاں سے اندر گئی ہیں۔" چاچا اور چھوٹے نے اس کے ہاتھ کے اشارے کی طرف دیکھا تو ہنس پڑے۔

"اوئے وہ یہاں سے اندر گئی ہیں کمال ہو گیا۔" چاچا نے اس روشن دان کی طرف دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا۔ جس میں سے کوئی بچی بھی مشکل سے گزرتی اور اس کی باتوں سے تو لگتا تھا وہ کسی خاتون کا ذکر کر رہا ہے۔

"ہاں۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"تم انہیں بتانا نہیں کہ میں یہاں ہوں اگر انہیں پتا چلا تو وہ بھاگ جائیں گی۔"

"چل نہیں بتاتے پر ہمارے ملنے پر تو پابندی نہیں ہے او چھوٹے تالا کھول۔" وہ بدستور مذاق اڑاتے ہوئے چھوٹے سے بولا جس نے تالا کو کھول کر کچن کا دروازہ بھر ار سے دیا۔

"تو اسی لیے چھوٹا ہے۔" چاچا اس کے خوف پر اسے ملامت کرتا کچن کا دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ چھوٹا بھی خوف زدہ ہو کر اندر گیا وہاں تو کوئی نہیں تھا۔ اس نے سکھ کا سانس لیا اور چارپائیاں باہر بچھانے لگا۔ اس نے اندر جھانکا پھر انہیں نہ پا کر وہ کچن میں آیا۔

"وہ یہاں سے چلی گئیں۔"

"پاگل یہاں کوئی نہیں ہے۔"

"نہیں وہ ادھر ہی تھیں میں نے خود دیکھا تھا وہ سڑک کراس کر کے یہاں آئیں پھر تندور پر چڑھ کر انہوں نے روشندان سے اندر چھلانگ لگائی۔ وہ ضرور مجھ سے چھپ رہی ہیں۔" اس نے کہا پھر پلیٹیں اٹھا کر دیکھتا اور گلاس جھاڑتا ہوا انہیں ایسے تلاش کرنے لگا جیسے سوئی ہوں۔

"دیکھ روشندان سے چھلانگ لگا کر اندر آئی تھی اب روشندان سے چھلانگ لگا باہر چلی گئی ہو گی۔ ایسا کر تو اسے باہر جا کر ڈھونڈ جا شاباش۔" اس نے چاچا کو کہا۔ ادھر وہ بھی ان کو نہ پا کر مایوس ہو گیا تھا۔ وہ باہر آیا اور سڑک پر آنکھیں گھما گھما کر دیکھنے لگا جیسے سوچنے لگا کہ وہ کدھر گئی ہوں گی پھر ایک دم کر کے وہ دوڑ پڑا۔ چھوٹے نہ جانے کب سے پیروں سے نکل گئے تھے ویسے بھی بھاگنے کے بعد اب اس کے زخمی پاؤں چلنے کے قابل رہے بھی نہیں تھے۔ وہ ایک طرف بھاگتا چلا جا رہا تھا۔

"چاچا کون تھا۔" چھوٹے نے سوال کیا۔

"پاگل تھا بے چارہ۔" چاچا نے کہہ کر چارپائی بچھانے کے لیے باہر لے آیا۔

☼ ☼ ☼

رات آفاق کے آنے کے بعد ساجد بھی جلد ہی پہنچ گیا تھا ساری رات وجدان کی تلاش جاری رہی۔ دستکیں ہوتی رہیں فون بجتے رہے مگر لاحاصل۔

"اتنا تو بتا دو عائشہ کہ آخر ہوا کیا تھا۔" مصطفیٰ عظیم کے لہجے میں بھی تھکن تھی۔

"کتنی بار کہوں مصطفیٰ صاحب کہ کچھ نہیں ہوا تھا۔ وہ جب گھر آیا تو پہلے سے ہی پریشان تھا بلکہ وہ تو کئی دنوں سے ملیحہ والے معاملے پر اپ سیٹ تھا مجھ سے دیکھا نہیں گیا اور اس سے کہا کہ وہ ملیحہ سے شادی کر لے مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے پھر میں اس کے لیے کھانا لینے چلی گئی۔ واپس آئی تو وہ گیٹ سے باہر نکل رہا تھا اور بس اس سے زیادہ مجھے کچھ معلوم نہیں۔" لیکن آفاق کو بہت کچھ معلوم تھا اس نے ملیحہ کے نام پر ان کو دیکھا پھر سر جھکا کر نفی میں سر ہلانے لگا۔

"ابو میں سوچ رہا تھا کہ ہمیں اسپتالوں میں بھی دیکھ لینا چاہیے کہیں کوئی حادثہ نہ ہو گیا ہو۔" کچھ دن پہلے کے واقعے کو نظر میں رکھتے ہوئے مزمل نے کہا تو ساجد تائید کرنے لگا۔

"ٹھیک کہا مزمل بھائی ہمیں اس امکان کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔"

"تو پھر چلیں۔" آفاق کھڑا ہوتے ہوئے بولا تو باقی تینوں بھی فوراً ہی اٹھ گئے پھر شہر کا کوئی اسپتال اور کلینک ایسا نہیں بچا تھا جہاں ان لوگوں نے وجدان کو تلاش نہ کیا ہو۔ لیکن وہ کہیں نہیں ملا گھر لوٹے پر ان کے مایوس چہروں کو دیکھ کے عائشہ نے نم آنکھوں سے اپنے شوہر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کمال ہے مصطفیٰ صاحب میں ماں ہوں پھر بھی جس وقت سے آپ گئے ہیں مستقل دعا کر رہی تھیں کہ کاش میرے بیٹے کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہو۔۔۔ اور آپ باپ ہو کر بھی بیٹے کو لیے بغیر آ گئے ہیں۔" مصطفیٰ عظیم نے ان کی طرف دیکھا پھر نظر چراتے ہوئے سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ کسی خیال کے تحت مزمل نے انیقہ کو مخاطب کیا۔

"انیقہ تم ذرا دھیان سے وجدان کے کمرے کی تلاشی لو شاید وہ اپنا کوئی سراغ چھوڑ گیا ہو۔"

"آپ کے کہنے سے پہلے ہی میں یہ کام کر چکی ہوں اور مجھے اس کے کمرے سے ایسی کوئی چیز نہیں ملی البتہ۔" اتنا بول کر وہ چپ ہوئی تو مزمل فوراً بولا۔

"کیا؟"

"وجدان کا N.I.C اس کا ڈرائیونگ لائسنس اور چیک بک وغیرہ سب غائب ہیں۔ میں نے باقی جگہ بھی چیک کیا ہے مگر کہیں نہیں ملے۔" وہ جو کہنا چاہتی تھی سب پل میں سمجھ گئے۔

"اس کا مطلب وجدان اپنے ضروری ڈاکومنٹس اور چیک بک ساتھ لے گیا ہے اور اگر ایسا ہے تو وہ جہاں بھی گیا ہے یقیناً واپسی کے ارادے سے نہیں گیا۔" ساجد پریشان کن لہجے میں بولا مصطفیٰ عظیم تو کچھ کہنے کے لائق ہی نہیں رہے تھے اور عائشہ بھی دوپٹے میں منہ چھپا کر سسکنے لگیں۔ آفاق نے انیقہ سے پوچھا۔

"اس کے استعمال کی چیزوں میں سے اور کیا کچھ

غائب ہے۔"

"اور تو کچھ بھی نہیں۔ اس کے کپڑے، جوتے اور باقی سامان سب اپنی جگہ پر ہے بلکہ مجھے اس کا والٹ بھی اس کے بیڈ کے دراز میں رکھا ملا تھا اور تو اور وہ ملیحہ کی تصویریں بھی گھر پر چھوڑ گیا ہے۔"

"ملیحہ کی تصویریں؟" ایک دم ہی آفاق کے حلق سے حیرت بھری آواز نکلی۔

"ہاں۔" الفقہ نے کہا پھر ایک لفافہ آگے بڑھاتے بولی۔

"یہ مجھے وجدان کی کتابوں میں رکھا ملا تھا۔" آفاق سے پہلے مزمل نے وہ لفافہ اس کے ہاتھ سے لے کر تصویریں نکالیں اور ایک تصویر پکڑ کر باقی مصطفیٰ عظیم کے ہاتھ میں دے دیں۔ ساجد نے ان کے ہاتھ سے وہ تصویریں لے کر ایک آفاق کو دی اور ایک خود دیکھنے لگے۔ پہلی نظر میں ہی وہ پہچان گیا کہ یہی وہ تصویریں تھیں، جو وجدان نے اس کے کیمرے سے کھینچی تھیں مگر اسے تردد ہوا یہ کیسے معلوم ہو کہ یہی ملیحہ ہے۔ عائشہ مصطفیٰ نے تصویروں کی طرف ہاتھ نہیں بڑھائے وہ یقیناً یہ تصویریں پہلے ہی دیکھ چکی تھیں۔

"تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ یہ ملیحہ کی تصویریں ہیں؟" مصطفیٰ عظیم نے وہ سوال کیا جو سب کے ذہنوں میں تھا۔

"میں ملیحہ سے مل چکی ہوں۔" اس نے بم پھوڑا تھا۔ سب کے منہ حیرت سے کھل گئے۔ مزمل نے سرسراتے لہجے میں پوچھا۔

"کب؟" وہ بتانے لگی۔

"جس دن وجدان کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا وہ وجدان سے ملنے گھر آئی تھی اور اس نے خود بتایا تھا کہ وہ ملیحہ فاروقی ہے پھر اپنا نمبر دے کر کہا تھا کہ وجدان سے کہوں اسے کال کرلے لیکن میں نے اس سے نمبر لے کر پھاڑ دیا۔"

"ویسے اب تو یہ بات [illegible] صاف ہو چکی [illegible] وجدان گھر چھوڑ کر چلا گیا ہے۔" یہ [illegible] ملیحہ کی تصویر میز پر ڈالتے مزمل کے لہجے میں [illegible] تھی۔

"میرا خیال ہے اب ہمیں پولیس کی مدد لے لینی چاہیے شاید وہ اسے ڈھونڈ سکیں۔" مصطفیٰ عظیم کے چہرے پر ویرانی مستقل ڈیرہ ڈال چکی تھی۔ وہ کمزور سے لہجے میں کسی کو مخاطب کیے بغیر بولے تھے۔

لاؤنج میں بیٹھا ہر شخص ان کے اندر کی تھکن کو محسوس کر کے سر جھکا گیا۔ پریشانی سے ہونٹ کاٹتے ان کی آنکھیں نم ہو رہی تھیں۔ وجدان سے ان کی محبت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ ان کے لیے یہ سانحہ واقعی بہت عظیم تھا۔ شوہر کو ناامید ہوتے دیکھ کر عائشہ کی اپنی طاقت بھی کمزور پڑ گئی تھی انہوں نے اپنی آنکھوں کو چھلکنے سے باز رکھنے کے لیے کوئی کوشش نہیں کی ان کو روتے دیکھ کر مزمل کی افسردگی گہری ہو گئی۔ اسے بیک وقت وجدان پر غصہ بھی آرہا تھا اور اس کے لیے بڑے بھائی کی طرح پریشان بھی ہو رہا تھا مصطفیٰ عظیم طویل خاموشی کے بعد تھکے ہوئے لہجے میں بولے۔

"تم نے مجھ سے میرا بیٹا چھین لیا ہے عائشہ۔" انہوں نے اپنے شوہر کی طرف دیکھا اور بے بسی سے بولیں۔

"مگر میں تو اجازت دے چکی تھی مصطفیٰ صاحب پھر کیوں؟" بات ادھوری چھوڑ کر وہ آنسو بہانے لگیں۔

☆ ☆ ☆

"دھڑکنیں تھم جاتی ہیں، سانسیں رک جاتی ہیں مگر وقت نہیں رکتا۔" نور الہدیٰ نے سوچا آج ملیحہ کا سوئم بھی ہو گیا تھا۔

"تم بہت [illegible] ہو نا منیر حسین ایک بات بتاؤ گے۔" [illegible] بیٹھے بابا جان نے اپنے سامنے [illegible] منیر حسین سے سوال کیا۔

"[illegible] بھائی صاحب۔" وہ بولے۔

"اگر کوئی شخص کسی کو قتل کردے تو مقتول کے ماں باپ کو یہ حق ہوتا ہے کہ اگر چاہیں تو اپنی اولاد کے قاتل کو معاف کردیں لیکن اگر باپ ہی اپنی اولاد کا قاتل ہو تو خون کون معاف کرے گا۔" منیر حسن ان کے سوال پر حیران ہوتے بولے۔

"بچی کی ماں۔"

"اور اگر ماں پہلے ہی مر چکی ہو تو۔"

"آپ اس طرح کی باتیں کیوں پوچھ رہے ہیں بھائی صاحب۔"

"کیونکہ میں معافی مانگنا چاہتا ہوں لیکن جن کا گناہگار ہوں نہ مجھ میں ان کا سامنا کرنے کی ہمت ہے اور نہ ان سے معافی ملنے کی امید۔ میں جانتا ہوں کہ ان کے سوا وہ کون شخص ہے جو مجھے [illegible] ہے۔" ایک دم ہی ان کی آواز میں [illegible] اور آنکھ سے آنسو بہنے لگے [illegible] طرف دیکھتے ہوئے نور الہدیٰ نے اپنے چہرے [illegible] لیے اور لاتعلق سے گردن موڑ کر دوسری طرف دیکھنے لگے۔

"ایسا کیا گناہ کیا ہے آپ نے۔" منیر حسن حیرت سے پوچھ رہے تھے۔ بابا جان نے اپنے کانپتے ہونٹوں سے [illegible] کہا۔

"میں نے ملیحہ کو قتل کیا ہے۔" اس انکشاف کو سن کر سب منہ کھولے حیرت سے انہیں دیکھنے لگے۔

"آپ جانتے ہیں بھائی صاحب آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" افتخار سرسراتی آواز میں بولے۔

"ہاں مگر تم نہیں جانتے افتخار کہ کیسے میں نے اپنی خود پسندی، ضد اور ہٹ دھرمی کا سلو پوائزن دے کر ملیحہ کو مار ڈالا، کیسے اپنے فیصلے کی الٹی چھری سے اس کی شہ رگ کاٹی ہے، کس طرح اپنی انا کے ہاتھوں اس کے دل کا گلا گھونٹا ہے۔ ایک پل کی موت نہیں دی اسے، پل پل اس کے جسم سے کھینچی ہے، تڑپا تڑپا کر مارا ہے اسے، اپنی بیٹی کو لمحہ لمحہ کی اذیت بخشی ہے۔" نور الہدیٰ کے لیے ان کا اعتراف بھی ناقابل برداشت تھا وہ غیر محسوس انداز میں اٹھے اور باہر نکل گئے۔

"لیکن کیوں؟" افتخار حسن حیرت سے سوال کر رہے تھے۔

"آخر ملیحہ سے کیا گناہ سرزد ہوا تھا۔" بابا جان چپ کر گئے۔

"میری بیٹی معصوم تھی افتخار حسن اس کے نامہ اعمال میں کوئی گناہ درج نہیں۔ ہاں.... مگر میں نے محبت کو اس کا گناہ جانا۔"

"محبت؟" [illegible] نے دوہرایا۔

"ہاں محبت [illegible] کی بیٹی نے محبت کی تھی۔"

"[illegible]" بابا جان نے بڑی ممانی کو دیکھا اور کہا۔

"وجدان مصطفیٰ سے۔"

"کیا؟" سمیر اور آفاق کے سوا ہر شخص شاکڈ رہ گیا تھا۔ بے ساختہ سب کی نگاہوں میں ملیحہ کا جنازہ اٹھاتے وجدان کا چہرہ گھوم گیا۔

"میں ملیحہ کی شادی نہیں کر رہا تھا افتخار بلکہ اپنی بیٹی کی موت کا وقت، دن اور تاریخ طے کر رہا تھا۔" ان کی آواز گھٹ گئی اور وہ کانپتے لہجے میں بولے۔

"اور دیکھو ذرا موت نے ایک پل کی بھی تاخیر نہیں کی۔" پھر وہ بلند آواز میں روتے ہوئے بے بسی سے کہنے لگے۔

"میری ملیحہ کو کوئی ڈھونڈ لائے میں اس کے پیروں پر سر رکھ کر معافی مانگنا چاہتا ہوں۔"

افتخار حسن کا اپنا دکھ کچھ کم نہیں تھا جس کے چہرے میں اپنی مرحومہ بہن کا عکس دیکھتے تھے وہ آئینہ ٹوٹ گیا تھا۔ انہیں خود بھی ملیحہ سے بڑی محبت تھی وہ جب بھی بابا جان کو دیکھتے تھے انہیں ان پر ترس آتا تھا۔ اللہ نے کتنی دیر سے اولاد دے کر کتنی جلدی واپس لے لی تھی مگر اب ان کے دل میں بابا جان کے لیے کوئی ہمدردی باقی نہیں رہی تھی۔ وہ یوں بے حس نگاہوں سے انہیں روتے ہوئے دیکھ رہے تھے جیسے ان کے آگے تماشا چل رہا ہو۔

"کس امید پر معافی کی بات کرتے ہیں بھائی صاحب۔" وہ سرد لہجے میں بولے۔

"جب آپ نے اپنی ہی بیٹی کی بے گناہی نہیں بخشی تو کوئی آپ کے گناہ کیسے بخش سکتا ہے۔ مجھ میں تو اتنا ظرف نہیں کہ اس بے حس پر ترس کھاؤں جس نے اپنی اولاد پر ترس نہیں کھایا۔ کیا آپ میں اتنا ظرف ہے کہ خود پر ترس کھائیں، خود کو معاف کر

سکیں۔" بابا جان نے مجرموں کے انداز میں سر جھکا لیا۔

"جب آپ خود کو معاف نہیں کر سکتے تو بتائیں کوئی اور آپ کو کیسے معاف کرے گا۔" وہ رک کے پھر ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہنے لگے۔

"میں جانتا تھا آپ خود پسند ہیں اپنی انا اپنی ضد آپ کو ہر چیز سے پیاری ہے مگر میں سوچتا تھا آخر آپ ملیحہ کے باپ ہیں جو جگہ اس کے لیے آپ کے دل میں ہے کسی کے دل میں نہیں ہو سکتی میں کتنا صحیح تھا جو سنگ دلی ملیحہ کے لیے آپ میں تھی وہ اور کسی میں نہیں۔" وہ بول کر چپ ہو گئے تو بابا جان کہنے لگے۔

"رک کیوں گئے افتخار مرنے والی سے تمہارا خون کا رشتہ تھا کوسو مجھے طعنے دے دے کر مار ڈالو ہاتھ اٹھاؤ اور بددعا مانگو میرے لیے۔ کوئی ایسی سزا منتخب کرو جس سے میری روح کانپ جائے۔"

"سزا کا انتخاب ہو چکا ہے بھائی صاحب۔" آمنہ خالہ شعلہ بار نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔

"اب آپ عمر بھر خود کو کوسیں گے۔ اپنے خالی دامن کو پھیلا کر خود کو بددعائیں دیں گے۔ تب آپ کا نقصان آپ کو یاد آ کر آپ کی روح کو تڑپائے گا آپ کا گناہ جتنا بڑا ہے اس کے لیے یہی سزا مناسب ہے کہ آپ عمر بھر خود سے معافی کی بھیک مانگتے رہیں اور عمر بھر خود کو معاف نہ کر سکیں۔" بابا جان کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید پڑ گیا تھا۔ افتخار حسن اٹھ کھڑے ہوئے تو سب ان کی تقلید میں اٹھ کر جانے لگے۔

"تم مجھے معاف کیے بغیر نہیں جا سکتے افتخار۔" وہ حواس باختہ سے اٹھ کر ان کے پاس آ گئے۔

"اور میں آپ کو کبھی معاف نہیں کر سکتا۔" افتخار حسن نے ہمیشہ انہیں احترام دیا تھا۔ ان سے بات کرتے ہوئے ہمیشہ نظر جھکا کر رکھتے تھے مگر آج ان کے دل میں بابا جان کا احترام ختم ہو چکا تھا وہ بدلحاظی سے بول کر ان کا ہاتھ جھٹکتے آگے بڑھ گئے۔

"رک جاؤ منیر حسن۔" بابا جان نے آگے بڑھ کے ان کا بازو تھاما۔

"آپ کس رشتے سے مجھے روکتے ہیں بھائی صاحب۔ میری بہن کو گزرے برسوں بیت گئے اور آج اس کی بیٹی بھی مر گئی۔ اب آپ کا ہم سے کیا واسطہ جائیے بھائی صاحب اللہ آپ کو آپ کے عذاب مبارک کرے۔" وہ سختی سے ان کا ہاتھ جھٹک کر باہر نکل گئے اور ان کے پیچھے ملیحہ کی ممانیاں، خالہ اور تمام کزنز بھی اب قصر فاروقی میں ان کا کیا رکھا تھا۔

نور الہدیٰ لان میں ٹہل رہے تھے ان لوگوں کو اندر سے نکل کر گاڑیوں میں بیٹھتے دیکھ کر وہ تیز تیز چلتے پورچ میں آ گئے۔ افتخار حسن بیٹھنے کے لیے دروازہ کھول چکے تھے۔

"ماموں جان۔" نور الہدیٰ نے پیچھے سے آ کر دروازہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ افتخار حسن پلٹ کر انہیں دیکھنے لگے۔

"بولو نور الہدیٰ۔ ویسے لگتا تو نہیں کہ اب سننے کو کچھ باقی بچا ہے۔" مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی نور الہدیٰ خود کو مجرم سمجھنے لگے انہوں نے سر جھکا لیا اور صفائی دینے کے انداز میں آہستہ سے بولے۔

"میں لاعلم تھا ماموں جان۔"

"جانتا ہوں۔" ان کا لہجہ تھکا تھکا سا تھا۔ نور الہدیٰ ان کا چہرہ دیکھ کر ملتجی انداز میں بولے۔

"مجھ سے اپنا رشتہ مت توڑیے [illegible]"

"تم سے میرا رشتہ ہی کب [illegible]" وہ اچانک ہی سفاک ہو گئے۔

"اور جس [illegible] وہ اب نہیں رہی۔ ہاں مروت باقی [illegible] مروت نبھانے کا حوصلہ کہاں سے لاؤں [illegible] نور الہدیٰ اب قصر فاروقی میں میرے لیے کچھ نہیں بچا سب ٹھکانے لگ چکا ہے۔"

"آپ بابا جان سے ناراض ہیں۔"

"[illegible] نہیں ہو۔" انہوں نے پلٹ کر سوال کیا۔

"ہوں۔" ہونٹ دبا کر بولتے وہ سر اقرار میں ہلانے لگے۔

"لیکن انہیں چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔" وہ نور الہدیٰ کو دیکھ کر رہ گئے پھر۔

"اللہ حافظ۔" کہہ کر گاڑی میں بیٹھ گئے

نور الہدیٰ دو قدم پیچھے ہٹے اور وہ گاڑی نکال کر لے گئے۔ وہ کھڑے پورچ کی زمین کو گھورتے رہے تھے پھر انہیں بابا جان کا خیال آیا تو اندر آ گئے مگر ان کے قدم انٹرنس سے آگے نہ جا سکے گلاس وال کے دوسری طرف لاؤنج میں بابا جان اپنے سر کو بازو میں چھپائے بیٹھے ملیحہ کو مخاطب کر کے کہہ رہے تھے۔

"تم کیا مجھ سے منہ موڑ کر چلی گئیں ہر کوئی مجھ سے منہ موڑ رہا ہے۔ یہ کیسی روایت ڈال گئی ہو [illegible] رہا ہے کہ کوئی مجھے سزا کے قابل بھی [illegible] سزا ملتی ہے نہ معافی۔ [illegible]"

نور الہدیٰ بت کی طرح ایستادہ [illegible] تھے۔ ان کے دل کی حالت عجیب ہو [illegible]۔ ایک طرف ان کا دل چاہ رہا تھا کہ جا کر بابا جان [illegible] دوسری طرف جی چاہتا تھا ان [illegible] بھاگ کھڑے ہوں۔ ایک [illegible] دوسری پیچھے کو۔ وہ کشمکش [illegible] سوچ سوچ کر ان کا دماغ پھٹنے لگا تو بے [illegible] دل ہی دل میں بابا جان کو مخاطب کر کے [illegible]

"فکر مت کریں بابا جان میں آپ کو سزا دوں گا۔ وہی سزا جو آپ نے عمر بھر ملیحہ کے ساتھ روا رکھی۔" اور بڑی بے اعتنائی سے وہ چلتے ہوئے بابا جان کے پاس سے گزر کر سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ روتے ہوئے بابا جان نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا اور حیرت سے سوچنے لگے۔

"بے حسی کی صفت نور الہدیٰ میں تو نہیں تھی۔"

☆ ☆ ☆

"کاش تم نے پہلے بتا دیا ہوتا آفاق تو شاید یہ سب نہ ہوتا۔"

"تب بھی یہی ہوتا تایا ابو۔ آج پھوپھا جان کی جو حالت ہے وہ صرف اس لیے ہے کہ ملیحہ اب اس دنیا میں نہیں لیکن اگر وہ زندہ ہوتی تو پھوپھا جان کسی بھی قیمت پر وجدان کو قبول نہیں کرتے ان کی سخت طبیعت کو آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں اور رہ گئی ملیحہ تو کون نہیں جانتا کہ اسے ہارنے کا شوق تھا۔ جب وہ ہی ہتھیار ڈال چکی تھی تو آپ کیا کر لیتے۔" افتخار حسن جانتے تھے وہ صحیح کہہ رہا ہے اس لیے چپ سے ہو گئے۔ لیکن [illegible] مطمئن نہ ہو سکے۔

"پھر بھی آفاق تمہیں بتا دینا چاہیے تھا شاید کوئی راستہ نکل پاتا۔ ملیحہ نے کون سا کسی کے لیے گزرے کا انتخاب کیا تھا۔ وہ آخر کس بنیاد پر وجدان کو ریجیکٹ کرتے۔ بس ایک ذرا ان کی انا ہی تو تھی۔ ٹوٹ جاتی۔"

"آفاق صحیح کہہ رہے ہیں چاچو واقعی کوئی راستہ نہیں تھا۔ ملیحہ کبھی بھی پھوپھا جان کی مرضی کے بغیر وجدان سے شادی نہیں کرتی اور پھوپھا جان بھی اس کی اس کمزوری سے واقف تھے پھر بھلا وہ رضامندی دیتے ہی کیوں بلکہ سچ تو یہ ہے ملیحہ کی اسی کمزوری نے ہی پھوپھا جان کی انا کو آسمان پر چڑھا رکھا تھا۔ میں مانتی ہوں ان کا رویہ ملیحہ کے ساتھ ہمیشہ ہی ناروا رہا لیکن ملیحہ نے بھی تو کبھی پلٹ کر شکایت نہیں کی۔ پھر وہ کیوں احساس کرتے۔"

"اب ان باتوں کا کیا فائدہ جتنا ذکر کرو گے اتنا ہی دل جلے گا بس اب ختم کرو اس قصے کو۔" چھوٹی ممانی کے لیے یہ ٹاپک بہت تکلیف دہ تھا وہ جھنجلا کر بولیں۔

"آفاق مجھے وجدان کے پاس لے جاؤ۔ نہ جانے کس حال میں ہو گا۔" افتخار حسن فکر مند سے ہو گئے تھے۔ آفاق ان کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو۔" آفاق نے نظر جھکا لی۔

"یہی تو پتا نہیں چل رہا کہ وہ کس حال میں ہے۔"

"کیا مطلب؟" آمنہ خالہ نے ٹھٹک کر پوچھا۔

"وجدان پرسوں رات سے لاپتا ہے۔"

"کیا کہا؟" بڑی ممانی سہم کر بولیں۔

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ وجدان گھر سے چلا گیا ہے۔ پرسوں جب میں اسے قبرستان سے لے کر آیا تو اس کی دماغی حالت نارمل نہیں تھی پھر میں نے ہی

اسے گھر ڈراپ کیا تھا۔ یہ سوچ کر کہ کچھ دیر آرام کرنے سے اس کی حالت سنبھل جائے گی مگر وہ گھر سے چلا گیا۔ اس کے نکلتے ہی انکل اور مزمل بھائی اس کی تلاش میں لگ گئے تھے مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا وہ ابھی تک لاپتا ہے۔ سب دوستوں رشتے داروں کے گھر چیک کر لیا۔ پورے شہر کے اسپتال دیکھ لیے لیکن وہ کہیں نہیں ملا کل میں اور ساجد مزمل بھائی اور انکل کے ساتھ مل کر سارا دن اسے سڑکوں اور پارکوں میں تلاش کرتے رہے ہیں۔ شہر کا کوئی کونا ایسا نہیں چھوڑا جہاں ہم نے اسے نہ ڈھونڈا ہو۔۔۔ کچھ نہیں آتا اسے زمین نگل گئی ہے یا آسمان۔۔۔۔ کہیں سے کوئی خبر تک نہیں ملتی۔ اب تو پولیس میں بھی رپورٹ کرا دی ہے اور صبح کے سب اخباروں میں اس کی گمشدگی کا اشتہار بھی چھپ گیا ہے۔ دعا کریں کہیں سے کوئی اطلاع مل جائے۔" اس نئی افتاد پر ہر کوئی چپ سا ہو گیا۔

"یا اللہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ ہر طرف سے بری خبریں مل رہی ہیں۔ سکون تو جیسے اب ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گیا ہے۔" افتخار حسن گھبرا کر بولے۔ منیر حسن نے ایک نظر اپنے بھائی کو دیکھا جو ٹوٹ سے گئے تھے پھر آفاق سے تیز لہجے میں بولے۔

"تم یہ سب آج بتا رہے ہو۔"

"اور کیا کرتا جو سانحہ گزر چکا وہ کیا کم ہے جو میں آپ سب کو اور پریشان کرتا۔"

"اچھا اب یہ باتیں چھوڑو۔" بڑی ممانی پریشان سے لہجے میں بولیں پھر اپنے شوہر سے کہا۔

"افتخار ہمیں وجدان کے گھر چلنا چاہیے۔"

"نانی جان آپ وہاں نہ ہی جائیں تو بہتر ہے۔"

"کیوں؟" وہ اسے دیکھ کر بولیں۔

"کیونکہ آپ بار بار ملیحہ کا نام لے کر رونے لگتی ہیں اور میں نے وجدان کے گھر والوں کو ملیحہ سے اپنے رشتے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا ہے اور شاید وجدان نے بھی ایسی کوئی بات نہیں کی ورنہ وہ ضرور ذکر کرتے پھر انہیں ملیحہ کے انتقال کے بارے میں بھی کوئی اطلاع نہیں۔"

"لیکن تم نے یہ سب ان سے کیوں چھپایا جب کہ اس کی ضرورت نہیں۔" منیر حسن کی بات سن کر آفاق نے کہا۔

"تو کیا بتاتا کہ ملیحہ کی موت کے صدمے نے وجدان کے دماغ پر اثر کیا ہے اور اس نے ہوش مندی میں نہیں بلکہ پاگل پن کی کیفیت میں گھر چھوڑا ہے تاکہ ان کے دلوں سے رہا سہا اطمینان بھی رخصت ہو جائے۔ جیسے میرے دل سے رخصت ہو گیا ہے اور اب تک تو در در بھٹکتا وہ سچ مچ پاگل ہو گیا ہو گا۔۔۔ غلط لوگوں کو دل میں جگہ دی۔ ان دونوں نے تو اپنے دل کے آگے کسی اور کے دل کی پرواہ ہی نہیں کی۔" آفاق دلگرفتہ سا ہو گیا وہ چشم تصور سے وجدان کو قریہ قریہ دیوانوں کی طرح بھٹکتے دیکھ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

مغرب کی نماز کے بعد نمازی مسجد سے نکل رہے تھے جب وہ خستہ حال شخص ایک دم کہیں سے آ دھمکا۔ اس کے سر کے بال اور بڑھی ہوئی داڑھی میں گرد جمع ہوئی تھی۔ کپڑوں کی حالت ابتر ہو رہی تھی ڈھیروں مٹی لیے زخمی پاؤں جوتے کی قید سے آزاد تھے۔ وہ یقیناً "کوئی دیوانہ ہی تھا۔ جو ایک ایک کو روک کر پوچھ رہا تھا۔

"تو نے انہیں دیکھا۔۔۔ ابھی ابھی وہ ادھر تھیں پتا نہیں کہاں۔۔۔ وہ کہیں ادھر۔۔۔ ہاں ادھر ہی تھیں پھر جانے کہاں۔۔۔ انہیں جاتے دیکھا ہے۔" اس نے مسجد کی سیڑھیوں کی طرف اشارہ کیا پھر وہ انہیں منع کرتے وہ اندر بڑھنے کی طرف اشارہ کرنے لگا مگر کسی نے اس پر دھیان نہیں دیا ہر شخص اس سے بچ کر نکلنے کی کوشش میں تھا وہ التجائیں کرنے لگا۔

"کوئی تو بتا دے وہ کہاں گئیں کب سے ڈھونڈ رہا ہوں۔ کوئی تو مجھے بھیک میں ان کا دیدار دے دے۔" اپنی فریاد کے رائیگاں جانے پر اس نے ایک دم کسی سفید براق کلف لگے شلوار قمیص میں ملبوس سیاہ رنگ

کے موٹے سے آدمی کو دبوچ لیا۔ اس پر جنون سوار ہونے لگا تھا۔ موٹے کو جھنجوڑتے وہ چیخنے لگا۔

"تو بتا مجھے وہ کہاں ہیں۔ بتا میں جانتا ہوں تجھے پتا ہے بول کدھر ہیں وہ۔" وہ پہلے تو اس افتاد پر گھبرا گیا پھر خود کو چھڑا کر حقارت سے زوردار تھپڑ اس کے گال پر جڑ دیا۔

"ہٹ پاگل کہیں کا سارے کپڑوں کا ستیاناس کر دیا۔" اور وہ تھپڑ کھا کر گر پڑا۔ تبھی اسے نمازیوں کی بھیڑ کے باہر کسی کی جھلک نظر آئی وہ تیزی سے اٹھ کر اس طرف بڑھا ہی تھا کہ موٹے شخص نے اس پاگل کو اٹھ کر اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو وہ اس پاگل سا ہو کر اس نے فوراً۔۔۔ جھک کر ایک پتھر اٹھایا اور تاک کر اس کی طرف پھینک دیا اس کے سر سے خون کا فوارہ چھوٹ گیا۔ بس ایک پل کو ماتھے پر ہاتھ رکھ کر وہ ٹھہرا ہوا پھر بہتے ہوئے خون کی پروا چھوڑ کر وہ بے اختیار اسی طرف بڑھا۔ موٹے شخص نے جو بدستور اسے اپنی جانب آتے دیکھا تو ایک اور پتھر اٹھا کر اسے دے مارا۔ پھر ایک ساتھ کئی پتھر اس نے ہاتھ میں اٹھا لیے اور ایک کے بعد ایک مارنے لگا۔ باقی نمازیوں نے جو ایک پاگل کو اس موٹے آدمی سے بھڑتے دیکھا تو وہ بھی اس پر پل پڑے۔

"شرم نہیں آتی نمازیوں کو پریشان کرتا ہے۔ ہٹا کٹا مسٹنڈا ہو کر آوارہ گردی کرتا ہے۔ مسجد جیسی متبرک جگہ تیری بدمعاشی کے لیے نہیں ہے۔" ہر طرف سے اسے جملے پڑ رہے تھے اور اسی رفتار سے لاتیں اور گھونسے بھی۔ مگر وہ خوشبوؤں میں ڈھلے اس پیکر پر نگاہ جمائے اپنا ایک ہاتھ اس کی طرف بڑھاتا بدن کی پوری طاقت لگا کر خود کو ان لوگوں کے چنگل سے چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا پر اس کی ایک نہ چلی۔ اسے اتنے سارے لوگوں کی بے رحم شکنجے میں دیکھ کر ان جھیل سی آنکھوں میں طغیانی آگئی پھر جیسے اس سے برداشت نہ ہو سکا اور وہ اچانک ہی پلٹ کر بھاگنے لگی۔

"رک جائیں مت جائیں مجھے چھوڑ کر۔" وہ چلایا پھر اپنے ارد گرد موجود لوگوں کو دھکیلنے لگا۔ وہ جب تک چپ کر کے پٹتا رہا لوگ اسے پیٹتے رہے اب جو وہ انہیں دھکیل کر خود کو چھڑانے لگا تو سب اسے چھوڑ کر خوفزدہ سے پیچھے ہٹ گئے اور وہ اس کے پیچھے بھاگا جو نظروں سے اوجھل ہوتی جا رہی تھی پھر بھاگتے بھاگتے اسے پتھر سے ٹھوکر لگی اور وہ منہ کے بل زمین پر گر پڑا۔ اس کے دانتوں سے خون نکل آیا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر اس طرف دیکھا جدھر وہ گئی تھی۔ پھر گھبرا کر چاروں طرف نظر گھمائی۔۔۔ لیکن وہ اسے کہیں نظر نہیں آئی۔ بے بسی کے احساس سے اس کی آنکھیں برسنے لگیں اوندھے منہ لیٹے اس نے سر اٹھا کر آسمان کو دیکھا اور کرب سے فریاد کی صورت پکارا۔

"یا اللہ۔" لوگ ہنس رہے تھے بچے پاگل پاگل کی صدائیں لگاتے تالیاں بجا رہے تھے اور وہ زمین پر پڑا پوری طاقت سے ایک ہاتھ کا مکا بنائے زمین کو پیٹ پیٹ کر اپنے ہاتھ زخمی کر رہا تھا۔ دھول اڑ اڑ کر اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی اور وہ کرب سے چلاتا جا رہا تھا۔ قریب ہی ایک دکان کے باہر کھڑا شخص اس تماشے سے محظوظ ہوتا اپنے سامنے کھڑے آدمی سے بولا۔

"دیکھو یار کیا تماشا چل رہا ہے۔"

"ارے یہ تو کچھ بھی نہیں ادھر دیکھو اصل تماشے کی خبر تو آج اخبار میں چھپی ہے۔ سنتے آئے تھے لڑکیاں گھروں سے بھاگتی ہیں پر اب تو لڑکے بھی گھر سے بھاگنے لگے۔" اس نے مطلق دھیان نہ دیتے ہوئے اخبار میں چھپی خوش شکل اور خوش لباس نوجوان کی تصویر اسے دکھائی جس کے نیچے لکھا تھا۔

"نام 'وجدان مصطفیٰ ولد مصطفیٰ عظیم' عمر پچیس سال' رنگت سانولی' قد پانچ فٹ گیارہ انچ بلیک شرٹ اور بلیک پینٹ میں ملبوس ہے اور پیروں میں بوٹ پہنے ہوئے ہے۔ ناراض ہو کر گھر سے چلا گیا ہے اگر کسی صاحب کو وجدان مصطفیٰ کے بارے میں اطلاع ہو تو براہ مہربانی نیچے دیے گئے ٹیلی فون نمبرز پر رابطہ کریں۔ صحیح اطلاع دینے والے کو ایک لاکھ روپے نقد انعام دیا جائے گا۔" اس نے اپنے ساتھی سے اخبار لے کر بلند آواز میں خبر پڑھی اور دونوں ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسنے لگے۔

بابا جان کی پہلے بھی کوئی خاص مصروفیت نہیں تھی' بس بوائی اور کٹائی کے سیزن میں نگرانی کے لیے زمینوں پر چلے جاتے یا پھر اگر کوئی تنازعہ کھڑا ہو جاتا تو اس کے حل کے لیے انہیں جانا پڑتا۔ منافع اور اخراجات کا اندراج بھی ان کا سر درد تھا۔ مگر جب وہ قصر فاروقی میں ہوتے تو واقعی ریٹائرڈ لائف گزارا کرتے' فراغت کی فراوانی میں یا تو وہ ملک ناصر کے گھر پر ہوتے یا ملک ناصر' قصر فاروقی میں ڈیرے ڈال کر بیٹھے رہتے اور دونوں دوست جوانی کے قصوں اور آرمی لائف کی یادوں کو دہراتے' شطرنج کی بساط پر ایک دوسرے کو شہ اور مات دیتے رہتے۔ مگر ملیحہ کے جانے کے بعد سب کچھ بدل گیا تھا۔ زمینوں کے معاملات میں ان کی دلچسپی ختم ہو گئی۔ منشی جو چاہے فصل بوتا' جس دام چاہتا فصل منڈی میں بیچ دیتا' کوئی بازپرس نہ کرتے کئی بار نور الہدیٰ سے کہا بھی کہ اب وہ زمینوں کے معاملات ہینڈل نہیں کر پاتے" اس لیے نور الہدیٰ ان کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیں' مگر نور الہدیٰ نے صاف جواب دیا۔

"اگر آپ زمینوں کے معاملات نہیں سنبھال سکتے تو بیچ دیں' مجھے اپنے بزنس سے فرصت نہیں۔" اور زمینوں کو بیچنا بابا جان کو گوارا نہیں تھا' خیر کسی نہ کسی طرح معاملات چلتے ہی رہے' مگر عملاً" بابا جان نے ہاتھ اٹھا دیا تھا اور بس اپنے کمرے تک محدود ہو گئے تھے۔ ملک ناصر کی طرف جانا بھی چھوڑ دیا تھا' لیکن وہ خود ہی آ جاتے' مگر اب شطرنج کی بساط نہیں بچھتی تھی' بس ملیحہ کا ذکر ہوتا رہتا اور ملیحہ کے ذکر میں خوشی کہاں تھی' اس کی تو پوری زندگی بابا جان کا پچھتاوا بن گئی تھی اور پچھتاوے کا احساس کسی پل ان کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ اب ان کے پاس ملیحہ کو یاد کر کے آنسو بہانے کے سوا کوئی کام نہیں تھا' احساس جرم سے بے حال وہ بند کمرے میں ملیحہ کی تصویر کے آگے چلایا کرتے۔

"ملیحہ میری جان اپنے بابا کو معاف کر دو' خدا کے لیے بخش دو بیٹا' ترس کھاؤ اپنے باپ پر۔" وہ ملیحہ کی تصویر کو سینے سے لگائے روتے جاتے۔ نور الہدیٰ کی بے اعتنائی اس سے سوا تھی۔ انہوں نے بابا جان سے نہ تو کوئی جھگڑا کیا اور نہ ناراضی کا اظہار' بس ان سے لاتعلق ہو گئے۔ بابا جان کی چیخیں ان کے کانوں تک بھی پہنچتی تھیں' مگر وہ کبھی انہیں دلاسا دینے نہیں آئے' الٹا اپنی سرد مہری سے ان کے احساس جرم کو اور بھی بڑھاتے جاتے۔ انہوں نے بابا جان کو گھر میں رکھے سامان کی طرح سمجھ لیا' کبھی ان کے کمرے میں جھانکنے کی زحمت بھی نہیں کی اور اگر کہیں بابا جان ہی ان کے پاس چلے آتے تو اس طرح نظر انداز کرتے کہ وہ کٹ کر رہ جاتے۔ مگر شکایت کیسے کرتے۔ انہوں نے بھی تو کبھی ملیحہ کو خود سے قریب نہیں ہونے دیا تھا۔ لیکن ملک ناصر سے برداشت نہیں ہو سکا اور وہ نور الہدیٰ کے پاس جا پہنچے۔

"جس شخص نے تمہیں کبھی باپ کی کمی محسوس نہیں ہونے دی' اس کے ساتھ تم یہ سلوک کر رہے ہو' کاٹھ کباڑ کی طرح اسے ایک کونے میں ڈال دیا ہے۔" نور الہدیٰ ان کے جلال کے جواب میں بے تاثر لہجے میں بولے۔

"آپ کس سلوک کی بات کر رہے ہیں ملک انکل! میری طرف سے بابا جان کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوئی۔ اس گھر میں ان کا جو رتبہ اور مقام کل تھا وہی آج بھی ہے' گھر کے سارے ملازم ان کے حکم کے پابند ہیں اور میں نے خود بھی انہیں سختی سے ہدایت دے رکھی ہے کہ بابا جان کے آرام و آسائش کا خیال رکھیں۔"

"مگر تمہارا التفات نہیں ہو سکتے نور الہدیٰ۔ کیا تمہیں کبھی یہ خبر بھی ہوئی کہ تمہارا باپ کئی دن سے بیمار ہے۔ کیا ایک بار بھی تمہیں اتنی توفیق ہوئی کہ جا کر اس بیمار سے اس کی طبیعت ہی دریافت کر لو' جس نے تمہیں اولاد کی جگہ سمجھا ہے۔"

"بابا جان بیمار ہیں۔" اس خیال سے وہ اندر ہی اندر بے چین ہو گئے' لیکن جب بولے تو ان کی آواز ہر تاثر سے خالی تھی۔

"گھر میں تین' تین ڈرائیور موجود ہیں۔ اگر وہ بیمار ہیں تو مجھ سے کہنے کی ضرورت نہیں' وہ ڈرائیور کے ساتھ اسپتال جا سکتے ہیں' اور اگر خود نہیں جانا چاہیں تو ڈاکٹر کو فون کر کے گھر پر بلوا لیں۔" ملک ناصر ان کی بے حسی پر حیران رہ گئے۔

"جس کی بیماری کا علاج ڈاکٹر کے پاس نہیں' تمہارے پاس ہے۔ تم تو اپنی زندگی میں مگن ہو گئے لیکن اظہر کو تمہاری ضرورت ہے' کبھی دو گھڑی کے لیے ہی سہی' اس کے پاس بیٹھ جایا کرو' تنہائی کا عذاب جھیلنا آسان نہیں۔"

"تنہائی۔" وہ زہر خند ہو کر کہتے ہوئے پھر اٹھے اور صوفے کی بیک پر جا کر دونوں ہاتھ اس کی پشت پر رکھے ہوئے کہنے لگے۔

"تنہائی کو جھیلنا آسان نہیں ملک انکل اور ملیحہ نے جذباتی تنہائی کے ساتھ نو سال گزارے ہیں۔ بنا شکایت کیے اور بابا جان چند مہینوں میں ہی شکوہ کرنے لگے۔" ملک ناصر ہکا بکا رہ گئے۔

"تم ایک باپ سے اس کی بیٹی کی موت کا انتقام لینا چاہتے ہو' کیا تمہیں اس کا حق ہے۔"

"مرنے والی اگر ملیحہ ہو اور مارنے والے بابا جان تو ہادی بھائی کو حق ہے کہ ملیحہ کی موت کا انتقام لے سکیں۔" ان کے لہجے میں کوئی گنجائش نہ پا کر ملک ناصر چپ کے چپ رہ گئے۔ بعد میں جب بابا جان کو پتا چلا تو کہا۔

"نور الہدیٰ سے بدگمان نہ ہو نا ملک! اس نے میرے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی' میں اسی سلوک کا مستحق ہوں۔ اس نے تو بہت صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اسے ملیحہ کے ساتھ کی ضرورت نہیں' وہ یوں بھی اس سے محبت کرے گا' مگر میں نے زبردستی ملیحہ کو اس کے ساتھ منسلک کرنا چاہا۔ وہ ملیحہ کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتا تھا' کہاں تو میں نے اسے ہی ملیحہ کی تکلیف بنا دیا' ذرا سوچو تو ملک میرے ہاتھوں اس کا کتنا بھاری نقصان ہوا ہے' پھر وہ اتنا بڑا ظرف کہاں سے لائے کہ مجھے معاف کر سکے۔" پچھتانے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا" لیکن پچھتاووں سے دامن چھڑا پانا بہت مشکل ہے۔

٭ ٭ ٭

جنوبی پنجاب کے دور دراز علاقے میں سرحدی پٹی کے قریب واقع پسماندہ گاؤں "چنگوالی" کی آبادی محض چند سو نفوس پر مشتمل تھی۔ مولوی عبدالخالق کا شمار اس چھوٹی سی آبادی کے معززین میں ہوتا تھا۔ مولوی عبدالخالق گاؤں کے موذن تھے اور جماعت کی امامت بھی ان کے فرائض میں شامل تھی۔ ان کے والد جنہیں گاؤں والے عقیدت سے بڑے امام صاحب کہتے تھے۔ مولوی عبدالخالق سے پہلے وہ ہی اذان دیتے اور نماز پڑھایا کرتے تھے۔ بڑے امام صاحب دین دار آدمی تھے۔ لیکن انہوں نے دنیا کا دامن بھی تھام رکھا تھا اور حسن و خوبی دین اور دنیا میں توازن قائم رکھتے ہوئے۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی گزار دی۔ اپنے بیٹے کی تربیت بھی انہوں نے ان ہی خطوط پر کی۔ پیش امام کی ذمہ داری سنبھالنے سے پہلے وہ لاہور سے گریجویشن کر چکے تھے۔ پھر جب وہ اپنے والد کے پیچھے نماز پڑھانے لگے تو بڑے امام صاحب نے انہیں روزگار کو اپنانے کی ترغیب دی۔ مولوی عبدالخالق نے گھر کے ہی ایک کمرے میں دکان کھول لی۔ مہینے میں ایک بار دکان میں سامان ڈالنے کے لیے وہ شہر کا چکر لگاتے۔ ان کی دکان میں اشیائے خورد و نوش کے علاوہ بنیادی ضروریات زندگی کا سامان بھی موجود ہوتا۔ یعنی ایک لحاظ سے اسے گاؤں کا جنرل اسٹور کہا جا سکتا تھا۔

بڑے امام صاحب کا برسوں پہلے انتقال ہو چکا تھا اور اب تو مولوی عبدالخالق بھی بزرگی کی عمر میں داخل ہو چکے تھے۔ مولوی صاحب نے گاؤں کی ہی ایک لڑکی کے ساتھ شادی کی تھی۔ مگر اللہ نے اولاد کی نعمت سے محروم ہی رکھا۔ رفیقہ حاجرہ بی بی باقید حیات تھیں اور "ملانی جی" کے لقب سے خاص و عام میں مشہور تھیں۔ سالوں سے مولوی عبدالخالق ایک ہی گھی بندھی روٹین کے عادی ہو گئے تھے۔ فجر کی اذان سے

ذرا پہلے، جس وقت رات کا آخری پہر ڈھل رہا ہوتا وہ نیند سے جاگ جاتے، پھر تہجد کی نماز پڑھ کر بیوی کو جگاتے، گاؤں کی کچی گلیوں سے گزر کر مسجد آجاتے، پھر جب تک فجر کی اذان کا وقت ہوتا مولوی صاحب مسجد میں جھاڑو لگا کر نمازیوں کے لیے صحن میں دریاں بچھا چکے ہوتے۔ نماز کے بعد وہ کچھ دیر قرآن پاک کی تلاوت کرتے، پھر اپنی دکان پر اٹھ آتے جو پھر ظہر کی نماز کے لیے بند ہوجاتی۔ نماز کے بعد ایک گھنٹے کا درس ہوتا۔ جس میں بڑے احکام شریعت کے بجائے چھوٹی چھوٹی عام فہم باتوں کو شامل کیا جاتا۔ وہ باتیں جن سے انسان کے کردار کا بنیادی ڈھانچہ تشکیل ہوتا ہے۔ بڑے امام صاحب اکثر مولوی عبدالخالق سے کہا کرتے تھے۔

"اصل چیز بنیاد ہی ہے تو بنیاد مضبوط کے جا عمارت اپنے آپ سیدھی اور مضبوط اٹھے گی۔" درس ختم کرکے پھر مولوی صاحب دکان پر آبیٹھتے اور پھر عصر کی نماز پڑھا کر گھر لوٹتے تو صحن میں گاؤں کے بچے سپارے اور اسکول کی کتابیں لے کر بیٹھے ان کا انتظار کررہے ہوتے۔ مولوی صاحب دکان اور گھر کے صحن کا درمیانی دروازہ کھول دیتے اور دکان داری کے ساتھ ساتھ دین اور دنیا کی تعلیم دی جاتی۔ یہ سلسلہ مغرب تک چلتا، پھر عشاء کی نماز کے بعد مسجد میں ہی نمازیوں کی بیٹھک ہوتی، جس میں ہر طرح کے دینی اور دنیاوی مسئلے زیر بحث لائے جاتے۔ یہ بیٹھک ایک سے ڈیڑھ گھنٹے میں برخاست ہوجاتی اور لوگ اٹھ کر اپنے گھر کو سونے چلے جاتے۔

اتنے برسوں میں آج پہلی بار مولوی صاحب کی روٹین میں فرق آیا تھا۔ آج ظہر کے بعد درس کی محفل نہیں ہوئی اور مولوی عبدالخالق نمازیوں سے معذرت کرتے اٹھ آئے اور اب چلچلاتی دھوپ میں وہ گاؤں سے باہر جانے والے راستے پر تیزی سے چل رہے تھے۔ اس تبدیلی کی وجہ یہ تھی کہ [illegible] سے گاؤں والوں میں کسی "سائیں" کے چرچے زور پکڑ رہے تھے، جو نہ جانے کہاں سے آگیا تھا اور اب گاؤں کے باہر ڈیرہ ڈال رکھا تھا۔ گاؤں کے سادہ لوح لوگ سائیں کے آنے سے پرجوش ہوگئے تھے اور اب انہیں سائیں کی کرامات کا انتظار تھا۔ مولوی عبدالخالق نے جو کچے ایمانوں کو ڈولتے دیکھا تو معاملے کی تحقیق کرنا ضروری سمجھا۔ وہ گاؤں سے کافی دور نکل آئے تھے۔ کچی مٹی کے مکان بہت پیچھے چھوٹ گئے تھے۔ بلا کی گرمی تھی، مولوی صاحب کا حلق پیاس سے خشک ہوگیا تو رک کر سانس بحال کرنے لگے، پھر ماتھے سے چہرے پر آیا پسینہ خشک کرکے آنکھوں پر ایک ہاتھ کا چھجا سا بنا کر اپنے سامنے دور تک دیکھا۔

خشک زمین پر ابھری لکیریں اس کی پیاس کی گواہ تھیں اور ایک سوکھا درخت، جس کی خوب پھیلی بنجر شاخوں پر کوئی خشک پتا تک نہیں تھا۔ مردہ زمین کے سینے پر یوں گڑا تھا جیسے خود اپنے ہی حال پر نوحہ کناں ہو۔ دور تک پھیلا نیلا آسمان ایک دم صاف تھا۔ جس پر سورج پیلے رنگ کے تھال کی مانند دہک رہا تھا۔ تاحد نگاہ پھیلے اس منظر کی ویرانی کو اور بھی گہرا کررہا تھا، وہ اکلوتا ذی روح جو اس سوکھے درخت کی "چھاؤں" میں بیٹھا تھا۔ اس کے سیاہ کپڑوں پر مسافتوں کی گرد جمی تھی۔ سر کے بال لمبے اور گرد آلود تھے۔ بے ترتیب داڑھی جھاڑی کی مانند لگ رہی تھی۔ اس کا ایک ہاتھ زمین پر بچھی ٹانگ کی ران پر [illegible] دوسرا موڑ کر کھڑی کی ہوئی ٹانگ کے گھٹنے [illegible] پیچھے تنے سے ٹکا کر آنکھیں بند کیے [illegible] بڑے سکون سے بیٹھا تھا جیسے صدیوں [illegible] عالم میں ہو اور صدیاں اسی عالم میں گزار دے۔ اس کے چہرے کے مبہم نقوش پر [illegible] لذت کی عجیب سی کیفیت جھلک رہی [illegible] مولوی عبدالخالق نے بے ساختہ جھرجھری [illegible] اس کی طرف چلنے لگے۔ درخت کے پاس پہنچ کر مولوی صاحب نے کچھ دیر توقف کیا، پھر پکارا۔

"بھائی۔" اور اسے منتظر نگاہوں سے دیکھنے لگے کہ آنکھیں کھول کر ان کی طرف دیکھے گا مگر اس کی پلکوں میں تو لرزش بھی نہیں ہوئی۔ مولوی صاحب نے دوبارہ اسے مخاطب کیا۔

"کون ہو بھائی، کہاں سے آئے ہو؟" اس نے کوئی جواب نہیں دیا، بلکہ ایسے بیٹھا رہا جیسے کوئی آواز سنی ہی نہ ہو۔ مولوی صاحب انتظار کرتے رہے، پھر کہا۔

"یہاں کے تو نہیں لگتے، پھر وہ کیا خواہش ہے جو تمہیں یہاں کھینچ لائی ہے۔" وہ اس کے پراگندہ لباس پر ایک نظر ڈال کر یہی سمجھے تھے کہ وہ یہاں کا نہیں ہے تو پوچھ لیا۔ وہ آنکھیں کھولے بغیر بولا۔

"بتا بھی دوں تو کیا کرے گا۔"

"جو بھی میرے بس میں ہوا۔" مولوی صاحب اس کے سامنے زمین پر بیٹھتے ہوئے بولے تو اس نے آنکھیں کھول دیں، مگر انہیں [illegible] دیکھا اور آسمان پر نظریں جمائے کہنے لگا۔

"ایک مدت خواہش کے پیچھے بھاگا ہوں، لیکن اب خواہش سے بھاگ رہا ہوں، مگر وہ ہیں کہ جان ہی نہیں چھوڑتیں۔" پھر اس نے ایک دم مولوی صاحب کو دیکھا۔

"کسی ایسی جگہ جانا ہے جہاں میں خواہش سے بچ جاؤں۔" مولوی صاحب نے اسے ترحم نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو جھلا بندہ خواہش کا گھر ہے، یہ باہر کھلی نہیں پھرتی آدمی کے اندر چھپ کے بیٹھ جاتی ہے اور تو اپنے اندر سے بچنا چاہتا ہے۔"

"اندر کو خود سے قریب نہ سمجھ۔" وہ تنبیہ کے انداز میں بولا تو انہیں اپنی سرخ آنکھوں سے گھورنے لگا۔

"یہ چھل دیتا ہے، دیکھے گا تو قریب لگے گا۔ ہاتھ بڑھائے گا تو کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔" اس نے ہاتھ بڑھایا، پھر خالی ہتھیلی آسمان کی طرف دی اور گمبھیر آواز میں بولا۔

"یہ ہاتھ بھر کا فاصلہ تو عمر بھر کی مسافت سے نہ مٹے۔"

"تجھے کیسے معلوم؟" مولوی صاحب کی بات سنی تھی کہ اس پر ہیجان طاری ہوگیا۔

"میں سرپٹ دوڑا ہوں اس سفر پر، لیکن منزل کے بجائے ہر قدم پر ٹھوکر کھائی اور میں ہر بار منہ کے بل زمین پر گرتا، پھر فوراً اٹھ کر دوڑنے لگتا، مگر ایک انچ کا فاصلہ بھی نہیں گھٹ سکا اور اب جب میں اس سفر سے عاجز آگیا ہوں تو اس نے خواہش کو میرے پیچھے لگا دیا۔ جا، جا، اب تو بہت پاس چلی آتی ہیں، لیکن وہ ہاتھ بھر کا فاصلہ نہیں مٹتا۔" اس کی آواز میں کسک تھی۔ پھر وہ اچانک ہی آسمان کی طرف دیکھ کر چلانے لگا۔

"مکر کرتا ہے میرے ساتھ، فریب دیتا، کیسا خدا ہے تو بندے کو دھوکہ دیتا ہے۔ ہنستا ہے مجھ پر، پاگل ہے پاگل۔" پھر وہ مٹی اور کنکر مٹھیوں میں بھر بھر کر آسمان کی طرف پھینکنے لگا۔

"بے نکل یہاں سے چلا جا، نہیں ضرورت مجھے تیری۔ مذاق اڑاتا ہے میرا۔" مولوی صاحب لب بھینچے اسے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے اسے روکنے یا قابو کرنے کی کوشش نہیں کی، پھر وہ ایک دم ان کی طرف پلٹ کر بولا۔

"تو نے یہ آواز سنی، دیکھ وہ آسمانوں پر بیٹھا مجھ پر ہنس رہا ہے، خوب اونچی اونچی آواز میں۔" پھر اس نے ڈھونڈ کر ایک پتھر اٹھایا اور آسمان کی طرف اچھال دیا۔

"تو چلا کیوں نہیں جاتا یہاں سے، جا چلا جا، اکیلا چھوڑ دے مجھے۔" پتھر اٹھا کر پھینکتے اسے اچانک ہی جانے کیا نظر آگیا تھا کہ ایک جانب نظریں جمائے سہمے ہوئے انداز میں وہ پیچھے کو ہٹنے لگا۔ وہ ٹھوکر کھا کر گرا بھی، مگر رکا نہیں اور زمین پر خود کو گھسیٹتا درخت کے تنے سے جا لگا۔

"جائیں، چلی جائیں، کیوں بار بار آجاتی ہیں، خدا کے لیے چلی جائیں۔" وہ ہاتھ اٹھا کر بلاتا جانے کسے چلے جانے کو کہہ رہا تھا۔ مولوی صاحب نے مڑ کر دیکھا بھی، لیکن انہیں تو کوئی نظر نہیں آیا اور وہ بدستور کہتا جارہا تھا۔

"اور کتنا برباد کریں گی مجھے، کتنا ستائیں گی، اب اور برداشت نہیں ہوتا۔" حسرت بھرے لہجے میں کہتے اس نے سر زانو میں چھپا لیا اور بچے کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

"چلی جائیں یہاں سے، چلی جائیں۔" مولوی صاحب گہری نظروں سے اسے دیکھتے رہے، پھر اسے روتا بلکتا چھوڑ کر گاؤں کی طرف چل پڑے۔

اگلے دن درس کے بعد مولوی عبدالخالق گھر آئے تو ملانی جی سے کہہ کر کھانے کی ٹرے تیار کروائی، پھر اسے کپڑے سے ڈھک کر گاؤں سے باہر نکل آئے۔ دینو تانگے والا روز کی طرح سواریاں اتار کر دوپہر کا کھانا کھانے گھر کو جارہا تھا۔ مولوی عبدالخالق کو دیکھا تو تانگا روک لیا۔

"سلام مولوی صاحب۔"

"وعلیکم السلام گھر جارہے ہو علم دین۔" وہ مودب انداز میں بولا۔

"جی مولوی صاحب پر آپ کا ارادہ کدھر کو ہے؟ حکم ہو تو چھوڑ آؤں۔" اس کی پرخلوص پیش کش کے جواب میں مولوی عبدالخالق مسکرائے اور کہا۔

"کیوں زحمت کرتے ہو بھائی، میں تو بس جو مہمان گاؤں کے باہر آکر ٹھہرا ہے اسے کھانا دینے جارہا ہوں۔"

"سائیں کی بات کررہے ہیں۔" اس نے کہا، پھر بولا۔

"لیکن وہ تو چلا گیا۔"

"چلا گیا۔" مولوی صاحب حیرت سے بولے۔ "کہاں چلا گیا۔"

"وہ تو پتا نہیں، پر کل شام سے اسے کسی نے نہیں دیکھا۔" مولوی عبدالخالق نے اس کی بات سنی، پھر خود کلامی کرتے ہوئے بولے۔

"حیرت ہے، مسافر کے سفر کو زنجیر کرنے کا وقت آگیا ہے اور وہ ابھی تک بھاگتا پھر رہا ہے۔"

"کیا کہہ رہے ہیں مولوی صاحب؟" وہ خاک بھی نہیں سمجھا۔

مولوی صاحب اس سے لاتعلق اپنی سوچ میں ڈوبے رہے، پھر نظر اٹھا کر اس کے الجھن بھرے چہرے کو دیکھا اور کہا۔

"وہ کہیں نہیں جاسکتا علم دین اس کا سفر تمام ہوا، اب وہ جتنا بھی بھاگ لے اسے لوٹ کر یہیں آنا ہے۔" اپنی بات کہہ کر وہ واپسی کے راستے پر پلٹ گئے، لیکن بے چارہ دینو کتنی ہی دیر بیچ راستے میں کھڑا ان کی بات سے مطلب اخذ کرنے کی کوشش کرتا رہا۔

اگلے دن پھر مولوی صاحب درس کے بعد گھر آئے تو کھانے کی ٹرے بنوا کر ہاتھوں میں اٹھائے گاؤں سے باہر آگئے، مگر آج بھی انہیں ٹرے اسی طرح گھر واپس لے جانی پڑی، دوسرے دن بھی وہ ٹرے لیے گاؤں سے باہر نکل آئے تھے۔ وہ دور سے ہی دیکھ چکے تھے کہ درخت کے پاس کوئی نہیں تھا۔ ان کے ماتھے پر شکنیں ابھر آئیں۔ آج واپسی کے لیے قدم موڑتے ہوئے ان کے چہرے پر تردد تھا۔ دینو اپنا تانگا لیے گاؤں سے باہر نکل رہا تھا۔ اس وقت سواریاں بھی اس کے ساتھ تھیں، پھر بھی مولوی عبدالخالق کو دیکھ کر اس نے تانگا روک دیا۔

"کب تک اس کا انتظار کرتے رہیں گے مولوی صاحب۔ اس جیسے کے پیروں کو واپسی کا رستہ نہیں ملتا۔" وہ بھید بن سے بولے۔

"تجھے کیا لگتا ہے علم دین وہ یہاں صرف صورت دکھانے آیا تھا۔ اس کا یہاں آنا تو ازل سے طے ہے اب چاہے اس کے پیروں کو واپسی کا راستہ نہ ملے جس نے اس کی تقدیر لکھی ہے وہ خود اسے تھام کر یہاں لے آئے گا۔" وہ اپنی بات کہہ کر پلٹ گئے اور دینو ایک بار پھر شش و پنج میں پڑ گیا۔

"کس سوچ میں پڑ گیا ہے، یہ بھی جو مرشد سے واپس ہی آتا ہے۔ جس شخص نے اسے ٹھوکا دیا تو وہ ..." کی آواز ... تانگا بڑھاتے گیا۔

مغرب کی نماز کا وقت ہوچکا تو مولوی صاحب دکان بند کرکے اوپر بستہ چھوڑ کر مسجد آگئے۔ وضو کرکے اذان دی، پھر باجماعت نماز کی امامت کروائی اور دعا مانگ کر تسبیح کے دانے گراتے گھر کی طرف چل پڑے۔ چودہ پندرہ سال کا لڑکا بھاگتا ہوا۔

"مولوی صاحب، مولوی صاحب۔" چلاتا ان کے پیچھے آرہا تھا۔ مولوی صاحب نے سنا تو رک گئے اور

پلٹ کر اسے دیکھنے لگے۔ وہ قریب آیا تو پوچھنے لگے۔

"کیا بات ہے منور علی۔" وہ اتھل پتھل سانسوں کے بیچ جلدی جلدی بولا۔

"دینو تانگے والا آپ کے مہمان کے ساتھ حکیم جی کی دکان پر بیٹھا ہے۔ اس نے کہا تھا آپ کو خبر کردوں۔" مولوی عبدالخالق حیران سے کہنے لگے۔

"میرا مہمان کون ہوسکتا ہے اور علم دین کو کہاں مل گیا۔"

"وہ تو پتا نہیں مولوی صاحب۔"

"اچھا ٹھیک ہے، تم جاکر ... بتاؤ ہوں۔" انہوں نے کہا اور حکیم جی کے مطب کی طرف چل پڑے۔ ان کی پہلی نظر علم دین کے چہرے پر پڑی تھی اور دوسری لکڑی کے بینچ پر ... لیٹے سائیں پر، جس کے چھالوں پر حکیم جی مرہم لگا رہے تھے۔ مولوی صاحب علم دین کے آگے آئے۔

"یہ تمہیں کہاں مل گیا علم دین۔"

"لاری اڈے پہ سواریوں کا انتظار کررہا تھا کہ یہ مجھے ٹکٹ گھر کی دیوار کے ساتھ پڑا ہوا نظر آیا، پاس جاکے دیکھا تو بے ہوش تھا اور بدن ایسے تپ رہا تھا کہ ہاتھ نہ لگایا جائے۔ بس مولوی صاحب پھر میں نے اسے جیسے تیسے کرکے تانگے میں ڈالا اور گاؤں پہنچتے ہی سیدھا حکیم جی کے پاس لے آیا۔"

"یہ تم نے بہت اچھا کیا۔" وہ اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے علم دین سے بولے جو اس سادہ سے جملے پر ہی پھول کر کپا ہوگیا تھا۔ پھر اس کے بہت کہنے کے باوجود بھی مولوی عبدالخالق نے اسے حکیم جی کی فیس ادا نہیں کرنے دی اور خود اپنی جیب سے پیسے نکال کر گلک پر بیٹھے شخص کو تھما دیے۔

"یہ دوا تین ٹائم اسے کھلا دینا۔" چلتے ہوئے حکیم جی نے پڑیوں میں بند سفوف انہیں دے کر کہا۔ مولوی صاحب نے پڑیا لے کر انہیں سلام کیا، پھر سائیں کو بے ہوشی کی حالت میں ہی اٹھا کر دینو کے تانگے میں ڈالے اپنے گھر لے آئے۔

شام کے سائے گہرے ہونے لگے تھے اور اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ مولوی عبدالخالق اندر سے چھوٹا میز اٹھا کر لے آئے اور اس کے سرہانے رکھ کر مٹی کے تیل سے جلنے والا لیمپ روشن کرکے میز پر رکھ دیا۔ ملانی جی بھی صورت حال کا جائزہ لینے کے لیے باہر آگئیں۔

"یہ کسے اٹھا لائے مولوی صاحب۔" انہوں نے اس مفلوک الحال شخص کو دیکھ کر اچنبھے سے سوال کیا۔

"یہ ہمارا مہمان ہے۔"

"حلیے سے تو پاگل لگتا ہے۔" وہ فوراً سے بولیں۔

"پر باتوں میں سیانا ہے، ہوش میں آئے گا تو تم خود دیکھ لینا۔"

"پر یہ ہے کون؟" وہ الجھ کر بولیں تو مولوی صاحب جھنجلاہٹ کے باوجود تحمل سے بولے۔

"تو کرموں والی کہا نا مہمان ہے، اب زیادہ سوال مت کر اور جاکر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھنے کا انتظام کر، بے چارے کا جسم جہنم بنا ہوا ہے۔" اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر ٹمپریچر چیک کرتے ہوئے وہ فکرمندی سے بولے۔ ملانی جی نے پھر کوئی سوال نہیں کیا اور ایک کٹورے میں پانی لے کر کسی پرانے کپڑے کو کاٹ کر اس کی پٹیاں بناتی مولوی صاحب کے پاس لے آئیں۔ مولوی صاحب نے کٹورا ان کے ہاتھ سے لے کر میز پر رکھا، پھر بڑی محبت سے اس کے ماتھے پر پٹیاں رکھنے لگے۔ پوری رات مستقل مزاجی سے وہ سائیں کے ماتھے پر پٹیاں رکھتے رہے، کچھ دیر کا بریک آیا بھی تو عشاء کی نماز کے لیے، مگر آج کی بیٹھک انہوں نے برخاست کردی، وہ کبھی اس کے ماتھے پر گیلی پٹیاں رکھتے، کبھی تولیہ بھگو کر اس کے پیروں کی طرف آبیٹھتے۔ پاؤں کے چھالے پیر مسلنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ وہ گیلا تولیہ اس کے پیروں کے گرد نرمی سے لپیٹ کر ہلکے ہاتھ سے دھیرے دھیرے دباتے جاتے کہ شاید اس طرح اس کے تندور کی طرح جلتے جسم کو راحت مل جائے۔

فجر کی نماز کے بعد مولوی صاحب تسبیح پڑھتے ہوئے گھر کی طرف چلے جارہے تھے۔ گلی میں مڑتے ہی وہ

دیکھ چکے تھے کہ لکڑی کا دروازہ بھڑا ہوا تھا، مگر وہ جانتے تھے کہ دروازہ اندر سے مقفل نہیں ہوگا۔ دن کی روشنی میں اس دروازے پر کبھی قفل نہیں چڑھا' یہ بھی بڑے امام صاحب کی نصیحت تھی۔

"گھر کے دروازوں کو بند کر کے حاجت مندوں کی خودداری کا مذاق نہ اڑاؤ کہ وہ دروازہ بجا کر گلی میں کھڑے تم سے اعانت کی درخواست کریں' بلکہ چوکھٹوں کو کھلا رکھو' تاکہ وہ سیدھے اندر چلے آئیں اور ان کی بے کسی کا حال کسی دوسرے پر آشکار نہ ہو۔" مولوی عبدالخالق نے دروازہ کھول کر اندر کچے صحن میں پاؤں رکھا ہی تھا کہ ان کے کانوں میں درد سے کراہنے کی آواز آئی۔ رات بھر وہ بے سدھ رہا تھا، مگر اب نیم بے ہوشی کی حالت میں سر کو دائیں بائیں پٹختا کراہ رہا تھا۔ اس کی حالت میں بہتری کا اشارہ تھا۔

مولوی عبدالخالق مسکراتے ہوئے اس کے پاس آ گئے اور جھک کر اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر بخار چیک کرنے لگے۔ بخار کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ ملانی جی پاس آ کر کھڑی ہو گئیں۔

"تھوڑا بہت ہوش تو آ ہی گیا' اب کچھ کر کے دوا بھی کھلا دیں۔" وہ اسے دیکھتے ہوئے ملانی جی سے کہنے لگے۔

"دوا خالی پیٹ تو نہیں کھلا سکتا نا' پہلے اس کے کھانے کا بندوبست کر۔" پھر کچھ سوچا اور کہا۔

"پتا نہیں کب سے اس کے حلق میں کچھ نہیں گیا' کھانا کھا بھی پائے گا یا نہیں۔ ایک کام کر' جا تھوڑا سا دودھ گرم کر کے لے آ اور اس میں چینی بھی ڈال لینا۔"

"جی مولوی صاحب۔" وہ صحن کے ایک جانب بنے باورچی خانے میں آ گئیں' جس کے گرد چار دیواری ناپید تھی۔ یہ ایک اوپن کچن تھا جس میں موجود مٹی کا چولہا اوپلوں کی مدد سے سلگایا جاتا تھا۔ نیم گرم دودھ کو گلاس میں ڈالنے کے بجائے انہوں نے دودھ کے کونے سے ڈول کا [...] اٹھایا اور اسٹیل کا گلاس لیے صحن [...] سے پاؤں مار کر

دور رکھی پیڑھی کو انہوں نے چارپائی کے ساتھ کیا' پھر پیڑھی پر بیٹھ کر ڈول میں سے دودھ ہاتھ میں پکڑے گلاس میں ڈال کر مولوی عبدالخالق کو دیکھنے لگیں' جو سائیں کا شانہ ہلا کر اسے اٹھ کر بیٹھنے کو کہہ رہے تھے' مگر وہ یوں ہی سر پٹخ پٹخ کر کراہتا رہا' تو مولوی عبدالخالق نے ایک ہاتھ سے اس کا بازو تھام کر دوسرا ہاتھ اس کی گردن کے نیچے دیتے ہوئے اسے اٹھا کر بٹھا لیا۔

مولوی عبدالخالق دھان پان سے آدمی تھے' پھر عمر بھی کافی ہو چلی' جبکہ سائیں کو دیکھ کر ہی پتا چل جاتا تھا کہ تیس کے آس پاس ہوگا' مگر فاقہ نوردی نے اس کے جسم سے ساری طاقت نچوڑ لی تھی۔ اسے اٹھا کر بٹھانے میں مولوی عبدالخالق کو بہت زیادہ وقت نہیں ہوئی۔ وہ بیٹھ چکا تو مولوی عبدالخالق نے ملانی جی کے ہاتھوں سے گلاس لے کر اس کے ہونٹوں سے لگایا' مگر نیم بے ہوشی کے باوجود اس نے گلاس ہاتھ مار کر دور کر دیا' جس سے دودھ چھلک کر مولوی صاحب کے ہاتھ اور کپڑوں پر گر پڑا تو وہ ڈپٹ کر بولے۔

"تو ویں جھلا ای ایں۔ رازق سے جھگڑا سمجھ آتا ہے' پر رزق سے کیا ناراضی ہے' چل پی جا چپ چاپ۔" اس نے اپنی نیم غنودہ آنکھوں سے انہیں دیکھا' جن میں سرخ ڈورے تیر رہے تھے۔ ان آنکھوں کی وحشت ناکی دیکھ کر ملانی جی تو گھبرا گئیں' مگر مولوی عبدالخالق ذرا متاثر نہ ہوئے' [...]

"ایسے کیا گھورتا [...]" چپ چاپ انہیں گھورتا رہا' حالانکہ آنکھیں مستقل [...] رکھنے کے لیے اسے جدوجہد کرنی پڑ رہی تھی' پھر بھی تھوڑی دیر بعد اس کی پلکیں جھک جاتیں۔

"لے دودھ پی' پھر دوا بھی کھانی ہے۔" انہوں نے ایک بار پھر دودھ کا گلاس اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ اس بار اس نے مزاحمت نہیں کی' مگر کمزوری اتنی زیادہ تھی کہ ایک ایک گھونٹ حلق سے نیچے اتارنے کے لیے اسے ہر بار دوسرا گھونٹ بھرنے سے پہلے توقف کرنا پڑتا۔ جب وہ پورا گلاس خالی کر چکا تو مولوی عبدالخالق نے گلاس ملانی جی کو دے کر اور دودھ ڈالنے

کا اشارہ کیا، پھر گلاس اس کے منہ سے لگایا تو اس نے گلاس اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ دوسرا گلاس پہلے گلاس سے کم وقت میں ختم ہو گیا تھا، تیسرا گلاس بھر کر اسے پکڑاتے انہوں نے ایک پڑیا کھول کر اس کے ہاتھ میں دے دی اور کہا۔

"یہ دوا ہے کھالے۔" اس نے بلا چوں چرا کیے وہ پڑیا حلق میں جھاڑ کر چند گھونٹ بھرے، پھر گلاس واپس کر کے چارپائی پر گر سا گیا۔ وہ پورا دن اس نے نیم بے ہوشی کی کیفیت میں گزارا۔ رات ہوئی تو مولوی عبدالخالق اپنی چارپائی کو اٹھا کر اس کی چارپائی کے پاس لے آئے۔ ارادہ تھا کہ پچھلی رات کی طرح رات بھر جاگ کر اس کا خیال رکھیں گے۔ آدھی رات تک تو وہ جاگے مگر اس عمر میں اتنی مشقت کی جسم اجازت بھی تو نہیں دیتا، بلکہ ابھی کل کی تھکن باقی تھی۔ وہ تو کچھ دیر کمر سیدھی کرنے کے ارادے سے لیٹے تھے، پر آنکھ لگ گئی۔ حسب عادت تہجد کے وقت آنکھ کھلی تو ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے۔ گردن موڑ کر سائیں کی چارپائی پر نظر ڈالی تو وہاں کوئی نہیں تھا۔ انہوں نے فوراً" بیرونی دروازے کی طرف دیکھا۔ وہ چوپٹ کھلا تھا۔

"بڑی ہی ضد لگائی ہے۔" وہ بڑبڑائے، پھر اٹھ کر دروازہ بند کرتے صحن میں اس طرف آگئے جہاں ہینڈ پمپ لگا تھا اور ایک ہاتھ سے پمپ چلاتے بالٹی میں وضو کے لیے پانی جمع کرنے لگے۔

دوپہر میں ظہر کی نماز کے بعد درس سے فارغ ہو کر وہ گھر لوٹے تو گرمی سے برا حال تھا۔ حالانکہ سر پر پتلی ٹوپی کے اوپر انہوں نے صافہ بھی لپیٹ رکھا تھا، پھر بھی لگ رہا تھا جیسے دماغ کھول رہا ہو۔ گھر میں داخل ہوتے ہی انہوں نے آواز لگائی۔

"ہاجرہ ایک گلاس پانی پلا دے۔" پانی لانے کا کہہ کر وہ رکے نہیں اور صحن کے آخر میں بنے دو کمروں میں سے ایک میں گھس کر اندر چارپائی پر بیٹھ گئے۔ جیسے تو کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ وہ تکیے پر رکھا صافہ اور ٹوپی اور صافہ سائیڈ میں رکھتے ہاتھ سے پنکھا جھلنے لگے۔ چند لمحوں بعد ہی ملانی جی ہاتھ میں پانی کا گلاس لیے کمرے میں آگئیں۔ انہوں نے ملانی جی کے ہاتھ سے گلاس لے لیا اور منہ تک بھی لے گئے، لیکن ہونٹوں سے لگا نہ سکے۔ کمرے کی ٹھنڈی نیم تاریک فضا میں بیٹھے انہیں اس کا خیال آگیا جو اس تپتی دوپہر میں کھلے آسمان کے نیچے بیٹھا خود کو جھلسا رہا ہوگا۔

"کیا بات ہے مولوی صاحب، آپ پانی کیوں نہیں پیتے۔" انہیں سوچ میں گم دیکھ کر انہوں نے ٹوکا تو مولوی عبدالخالق بڑبڑانے لگے۔

"اسے بھی تو پیاس لگی ہوگی، اس کا بھی حلق سوکھتا ہوگا۔"

"کون مولوی صاحب، کس کی بات کر رہے ہیں۔" وہ ناسمجھی سے پوچھنے لگیں، لیکن مولوی عبدالخالق جواب دیے بغیر باہر نکل آئے۔ مٹکے سے پانی جگ میں انڈیلا اور گلاس پکڑ کر دروازے سے نکل گئے۔ انہوں نے دور سے ہی اسے ٹنڈ منڈ درخت کے سائے میں بیٹھا دیکھ لیا تھا، اطمینان کا سانس لیتے انہوں نے اپنی رفتار بڑھا دی۔ وہ سر جھکا کر بیٹھا انگلی سے زمین پر لکیریں کھینچ رہا تھا۔ جگ اور گلاس اس کے سامنے رکھتے وہ زمین پر بیٹھے تو اس کی تپش کا احساس ہوا۔ فوراً" پیروں پر ہوتے ہوئے انہوں نے اسے دیکھا جو اس جھلستی زمین پر اتنے اطمینان سے بیٹھا تھا جیسے ایئرکنڈیشنڈ روم میں مخملی نشست پر بیٹھا ہو۔ اس نے سر اٹھانے کی زحمت نہیں کی، بس پلکیں اٹھا کر ایک سرسری سی نظر ان پر ڈالی اور پھر سے اپنے مشغلے میں مشغول ہو گیا۔

"دیکھ دوپہر ہو گئی، سورج سر پر چڑھ آیا ہے۔ ایسے تو زمین خشک ہو جائے، تیرا حلق بھی سوکھ رہا ہوگا، چل دو گھونٹ پانی پی لے۔" انہوں نے بہت پیار سے اسے بلایا تھا، مگر اس نے توجہ نہیں دی۔

"تو جھلیا، ظلم ہر حال میں برا ہے، مگر اپنی ذات پر بدترین ہے، کیونکہ اپنی ذات پر روا رکھے جانے والا ظلم انسان کو بے حس بنا رہا ہے اور جو بے حس ہو جائے، انسان نہیں رہتا، کوئی ہو جاتا ہے، صرف آدمی ہونے سے جانور ہونا بہتر ہے۔ اپنے مرتبے کو پہچان، صرف آدمی ہونا قبول مت کر۔" دل جلے انداز میں اسے سمجھاتے ہوئے انہوں نے پانی گلاس میں ڈالا اور گلاس ہاتھ میں لے کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"لے پکڑ اور خود پر قہر نہ توڑ۔" اس نے ایک نظر ان کے باریش چہرے کو دیکھا پھر ان کے ہاتھ میں پکڑے گلاس کو اور گلاس ان کے ہاتھ سے لے لیا، مگر اس میں سے پانی پینے کے بجائے ہاتھ اونچا کر کے گلاس کو اتنے غور سے دیکھنے لگا جیسے وہ اسٹیل کا گلاس کانچ کا ہو جس کے شفاف پیندے سے وہ پانی کا معائنہ کر رہا ہو کہ آیا پانی صاف بھی ہے یا نہیں۔ پھر اس نے بہت عجیب سی حرکت کی۔ آہستگی سے گلاس الٹتے ہوئے اس نے سارا پانی زمین پر گرا دیا۔ اس کے بعد گلاس نیچے رکھا اور اسی ہاتھ سے جگ اٹھا کر پانی گلاس میں انڈیلنے لگا۔ اس کے بعد گلاس کو اسی طرح اونچا کر کے پانی گرا دیا اور پہلی حرکت دہرانے لگا۔ پھر تیسری بار اس نے جگ کی طرف ہاتھ بڑھایا تو مولوی صاحب سے چپ نہ رہا گیا۔

"یہ تم کیا کر رہے ہو۔"

"آرزو کو خاک کر رہا ہوں۔" وہ ان کی طرف دیکھ کر بولا، پھر دوسرے ہاتھ میں گلاس اٹھا کر ان کی آنکھوں کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

"یہ جستجو کا برتن ہے اور انسان اس برتن کو آرزو سے بھرتا ہے۔" اس نے بولتے ہوئے گلاس پانی سے لبالب بھرا۔

"مگر آرزو کی قسمت میں تکمیل نہیں، آرزو کی تقدیر ہے کہ خاک ہو جاتی ہے اور جستجو کا برتن خالی رہ جاتا ہے۔" اس نے جگ رکھ کر گلاس سیدھے ہاتھ میں لیا، پھر ہاتھ اونچا کرتے ہوئے دھیرے دھیرے پانی زمین پر گرا دیا اور خالی گلاس کو دیکھتا ہوا بولا۔

"جتنی بار اس برتن کو بھرو گے یہ اتنی بار خالی ہو جائے گا۔ یہاں صدیوں سے یہی ہوتا چلا آرہا ہے، جستجو باقی رہ جاتی ہے اور آرزو خاک ہو جاتی ہے۔" اس کے چہرے پر محظوظ سی مسکراہٹ تھی، مگر پھر بولتے بولتے اچانک ہی وہ افسردہ ہو گیا۔

"جستجو کا خالی برتن زیادہ وزن دار ہوتا ہے۔" وہ گلاس کو دیکھتے ہوئے تاسف بھری آواز میں بولا تھا، پھر جیسے اس کا دل اس کھیل سے اچاٹ ہو گیا، گلاس زمین پر اچھالا اور اونچی آواز میں گرج کر بولا۔

"تنگ ہے تو یہاں مت آیا کر۔" مولوی صاحب ذرا متاثر نہ ہوئے اور گہری نگاہوں سے اس کے بگڑے ہوئے چہرے کو دیکھتے رہے، پھر گمبھیر لہجے میں بولے۔

"باہر کی آگ بس اسے نہیں جلاتی جس کے اندر آگ لگی ہو۔ تیرے اندر کون سی آگ ہے۔" اس کی آنکھوں میں قہر کی جگہ کرب نے لے لی اور وہ اپنے سینے کو مسلتے ہوئے بولا۔

"یہاں عشق کی بھٹی سلگ رہی ہے۔" اس کی آواز میں وہ آنچ تھی جیسے سچ مچ اس کا سینہ جل رہا ہو، پھر بے چارگی سے بولا۔

"پر بجھنے پر اس کا دھواں نظر نہیں آئے گا۔ باہر آگ لگے تو شعلے بھڑکتے ہیں۔ دھواں اٹھتا ہے۔ اور بہلاوی آنکھوں سے نظر آتی ہے، پر اندر آگ لگ جائے تو چنگاری بھی نہیں سلگتی اور سب کچھ خاکستر ہو جاتا ہے۔ کچھ باقی نہیں بچتا اور کسی کو کانوں کان خبر تک نہیں ہو پاتی کہ کیا کچھ تھا جو تباہ ہو گیا اور تو اس آگ پر پانی ڈالنے آیا ہے۔" وہ طنز سے بول کر مذاق اڑاتے لہجے میں کہنے لگا۔

"مجھے جھلا کہتا ہے۔ نادان تو تو خود ہے، اس آگ کو بجھانے آیا ہے جو جلتی ہی نہیں ہے۔ صرف جلاتی ہے۔" تیز لہجے میں بولتا وہ اچانک کھو سا گیا، پھر دھیمی آواز میں کہنے لگا۔

"وہ کہتی تھیں عشق وہ آگ ہے جو جلائے تو راکھ نہیں کرتا۔ فنا کر دیتا ہے۔ جا چلا جا یہاں سے اور دوبارہ ادھر نہ آنا، یہاں فنا کا عمل جاری ہے۔" پھر انہیں نظر انداز کرتا وہ جنونی انداز میں انگلیوں کے ناخن سے زمین کھرچنے لگا۔ وہ پھر بھی بیٹھے اسے دیکھتے رہے کہ شاید وہ کچھ کہے، مگر وہ چپ ہی رہا تو مولوی صاحب "اللہ

اکبر" کہتے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھ گئے۔

☼ ☼ ☼

نور الہدیٰ کے لیے دن رات کا فرق مٹ گیا تھا انہوں نے خود کو بے تحاشا کام میں الجھا لیا ایسے میں کچھ دو گھڑی کی فرصت میسر آجاتی تو خود بھی حیران ہونے لگتے۔ انہوں نے کب اس طرز پر زندگی گزارنی چاہی تھی اس تیز رفتاری سے ہی گھبرا کر وہ لندن سے پاکستان آئے تھے اور اب لگتا تھا وہ آنکھوں پر پٹی باندھے اندھا دھند دوڑتے چلے جارہے ہیں کدھر ہیں اور کہاں جارہے ہیں کچھ خبر نہیں۔ ابھی گارمنٹس فیکٹری ڈھنگ سے اسٹیبلش بھی نہیں ہوئی تھی کہ وہ ٹیکسٹائل کے بزنس میں بھی آگئے اور اب وہ ایکسپورٹ کے لیے پر تول رہے تھے کورپوریٹ سیکٹر میں لوگ کہنے لگے تھے نور الہدیٰ فاروقی ایک ہی جست میں میدان پار کرلینا چاہتا ہے کون جان پاتا کہ جو سودا انہیں چین لینے نہیں دیتا وہ تو کچھ اور ہی ہے۔ وہ تو خود کو ان یادوں سے بچانا چاہتے تھے جو ہر لمحہ ان کی گھات میں رہتی تھیں گھر سے باہر تو فرار کے کئی راستے تھے لیکن گھر میں قدم رکھتے ہی اس کی یادیں انہیں نرغے میں لے کے بے بس کردیتی تھیں گھر لوٹنے کا خیال انہیں خوفزدہ کردیتا وہ خود کو بے نام مصروفیتوں میں الجھائے رکھتے۔ مگر گھر تو لوٹنا ہی پڑتا ہے۔

انہوں نے انٹرنس کا دروازہ کھول کر اندر قدم رکھا ہی تھا کہ نظر نہ چاہتے ہوئے بھی لاؤنج کے صوفے پر ٹھہر گئی اور اس کی یادوں نے ان کی آنکھوں پر ملیحہ کے عکس کا پردہ ڈال دیا۔ اب انہیں دھوئیں کی دھندلی دیوار کی ضرورت نہیں رہی تھی انہوں نے انگلیوں میں دبا سگریٹ مسل کر بجھاتے ہوئے ایک جانب اچھال دیا۔

"ایک تم جو نہیں ہو تو لگتا ہے۔ کچھ نہیں۔" اس عکس کو دیکھتے ہوئے انہوں نے ہر روز کی طرح یہ الفاظ دہرائے پھر دروازے کے آگے بنے اسٹیپ پر بیٹھے

اور دونوں ہاتھوں پر سر گرا لیا۔

"صاحب۔" بہت دیر گزر گئی تھی بہادر کی آواز پر انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا۔

"کھانا لگا دوں۔" انہیں خاموش دیکھ کر بہادر نے پوچھا۔ وہ کہنا چاہتے تھے کہ انہیں بھوک نہیں ہے پھر خیال آیا بھوک تو صبح بھی نہیں تھی پر انہوں نے ناشتا کیا تھا کل رات کا کھانا بھی بھوک کے بغیر ہی کھا لیا تھا بلکہ ملیحہ کے انتقال کے بعد سے ان کی بھوک پیاس مر ہی گئی تھی اب وہ بھوک لگنے پر نہیں گھڑی دیکھ کر کھانا کھاتے تھے اور صرف بھوک ہی کیوں ان کا تو ہر احساس مر گیا تھا بلکہ کبھی کبھی تو وہ محسوس کرنے لگتے کہ جیسے وہ بھی مر گئے ہیں مگر وہ پھر بھی جیے جارہے تھے کھانے کا وقت ہوتا تو کھانا کھا لیتے۔ رات ہو جاتی تو آنکھیں بند کرکے بستر پر لیٹ جاتے۔ نیند آئے نہ آئے کیا فرق پڑتا ہے... زندگی کو خود پر فرض کیسے کرتے ہیں یہ نور الہدیٰ نے اب جانا تھا۔

"لگا دو۔" کچھ دیر توقف کے بعد انہوں نے یوں سوچ کر جواب دیا تھا جیسے بہادر نے کوئی مشکل سوال پوچھ لیا ہو وہ اٹھ کر فریش ہونے اپنے کمرے میں چلے گئے۔ فریش ہو کر کپڑے تبدیل کرنے کے بعد وہ ڈائننگ روم میں چلے آئے۔ بہادر بڑی خاموشی سے کھانا لگا رہا تھا۔

"کیا بات ہے بہادر صاحب آج کل کھانا کم کھا رہے ہیں۔" وہ پہلے جیسی بشاشت سے بولے بہادر نے ہاتھ روک کر اچنبھے سے انہیں دیکھ کر کہا۔

"نہیں تو۔"

"پھر تمہاری آواز کیوں کم نکلتی ہے۔ میں تو سمجھا تھا تم آج کل اسراف سے پرہیز کررہے ہو ورنہ تمہارے بولنے کی رفتار سے تو ملیحہ جیسی کول مائنڈڈ لڑکی بھی غصے میں آجاتی تھی۔" ملیحہ کا ذکر کرتے ہوئے بھی ان کا لہجہ سرسری سا تھا لیکن بہادر ملیحہ کا نام سن کر ہی اداس ہو گیا۔

"بھی لیے تو اتنا بولتا تھا صاحب شرارت کرتا تھا ان سے اور بی بی صاب بھی جانتی تھیں پھر بھی کبھی مذاق

کرنے سے نہیں روکا۔ بہت اچھی تھیں وہ مجھے بہت یاد آتی ہیں پھر خیال آتا ہے ہم تو نوکر ذات ہیں پر کرنل صاب کی تو بیٹی تھیں وہ انہیں کتنا یاد کرتے ہوں گے ہر وقت تو بی بی صاب کی تصویر دیکھ کر روتے رہتے ہیں ملک صاب اتنا سمجھاتے ہیں صبر کرنے کو کہتے ہیں پر صبر بھی تو ایک دم سے نہیں آجاتا۔ ایک ہی تو اولاد تھی ان کی وہ بھی نہیں رہی ان کے دل پر جو گزر رہی ہوگی وہ تو وہ ہی جانیں اماں کہتی ہے اولاد کا دکھ قبر تک ساتھ جاتا ہے۔ اللہ ان کے حال پر رحم کرے۔" اس نے جھرجھری لی اور کانوں کو ہاتھ لگائے۔ اپنے آگے رکھے کھانے کو گھورتے نور الہدیٰ کے اندر رگی بے چینی کو بہادر نے انجانے میں ہی ہوا دے دی تھی۔

"بہادر۔"

"جی صاحب۔" وہ برتن رکھ کر کچن میں جارہا تھا نور الہدیٰ کے اس کا نام پکارا تو پلٹ آیا۔

"بابا جان نے کھانا کھایا تھا۔"

"نہیں صاحب۔ وہ تو صبح سے دروازہ بند کرکے بیٹھے ہیں۔ دروازہ بجانے پر بھی نہیں کھولا کھانا کیا کھائیں گے۔" ان کی بے چینی پریشانی میں بدل گئی۔

"تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔" اسے سرزنش کرتے نور الہدیٰ فوراً اٹھ گئے لیکن بابا جان کے دروازے کے باہر کھڑے وہ دستک کے لیے ہاتھ نہیں اٹھا پائے پیچھے ہٹتے ہوئے انہوں نے بہادر کو اشارہ کیا اس نے آگے آکر دروازہ بجانے کے ساتھ ہی آواز لگائی۔

"دروازہ کھولیے کرنل صاحب۔" مگر دروازہ کھلا نہ ہی اندر سے کوئی آواز سنائی دی اس نے پھر دستک دی۔

"دروازہ کھولیے۔"

"اس بار بھی جواب نہیں آیا۔ نور الہدیٰ کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں۔

"بہادر جاؤ اور کمرے کی چابی لے کر آؤ۔ فوراً۔"

وہ سرہلا کر چابی لانے چلا گیا۔ نور الہدیٰ نے پریشانی میں ہی دروازے کے آگے دو تین چکر کاٹے پھر مضطرب ہو کر دروازہ بجا ڈالا۔

"بابا جان دروازہ کھولیں۔"

ملیحہ کی ڈائری کو سینے سے لگائے راکنگ چیئر پر نیم دراز بابا جان سکتے کی سی حالت میں آتشدان کے اوپر لگی ملیحہ کی تصویر کو دیکھتے جارہے تھے۔ بہادر کے دروازہ بجانے اور پھر دروازہ کھولنے کے لیے کہتی ہوئی اس کی آواز کو سن کر بھی ان کے جسم میں کوئی رد عمل نہیں ہوا۔ کچھ پل کے وقفے سے دوبارہ دستک ہوئی ساتھ نور الہدیٰ کی آواز بھی سنائی دی۔

"نور الہدیٰ۔" ان کے جسم میں کرنٹ دوڑ گیا تھا۔ ملیحہ کی ڈائری کو سنبھال کر وہ تیزی سے اٹھے اور دروازہ کھول دیا۔ ملیحہ کی موت کے بعد آج نور الہدیٰ دوسری بار ان کے دروازے تک آئے تھے۔ بابا جان ایسے ان کی طرف دیکھ رہے تھے جیسے بیٹا پردیس سے لوٹا ہو۔

"آؤ بیٹا اندر آجاؤ۔" اندر آنے کو کہتے ہوئے وہ انہیں راستہ دینے کے لیے سامنے سے ہٹ گئے۔ انہیں اپنی طرف بے تابی سے دیکھتا پاکر نور الہدیٰ کا دل بھی پگھلنے لگا تھا انہیں اس کے سوا اور کچھ یاد نہیں رہا کہ وہ تو باپ کے سائے سے محروم ہو گئے تھے مگر بابا جان نے ان کی زندگی میں اس محرومی کو ٹکنے نہیں دیا۔ ان کا جی چاہا کہ بابا جان سے لپٹ جائیں کہ تبھی وہ نور الہدیٰ کو راستہ دینے کے لیے ان کے سامنے سے ہٹے تھے اور ملیحہ کی تصویر نور الہدیٰ کی آنکھوں کے سامنے آگئی پل بھر میں ان کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ انہوں نے کمرے میں قدم نہیں رکھا۔ دروازے میں کھڑے کھڑے ہی انہوں نے نظروں کا زاویہ بدل کر بابا جان کو دیکھا۔ انہیں موت سے چند لمحے پہلے ملیحہ کی نم پلکوں کی لرزش یاد آگئی تھی۔ بابا جان کی متورم آنکھوں پر انہیں رحم کیسے آتا۔

"آپ اس حالت کے لیے خود ہی ذمہ دار ہیں۔" بابا جان کے جھکے ہوئے پژمردہ وجود پر ایک نظر ڈال کر انہوں نے سوچا۔

"یہ کیا بچوں جیسی حرکت تھی۔" وہ بولے تو آواز میں وہ نرمی غائب تھی جو کبھی ان کے لہجے کی پہچان ہوا

کرتی تھی۔
"کیا تم جانتے ہو نور الہدیٰ کہ کسی مجرم کو سزا دینے سے پہلے اس کا منہ کالا کر کے چوراہے پر کیوں گھمایا جاتا ہے۔" ان کی بات سن کر بابا جان عجیب سے لہجے میں بولے تھے۔ پھر پل وہ نور الہدیٰ کی طرف سے کسی استفسار کے منتظر رہے پھر کہا۔
"کیونکہ اپنے ماتھے پر اپنے جرم کی سیاہی لے کر لوگوں کا سامنا کرنا سزا پانے سے بھی کٹھن ہے۔"
"آپ کے پچھتاوے کسی چیز کا مداوا نہیں کر سکتے۔" ان کی بات پر وہ تنفر سے بولے۔
"جانتا ہوں اور یہی احساس تو پچھتاوے کو اور بھی گہرا کر دیتا ہے کہ میں چاہے جان دے ڈالوں میری بچی کی جان واپس نہیں آئے گی۔" وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولے پھر ملتجیانہ انداز میں کہا۔
"کیا تم مجھے معاف نہیں کر سکتے۔" نور الہدیٰ سرد لہجے میں بولے۔
"میری معافی ملیحہ کی معافی سے مشروط ہے جائیے، جا کر اپنی بیٹی سے معافی مانگیں۔ اگر اس نے معاف کر دیا تو میں بھی معاف کر دوں گا۔" سر جھکائے بابا جان بے بسی کی انتہا پر پہنچ گئے تھے۔
"ایک بات اور۔" انگلی اٹھا کر کہنے لگے۔
"براہ مہربانی آئندہ اس قسم کی حرکت کر کے مجھے پریشان مت کیجئے گا۔" پھر ان کا ردعمل دیکھنے کے لیے وہ رکے نہیں ان میں اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ بابا جان کے کھنڈر ہوئے وجود کو ایک سیکنڈ بھی اور دیکھ پاتے اپنے کمرے میں آ کر وہ چپل اتارے بغیر بیڈ پر گر گئے اور آنکھیں بند کر لیں۔ آنسو ان کی آنکھوں کے کونوں سے نکل کر کنپٹیوں پر بہتے چادر میں جذب ہوتے گئے۔
محبتوں کا حسن اسی صورت قائم رہتا ہے جب یہ ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ایک ہی سفر پر گامزن ہوں لیکن اگر محبتیں آپس میں نبرد آزما ہو جائیں تو بڑی تباہی لاتی ہیں انہی معرکوں نے ملیحہ کی زندگی تباہ کی [illegible] اور اب نور الہدیٰ کے درپے تھیں۔ محبت [illegible] پیچ پاتا
آسان نہیں۔

☼ ☼ ☼

مولوی عبد الخالق اس خانماں برباد کے پاس سے اٹھ تو آئے مگر دوبارہ اس کے پاس جانے سے خود کو روک نہ پائے انہیں اس میں عجیب سی کشش محسوس ہوتی تھی اس کے لیے انہیں اپنے سینے میں باپ جیسا گداز محسوس ہوتا تھا حالانکہ اس کا انداز جنونی ہی تھا۔ کبھی تو وہ مولوی عبد الخالق کو اس طرح نظر انداز کر دیتا جیسے ان کی موجودگی سے یکسر لاعلم ہو۔ کبھی جنون میں چلانے لگتا اور کبھی مغموم سا جانے کیا بڑبڑاتا رہتا۔ مولوی صاحب نے کبھی اس کی کسی کیفیت میں دخل نہیں دیا وہ ایک سامع کی حیثیت سے اس کے پاس آتے تھے اور اس کی بے ربط باتوں کو بڑے دھیان سے سنتے جیسے وہ کوئی اہم بیان دے رہا ہو اور اگر اس کا ایک بھی پوائنٹ مس ہو گیا تو گڑبڑ ہو جائے گی پھر تنہائی میں بیٹھ کر اس کی باتوں کو سوچتے ہوئے الجھنے لگتے اس کے ذہن میں پڑی گرہ کو کھولنے کے لیے کوئی سرا ہاتھ آتا دکھائی نہیں دیتا تھا مگر وہ صبر کے ساتھ بڑے ہی غیر محسوس انداز میں اپنی تلاش جاری رکھے ہوئے تھے۔
"تو پھر آگیا۔" اس نے مولوی عبد الخالق کو دیکھا تو گھورا۔ لہجہ ایسا تھا جیسے کہہ رہا ہو۔
"بڑا ڈھیٹ ہے۔" مولوی عبد الخالق اس کے لہجے کو محسوس کر کے مسکرائے۔
"کیا کریں دل لگ گیا ہے تیرے ساتھ۔ جب تک دو گھڑی تیرے پاس نہ بیٹھ جاؤ چین ہی نہیں پڑتا۔" صاف لگ رہا تھا [illegible] اس کی شکل دیکھ کر محظوظ ہو رہے ہیں اس نے چپ کر کے رخ پھیر لیا تو مولوی صاحب مسکراتے ہوئے بولے۔
"ویلا مجھے تو لگتا ہے۔ تیرا بھی دل لگ گیا ہے۔ کہاں تو تو صحرا نوردی کو نکلا تھا اور اب چار مہینے ہو گئے ہیں یہاں سے ہلنے کا نام ہی نہیں لیتا۔"
"نہیں دل لگا کر نہیں تھک کر یہاں بیٹھا ہوں۔" اس کے لہجے میں درد بولنے لگا تھا۔

"سکون کی تلاش میں ذرہ ذرہ چھان مارا مگر وہ تو جیسے کائنات میں ناپید ہو گیا ہے۔ پھر تلاش کا کیا فائدہ جب سکون ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا۔"
"جو چیز ڈھونڈنے سے نہ ملے مانگ لینی چاہیے۔" ایک مہو جوان کے ہاتھ آیا تو مولوی عبد الخالق نے بساط بچھانے میں دیر نہیں کی۔
"کس سے مانگوں۔" اس نے پوچھا ساتھ ہی ان کے متوقع جواب کو سوچ کر اس کی تیوریاں بھی چڑھ گئیں۔
"اللہ سے۔" ان کے لہجے میں سکون تھا۔ اس کی آنکھیں آگ اگلنے لگیں۔
"جو مانگا وہ دیا نہیں اب اور کیا مانگوں۔" اس نے بپھر کر کہا پھر [illegible] آنکھیں میچ کر سر پیچھے درخت کے تنے سے ٹکا دیا۔
"وہ [illegible] اس پر بھی راضی تھا۔ کوئی شکایت نہیں کی اس مرد مومن نے ہاتھ اٹھا کر سکون مانگا تھا وہ بھی اپنے لیے نہیں ان کے لیے پر اس نے کیا کیا۔" اس نے تڑپ کر آنکھیں کھولتے ہوئے گردن سینے تک لٹکائی اور سر کو دائیں بائیں جھٹکنے لگا ایسے میں اس کے ناتراشیدہ بال عجیب سے انداز میں اس کے چہرے کو ڈھکے شانوں پر جھولنے لگے تھے۔
"اب بھی کچھ نہیں مانگوں گا۔" وہ بڑبڑایا پھر جھٹکے سے سر اٹھا کر آسمان کو دیکھتا ہوا دھاڑنے لگا۔
"تو سن رہا ہے نہیں آؤں گا تیرے در پر۔ تجھ سے کچھ نہیں مانگوں گا۔ مجھے تجھ سے کچھ چاہیے بھی نہیں میرا کوئی ناتا نہیں تجھ سے۔" مولوی عبد الخالق کو اس پر ترس آنے لگا تھا۔
"او جھلیا حکیم سے تو دشمنی کر لی تو نے اب تیرے زخم کیسے بھریں گے۔"
مگر وہ ان کی طرف سے غافل ہو چکا تھا۔ مولوی صاحب ٹھنڈی سانس لے کر رہ گئے۔
"اب چلتا ہوں اور دیکھ یہ کھانا رکھا ہے جی کرے تو کھا لینا پر خبردار جو تو نے اٹھا کر پھینکا رزق کی بے ادبی ہوتی ہے۔" سائیڈ میں رکھی ٹرے کی طرف اشارہ کر کے وہ جس [illegible] سے بولے تھے لگ رہا تھا سائیں نے [illegible] بار کیا ہے۔ ایک آخری نظر اس کے جھکے سر پر ڈال کر وہ اٹھ گئے پر دوسرے ہی قدم پر انہوں نے ٹرے الٹا کر پھینکنے کی آواز سنی تھی۔ مولوی عبد الخالق نے پلٹ کر دیکھا وہ چہرے پر سختی لیے کسی غیر مرئی نقطے کو گھور رہا تھا اور اس کے سامنے ٹرے کھانے سمیت الٹی پڑی تھی۔ انہوں نے بے بسی سے اسے دیکھا پھر ٹرے سیدھی کر کے جتنا کھانا اٹھا سکتے تھے اٹھا کر ٹرے میں ڈالا اس کے بعد ادھر ادھر لڑھکے برتن سمیٹ کر ٹرے میں رکھے اور ناراضی سے بولے۔
"یہی کام کرنا ہوتا ہے تو کل سے کھانا نہیں لاؤں گا۔ رہ بھوکا۔" وہ خفا خفا سے اٹھ کر چل پڑے لیکن اگلے دن وہ اپنے ساتھ کھانا لانا نہیں بھولے تھے۔

☼ ☼ ☼

ملک کے ایک نامور اور بااثر بزنس مین اقبال یزدانی کی طرف سے پی سی کے لاؤنج میں زبردست ڈنر کا اہتمام کیا گیا تھا جس میں شرکت کے لیے موصول ہونے والے دعوت ناموں کو شہر کے چوٹی کے بزنس مین اور پولیٹیشنز اپنے لیے اعزاز سمجھ رہے تھے اور کون نہیں جانتا کہ ایلیٹ کلاس کے ڈنرز اور پارٹیز موقعے کی مناسبت سے نہیں بلکہ موقع کی تلاش میں دی جاتی ہیں۔
نور الہدیٰ کو موقعے کی تو نہیں مگر مصروفیت کی تلاش اب اکثر رہا کرتی تھی اور آج تو وجہ بھی تھی۔ وہ ہمیشہ کی طرح اہتمام سے تیار ہوئے وقت پر ہی پہنچ گئے مگر وی آئی پی ز کی آمد تو تاخیر سے ہوا کرتی ہے اقبال یزدانی نور الہدیٰ کے ٹیبل پر بیٹھے حسب عادت پھلجھڑیاں چھوڑ رہے تھے۔ نور الہدیٰ واقعی ان کی باتوں کو انجوائے کر رہے تھے کہ چیمبر آف کامرس کے صدر کی آمد کا شور اٹھا اور وہ انہیں ویلکم کرنے کے لیے اٹھ گئے۔
"ارے وہ نور الہدیٰ فاروقی ہے نا۔ بھلا یہ یہاں کیا کر رہا ہے۔" نوید اختر کی نظر کریم کلر کے سوٹ میں

ملبوس نورالہدیٰ پر پڑی تو ساتھ بیٹھے اقبال یزدانی سے بولے انہوں نے کہا۔

"کمال کرتے ہیں نوید صاحب ہم نے بلایا ہے تو یہاں نظر آرہا ہے۔"

"کمال تو آپ نے کیا ہے یزدانی صاحب یہ لڑکا جسے بزنس فیلڈ میں آئے ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن بھی نہیں ہوئے آپ اسے پرسنلی انوائٹ کر رہے ہیں۔" ان کے لہجے میں نورالہدیٰ کی تحقیر کے ساتھ ساتھ اقبال یزدانی کے لیے طنز بھی تھا جسے محسوس کرکے بھی انہوں نے برا نہیں مانا بلکہ ہنس کر بولے۔

"یہی سوچیے نوید صاحب اگر ہم نے بلایا ہے تو اس لڑکے میں کچھ خاص بھی ہوگا۔"

"کیا خاص ہو سکتا ہے اس کل کے بچے میں۔" وہ بدستور طنز کر رہے تھے۔

"خاصیت کی بات کی آپ نے تو کیا یہ خاصیت کم ہے کہ چیمبر آف کامرس کا صدر اسے اس کے نام سے جانتا ہے۔" وہ اپنے شگفتگی بھرے انداز میں ان کے طنز کا جواب دیتے ہوئے بولے تھے اور اس برجستگی پر ایک زوردار قہقہہ گونجا تھا۔ ساتھ والے ٹیبل پر بیٹھی لڑکیاں جو بآسانی اس گفتگو سے مستفید ہو رہی تھیں وہ بھی ان کے جملے پر مسکرانے لگیں۔

"اقبال انکل تو نورالہدیٰ سے بڑے امپریسڈ لگ رہے ہیں۔" ایک نے مسکراہٹ روک کر تبصرہ کیا تو دوسری بولی۔

"صرف اقبال انکل ہی کیوں اقبال انکل کی بیٹی بھی نورالہدیٰ فاروقی سے کافی متاثر ہے۔ کیوں مریم۔" شرارت سے کہتے ہوئے اس نے ساتھ بیٹھی لڑکی کو ٹہوکا دیا جس کی نظریں مستقل نورالہدیٰ پر جمی تھیں۔ اپنی فرینڈز کی بات پر مسکراتے ہوئے اس نے کافی کا گھونٹ بھرا پھر کپ نیچے رکھ کر دوبارہ نورالہدیٰ کو دیکھنے لگی تو بلیو ایوننگ گاؤن میں ملبوس لڑکی مصنوعی فکرمندی سے بولی۔

"کنٹرول یور سیلف مریم تم کہاں اس ڈیئر لکنگ کے چکر میں پڑ رہی ہو جو کسی کو گھاس نہیں ڈالتا۔ ویسے بھی سنا ہے موصوف لینڈ لارڈ ہیں اور یہ زمیندار قسم کے لوگ ذرا ٹیڑھی کھیر ہوتے ہیں۔"

"میں بھی یہ سوچ رہی ہوں کہ یہ شخص مجھے اس طرح سے اپنی طرف اٹریکٹ کیوں کر رہا ہے شاید پاس جاؤں تو کچھ پتا چلے۔" پرسوچ انداز میں کہہ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی تو اسی لڑکی نے اس کا بازو پکڑ کر روکتے ہوئے کہا۔

"کہاں جا رہی ہو؟" اس نے ایک ادا سے شانوں سے ذرا نیچے لٹکتے بے حد سیاہ بالوں کو جھٹک کر کہا۔

"نورالہدیٰ کے پاس۔" پھر چنچل سی مسکراہٹ کے ساتھ اپنا بازو چھڑا کر اسی ہاتھ سے اس کا گال تھپکتی ہائی ہیل سے "کھٹ کھٹ" کا شور جگاتی نورالہدیٰ کے ٹیبل کے پاس آکر کھڑی ہو گئی پھر بڑے دل آویز انداز میں نورالہدیٰ کو مخاطب کرکے کہا۔

"گڈ ایوننگ مسٹر فاروقی۔" نورالہدیٰ اپنے ساتھ بیٹھے لوگوں سے باتوں میں مصروف تھے وہ چونک گئے۔

وہ سیاہ آنکھوں میں شوخی لیے زیرلب مسکرائی اپنا دایاں ہاتھ بڑھائے کھڑی تھی۔ نورالہدیٰ نے بیٹھے بیٹھے ہی اسے "گڈ ایوننگ" کہا اور اس کا کومل سا ہاتھ پل بھر کو تھام کر چھوڑ دیا۔

"آئی ایم مریم یزدانی ڈاٹر آف اقبال یزدانی۔" وہ خود ہی اپنا تعارف کروا رہی تھی تو نورالہدیٰ نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ۔

"آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔" "مجھے بھی خوشی ہوئی نورالہدیٰ۔" وہ ایک دم "مسٹر فاروقی" سے "نورالہدیٰ" پر بے تکلفی سے کہا۔

"کیا ہم بات کر سکتے ہیں۔"

"میرا خیال ہے ہم اس وقت بھی بات ہی کر رہے ہیں۔" اس کی بات پر وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

"مجھے حاضر جواب لوگ پسند ہیں۔"

نورالہدیٰ نے اس کے dominatingstyle کو محسوس تو کیا مگر وہ ان کے میزبان کی بیٹی تھی یعنی ایک لحاظ سے خود بھی میزبان تھی اور نورالہدیٰ اس وقت اس کے مہمان۔ انہیں منع کرنا اچھا نہیں لگا تو

اٹھ کر اس کے ساتھ ساتھ چلتے باہر کھلی فضا میں چلے آئے۔

"ہاں تو اپنے بارے میں کچھ بتایئے۔" چلتے ہوئے وہ ان کے سامنے آکر کھڑی ہوئی اور اس طرح سے کہا جیسے ان پر اپنی موجودگی کو جتا رہی ہو جو اس کے ساتھ چلتے ہوئے بھی اس سے بے نیاز لگ رہے تھے۔ نورالہدیٰ اسے دیکھ کر مسکرائے۔

"نام تو آپ جانتی ہی ہیں اور کیا بتاؤں۔"

"نام سے زیادہ کچھ نہیں جانتی اسی لیے تو بول رہی ہوں کچھ بتا دیجیے۔"

"نام سے زیادہ جان کر آپ کیا کریں گی۔" وہ گریزاں ہوئے۔

"جان پہچان بڑھاؤں گی۔" مریم کی بات پر نورالہدیٰ نے اس کی طرف دیکھا اور اندازہ لگانے لگے کہ اس نے بے ساختگی میں یہ بات کہی ہے یا وہ بے باکی کی حد تک صاف گو ہے اور وہ ان کی سوچوں سے بے نیاز کہتی جا رہی تھی۔

"اگر آپ اپنے بارے میں نہیں بتانا چاہتے تو نہ سہی کم از کم میرے بارے میں تو کچھ پوچھ سکتے ہیں۔"

"بتایئے۔" اس کے اصرار پر نورالہدیٰ نے کہا اور وہ بتانے لگی۔

"تھوڑی سی ضدی ہوں تھوڑی سی موڈی اور ہاں بزنس سے مجھے ذرا دلچسپی نہیں ہے ڈیڈی کے کہنے پر میں نے بھی ہارورڈ یونیورسٹی سے ایم بی اے کیا ہے۔"

وہ بولے جا رہی تھی اور نورالہدیٰ کو اس کی بولڈنیس اچھی تو لگی تھی مگر وہ اس کا مقصد سمجھ کر اندر ہی اندر ہوشیار ہو گئے تھے۔ لندن کی آزاد فضاؤں میں رہتے ہوئے انہیں اس طرح کی تیز طراری کا کئی بار تجربہ ہو چکا تھا اور وہ اس طرح کی بولڈ لڑکیوں سے جان چھڑانے میں ماہر ہو چکے تھے وہ کوئی فرشتہ صفت انسان تو نہیں تھے ہاں مگر اتنا ضرور تھا کہ وہ اس طرح کی فضولیات سے ہمیشہ بچتے ہی رہے تھے وجہ صرف اتنی تھی کہ کوئی ان کے دل تک پہنچ نہیں پائی اور جو پہنچی

اس نے محبت کو ان کے لیے اس طرح عبادت بنا ڈالا کہ نورالہدیٰ اس سے آگے کی خواہش بھی نہ کر سکے۔

"آپ سے بات کرکے اچھا لگا۔ لیکن اب اجازت چاہوں گا مجھے جانا ہوگا۔" نورالہدیٰ نے اس سے جان چھڑانے کی ہی غرض سے یہ کہا تو وہ سمجھ کر بھی حیران ہو کر بولی۔

"ایکسکیوز می۔ آپ کو یہاں ڈنر پر بلایا گیا ہے اور آپ ڈنر کیے بغیر جانا چاہتے ہیں۔"

"مجبوری ہے مجھے ایک بے حد ضروری کام سے جانا ہے۔" روانی سے جھوٹ بولتے ہوئے انہیں وہ لڑکی یاد آگئی جس کے لیے انہوں نے جھوٹ بولنا سیکھا تھا۔ اور ان کے چہرے پر یاسیت ابھر آئی جسے محسوس کرکے مریم نے روکنے پر اصرار تو نہیں کیا مگر اگلی ملاقات طے کرنے سے خود کو روک نہیں پائی۔

"دس دن بعد نیو ایئر نائٹ ہے تو ہم نیو ایئر نائٹ میں مل رہے ہیں ڈن۔" کہہ کر اس نے وعدہ لینے کے لیے اپنا دایاں ہاتھ ان کی طرف بڑھایا۔ نورالہدیٰ نے اسے دیکھا پھر اس کا ہاتھ تھام کر بولے۔

"بائے۔" پھر فوراً ہی اس کا ہاتھ چھوڑ کر پلٹے اور اندر جا کر کسی کو اپنے جانے کی اطلاع دیے بغیر وہ پارکنگ کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ مریم حیرت سے آنکھیں پھاڑے انہیں جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اسے یقین ہی نہیں آیا کہ وہ اتنے آرام سے اس کی انسلٹ کرکے جا چکے ہیں پھر ایک دم ہی اسے نورالہدیٰ پر غصہ آگیا اور پیر پٹخ کر اندر چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

سرد اور تاریک رات اس ویرانے میں اتر چکی تھی۔ سیاہ رنگ آسمان پر نہ چاند چمک رہا تھا نہ تارے ٹمٹما رہے تھے پھر چاند تاروں کو دیکھنے کے لیے وہاں تھا بھی کون خلقت سو چکی تھی اور جو جاگ رہا تھا وہ بند آنکھوں کے پیچھے جہان آباد کیے دنیا و مافیہا سے بے خبر بیٹھا تھا کہ جیپ کے انجن کی آواز اس سناٹے میں غراہٹ کی طرح ابھری تھی پھر لحظہ لحظہ قریب آتی آواز تیز ہوتی گئی پھر یوں لگا جیسے پل بھر کو جیپ رکی ہو مگر اس

کا انجن اب بھی غرا رہا تھا۔ دروازہ کھول کر کوئی اترا پھر چند سیکنڈ بعد ہی دوڑتا ہوا واپس جیپ میں بیٹھ گیا۔ دروازہ بند ہونے کی آواز کے ساتھ جیپ ہوا کے ساتھ اڑتی دور نکل گئی مگر سائیں کے استغراق میں کوئی فرق نہیں آیا۔ پھر اک باریک سی آواز سنائی دی اتنی باریک کہ اگر سناٹا اتنا دبیز نہ ہوتا تو شاید سنائی نہ دیتی۔ پل بھر کو ابھر کر وہ آواز معدوم ہو گئی مگر کچھ سیکنڈ بعد دوبارہ سنائی دینے لگی اور پھر چپ ہو گئی' اس کے بعد دوبارہ ابھری اور مستقل آنے لگی۔

سائیں نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں اور سر گھما کر ادھر ادھر دیکھنے لگا' لیکن اس اندھیرے میں بھلا کیا نظر آتا آخر آواز کی سمت کا تعین کر کے وہ اٹھا اور ایک طرف کو چلنے لگا' اب آواز صاف اور واضح سنائی دے رہی تھی' وہ چلتا ہوا اس جگہ آ پہنچا جہاں خود رو جھاڑیوں کا ایک جھنڈ سا تھا۔ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے ہوئے اس نے جھاڑیوں کے گرد چکر کاٹا مگر آواز کا ماخذ دکھائی نہیں دیا تو وہ جھاڑیوں سے آگے کی طرف چلنے لگا' کچھ قدم آگے جا کر لگا کہ اب آواز پیچھے سے آ رہی ہے' وہ واپس جھاڑیوں کے پاس آگیا اور ایڑیوں پر بیٹھتے ہاتھ سے ٹٹول کر "آواز" کو تلاش کرنے لگا۔ زمین پر ہاتھ پھیر کر دیکھتے ہوئے اس نے یوں ہی جھاڑیوں کے اندر ہاتھ ڈالا تو ہاتھ میں کپڑا آگیا۔ وہ حیران ہو کر کپڑے کو ٹٹولنے لگا' تبھی اس کا ہاتھ کسی نرم و ملائم چیز سے ٹکرایا تھا۔ وہ ٹھٹکا' پھر دوسرا ہاتھ بھی اندر جھاڑیوں میں ڈال کر ننھی سا شور مچاتی کپڑے میں لپٹی اس چیز کو احتیاط سے باہر نکال لیا۔ باہر نکال کر جو دیکھا تو اندھیرے میں نظر آتے اس کے خدوخال کو دیکھ کر وہ بری طرح چونک گیا۔ پھر جو گھبرا کر ٹٹولا تو اندازے کی تصدیق بھی ہو گئی۔

وہ ایک بچہ تھا' کسی کتے بلی کا نہیں انسان کا بچہ' انسان جو اشرف المخلوقات ہے اور تمام مخلوقات میں بس اسے ہی یہ شرف حاصل ہے کہ جگر کے ٹکڑے کو گوشت کے لوتھڑے کی طرح گدھ اور چیل کووں کی خوراک بننے کے لیے ویرانوں میں پھینک آتا ہے۔ وہ ہکا بکا اسے گود میں لیے بیٹھا تھا۔ صحیح الدماغ ماں نے تو ماہ پیٹ میں رکھ کر جنم دینے کے بعد اسے مرنے کے لیے کانٹوں کے مقبرے میں لا پھینکا تھا۔ مگر اس پاگل میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اس کومل وجود کو کھردری زمین پر لٹا دے۔ اسے سینے سے چمٹائے وہ اپنے ٹھکانے پر لوٹ آیا۔ دماغ تو ایک مدت سے ماؤف ہو چکا تھا اور ہستی کھنڈر بن گئی تھی' لیکن چھاتی پر اچھل مچاتے ننھے ننھے ہاتھوں اور پیروں کی حرکت نے اس کھنڈر کو بھی زیر و زبر کر دیا۔ اس نے سر کو جھکا کر اندھیرے کی نقاب اوڑھے اس معصوم چہرے کو دیکھا' جس کا رونا اب اسے بے چین کر رہا تھا۔

"یہ اتنا کیوں رو رہا ہے۔" ایک عرصے سے بند پڑی دماغ کی مشین کے کل پرزوں پر سے گرد جھاڑ کر اس نے انہیں کام پر لگایا۔

"کہیں اسے ٹھنڈ تو نہیں لگ رہی' سردی بھی تو کتنی زیادہ ہے۔" طویل مدت سے بے حسی میں جیتے ہوئے اچانک ہی اس کے احساسات بیدار ہو گئے اور وہ ہوا میں پھیلی خنکی کو محسوس کرنے لگا' جس سے وہ کچھ دیر پہلے تک بے خبر تھا۔ اس نے اس ہلکے تولیے کو بچے کے گرد اور بھی کسا' جس میں وہ لپٹا ہوا تھا' پر اسے وہ ناکافی محسوس ہوا تو اپنی [illegible] اتار کر اچھی طرح اس کے گرد پھیلانے لگا' [illegible] کی حالت اتنی خستہ ہو چکی تھی کہ اتارنے کے لیے بٹن کھولنے کی ضرورت نہیں پڑی' [illegible] ہاتھوں میں سمیٹ کر سینے میں یوں چھپایا' [illegible] گھٹنوں کو موڑ کر اس طرح [illegible] بنا لیا کہ محسوس بھی نہیں ہو رہا تھا کہ اس کی گود میں بچہ ہے' اس حالت میں اسے کوئی دیکھتا تو یہی سمجھتا کہ سردی کی شدت کو کم کرنے کے لیے وہ خود میں سمٹ کر بیٹھا ہے۔ سردی بہت زیادہ تھی پر اس کا خیال تھا کہ اس کے جسم کی گرمی سے بچے کو اتنی راحت تو مل جائے گی کہ رونا بند کر دے گا مگر وہ روتا ہی رہا۔

"ہو سکتا ہے اسے بھوک لگ رہی ہو۔" وہ دیکھ نہیں پا رہا تھا' مگر چند منٹ یا شاید گھنٹہ بھر پہلے پیدا ہونے والے بچے کے جسم پر چپچپاہٹ کو محسوس کر کے اندازہ لگا چکا تھا کہ پیدائش کے بعد اسے غسل نہیں دیا گیا تھا۔ "جس ماں نے ایک لوٹا پانی بہانے کی زحمت نہیں کی اس نے کہاں بچے کے حلق میں دودھ اتارا ہو گا۔" اس نے سوچتے ہوئے اپنے خیال کی تائید کی۔

"ہاں۔ اسے بھوک ہی لگی ہے۔" وہ پریشان ہو گیا۔

"لیکن میں اس کے لیے دودھ کہاں سے لاؤں؟" دماغ کی مشین تو اب چل ہی پڑی تھی' [illegible] ایک راستہ بھی سوجھ گیا۔

مولوی عبدالخالق [illegible] رضائی اوڑھے آرام سے سو رہے تھے کہ کسی نے زور سے ان کا گھر کا دروازہ دھڑ دھڑایا۔ گہری نیند سے جاگنے میں کچھ وقت لگ گیا تھا۔

"اتنی رات کو کون آیا ہے۔" ملانی جی بھی جاگ گئی تھیں' بستر پر اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

"جا کر دیکھتا ہوں۔" چارپائی پر بیٹھے انہوں نے چپل پیر میں اڑستے ہوئے کہا' پھر لالٹین اٹھا کر کمرے کا دروازہ کھولتے صحن میں نکل آئے۔

"ہاں بھائی آ رہا ہوں۔" انہوں نے اونچی آواز میں بول کر تواتر سے دروازہ پیٹنے والے کو اپنی آمد کی اطلاع کی جس کا کوئی نوٹس نہیں لیا گیا اور دروازہ اس وقت تک بجتا رہا جب تک کہ انہوں نے کھول نہیں دیا۔

"او تو ہے۔" لالٹین کی روشنی میں آنے والے کا چہرہ دیکھ کر وہ حیرت سے بولے' پھر اس کا بازو پکڑ کر اسے اندر کرتے بولے۔

"چل اندر آجا۔" وہ دروازے کے کنڈے میں زنجیر اٹکا کر پلٹے تو وہ ان کے پیچھے کھڑا تھا۔

"او جھلیا ادھر کیوں کھڑا ہے' کمرے میں آجا' بڑی ٹھنڈ ہے۔" پھر اسے ساتھ لیے کمرے میں چلے آئے' جس کا اوپری دھڑ برہنہ تھا اور ایک پوٹلی سی اس نے بازوؤں میں چھپا رکھی تھی۔ کمرے میں آکر اس نے اپنے بازو ڈھیلے کیے تو بچے کی جھلک دیکھ کر چارپائی کے سرہانے رکھا دوپٹہ اٹھا کر اوڑھتی ملانی جی کے ہاتھ رک گئے۔

"یہ کس کا بچہ اٹھا لایا ہے؟"

"سائیں کا۔" اس نے متانت سے اطلاع دی۔

"بچہ کہاں سے مل گیا؟" مولوی صاحب کی حالت بھی ملانی جی سے مختلف نہیں تھی۔

"جھاڑیوں میں سے۔"

"سبحان اللہ۔" مولوی صاحب ایسے لہجے میں بولے جیسے یقین نہ آیا ہو۔

"اسے بھوک لگی ہے۔" وہ ان کی کیفیتوں کی پروا کیے بغیر بچے کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ جو بھوک سے اس قدر نڈھال ہو چکا تھا کہ اب رو بھی نہیں پا رہا تھا۔ مولوی صاحب اب بھی پریشان تھے' مگر بچے کی بھوک کا احساس کرتے بولے۔

"ہاجرہ اٹھ دودھ لے کر آ۔"

"پر مولوی صاحب اس سے یہ تو پوچھ لیں کہ کس کا بچہ اٹھا لایا ہے۔"

"وہ بھی پتا چل جائے گا' تو دودھ تو لے آ۔" پر وہ اٹھی نہیں' ان کی نظر بچے پر جمی تھی' جسے گود میں لیے سائیں چارپائی پر بیٹھ گیا تھا۔

"اس کا تو ابھی غسل بھی نہیں ہوا۔" ملانی جی کی بات پر مولوی عبدالخالق کا دھیان بچے کی حالت پر گیا اور معاملے کی تہ تک پہنچ گئے' پھر جب وہ بولے تو ان کے لہجے میں کچھ دیر پہلے والا ہیجان نہیں تھا۔

"پھر پہلے اس کے غسل کا انتظام کر' پھر اس کی بھوک کا بندوبست کرتے ہیں۔" اپنی بات کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکل آئے اور باورچی خانے سے بھگونا اٹھا کر صحن میں لگے ہینڈ پمپ کے نیچے رکھا اور ہینڈ پمپ چلا کر وہ بھگونا پانی سے بھرنے کے بعد اٹھا کر باورچی خانے میں چلے آئے' جہاں ملانی جی مٹی کے چولہے میں آگ لگا چکی تھیں۔ بھگونا چولہے پر رکھ کر وہ پھر صحن میں آگئے اور بالٹی میں ہینڈ پمپ سے پانی بھرنے لگے۔ بالٹی آدھی بھر گئی تو انہوں نے ہینڈ پمپ چلانا بند کر دیا اور باورچی خانے میں آ کر بیٹھ گئے' پھر

چولہے پر رکھا پانی گرم ہو چکا تو کپڑے سے پکڑ کر بھگونا اٹھایا وہ صحن میں آ گئے اور وہ بچے کا گرم پانی بالٹی کے ٹھنڈے پانی سے مکس کرکے نیم گرم پانی تیار کرنے لگے ادھر ملانی جی چولہا بجھا کر کمرے میں آ گئیں۔

"لا بچے کو نہلا دوں۔" وہ بچے کی طرف ہاتھ بڑھا کے بولیں۔ سائیں نے انہیں دیکھا پھر بچہ انہیں دینے کے بجائے گود میں لیے باہر آ گیا۔ ہینڈ پمپ کے پاس ہی کپڑے اور برتن دھونے کے لیے جگہ مخصوص تھی۔ وہ وہاں رکھی چوکی پر آ بیٹھا اور بچے کو ران پر لٹا کر رگڑ رگڑ کے ٹھنڈے پانی سے ہاتھ دھونے لگا۔ ملانی جی سمجھ گئیں وہ بچہ انہیں نہیں دے گا اس لیے انہوں نے دوبارہ اس سے بچہ نہیں مانگا اور چوکی اٹھا کر اس کے پاس آ بیٹھیں، جو اب بچے کے گرد لپٹے کپڑے ہٹا رہا تھا پھر اس نے دونوں پاؤں جوڑ کر بچے کو پیروں پر بٹھا لیا۔ ملانی جی بالٹی میں سے پانی کے مگ بھر بھر کر بچے پر انڈیلنے لگیں اور وہ ایک ہاتھ سے بچے کو سنبھالے دوسرے ہاتھ سے اس کے جسم کو نرمی سے صاف کرنے لگا بچہ ٹھنڈ اور پانی سے پریشان ہو کر رونے لگا تھا پر وہ دونوں پورے اطمینان سے اسے غسل دیتے رہے۔ جب وہ پاک ہو چکا تو مولوی صاحب نے ایک خشک تولیہ سائیں کے ہاتھوں میں پکڑا دیا، جس میں بچے کو لپیٹ کر وہ کمرے میں آ گیا۔ ملانی جی اور مولوی صاحب کمرے میں آئے تو وہ بچے کو تولیے سمیت چارپائی پر لٹائے اس کے جسم کو خشک کر رہا تھا۔

"اب اس کے لیے کپڑے کہاں سے لاؤں۔" ملانی جی بولیں تو مولوی عبدالخالق نے کہا۔

"سورج تو نکلنے دے، اس کا انتظام بھی ہو جائے گا۔"

"پھر ایسا کرتی ہوں گرم چادر نکال لیتی ہوں، ابھی اس میں لپیٹ لیتے ہیں۔" بولتی ہوئی وہ صندوق میں سے گرم چادر نکالنے لگیں، پھر جب بچے کو گرم چادر میں لپیٹ چکے تو مولوی صاحب سائیں سے بولے۔

"لا بچہ مجھے دے دے۔" اس نے بچہ ان کو نہیں، مگر بچے کو سینے میں بھینچ لیا۔ مولوی عبدالخالق مسکرا کر لہجے میں بولے۔

"اس کے کان میں اذان دینی ہے یا پھر تو اذان دے دے۔" اس نے ان کی بات سنی اور پھر سوچے بغیر بچہ انہیں دے دیا۔ ملانی جی دودھ گرم کرنے چلی گئیں اور مولوی صاحب بچے کے کان میں ذات برحق کی کبریائی بیان کرتے ہوئے اذان کے الفاظ اس کی سماعتوں میں انڈیلنے لگے۔ اذان کی ادائیگی کے بعد انہوں نے بچہ اس کی گود میں ڈالا تو اس کی بے چینی کو محسوس کرکے مسکرانے لگے۔ ملانی جی دودھ گرم کر لائی تھیں، مگر انہوں نے بچے کو دودھ پلانے کی پیشکش نہیں کی، بلکہ چھوٹے ٹیبل پر دودھ کا پیالہ اس کے سامنے رکھ دیا۔ اسے تو بچے کو چمچے سے دودھ پلانے میں مشکل ہو رہی تھی، بچے کو بھی چمچے سے دودھ پینا مشکل لگ رہا تھا وہ اور بھی رونے لگا، آخر کئی بار کی ناکام کوششوں کے بعد بچے کے حلق میں دودھ کے چند قطرے چلے ہی گئے۔ پتا نہیں پھر اس کا پیٹ بھرا کہ نہیں، مگر زیادہ دودھ گرا کر اور تھوڑا سا پی کر وہ کچھ دیر بعد سو گیا تھا۔ وہ سوئے ہوئے بچے کو گود میں لے کر بیٹھا رہا، پھر جب لگا کہ وہ گہری نیند میں چلا گیا ہے تو بہت آہستگی سے اسے بستر پر لٹا کر اٹھ گیا۔ شرٹ پہلے ہی پہن چکا تھا پھر کسی طرف دیکھے بغیر چلتا ہوا گھر سے چلا گیا۔ مولوی صاحب دروازہ بند کرکے اندر آئے تو ملانی جی بستر پر بچے کے پاس بیٹھیں دھیرے دھیرے اسے تھپک رہی تھیں۔ مولوی صاحب دوسری طرف سے چارپائی پر بیٹھ کر بچے کو دیکھنے لگے جو بڑے معصوم انداز میں سو رہا تھا۔

"میں تو پریشان ہو گئی ہوں مولوی صاحب پتا نہیں کس کا بچہ ہے، اسے کہاں مل گیا۔"

"بتا تو رہا تھا کہ جھاڑیوں سے ملا ہے۔" وہ چپل اتار کر پاؤں اوپر اٹھا کر آرام سے بیٹھے اور رضائی اپنے اوپر پھیلاتے ہوئے لاپروائی سے بولے۔ ملانی جی کو ان کا انداز ذرا نہ بھایا۔

"جھاڑیوں سے ملا ہے۔" انہوں نے منہ بنایا۔ "بھلا بچے جھاڑیوں میں اگا کرتے ہیں۔ ایسا ہوتا تا

مولوی صاحب تو دنیا میں کوئی بھی بے اولاد نہ رہتا، میں آپ جھاڑیوں سے دو چار بچے اٹھا لاتی۔ اس پاگل نے ایک بات کیا کہہ دی، آپ تو ایمان لے آئے۔"

"تم اب بھی اسے پاگل کہہ رہی ہو۔" ان کا اشارہ کچھ دیر پہلے کے اس کے رویے کی طرف تھا۔ ملانی جی بھی ایک پل کو خاموش ہو گئیں، پھر عاجزی سے بولیں۔

"میں تو وہی کہہ رہی ہوں جو نظر آ رہا ہے، مگر اس کی بات پر واقعی دل نہیں ٹھہرتا، بھلا کیوں کوئی اپنا بچہ جھاڑیوں میں پھینکے گا، چلیں لڑکی ہوتی تب بھی مان لیتے کہ چودہ سو سال پہلے کی جہالت ابھی بھی ختم نہیں ہوئی مگر یہ تو لڑکا ہے۔"

"تو بہت بھولی ہے ہاجرہ اور میں کوئی برا قیاس کرنا نہیں چاہتا پر اتنا کہوں گا کہ جس عورت نے بچہ گود سے نکال پھینکا وہ اس کی پرورش نہیں کرے گی، اگر کر سکتی ہی نہیں اور جو عورت مجبور ہو کر بھی ہو وہ اپنا بچہ خود سے جدا نہیں کرے گی۔ اب اور کیا کہوں، تو یہ بات ذہن سے نکال دے کہ اس کی ماں دکھ میں ہو گی اس نے کسی سکھ کی خاطر ہی اپنی اولاد خود سے دور کی ہو گی، اور بس اب اس بارے میں کوئی بات نہ کرنا کہ بات سچ ہوئی تو غیبت ہے جھوٹ ہوئی تو بہتان اور گناہ دونوں صورتوں میں ہے خود کو سمجھا لے کہ اس کا رزق اس گھر میں لکھا تھا اور یہ اپنا حصہ لینے آیا ہے، اللہ کے کام حکمت سے خالی نہیں ہوتے، اسے یہاں بھیجا ہے تو اس میں بھی کوئی حکمت پوشیدہ ہو گی، اس کے طفیل وہی جانے۔"

تہجد کا وقت ہو چکا تھا، اپنی بات ختم کرکے مولوی عبدالخالق وضو کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

مسجد سے نکل کر مولوی عبدالخالق تسبیح کے دانے گراتے گھر کی طرف جا رہے تھے، ملانی جی کو جو دروازے میں کھڑے دیکھا تو ٹھٹک کر رک گئے، انہیں یاد نہیں آیا کہ پچیس سالہ ازدواجی زندگی میں کبھی ملانی جی نے دروازے پر کھڑے ہو کر ان کا انتظار کیا ہو۔ حیران ہوتے وہ ان کے پاس چلے آئے اور ان کے الجھن بھرے چہرے پر نظر ڈال کر پوچھا۔

"کیا بات ہے؟"

"وہ آیا ہوا ہے۔" ملانی جی پریشانی سے گویا ہوئیں۔

"کون؟" پوچھتے ہوئے مولوی صاحب نے ان کے اوپر سے اندر گھر میں نظر ڈالی، پھر انہیں سائیڈ میں کرکے اندر چلے آئے۔

خالی صحن کو دیکھتے ہوئے بیٹھک میں آ گئے۔ بچہ جاگ چکا تھا اور سائیں اسے گود میں لیے چارپائی پر بیٹھا تھا، حالانکہ وہ یک ٹک بچے کو دیکھ رہا تھا، لیکن اس کی آنکھیں دلچسپی سے خالی تھیں اور نہ ہی وہ بچے سے کھیل رہا تھا، مگر بچے کو اس کی موجودگی بہت اچھی لگ رہی تھی، وہ کبھی اپنے چھوٹے چھوٹے نرم ہاتھ اس کے سینے پر مارتا اور کبھی اس کی داڑھی میں الجھا کر کھینچتا بہت مگن لگ رہا تھا۔ پتا نہیں سائیں نے مولوی عبدالخالق کی موجودگی کو محسوس کیا یا نہیں کیونکہ ان کے آنے کے بعد بھی وہ انہماک سے بچے کو دیکھتا رہا تھا۔ اس پر سے نظر ہٹا کر مولوی عبدالخالق پیچھے کھڑی ملانی جی سے بولے

"دکان کھولنے کا وقت ہو گیا ہے، میں دکان کھولتا ہوں، تم ناشتا بناؤ، لیکن آج ناشتا تین لوگوں کا بنانا ہے۔" وہ یوں بول رہے تھے جیسے روٹین کی بات ہو اور پھر جا کر دکان کا دروازہ کھولنے لگے۔ ملانی جی دو کے بعد تیسرا پراٹھا تل رہی تھیں کہ انہوں نے سائیں کو کمرے سے نکل کر باہر جاتے دیکھا اور وہ جھنجلاتے ہوئے پراٹھا لپیٹنے لگیں۔

جنگل میں لگی آگ کی طرح گاؤں میں یہ خبر پھیل گئی کہ سائیں کسی کا بچہ اٹھا لایا ہے، جو اب مولوی صاحب کے گھر میں پل رہا ہے، اس کے ساتھ ہی چہ میگوئیاں ہونے لگیں، مولوی صاحب کا بہت احترام تھا، مگر بات ہی ایسی تھی کہ اسی شام کی بیٹھک میں یہ ذکر چل نکلا۔

"ایک بات سنی ہے مولوی صاحب، پتا نہیں سچی ہے کہ جھوٹی پر سارے پنڈ میں شور مچا ہے کہ سائیں کسی کا بچہ اٹھا لایا ہے۔"

"جھوٹ سنا ہے۔" جبار عرف جبرے کی بات پر

مولوی عبدالخالق نے کہا۔

"وہ کسی کا بچہ نہیں اٹھا لایا بلکہ بچے کے والی وارث خود بچے کو اس کے پاس چھوڑ گئے تھے۔"

"لیکن بچہ ہے کس کا۔" ایک اور نے کہا۔

"دیکھو نیاز محمد ہمیں تو اس کی نگہبانی کا فرض سونپا گیا ہے سو ہم کر رہے ہیں' باقی کی باتیں تو اللہ جانے۔" انہوں نے متانت سے جواب دے دیا' مگر ملائی جی نوچ ہوئی جارہی تھیں۔

"عقل کی بات کر زینب جس نے رات کے اندھیرے میں بچہ ویرانے میں پھینک دیا' کوئی کہاں سے اس کا پتا ڈھونڈے۔" ان کی بات پر زینب بولی۔

"یہ بھی ہے' پر کچھ دن انتظار کرکے دیکھ لیں' شاید کوئی اسے لینے آجائے۔"

"زینب تو واقعی کم عقل ہے۔" ایک دوسری عورت بولی۔

"اگر لینے ہی آنا تھا تو کوئی چھوڑ کے کیوں جاتا' لیکن ملائی جی معاملہ تو مشکوک ہے' کوئی کیوں اپنا بچہ پھینکے گا' وہ بھی اتنے سوہنے منڈے کو' میرے گھر والے نے منڈے کے چکر میں تین بیاہ کرلیے' اب کہتا ہے چوتھا کرے گا' بھلا کوئی وارث کو بھی پھینک سکتا ہے۔"

"اب کیا کہوں سعیدہ بات تو میری عقل میں بھی نہیں آئی' پر مولوی صاحب کہتے ہیں برا قیاس نہ کرو۔" انہوں نے کہہ کر اس ٹاپک کو ختم کردیا۔

صحن میں چارپائی بچھا کر بیٹھی عورتیں دھوپ سینکتے ہوئے اپنے اندازے لگاتی رہیں' جبکہ وہ جس کی ذات معمہ بنی ہوئی تھی' سائیں کی گود میں لیٹا مزے سے انگوٹھا چوس رہا تھا۔ دھوپ اتر گئی تھی اور مولوی عبدالخالق کے گھر کا آنگن بچوں سے بھر گیا تھا' برابر برابر دو دریاں بچھی تھیں' ایک دری پر بیٹھے بچے ہاتھوں میں سپارے لیے لہک لہک کر قرآن پڑھ رہے تھے اور دوسری دری پر وہ بچے بیٹھے تھے جو [illegible] لے کر یاد کرچکے تھے اور اب اپنے اسکول کا [illegible] کاپیاں لے کر بیٹھے ہوم ورک [illegible] سائیں نے آج پہلی بار شام میں مولوی [illegible] کیا تھا' حالانکہ کچھ دنوں سے وہ برابر ان کے گھر کے چکر لگا رہا تھا۔ وہ آتا' کچھ دیر بچے کے ساتھ گزارتا' پھر اٹھ کر چلا جاتا' مگر جتنی دیر بھی وہاں رہتا' بچے کے سارے کام خود کرتا' بچہ بھی اس سے مانوس ہوگیا تھا۔ وہ اسے پہچاننے لگا تھا۔ اسے دیکھتے ہی وہ مسکرا کے یوں اپنے ہاتھ اٹھاتا جیسے اسے بلا رہا ہو' پھر جتنی دیر اس کے ساتھ رہتا کھیلتا رہتا' روتا تو بالکل بھی نہیں۔

سائیں دروازے پر آکر رک گیا تو بچے تجسس سے اسے دیکھتے ہوئے آپس میں کھسر پھسر کرنے لگے۔ بچے کو حساب کا سوال سمجھاتے ہوئے مولوی عبدالخالق نے دروازے کی طرف بچوں کی دلچسپی محسوس کرکے سر اٹھا کر دیکھا' پھر سائیں پر نظر پڑتے ہی بشاشت سے بولے۔

"او جھلیا باہر کیوں کھڑا ہے' اب تو اس چوکھٹ پر تیرے نام کے تعویذ گڑے ہیں' سیدھا اندر چلا آ۔" وہ چلتا ہوا اندر آیا اور مولوی عبدالخالق کے ساتھ دری پر بیٹھ گیا۔ اسے چپ دیکھ کر مولوی عبدالخالق نے کہا۔

"کاکے سے ملنے آیا ہے۔" اس نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا' پھر کہا۔

"مجھے بھوک لگی ہے۔"

"سبحان اللہ۔" مولوی صاحب نے بے ساختہ کہا' پھر آوازیں دینے لگے۔

"ہاجرہ او ہاجرہ کھانا لے آؤ بھئی' لیکن ایک منٹ۔" انہیں کچھ خیال آیا تو بول کر معنی خیز نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔

"کھانا تو تجھے ضرور ملے گا' پر پہلے ایک کام کرنا ہوگا۔" اس نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔ مولوی عبدالخالق اس کے استفسار کو سمجھ گئے تھے' اسے کچھ بتانے کے بجائے وہ اشارے سے ایک بچے کو پاس بلانے لگے۔

"ادھر آ۔" بچہ پاس آگیا تو بولے۔

"جا کر جبار سے کہہ کہ اپنا تام جھام اٹھا کر چلا آئے۔"

"جبار کون' مجیرا نائی۔" بچے نے معصومیت سے بولتے ہوئے تصدیق چاہی تو مولوی صاحب ماتھا پیٹ کر بولے۔

"تم لوگ نام بگاڑنے سے باز نہ آنا۔ ہاں بھئی جاکر جیرے نائی سے کہو میں نے بلایا ہے۔" اور بچہ ان کے کہنے پر محظوظ ہوتا باہر بھاگ گیا۔ اسے بھیج کر مولوی عبدالخالق سائیں کی موجودگی کو فراموش کرتے ہوئے بچوں کو پڑھانے لگے۔

"سلام مولوی صاحب۔" جبار نے دروازے سے ہی سلام جھاڑا۔ مولوی صاحب اس کے سلام کا جواب دیتے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"اپنا سامان ساتھ لائے ہو۔"

"جی مولوی صاحب' سب اٹھا لایا ہوں۔" اس نے اپنے کندھے سے لٹکے [illegible] صندوق کو تھپکا۔

"پر آپ کے بال تو [illegible] مجھے کو ہی تراشے تھے اور خط بھی بنایا تھا' پھر کیسے بلانا ہوا۔" اس کی بات پر مسکرا کر مولوی صاحب نے سائیں کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

"تیری ضرورت مجھے نہیں اسے ہے۔" پھر اس کے پاس آکر بولے۔

"چل اٹھ بہت پھر لیا اس طرح' اب تجھے انسان کا بچہ بناتے ہیں۔" اس کے بعد اندر سے میز اور کرسی منگوا کر اسے کرسی پر بٹھا دیا۔ جبار پھرتی سے اپنا سامان نکال کر میز پر رکھتا جارہا تھا۔ سائیں کے جی میں جانے کیا آئی کہ آئینہ اٹھا کر اس میں اپنا چہرہ دیکھنے لگا۔

وہ چہرہ جسے مدت سے دھویا نہیں گیا تھا' بڑھے بالوں اور ناتراشیدہ داڑھی میں چھپا ہوا تھا۔ اسے جیسے خود بھی اپنی پراگندہ حالی پر یقین نہیں آیا۔ داڑھی کے چپچپاتے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس نے اپنے اصل روپ کو یاد کرنا چاہا' پر حیرت کی بات تھی کہ اسے اپنی صورت یاد نہیں آئی اور آتی بھی کیسے' آئینے میں نظر آتا چہرہ اس قدر اجنبی تھا کہ اس میں سے پرانے نقوش ڈھونڈ پانا مشکل ہوتا۔ جبار نے اس کے کندھوں پر تولیہ ڈال کر سر کے بال تراشنا شروع کیے۔ اس نے مدت سے سر نہیں دھویا تھا اور نہ بالوں میں تیل لگایا تھا سو اب ان کی حالت جھاڑ جھنکار جیسی ہورہی تھی' جسے سلجھانا آسان نہیں تھا' پر جبار اپنے کام کا کاریگر تھا' وقت تو لگا' پر اس نے بالوں کو تراش خراش کر [illegible] حالت دے دی تھی' پھر اس کی داڑھی کے بالوں کو معقول حد تک چھوٹا کردیا۔ جبار اپنا کام ختم کرکے سیدھا ہوا تو اس نے ہاتھ بڑھا کر آئینہ اٹھا لیا۔ چہرہ اب بھی انجان لگ رہا تھا۔ بنا کچھ سوچے اس نے شیونگ کے لیے جھاگ بنا کر ہاتھ سے چہرے پر پھیلایا' پھر استرا لے کر شیو کرنے لگا۔ اب اس کے چہرے کو بلیڈ کی رگڑ کی عادت نہیں رہی تھی' اس نے ایک ہاتھ مارا ہی تھا کہ چہرے پر کٹ پڑ گیا' مگر اس نے شیونگ روک کر خون صاف کرنے کی زحمت نہیں کی' اس کی حرکات و سکنات خوابیدہ سی تھیں' جیسے وہ اپنی پرانی عادتوں کو یاد کررہا ہو۔ وہ آرام سے شیو کرتا رہا' مگر اب اس کے انداز میں احتیاط تھی۔ داڑھی ہٹا کر اس نے تولیے سے جھاگ منہ پر سے صاف کرتے ہوئے آئینے میں دیکھا اور ماضی میں جھانکا۔ اب بھی اس کے چہرے میں کچھ اجنبی سا تھا۔ مونچھوں کو صاف کرکے اس نے پھر آئینہ دیکھا۔ اب کے اسے اپنے چہرے سے شناسائی کا احساس ہوا تھا۔

"اب کچھ بات بنی ہے۔" اپنی ٹھوڑی کو مسلتے ہوئے اس نے سوچا۔

"یہ کپڑے لے اور جاکر نہا لے۔ ویسے میرا ناپ تجھے چھوٹا ہوگا' مگر جو چیتھڑے تو نے پہن رکھے ہیں' ان سے بہرحال بہتر ہیں' ابھی ان سے ہی کام چلا لے' کل تیرے دو جوڑوں کا کپڑا خرید کر درزی کو سلنے کے لیے دے دوں گا۔" مولوی صاحب ہاتھ میں اپنا ایک شلوار قمیص لیے اس سے کہہ رہے تھے۔ اس نے ان کے ہاتھ سے کپڑے لیے' پھر رسی سے تولیہ اٹھا کر غسل خانے میں چلا گیا۔ وہ اتنی دیر تک نہایا کہ مولوی صاحب مغرب کی نماز پڑھ کر آگئے' مگر جب وہ گیلے بالوں کو تولیے سے رگڑتا غسل خانے سے برآمد ہوا تو دونوں میاں' بیوی خوشگوار حیرت میں گھرے اسے دیکھتے رہ گئے۔ اس کے بال جو تنیالے رنگ کے لگا

کرتے تھے ان کی سیاہ رنگت کئی بار صابن سے دھل کر نکھر آئی تھی۔ گہری سیاہ آنکھوں کی مقناطیسیت تو وہی تھی، لیکن اب ان میں وحشت دکھائی نہیں دے رہی تھی، ہاں، مگر ویرانی جوں کی توں تھی۔ آنکھوں کے نیچے حلقے واضح ہو رہے تھے۔ رنگ شاید یوں بھی قدرے سانولا رہا ہوگا، مگر اب جھلس کر گہرا ہو گیا تھا۔ گالوں کا ڈھیلا ماس بتا رہا تھا کہ یہ چہرہ بھی پر گوشت تھا۔ عنابی رنگ کے ہونٹ جو سختی سے بھینچے رہتے تھے اس وقت نرمی سے بند تھے، جن سے چہرے کا تاثر ہی بدل گیا تھا۔ وحشت اور دیوانگی کی جگہ سنجیدگی اور متانت نظر آ رہی تھی۔ اس کی دراز قامت تو نظر آتی تھی مگر شانوں کی چوڑائی اب زیادہ نمایاں ہو رہی تھی۔ اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ وہ بھی صحت مند جسم کا مالک رہا ہوگا لیکن اب اس کا وزن کافی کم ہو گیا تھا۔ مولوی صاحب کے کپڑے اس کے لیے قدرے کافی چھوٹے تھے۔ شلوار ٹخنوں سے اوپر جا رہی تھی اور قمیص گھٹنوں سے اوپر اس پر مستزاد یہ کہ کمزوری کی حد تک دبلا ہونے کے باوجود قمیص اس کے چوڑے چکلے سینے پر پھنسی ہوئی لگ رہی تھی مگر جس نے اسے دیوانگی کے عالم میں دیکھا ہو اس کے لیے اس کی بدلی ہوئی حالت واقعی خوشگوار تھی۔

"سائیں کی تو حالت ہی بدل گئی ہے، مولوی صاحب دیکھیں ذرا کیسا سوہنا روپ نکلا ہے۔" ملانی جی کی بات پر اسے دیکھتے ہوئے وہ مسکراتے لہجے میں بولے۔

"یہ سائیں نہیں ہے یہ تو اللہ کا بندہ ہے۔ عبداللہ ہے کیوں عبداللہ میں نے ٹھیک کہا نا۔" وہ انہیں ہی دیکھ رہا تھا، ان کے استفسار پر نظر چرا کر گیلا تولیہ رسی پر پھیلانے لگا۔ مولوی صاحب کی معنی خیز مسکراہٹ اور بھی گہری ہو گئی۔

"نہ مان تیرے نہ ماننے سے اس کی بزرگی اور تیری گی میں فرق نہیں آئے گا۔" اور وہ انجان سا بنا لیوں کی مدد سے اپنے بال سلجھانے لگا۔ ملانی جی نے بلایا تو بولیں۔

"ادھر آ میرے پاس میں بال بنا دیتی ہوں۔" اور اٹھ کر دوار گیر الماری سے کنگھا پکڑ کر واپس اپنی جگہ پر آ بیٹھیں۔ اس نے صحن میں پڑی پیڑھی اٹھا کر چارپائی کے پاس رکھی، جس پر ملانی جی بیٹھی تھیں اور اس پر بیٹھ کر سر ان کے سامنے جھکا دیا۔ مولوی صاحب کی مسکراتی نظریں اس پر لگی تھیں جو نگاہیں نیچی کیے کسی بھی طرف دیکھنے سے گریز کر رہا تھا، جبکہ ملانی جی اس کے بال بناتے ہوئے بولتی جا رہی تھیں۔

"دینے والے نے کتنی پیاری صورت دی ہے، پر تو ہے کہ خوامخواہ بگاڑ رکھی تھی۔ اب نہ وہ حالت بنانا۔ مجھے نہیں پتا تجھ پر کیا بیتی ہے، تیرے زخم ادھڑ نہ جائیں اس لیے پوچھوں گی بھی نہیں، لیکن ایک بات کہوں گی کہ اگر آج بیتے ہوئے کل کا ماتم منایا جائے تو اس کی نحوست کے سائے آنے والے کل پر بھی پڑ جاتے ہیں، جو ہوا اگر اسے بھول نہیں سکتا تو بھی یاد کرنا چھوڑ دے۔۔۔ لے تیرے بال بھی بن گئے۔" اس کے بال بن چکے تو انہوں نے کہا، تبھی اندر سے بچے کے رونے کی آواز آئی، وہ اندر چارپائی پر سو رہا تھا اور جاگنے پر خود کو اکیلا پا کر رونے لگا تھا۔

"کاکا جاگ گیا ہے میں ذرا اسے دیکھ لوں۔" خود کلامی کرتی وہ اٹھنے لگیں تو اس نے ان کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر روکتے ہوئے کہا۔

"آپ رہنے دیجیے میں دیکھتا ہوں۔" [illegible] سنوارا اس کا تو بات کرنے کا انداز بھی سنور گیا تھا، شائستگی سے بول کر وہ کمرے [illegible] اور بچے کو شانے سے لگا کر چپ کرانے لگا لیکن بچہ تو اس کی گود میں آتے ہی ایسے [illegible] نے گود میں لے لیا ہو۔ اس کا رونا بند ہوا تو عبداللہ نے جیسے اس کا تاثر دیکھنے کے لیے اپنا چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے کیا۔ بچہ پریشان سا ہو گیا۔ بس جانا پہچانا ہے، پر چہرہ اجنبی۔ [illegible] بڑی بڑی کالی آنکھوں کو پٹپٹا کر وہ اپنے نرم ہاتھوں سے اجنبی چہرے کو چھونے لگا تو ایک مدت کے بعد عبداللہ کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھر آئی۔ اظہار تشکر کے طور پر اس نے ان نرم ہاتھوں کو چوم لیا۔

"عبداللہ آ کر کھانا کھا لو۔" کچھ دیر بعد ملانی جی نے

دروازے پر آکر کہا' پھر بچے کو اس کی گود میں دیکھ کر بولیں۔

"اسے بھی ساتھ لے آنا اس کے فیڈر کا وقت ہو گیا' پر کمبل میں ٹھیک سے لپیٹ لینا' کہیں سردی نہ لگ جائے۔" وہ چلی گئیں تو عبداللہ بھی اسے کمبل میں لپیٹ کر باہر باورچی خانے میں آگیا۔ مولوی صاحب کھانا ختم کر کے اٹھ گئے۔

"اچھا ہاجرہ میں مسجد جا رہا ہوں عشاء کا وقت ہو گیا ہے اور تو سن عبداللہ کھانا کھا کر ادھر ادھر نہ نکل جانا بہت ہو گئی آوارہ گردی اب آرام سے گھر بیٹھ۔ اس کے لیے بھی بستر بچھا رہنا۔" وہ عبداللہ سے کہہ کر آخر میں پھر ملانی جی سے بولے تھے جب مولوی صاحب مسجد سے لوٹے تو وہ بچے کو ساتھ لیے سو رہا تھا جبکہ بچہ سر گھما گھما کر کمرے میں چاروں طرف دیکھتا اس کے بازو کے تکیے پر لیٹا جاگ رہا تھا۔ ان دونوں کو دیکھ کر مولوی عبدالخالق نے ملانی جی کو دیکھا اور بولے۔

"رب سوہنڑے کی یہی بات تو سب سے سوہنی ہے کہ بندہ جو مانگتا ہے اس سے دوگنا دیتا ہے اب دیکھ تو اس سے ایک پتر مانگا کرتی تھی اس نے دو دے دیے ہیں اب سنبھال انہیں اور اپنے چاؤ پورے کر لیکن یاد رکھنا جس نے دیے ہیں وہ لے بھی لے گا۔"

"بے شک مولوی صاحب پر ابھی تو میرا آنگن بھر گیا ہے مجھے اس پر خوش ہو لینے دیں۔"

"پر شکر کرنا مت بھولنا۔" انہوں نے تنبیہ کی۔

"نہیں بھولوں گی۔" ملانی جی نے یقین دلایا۔

☼ ☼ ☼

بہادر نے جھانک کر اندر اسٹڈی میں دیکھا۔ نور الہدیٰ فائلوں میں سر دیے بیٹھے تھے۔

"صاب۔" اس کی آواز پر انہوں نے مصروف سے انداز میں کہا۔

"ہاں بولو۔"

"آپ سے ملنے کوئی بی بی آئی ہیں۔" انہوں نے حیرت سے بہادر کو دیکھا۔

"رات کے گیارہ بجے کون سی بی بی مجھ سے ملنے آگئی۔"

"میں کیا جانوں۔" وہ خوامخواہ شرما گیا تو نور الہدیٰ جھنجلا گئے۔

"تم نے نام پوچھا تھا۔"

"مریم بتا رہی تھیں۔" ایک پل کو تو انہیں یاد ہی نہیں آیا کہ یہ نام کہاں سنا ہے پھر جب یاد آیا تو اچھل پڑے۔

"او مائی گوڈ مریم یزدانی۔ یہ لڑکی یہاں کیا کر رہی ہے۔" وہ تو خود کلامی کر رہے تھے۔

"جا کر اسے کہہ دو میں اس سے ملنا نہیں چاہتا۔" وہ روڈ سے لہجے میں کہہ کر دوبارہ فائلوں میں الجھ گئے اور بہادر۔ "جی صاحب" کہتا ڈرائنگ روم میں آگیا اور نور الہدیٰ کا پیغام حرف با حرف مریم کے کانوں تک پہنچا دیا۔ اس کے تو تلووں میں لگی سر پر جا کر بجھی۔

"مجھے اپنے صاحب کے پاس لے چلو۔" وہ بگڑے لہجے میں بولی تو بہادر منمنایا۔

"صاب آپ سے ملنا نہیں چاہتے۔"

"شٹ اپ۔" وہ حلق کے بل چلائی۔

"مجھے ابھی اور اسی وقت نور الہدیٰ کے پاس لے کر چلو ورنہ میں تمہارا حشر کر دوں گی۔" بہادر بے چارہ تو اس کی اونچی آواز سن کر ہی ڈر گیا اپنا حشر [illegible]

"جی میم صاب۔" کہہ کر وہ اسے اپنے ساتھ لیے لاؤنج میں آیا پھر دور سے ہی [illegible] اسٹڈی کی طرف اشارہ کیا۔

"صاب وہاں ہیں۔" [illegible] سے ڈانٹ پڑی تھی اس لیے جلدی [illegible] غائب ہو گیا۔ وہ شعلہ بار انداز میں اسٹڈی میں داخل ہوئی تھی۔ نور الہدیٰ اسے دیکھ کر حیران رہ گئے مگر چہرے سے ظاہر نہیں ہونے دیا اور کرسی کی پشت سے ٹکا کر اسے دیکھنے لگے وہ چلتی ہوئی ان کے ٹیبل کے پاس آکر رکی پھر تان اسٹاپ بولتی چلی گئی۔

"تمہیں کس چیز کا غرور ہے نور الہدیٰ — چند مربعے زمینوں کا جنہیں میں سو بار خرید کر پھینک سکتی

ہوں۔ تمہارے اس بزنس کا جس کا سیٹ اپ کھڑا کیے تمہیں چار دن نہیں ہوئے یا تمہاری پرسنالٹی کا جسے خاص بنانے والی بھی میری نظر ہے۔ تم ہو کیا اور تمہیں یہ سوچنے کی جرات بھی کیسے ہوئی کہ تم میری انسلٹ کر سکتے ہو۔ اس دن تو میں نے یہ سوچ کر نظر انداز کر دیا تھا کہ تم شاید اپ سیٹ ہو مگر آج [illegible] کیا اس کی تمہارے پاس کوئی وضاحت [illegible] تمہیں مریم یزدانی تم پر مرتی ہے [illegible] تم پر کہ اتنی ینگ ایج میں تم [illegible] دب کر اکیلے اور ڈپریسڈ ہو گئے [illegible] چاہتا تھا تمہیں اپنے دوستوں سے [illegible] کے ساتھ کچھ وقت گزار کر تم [illegible] کرو گے تو تمہاری ڈل لائف میں کچھ [illegible] اور تم —" تیز لہجے میں بولتے [illegible] اچانک ہی اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے جو [illegible] کے احساس سے زیادہ نور الہدیٰ کی [illegible] کے لیے تھے۔

"forget it" بس ایک پل کو اس کی آواز بھرائی تھی پھر تنفر سے کہہ کر وہ مڑی اور جتنی تیزی سے آئی تھی اتنی ہی تیزی سے واپس چلی گئی۔

"مجھے اسے رلانا نہیں چاہیے تھا۔" اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر اطمینان سے اس کی صلواتیں سنتے نور الہدیٰ جھٹکے سے سیدھے ہوئے تھے پھر وہ اتنی تیزی سے نکل گئی کہ نور الہدیٰ کو اسے روکنے کا موقع بھی نہیں ملا اور اب وہ بیٹھے افسوس کر رہے تھے۔ وہ فطری طور پر بہت کیئرنگ انسان تھے مگر ملیحہ کے بعد ان کی اس عادت میں خلل آگیا تھا لیکن وہ مریم سے ایکسکیوز بھی کرنا چاہتے تھے پھر بھی جھجک میں دو دن گزر گئے۔

مریم ان سے یہ کہہ تو آئی تھی کہ ان کے پاس ان کی خاطر گئی تھی مگر اسے خود بھی احساس تھا کہ یہ سچ نہیں ہے اور جو سچ تھا وہ اسے سوچ کر خوفزدہ تھی اسی لیے جب سے ان کے پاس سے آئی تھی منہ سر لپیٹے پڑی تھی۔ ملازمہ کئی بار اس کے کمرے کے دروازے پر دستک دے چکی تھی مگر مریم کے کان میں جوں تک

نہیں رینگی۔ آخری حربے کے طور پر اس کی ممی دوسری چابی سے دروازہ کھول کر اندر آگئیں اور بیڈ پر بیٹھ کر اس کا شانہ ہلاتے ہوئے آوازیں دینے لگیں۔

"سنو تم سے کوئی ملنے آیا ہے۔"

"کون ہے۔" وہ بد ستور چڑتے ہوئے بولی۔

"نام تو بتایا تھا اس نے بڑا الگ سا ہے کیا نام تھا۔" ان کی بڑبڑاہٹ پر مریم کو مزید طیش آنے لگا مگر ضبط کیے بیٹھی رہی پھر انہیں بھی نام یاد آگیا۔

"ہاں نور الہدیٰ ہے اس کا نام۔"

"واٹ۔" وہ اچھل ہی تو گئی۔

"مما آئی ایم سوہیپی۔" وہ ان سے لپٹ کر بولی پھر ان کا گال چوم کر باہر بھاگ گئی۔

ڈرائنگ روم کے دروازے کے باہر اسے بریک لگ گئے تھے نور الہدیٰ کی روڈنیس کو یاد کر کے اس کی ساری خوشی کافور ہو گئی مگر ان سے ملنا بھی چاہ رہی تھی۔ سنجیدہ سا چہرہ بنائے وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو نور الہدیٰ اسے دیکھ کر اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے۔

"تھینک گاڈ ورنہ تو لگ رہا تم ملنے کے لیے منع کر دو گی۔"

"میں تمہاری طرح بد اخلاق نہیں ہوں۔" اس کے منہ بنا کر کہنے پر نور الہدیٰ بے ساختہ مسکرائے اور کہا۔

"ہاں وہ واقعی بد اخلاقی تھی اور اسی لیے میں تمہیں سوری کہنے آیا ہوں۔" اس کی صورت ایک دم سے روہانسی ہو گئی اور اس نے غصے سے منہ پھیر لیا۔ نور الہدیٰ اسے دیکھ کر بولے۔

"آئی ایم سوری۔" اس نے توجہ نہیں دی۔

"اچھا بابا یہ لو ہاتھ جوڑ کر سوری کہہ رہا ہوں۔" اسے مانتا نہ دیکھ کر انہوں نے اپنے ہاتھ جوڑے تو بالکل اچانک ہی انہیں وہ پل یاد آگئے جب خفا سی ملیحہ ان کے بزار منانے پر بھی نہیں مانی تھی اور انہوں نے ہار کر اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیے تھے۔

"تم جو روٹھ جاؤ گی تو میرے پاس کیا رہ جائے گا۔"

اپنا کہا جملہ یاد کر کے ان کے اندر کا خالی پن سوا ہو گیا تھا۔ ان کے ہاتھ بے دم ہو کر گر گئے مریم نے ان کی طرف دیکھا پھر ان کے چہرے پر پھیلے بنجر پن کو دیکھ کر پریشان ہو گئی۔

"کیا ہوا تمہیں۔" نور الہدیٰ نے خالی آنکھوں سے اسے دیکھا تو وہ مسکرا دی۔

"کم آن نور الہدیٰ میں مذاق کر رہی تھی۔" وہ آہستہ سے اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھ گئے مگر باہر نکل جانے کے بجائے وہ وہیں رک گئے۔

انہیں معلوم تھا اب آگے ان پر کیا بیتے گی ان میں بگولوں کے طوفان اٹھیں گے اور وہ گلی کوچوں میں سر پٹختے پھریں گے پھر جب ملیحہ کی یادوں کے شکنجے میں جکڑے قمر فاروقی لوٹیں گے تو ہمت جواب دے جائے گی۔ مگر پھر بھی ان کے قدم ان کی مرضی کے بغیر انہیں ملیحہ کے کمرے میں لے جائیں گے۔ وہ کمرہ جو نور الہدیٰ کے زندہ وجود کا مقبرہ تھا اور پھر.... پھر خود پر اختیار کسے رہے گا.... ہر پل کے ساتھ یادوں کے اندھے کنویں میں اترنا' ابھرنا اور پھر اترنا.... آسان نہیں ہوتا روح تک کو نڈھال کر دینے والا یہ عمل نور الہدیٰ کی برداشت سے باہر تھا۔ مریم الجھن بھرے انداز میں ان کی پشت کو دیکھ رہی تھی کہ وہ ایڑی کے بل گھوم کر بڑے ریلیکس موڈ میں بولے۔

"آئس کریم کھانے چلو گی۔"

"کیوں نہیں؟" وہ جھٹ سے بولی پھر کہا۔

"لیکن میں ذرا چینج کر لوں۔" نور الہدیٰ ملیحہ کی یادوں کو پل بھر کی مہلت نہیں دینا چاہتے تھے فوراً" بولے۔

"کیا ضرورت ہے ٹھیک تو لگ رہی ہو۔"

"میں نے صبح سے کپڑے نہیں بدلے اور تمہیں ٹھیک لگ رہے ہیں تم گاڑی میں چل کر بیٹھو میں پانچ منٹ میں آتی ہوں۔" کرف سے ٹراؤزر' نی شرٹ میں مریم ان کے پل پل بدلتے موڈ پر حیران تو ہوئی تھی مگر وہ مصر رہے۔

"کھانا ضرورت نہیں اور مجھے تو اس وقت تم بہت خوبصورت لگ رہی ہو۔"

"اوکے۔" وہ جھگڑا ختم کرنے کو بولی۔

"لیکن شوز پہننے کی اجازت تو ملے گی نا۔ ایکچوئیلی تمہارے آنے کا سن کر میں بیڈ روم سے ننگے پاؤں بھاگی چلی آئی۔" اپنی جلد بازی کا اعتراف اس نے اتنی معصومیت سے کیا کہ نور الہدیٰ مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔

مریم کافی باتونی قسم کی لڑکی تھی مگر اس کی باتیں بھی بہت دلچسپ تھیں نور الہدیٰ اس کی کمپنی میں بہت انجوائے کر رہے تھے۔ آئس کریم کھا کر وہ ساحل سمندر پر نکل آئے اور دور تک گیلی ریت پر پیروں کے نشان بناتے چلتے چلے گئے۔ شام کے سائے ڈھلے تو انہیں وقت گزرنے کا احساس ہوا اور وہ پلٹ آئے۔ نور الہدیٰ اسے ڈراپ کرنے آئے تو گاڑی اس کے گھر کے باہر روک دی مگر وہ بیٹھی ہی رہی۔

"کیا سوچ رہی ہو۔" اسے بیٹھے دیکھ کر نور الہدیٰ نے پوچھا تو وہ دھیرے سے بولی۔

"سوچ رہی ہوں کہ آج تم اگلی ملاقات کا وعدہ کرو گے یا نہیں۔"

"نہیں۔" اس ایک لفظ پر اس کا چہرہ ڈھلک گیا اور اس نے فوراً" دروازہ کھول کر اترنا چاہا پر نور الہدیٰ نے دروازے کے لاک پر ہاتھ رکھ کر اسے روک دیا۔

"پوری بات تو سنتی جاؤ۔" وہ بے ساختہ کہہ کر بولے پھر اسے دیکھ کر مسکرائے وہ خفا سی انہیں گھور رہی تھی اور کہا۔

"آج میں تم سے اگلی ملاقات کا وعدہ لینا چاہتا ہوں۔" اور مریم ایکدم سے ہنس پڑی اور پھر ہنستی ہی چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

باورچی خانے میں بیٹھ کر ناشتا کرتے ہوئے مولوی صاحب ملانی جی سے کہہ رہے تھے۔

"آج میں نے پیش امام کو کہہ دیا ہے کہ کل تڑکے ہی لاہور کے لیے نکل جاؤں گا۔"

"مگر ابھی تو دکان میں دو ہفتے کا سامان موجود ہے پھر لاہور کیا کرنے جائیں گے۔" وہ اچنبھے سے بولیں تو مولوی عبدالخالق مسکراتے ہوئے گویا ہوئے۔

"بھلی عورت دکان کے سامان کی میں نے بات ہی کب کی میں تو ننھے میاں کے لیے لاہور جا رہا ہوں خود ہی تو کہہ رہی تھی اس کے لیے بستر لینا ہے کپڑے لینے ہیں اور بھی پتا نہیں کیا کیا خیر جو بھی منگوانا ہے بتا دینا میں لکھ کر لے جاؤں گا۔" عبداللہ شدید غنودگی کی کیفیت سے تو باہر آ گیا تھا پر ابھی تک اس کا دماغ غنودگی کے عالم میں تھا لیکن تحریک ہوئی تو دماغ کا وہ حصہ جھٹکے کر چل پڑا مگر ان الگ الگ حصوں کا آپس میں کوئی ربط ضبط نہیں بن پایا تھا اسی لیے اس کے ذہن پر دھند چھائی رہی لیکن دماغ بہرحال فعال ہو چکا تھا۔

ابھی بھی ان دونوں کی باتوں کو سن کر اس کے ذہن میں تحریک ہوئی تھی بچے کا سامان خریدنے کے لیے پیسے کی ضرورت تھی اور پیسہ کام کرنے سے آتا ہے عبداللہ بچے کو اپنی ذمہ داری سمجھتا تھا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ سوچنے سمجھنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی اور وہ لاکھے آپ ہی عبداللہ کی ذمہ داری بن گیا اب عبداللہ سوچ رہا تھا کہ اسے بچے کی ضروریات پوری کرنے کے لیے کام کرنا چاہیے لیکن اس نے مولوی صاحب سے اس بات کا ذکر نہیں کیا بلکہ وہ تو کسی سے بھی کسی بات کا ذکر نہیں کرتا تھا ایک جامد چپ کی مہر اس کے ہونٹوں پر لگی تھی اور شاذ و نادر ہی اس کی زبان سے کوئی لفظ ادا ہوتا تھا حالانکہ دیوانگی کے عالم میں تو وہ بہت بڑبڑاتا تھا مگر فرزانگی نے اس کی آواز گھونٹ دی تھی۔

ناشتا کر کے اس نے ہینڈ پمپ پر جا کر ہاتھ دھوئے اور خشک کیے بغیر باہر چلا گیا۔

"یہ دو دن تو آرام سے بیٹھا رہا آج پھر نکل گیا ہے۔" ملانی جی اسے جاتا دیکھ کر پریشان ہوئیں مولوی صاحب سے بولیں تو وہ انہیں تسلی دیتے ہوئے بولے۔

"فکر کیوں کرتی ہے وہ تجھے اور مجھے تو چھوڑ کر جا سکتا ہے پر اسے چھوڑ کر نہیں جائے گا۔" بولتے ہوئے انہوں نے بچے کی طرف اشارہ کیا پھر "اللہ اکبر" کہہ کر گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو گئے۔

عبداللہ سر جھکائے پیروں میں دیکھتا ہاتھ پشت پر باندھے چلا چلا جا رہا تھا مگر اس کے دماغ کی سوئی ایک جگہ پر ہی اٹک گئی تھی اس نے یہ تو سوچ لیا تھا کہ اب کام کرے گا لیکن سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کون سا کام کرے۔ وہ سوچتے سوچتے تھک گیا تو ایک مکان کے آگے بنی ڈیوڑھی پر بیٹھ گیا۔ گلی میں کچھ بچے کنچے کھیل رہے تھے وہ انہیں دیکھنے لگا۔ وہ بظاہر انہیں دیکھ رہا تھا پر اس کا دماغ "کیا کیا جائے" میں الجھا تھا۔ بچوں کو دیکھتے دیکھتے ہی اس کی نظر اس شخص کی طرف اٹھ گئی جو سامنے والی دکان کے باہر تخت پر بیٹھا تھا اور جب وہ لوہے کی دہکتی سلاخ کو سل پر رکھ کر ہولڈر سے پکڑے بھاری ہتھوڑے کے وار سے ضرب لگاتا تو چنگاریاں سی اڑنے لگتیں۔ اسے وہ آتش بازی اتنی دلچسپ لگی کہ قریب سے دیکھنے کے لیے اٹھ کر لوہار کی دکان کی طرف چل پڑا لوہار نے ہاتھ روک کر عبداللہ کو دیکھا جو اس کے مقابل بیٹھ رہا تھا۔

وہ پچاس کے پیٹے میں تھا مگر اوپر تک چڑھا رکھی آستینوں میں سے اس کے بازو کی طاقت کو بدلی محسوس ہو رہی تھی اور جب وہ بولا تو اس کی آواز بھی کڑکڑاتی ہوئی تھی۔

"خیر ہو عبداللہ اج تو فیر گشت شروع کر دتی اے۔" اس نے دھیرے سے لئی میں سہلایا اور پھر وہ کہا جو اس کے دماغ میں چل رہا تھا۔

"اب کام کروں گا۔"

"اوے کیہڑا کام۔"

"کوئی بھی۔" اس نے کندھے اچکا دیے پھر بولا۔

"تم جو کر رہے ہو وہ سکھا دو۔"

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں۔)

☼ ☼

ناولٹ

گیارہویں قسط

شگفتہ بھٹی

فضل مجھے واپس گھر چھوڑنے جا رہا تھا بظاہر وہ اور میں دونوں ہی خاموش تھے لیکن شاید ہم دونوں ہی اپنی اپنی جگہ محو کلام بھی تھے۔

میں اپنے آپ سے مخاطب تھی۔ "عصمہ! تمہاری راہیں کھوٹی ہو چکی ہیں اور واپسی کے نشان گرد آلود۔ بہتر ہے کہ اب تم اسے بھلا دو۔"

"کسے....؟" میرے دل میں جیسے کوئی کانٹا گڑ گیا۔

"وجیہہ کو.... اور کسے؟" میرا اٹک اٹک کرتا دماغ تیوری کھا گیا۔

"ناممکن.... " میں اڑ گئی۔

"ناممکن! ہاں ناممکن ہی تو ہے کہ اب تم اسے پاؤ" کوئی میرے اندر ہنسا۔

"ناممکن نہیں ہے البتہ مشکل اور اذیت ناک ضرور ہے؟" میرا دل کسی کی شہ پہ اکڑا۔

"استغفار پڑھو' اللہ سے ڈرو' کیا تم اس قدر گستاخ اور باغی ہو جاؤ گی کہ اللہ کے احکامات پر جان بوجھ کر اپنی ضد کو ترجیح دو گی؟" میرے اندر کی عصمہ سہم گئی۔

"میں وہی کروں گی جو اللہ نے بتایا ہے۔" دلنشیں ڈھٹ کی ڈھیٹ رہی۔

"یعنی....؟" عصمہ کے چہرے پہ زردیاں گھر رہی تھیں۔

"یہ میرا ذاتی مسئلہ ہے۔ تم اپنے کام سے کام رکھو" دلنشیں دھاڑی اور اس نے اپنا چہرہ عصمہ سے پھیر لیا۔

"دلنشیں! ایک...." فضل کی بہت دور سے آتی آواز میری سماعتوں سے ٹکرائی۔

"ہاں بھائی!" میں نے بھی آہستگی سے جواب دیا۔

"گھر آگیا۔" اس نے مختصراً" بتایا۔

"ہوں.... اچھا۔" میں نے چونک کر گاڑی کی کھڑکی سے باہر دیکھا۔ ہم لوگ تو واقعی گیٹ پر پہنچ چکے تھے۔

"آؤ نا بھائی! کھانا کھا کے جانا۔" میں نے فضل کو اندر آنے کی دعوت دی۔

"نہیں میرا جی اچھا نہیں ہے۔ اس لیے کھانا بھی اچھا نہیں لگے گا.... پھر کبھی سہی۔" وہ صاف انداز

میں بولا۔ وہ سنجیدہ زیادہ تھا یا اداس ۔۔۔ میں اس کے کھوئے کھوئے لہجے سے اندازہ نہ لگا سکی مگر وہ مجھ سے کچھ کچھ ناراض بھی تھا۔ یہ اس کے چہرے پر پڑے ہوئے بل بتا ہی رہے تھے۔

"دلنشیں بی بی!" اس نے اپنی نظریں میری طرف گھمائیں اس کی آنکھوں میں جانے کس ضبط کا پانی تھا۔ میں تو مارے شرم کے ڈوب ہی گئی۔

"اگر پہلے سفر کی صعوبتوں سے پاؤں آبلہ پا اور وجود تھکاوٹ سے چور ہو تو کبھی دوسرے سفر کا ارادہ فوراً نہیں باندھنا چاہیے۔ منزل تک رسائی مشکل ہو جاتی ہے۔" وہ بدستور میرے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے کہہ رہا تھا اور میں مارے گھبراہٹ کے شرابور ہوئی جا رہی تھی۔

"تمہارے سامنے جو دوسرا راستہ ہے وہ پتھریلا نہیں بلکہ کانچ سے بھرا ہوا ہے اور تمہارے پاؤں بھی ننگے ہیں ذرا سوچ کر قدم رکھنا۔" اس نے مجھے نصیحت کرنی چاہی۔

"جی ۔۔۔۔" میں نے بمشکل جواب دیا۔

"اچھا چلتا ہوں۔ جب میری ضرورت ہو تو فون کر لینا۔"

اس نے اپنی نظریں میرے چہرے سے ہٹا کر گاڑی کی ونڈ اسکرین پر جمائیں اور کلچ سے پاؤں ہٹا کر ایک دم سے گاڑی کی اسپیڈ بڑھا دی گاڑی ایک خوفناک آواز کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

"یہ اس کا اظہار غم تھا۔" میں چند لمحے وہاں کھڑی خالی سڑک کو دیکھتی رہی پھر گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔ گاڑی کا ہارن سن کر چاچا نے گیٹ کھول دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

رات کو وجیہہ کا فون آیا تو وہ بے حد بے چین تھا۔ اسے یہ پوچھنے کی جلدی تھی کہ عالم دین نے کیا کہا۔

"دلنشیں! بتاؤ نا انہوں نے کیا کہا؟ مجھو کوئی اچھی خبر سنانا کسی بری خبر کے سننے کی سکت مجھ [illegible]"

اس کی آواز اس کے رت جگے کی چغلی کھا رہی تھی جیسے نیند رات بھر اس کی پلکوں کو چھوئے بنا اس کے حلق میں گرتی رہی ہو۔

"کیا بات ہے دلنشیں! تم چپ کیوں ہو؟"

مجھے چپ پا کر وہ اور بھی بے تاب ہو گیا تھا۔

"ہوں! بتاتی ہوں۔" میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا ورنہ تو اس کی آواز سنتے ہی میری آواز بھرا گئی تھی اور میرے لہو کے سارے خلیے ریت کے ذروں میں بدلنے لگے تھے۔

"بولو نا ۔۔۔ دلنشیں؟" وہ ملتجی تھا۔

"وجیہہ! ایک راستہ تو ہے مگر ۔۔۔۔" میری زبان پر کانچ کی کوئی پھانس جیسی چیز آن چبھی پورا جملہ میرے منہ سے ادا ہو ہی نہ رہا تھا۔

"مگر کیا؟ یہ تم آج ادھوری باتیں کیوں کر رہی ہو ٹھیک طرح سے بتاؤ نا؟" وہ کچھ غصے میں آ رہا تھا یہ شاید اس کی برداشت کی حد ختم ہونے کا نشان تھا۔

پھر میں نے ہمت کر کے اسے وہ راستہ بتا ہی دیا۔ جو مجھے اور وجیہہ کو دوبارہ ملا تو سکتا تھا۔ مگر تھا بڑا کربناک۔

"نن' نن' نہیں۔" اب وجیہہ کے لفظ بھرانے لگے۔

"ہاں وجیہہ! صرف یہی اک راستہ ہے۔" میں نے اسے دوبارہ کہا تاکہ اسے کوئی ابہام نہ رہ جائے۔

"یہ تو سزا ہے' عذاب ہے۔ [illegible] بڑھ کر۔" اس کے اندر بھڑک اٹھنے والی آگ کی تپش میرے سانسوں کو بھی چھونے لگی۔

"بے شک [illegible] ۔۔۔ بے شک!"

میں [illegible] اپنی آنکھیں میچ لیں ۔۔۔ مجھے اپنے [illegible] جلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"لیکن میں یہ کیسے برداشت کروں گا کہ تم میرے سوا کسی اور کے ۔۔۔" وہ سچ مچ رو پڑا تھا۔

"وجیہہ! کاش تم یہ پہلے سوچتے۔" آنسو میری پلکوں سے بھی ٹوٹنے لگے۔

"مجھے کچھ خبر نہیں کہ وہ کیسے ہو گیا ۔۔۔۔ کیسے میں نے اپنے دل پر چھری پھیر دی؟ مجھے ہرگز پتا نہیں چلا۔ میں تو جب ہوش میں آیا تو میرا دل دو ٹکڑوں میں تڑپ رہا تھا دلنشیں! میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا' میرا یقین کرو' میرا یقین کرو۔" وہ ایک چھوٹے بچے کی طرح سسک رہا تھا۔

"وجیہہ! وجیہہ! پلیز مت رو۔ دیکھو! ایسے تو مت کرو میں میں مر جاؤں گی مجھے یوں مت آزماؤ۔"

مجھ سے اس کا رونا برداشت نہ ہو رہا تھا۔ اس کے آنسو میرے دل کے شیشے پر کنکروں کی طرح برس رہے تھے۔

"دلنشیں! میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مجھے تم سے اس قدر محبت ہو جائے گی کہ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میرے شب و روز تمہارے بغیر بالکل اندھیرے ہیں۔" وہ کہہ رہا تھا اور میں سانس روکے سن رہی تھی کہ مبادا میرے سانس لینے کی آواز بھی اس کی آواز میں حائل ہو جائے۔

"وجیہہ! تم سوچو میری حالت کیا ہو گی؟" میری گھٹی گھٹی سی آواز نکلی۔

"میں جانتا ہوں ۔۔۔۔ مجھے سب پتا ہے۔"

"تم اور میں ایک ہی وجود میں سانس لینے والے دو انسان ہیں I Love you۔" وہ بہت جذباتی تھا۔

"پلیز کچھ کرو دلنشیں! جلدی I can't wait" اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ مجھے "فوراً" ہی آ ملے۔

"او کے تم' تم بھروسہ کرو مجھ پر میں کوشش کرتی ہوں۔" میں نے اسے تسلی دی۔ لیکن میں جانتی تھی یہ اتنا بھی آسان نہیں ہے نہ ہی "فوراً" ہو جانے والا کام ہے۔

"ہمیں انتظار کرنا ہو گا۔" میں نے اسے سمجھانا چاہا۔

"لیکن کتنا؟" وہ مزید پریشان ہو گیا۔

"یہ میں بھی نہیں جانتی ۔۔۔ مگر پھر بھی کم از کم آٹھ دس ماہ یا اس سے بھی زیادہ۔" میں نے اپنے مطابق حساب لگا کر اسے بتایا۔

"یعنی ایک برس؟" وہ تو جیسے سانس ہی کھینچ گیا۔

"میں تو مر جاؤں گا دلنشیں۔" وہ پھر سے بے حوصلہ ہونے لگا۔

"اللہ نہ کرے ۔۔۔" میرے لبوں سے بے ساختہ نکلا پھر ہم کتنی دیر باتیں کرتے رہے ہمیں وقت گزرنے کا پتا احساس نہ ہوا یہاں تک کہ میرے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھا ٹائم پیس الارم دینے لگا صبح کے ساڑھے تین بج چکے تھے۔

"وجیہہ!" میں نے اسے مخاطب کیا۔

"ہوں ۔۔۔ کہو۔" اس کی بھاری آواز میں رتجگے کا خمار تھا۔

"تہجد کا وقت ہو گیا۔" میں نے اسے اطلاع دینے والے انداز میں بتایا۔

"ٹھیک ہے تم نماز پڑھ لو ۔۔۔ مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔" وہ ایک جمائی لیتا ہوا بولا۔

"وجیہہ! ایک بات کہوں۔" میں نے کہا۔

"حکم کرو میری جان۔" وہ شرارت سے بولا۔

"تم بھی نماز پڑھا کرو ۔۔۔ سچ بہت سکون ملتا ہے نماز پڑھنے سے۔" اپنا سچ کا تجربہ بیان کیا۔

"اور نمازی کی دعائیں بھی رد نہیں ہوتیں۔" میں نے اسے نرمی سے سمجھایا اور پھر میں نے اسے بتایا کہ میں نے کتنی شدت سے دعائیں مانگی تھیں کہ تمہارا موبائل نمبر مجھے مل جائے اور تم مجھ سے بات کرنے لگو۔

"اچھا تو وہ تمہاری نمازوں اور دعاؤں کا اثر تھا؟" وہ ذرا سنجیدگی سے بولا۔

"کیا مطلب؟" مجھے کچھ حیرانی ہوئی۔

"دلنشیں! ایک بات تم سے شیئر کروں۔" وہ مجھے کچھ بتانے کے لیے تمہید باندھنے لگا۔

"ضرور۔" میں نے دلچسپی سے کہا۔

"دلنشیں! جب میں تمہیں چھوڑ کر یہاں آ گیا تھا تو میں نے اپنے آپ سے سمجھوتہ کر لیا تھا کہ تم بس میرے مقدر میں اتنے وقت کے لیے ہی تھیں۔" وہ کہتے کہتے رکا اور میرا دل دھڑکنا بھول کر رک گیا۔

"اچھا پھر؟"

"پھر وجیہہ! میں نے تمہیں بھلانے کے لیے ڈرنک اور کلب میں خود کو گم کر لیا اور میں نے سوچ لیا تھا کہ میں جلد ہی الوینا سے شادی کر لوں گا۔" وہ کہہ رہا تھا اور میں برزخ میں لٹک گئی تھی۔

"ا... پھ... آ... پھر...؟" میرے خشک ہوتے ہونٹ پھڑپھڑائے۔

"میں تمہیں جلد ہی بھول بھی جاتا... لیکن پھر ایک رات تم اچانک میرے خواب میں آ گئیں۔ میں نے دیکھا تم میرے سامنے ہاتھ باندھے بیٹھی ہو اور زارو قطار روتی جا رہی ہو تم بار بار یہی کہہ رہی تھیں وجیہہ! پلیز مجھ سے بات کرو۔ پلیز مجھ سے بات کرو۔" کہتے کہتے وہ پھر سانس لینے کو رکا اور میں تو جیسے آگ میں جھلسنے لگی۔

"پھر مجھے لگا کسی نے مجھے جھنجھوڑ کے جگا دیا ہو میں ڈر گیا تھا دلنشیں! ہڑبڑا کر اٹھا تو میں نے دیکھا میرے موبائل پر فضل کا فون مسلسل آ رہا تھا فضل سے بات ہوئی تو اس نے مجھے تمہارا ٹھیک وہی پیغام دیا جو مجھے خواب میں کہہ رہی تھیں کہ پلیز وجیہہ! مجھ سے بات کرو فضل نے یہ بھی بتایا کہ تم بہت روتی ہو میرا نمبر لینے کے لیے منتیں کرتی ہو بس دلنشیں! تب سے میرے دل میں تمہاری یاد کا ایسا خنجر گڑا کہ مجھے اب ایک پل بھی قرار نہیں۔"

اس نے اپنی بات پوری کی تو مجھے اپنی رکی ہوئی دھڑکنیں بحال ہوتی ہوئی محسوس ہوئیں۔

"وہ بے شک میری دعائیں ہی تھیں وجیہہ! جنہیں میرے اللہ نے قبول کر لیا۔" میرے دل میں چھپا ہوا مسجد کا وہ پرنالہ پھر سے بہنے لگا۔

"اللہ بے شک بڑا مہربان ہے... وہ اپنے بندوں کی التجائیں ضرور قبول کرتا ہے۔" میرے دل کا پانی آنکھوں کے کناروں پر آ گیا۔

"وجیہہ! تم بھی اسی سے مانگو، بے شک وہی دینے والا ہے کسی اور کے پاس یہ قدرت کہاں؟" میری آواز بھیگنے لگی۔

"ن... م... ا... اچھا میں بھی [illegible]۔"

اس کے ہونٹوں سے ایک سسکی سی نکلی۔

"دلنشیں! میرا دل بہت بے قرار ہے... میرے سینے پر اک پہاڑ کھڑا ہے اور... اور اس پہاڑ پر سے ہر وقت کسی کے رونے کی آوازیں آتی ہیں۔"

"کس کی وجیہہ؟" میرا دل اداسی میں گھر گیا۔

"کبھی مجھے لگتا ہے کہ تم رو رہی ہو... اور کبھی؟" وہ کہتے کہتے رک گیا۔

"اور کبھی کیا؟ وجیہہ۔" مارے تجسس اور خوف کے میرا دم نکلنے لگا۔

"کبھی لگتا ہے کہ صوفی رو رہی ہے... اس کے رونے کی آواز اتنی کربناک ہوتی ہے کہ میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور میں لرز کے اٹھتا ہوں اور بستر چھوڑ دیتا ہوں یقین کرو دلنشیں! پھر مجھے نیند نہیں آتی اور کوئی میرا دل اپنے پیروں تلے کچلتا چلا جاتا ہے۔ پھر نہ شراب کام آتی ہے اور نہ ہی نیند کی گولیاں میں بہت پریشان ہوں بہت پریشان۔" وہ پھر سسک اٹھا۔

"وجیہہ! مت پیا کرو پلیز۔" میں نے اسے زیادہ پینے سے روکنا چاہا۔

"تو پھر کیا کروں؟" وہ گویا بے حد بے بس تھا۔

"نماز پڑھ کے دیکھو۔" میں نے مشورہ دیا... وہی مشورہ جو میں اکثر اسے پہلے بھی دیا کرتی تھی۔

"مجھ جیسے کی نماز بھلا کہاں؟"

"ایسا مت سوچا کرو بس اپنے رب سے توبہ کرو معافی مانگو اللہ بے شک وہ معاف کرنے والا ہے۔"

مجھے پتا تھا صوفی کا ناحق قتل اس کے ضمیر کا بوجھ بنتا جا رہا ہے۔

"اچھا تم جاؤ [illegible] اور میرے لیے بھی دعا کرنا۔"

اس نے مجھے [illegible] کہہ کر فون بند کر دیا اور میں سوچنے لگی "اللہ واقعی قادر مطلق ہے اس کے لیے بھلا کیا ناممکن ہے۔"

اس نے "کن" کہا ہو گا اور وجیہہ کے دل میں میرا خیال اور آنکھوں میں خواب خود بخود بس گئے ہوں گے ورنہ تو وہ بتا ہی رہا تھا کہ وہ مجھے بھلانے کا ارادہ کر چکا تھا بلکہ وہ تو الوینا سے شادی۔" مجھے ایک جھرجھری سی آ گئی اور میں تیزی سے باتھ روم کی طرف لپکی تاکہ جلدی جلدی وضو کروں نماز ہی دعا کا راستہ اور وسیلہ ہے۔ اسی لیے اللہ نے فرض کی ہے تاکہ اس کا بندہ اس سے اپنی حاجتیں مانگتا رہے۔ اب میرے دل میں یہ احساس اور بھی پختہ ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

وجیہہ کی رجسٹرڈ پوسٹ میں سے وصول [illegible] تھی اور میرے والدین کے چہروں پر چند روز [illegible] والی مسکراہٹ معدوم ہو گئی تھی۔ [illegible] مجھے طلاق دے دی۔

یہ سانحہ میری ماما کے لیے ناقابل برداشت تھا چنانچہ وہ دوبارہ سے ہسپتال میں داخل ہو گئیں اور میرے بابا! وہ تو چلتی پھرتی لاش بن کر رہ گئے نہ وہ بولتے تھے نہ [illegible] کھاتے اور میرے سامنے آنے سے کتراتے [illegible] میرا بھی زیادہ تر وقت اپنے کمرے میں ہی گزر جاتا... ہسپتال میں تو ماما تھیں میرے لیے وقت بڑا ظالم ہو گیا جس کا ایک ایک لمحہ صدی برابر تھا جو کٹتا ہی نہ تھا اب ہر روز میری اور وجیہہ کی بات نہ ہوتی تھی... بلکہ ہفتے میں ایک آدھ بار وہ بھی بالکل عام سی 'نہ ہی' وجیہہ شدت جذبات سے اپنا حال دل کہتا تھا اور نہ مجھے اپنے لہو میں کوئی ہلچل محسوس ہوتی تھی۔ یوں کہہ لیں کہ ہم دونوں بے حد اداس تھے اور اس سے بھی بڑھ کر پریشان۔

"دلنشیں!" آج بھی چھ روز کے بعد وجیہہ کا فون آیا تھا اور وہ آواز ہی سے بیمار لگ رہا تھا۔

"کیا بات ہے وجیہہ! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟" میں نے اس کی خیریت معلوم کرنی چاہی۔

"فلو ہو گیا ہے شاید۔" وہ کہنے لگا۔

"دوا لی؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں بس دل ہی نہیں چاہتا کہ اٹھوں۔" وہ بدستور اداس تھا۔

"کوئی تمہارے پاس ہے یا تنہا ہو؟" مجھے ذرا فکر ہوئی۔

"نہ کوئی میرے پاس ہے اور نہ ہی میں تنہا ہوں۔" وہ کھویا کھویا سا تھا۔

"اچھا۔" میں نے ایک سرد آہ کھینچی یعنی وہ میرے والی کیفیت ہی میں مبتلا تھا۔ میں بھی تو اسی طرح سے محسوس کرتی تھی۔ بالکل اکیلی گھنٹوں ایک ہی جگہ پر گم صم سی بیٹھی رہتی مگر مجھے لگتا کوئی میرے اندر سرگوشیاں کر رہا ہے۔

"ایک بات کہوں وجیہہ۔" میں نے اپنے دل میں آئے خیال کے مطابق کہا۔

"ہاں کہو۔" اس نے جواب دیا۔

"تم فضل کو اپنے پاس بلا لو۔" میں نے مشورہ دیا۔

"اچھا میں اسے کہتا ہوں۔" وہ فوراً "مان گیا۔

"اپنا خیال کرو ڈاکٹر کو دکھا کر دوا لو۔" میں نے اسے ہدایات دیں۔ جس پر اس نے پھر فوراً "ہی ہامی بھر لی۔ اب تو کئی روز سے ہمارے درمیان ایسی ہی گفتگو ہو رہی تھی دو تین دن کے بعد اس نے مجھے فون کیا تو بتانے لگا۔

"دلنشیں! افضل میرے پاس آ گیا ہے... اور اب میری طبیعت بھی کافی ٹھیک ہے تم پریشان نہ ہونا۔" وہ مجھے تسلی دے رہا تھا۔

"چلو! یہ تو تم نے بہت اچھا کیا۔" میں نے اطمینان محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"میں نے اچھا کہاں کیا دلنشیں!" وہ بات کو دوسری جانب لے جاتے ہوئے دکھ سے بولا۔

"دلنشیں!" اس نے مجھے چپ پایا تو پھر مخاطب کیا۔

"تم مجھ سے ناراض ہو نا... میں نے تمہیں اتنا بڑا صدمہ دیا۔" وہ اپنے جرم کا اقرار ایک بار پھر کر رہا تھا۔

"پتا نہیں لیکن میرے والدین بہت سخت صدمے کا شکار ہیں آج کل۔" میں نے اپنے اندر تو سوائے اک خاموشی اور گہری اداسی کے کچھ اور نہ پایا تھا البتہ میرے والدین... ان کی حالتیں مجھے مار دے رہی تھیں۔

"ہاں میں جانتا ہوں ان کے دلوں پر کیا بیت رہی ہو گی۔" وہ سخت شرمندہ تھا۔

"جن بیٹیوں کو یوں ایک دم سے بلاوجہ ہی فیصلے مل جائیں ان کے ماں باپ کس طرح سے زندہ لاشیں بن کر رہ جاتے ہیں یہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہوں وجیہہ۔" بہت دنوں کے بعد میری آنکھیں گیلی ہوئی تھیں۔

"میں، میں اپنے کیے پر سخت نادم ہوں۔۔۔ کاش وقت پیچھے کو لوٹ جائے کاش۔" وہ بے چین اور بے قرار تھا۔

"وقت کبھی اپنے قدموں پر نہیں پلٹتا۔۔۔ یہ تو صرف آگے بڑھنے کے حکم کا تابع ہے۔" میرے اندر اک کنواں کھد رہا تھا۔۔۔ گہرا اور گہرا جس میں میری ذات دھنستی جا رہی تھی۔

"وجیہہ! کاش تم ایسا نہ کرتے۔" میرے گرد اس کنویں کی دیواریں تنگ ہونے لگیں اور میں نے مارے گھبراہٹ کے فون بند کر دیا ساتھ ہی اپنی آنکھیں بھی کاش لفظ اپنے اذیت ناک معنوں کے ساتھ میری روح کو گھائل کر رہا تھا۔۔۔ اس کے کاف۔۔۔ شین کے درمیان کا الف دو دھاری تلوار بن کر میری شہ رگ کو چھو رہا تھا۔

"یا اللہ میری توبہ۔۔۔" میرے لبوں سے بے ساختہ نکلا اور میں بے سدھ ہو کر بستر پر گر گئی۔

✲ ✲ ✲

ماما ہسپتال سے گھر واپس آ گئی تھیں اور میں ان کا سامنا کرنے کی سکت سے محروم تھی میرے جوڑ میرے ریشے میرے اعصاب شل اور بے جان تھے اور میں صبح ہی سے اپنے بن ہاتھ پیروں کو سہلاتی ہوئی اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"عصمہ بیٹا۔" نوراں ماسی کی آواز ایک گرم سیال کی طرح سے میری سماعتوں سے میرے دماغ پر گری۔

"جی ماسی۔" مجھے لگا میں کم از کم بول تو سکتی ہوں۔

"بیٹا! آپ کو بیگم بلا رہی ہیں۔" وہ میرے بے حد قریب کھڑی تھیں۔

"ما۔۔۔ما۔" میرے ہونٹوں کا بخیہ بھی کھلا۔

"جی وہ بلا رہی ہیں آ جاؤ۔" ماسی نے آگے بڑھ کر میرا ہاتھ تھاما تو مجھے ان کا لمس بھی کرنٹ جیسا لگا۔۔۔ میرے اعصاب جھنجھنا اٹھے اور میں فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔ یعنی میرا وجود سلامت تھا بس میرے احساسات ہی جمود کا شکار تھے اور میری نفسیات کی سستی نے مجھے بت بنا رکھا تھا۔ میں نوراں ماسی کے ساتھ چلتی ہوئی ماما کے کمرے میں آ گئی۔

"ادھر آؤ عصمہ! میرے قریب۔" مجھے اپنے سے دور کھڑا پا کر ماما نے نرمی سے کہا۔

"جی۔" میں خود با خود ان کے قریب جا کر بیٹھ گئی۔

"مجھے پتا ہے تم کس قیامت سے گزر رہی ہو۔ تمہاری اذیتوں کی گزرگاہ میرے لہو سے ہی متصل ہے۔" انہوں نے اپنا دست شفقت میرے سر پر رکھا ان کی آنکھوں میں آنسو تھے یہ ان کی آواز کی نمی بتا رہی تھی۔

"جی۔۔۔ ماما۔" میں نے ایک لمبی سانس کھینچی جو جانے کب سے میرے سینے پر جمی پڑی تھی۔

"کیا کہوں میری بچی! یہ تیرا نصیب مشیت ایزدی سے ہی ہو گا ورنہ بظاہر تو کوئی مسائل نہ تھے۔" وہ میرے ساتھ ہونے والے ظلم کی بات کر رہی تھیں۔ میں سر جھکائے بیٹھی صرف جی، جی کر رہی تھی انہوں نے میرا ہاتھ تھام لیا۔

"تم پریشان نہ ہونا۔۔۔ اب پریشان ہونے سے کچھ نہیں ہو گا۔" وہ بولے ہوئے رو رہی تھیں اور میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں سے سہلا رہی تھیں اور مجھے میرے دل کو سکون اور راحت مل رہی تھی۔

"وہ بیکم اس صدمہ برداشت نہیں کر سکی اور بیمار ہو کر ہسپتال پہنچ گئی۔ مگر کیا ہوا زندگی تو نہیں ہاری نا۔۔۔ ہماری زندگی کی ڈور تو حکم اللہ سے بندھی ہے۔ یہ دکھ درد صدمے اس کا ذائقہ کڑوا ضرور کرتے ہیں۔۔۔ اسے ختم نہیں کر سکتے۔" وہ مجھے زندگی کی اٹل حقیقت سمجھا رہی تھیں۔

"تمہارا صدمہ اس وقت بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی آسمان کو چھوتا ہوا پہاڑ اور وہ پہاڑ تمہارے دل پر

آن کھڑا ہے لیکن۔" ان کی سانسیں اب زیادہ بات کرنے سے پھولنے لگی تھیں وہ ذرا رکیں سانس لی اور پھر بولیں۔

"وقت بہت بڑا حکیم ہے، بہت دانا اور شافی ہے تم دیکھو گی کہ دھیرے دھیرے یہ پہاڑ مٹی ہونے لگے گا اور بہت جلد وہ مٹی تمہارے خمیر میں گھل جائے گی اور تمہیں یاد بھی نہ رہے گا کہ تم نے کیسا بوجھ برداشت کیا تھا۔"

ان کے ہاتھ میرے ہاتھ سے ہٹ کر میرے چہرے کے گرد آ گئے اور میرا چہرہ ایک نرم اور گداز ہالے میں آ گیا۔

"ماما!" میں نے وہ دونوں ہاتھ تھام کر اپنی آنکھوں سے لگا لیے۔

"میری بچی! میری جان!" ماما نے مجھے اپنے سینے سے لگا لیا۔

پھر کتنی دیر ہم دونوں ماں بیٹی روتی رہیں۔ ہمیں کچھ پتا نہ چلا۔۔۔ بس محسوسات تھے جو بتا رہے تھے کہ اندر کی جلن پر کسی نے ٹھنڈی ٹھنڈی شبنم برسا دی ہو میرا آبلہ پا دل اور بے قرار روح کافی حد تک آرام محسوس کر رہے تھے اور میرے اندر شرمندگی کا احساس کم ہونے لگا ورنہ تو میں سوچ رہی تھی کہ اپنے نصیب کے اس داغ کے لیے میں ہی مورد الزام ٹھہرائی جاؤں گی لیکن میری ماما نے مجھے کوئی طعنہ دینے کی بجائے میرا درد بانٹ لیا۔ وہ میرا آدھا درد کھینچ کے اپنے اندر اتار چکی تھیں۔ حالانکہ ان کے اپنے اندر پہلے ہی سے درد کا اک سمندر موجود تھا۔ ماں کا مفہوم پوری تفسیر کے ساتھ مجھے سمجھ آ رہا تھا۔

✲ ✲ ✲

"دلنشیں! کیسی ہو؟" اس رات وجیہہ کا فون آیا تو میں عشاء کی نماز سے فارغ ہی ہوئی تھی۔

"الحمد للہ، تم کیسے ہو۔" میں نے پر سکون لہجے میں پوچھا۔

"میں بھی اب ٹھیک ہوں۔" اس کا لہجہ بھی صاف تھا کسی بھی پریشانی سے پاک۔

"کیا کر رہی تھیں؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"میں ابھی عشاء کی نماز سے فارغ ہوئی ہوں۔" میں نے بتایا اور پھر اس سے پوچھا۔

"وجیہہ! کیا تم نے نماز پڑھی؟" مجھے امید تھی وہ کہے گا۔

"کل سے ضرور پڑھوں گا" مگر اس نے تو مجھے حیران ہی کر دیا یہ کہہ کر۔

"میں نے فضل کے ساتھ جا کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھی ہے۔" اس کی آواز میں خوشی کا عنصر نمایاں تھا۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے۔" مجھے بھی سچ مچ خوشی ہوئی یہ سن کر۔

"دلنشیں! میں اگلے ہفتے آ رہا ہوں۔" اس نے مجھے یہ اطلاع دے کر بے چین کر دیا۔

"تم آ رہے ہو۔" شوق دیدار نے میرے دل میں اک چٹکی بھری۔

"ہاں۔۔۔ وہ زویا کی شادی ہے نا۔" اس نے اپنے آنے کی وجہ بتائی۔

"زویا کی شادی، کس سے؟" مجھے اتنی جلدی ایسی خبر کی امید نہ تھی اس لیے عجیب سا لگا۔

"وہ۔۔۔ وہ چھوڑو تم۔۔۔ کوئی اور بات کرو۔" وجیہہ مجھے بتانے سے گریز کر رہا تھا۔

"اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو مراد ہی سے ہو رہی ہے نا زویا کی شادی۔" نہ چاہتے ہوئے بھی میرے لہجے میں طنز آ ہی گیا۔

"ہاں۔۔۔ ظاہر ہے وہ اس کا منگیتر تھا۔۔۔ اسی سے ہونی تھی۔" وجیہہ کو بھی شاید میرا یہ کہنا اچھا نہ لگا تھا۔

"اور صنوبی کے ساتھ اس کا کیا رشتہ تھا؟" مجھ سے اپنا غصہ دبانا مشکل ہو گیا مجھے غصے سے بھی زیادہ صنوبی کے ناحق قتل کا غم تھا۔ اور اس سے بھی بڑھ کر ان لوگوں کی حد درجہ بڑھی ہوئی بے حسی کا افسوس۔

"دلنشیں! چھوڑو۔۔۔ تم اپنی بات کرو۔" وہ اس موضوع پر بات شروع کر کے پچھتا رہا تھا۔

"کچی بات! میں اپنی کیا بات کروں وجیہہ۔" میرے لبوں پر شکوہ بولنے لگا۔
"جس بات نے میری ہر بات کو بے وقعت اور بے معنی کر دیا، میرے لفظ گونگے کر دیے، تمہاری سماعتیں اسے تو سننے کو تیار نہیں اور۔۔۔" میرا انداز دکھ سے بھر گیا۔
"I M Sorry" وہ شرمندگی سے بولا۔
"صرف Sorry کسی کی ہنستی کھیلتی زندگی کے دامن پر طلاق کا انمٹ داغ لگا کر، کسی معصوم کو ناحق قتل کر دینے کے بعد صرف sorry" مجھے اس وقت وجیہہ اچھا نہ لگا۔
"صنوبی نے مراد سے نکاح کر لیا تو تم لوگوں نے اسے غیرت کا اتنا سنگین مسئلہ بنایا کہ بے چاری کی جان ہی لے لی اور اب جو تم کر رہے ہو وہ کیا ہے؟" مجھے ان کی بے غیرتی پر گھن آ رہی تھی، مجھے لگ رہا تھا صنوبی میرے اندر سے رونے لگی ہو۔
"دلنشیں پلیز۔" وہ بھی پریشان ہو گیا تھا۔
"لگتا ہے تمہارے سینے پر اگنے والے پہاڑ کی چوٹی سے صنوبی کے رونے کی آوازیں آنا بند ہو گئیں، کیا تم نے اسے وہاں سے بھی دھکا دے کر دوسری بار مار دیا ہے؟" میں بولتی جا رہی تھی اور وہ چپ ہو گیا تھا۔ ایسا چپ کہ اس نے فون ہی بند کر دیا۔
"صنوبی!" میں نے اپنے دل کے پہاڑ پر صنوبی کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔
"صنوبی!" میں سسک رہی تھی۔
"بھرجائی۔۔۔" اس کی ڈری سہمی سی آواز واقعی میرے دل کے کوہسار سے آ گئی۔
"صنوبی!" میں نے اپنے ہی وجود کے گرد اپنے بازو حمائل کر لیے اور مجھے لگا صنوبی کا لرزتا کانپتا وجود ان میں سما گیا ہو۔
"میرا لہو رائیگاں نہ جائے گا، تم دیکھ لینا بھرجائی۔" وہ مجھ سے لپٹ کر رونے لگی۔
"میں نے اپنا مقدمہ اللہ کی عدالت میں دائر کر دیا ہے۔ تم دیکھنا اس کا فیصلہ جلد ہی آئے گا۔"
"بے شک۔۔۔ وہ انصاف کو پسند کرنے والا اور اسے قائم کرنے والا ہے۔" میں نے اس کے احساس کو اپنے ساتھ بھینچ کر اپنے اندر سمو لیا، اور وہ کبھی نہ بھولنے والی یاد بن کر میرے دل و دماغ پر چھا گئی۔

☼ ☼ ☼

صنوبی کا ناحق بہایا گیا لہو مٹی میں جذب ضرور ہو گیا تھا، مگر چھپنے والا نہ تھا۔ معصوم کے خون کے چھینٹے تو عرش کو چھوتے ہیں، پھر بھلا اسے انصاف کیونکر نہ ملے۔ مجھے یقین تھا صنوبی کے قاتل سکون نہ پائیں گے۔ اس کا قتل ایک فرد واحد نے نہ کیا تھا، بلکہ یہ تو اجتماعی قتل تھا۔ اس کا محرک وہ روایات اور رسوم تھیں جو ایسے خود غرض اور بے حس لوگوں نے غیرت کے نام سے منسوب کر دی تھیں، اور ایسے لوگ خصوصاً زمیندار طبقہ یا پھر ہمارے گاؤں دیہات کے جاہل عام سی بات پر بھی اپنی بہن بیٹی بیوی کسی کو بھی بدچلنی کے الزام میں موقع پر ہی قتل کر دیتے ہیں اور اپنے مذموم عزائم کی تکمیل کرتے ہیں۔ غیرت کے نام پر اپنی کوئی دشمنی یا مفاد نکالنے کی خاطر بے قصور عورتوں کو اس کی بھینٹ چڑھاتے ہیں اور ایسے قتل خطا کی مد میں درج کرا کے چند سال کی قید کاٹ کر واپس آ جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ قتل بھی عمد ہی ہے اور اس کی سزا بھی سزائے موت ہی ہے۔ مگر قانون انصاف ہے کہاں؟" میں اپنے آپ سے الجھ رہی تھی۔
"ہے نا انصاف کیوں نہیں ہے، بھلا اللہ سے زیادہ منصف کون ہے؟ اور اس کی گرفت سے بھلا خطاوار بچ سکتا ہے۔" میرے دل نے گواہی دی۔
"صنوبی کے قاتل بھی جلد ہی سزا پائیں گے۔"
"صنوبی کے قاتل۔۔۔ یعنی وجیہہ!" کسی نے میرے دل پر گھونسہ دے مارا۔
"وجیہہ۔۔۔ وجیہہ۔۔۔ وجیہہ۔۔۔" مجھ پر عجیب سی گھبراہٹ طاری ہو گئی۔
"یا اللہ رحم کرنا۔" میں نے صنوبی کے قتل کا

حساب مانگتے مانگتے وجیہہ کے لیے رحم اور درگزر بھی مانگ لیا۔ یعنی میری دعا اور میرے جذبے دونوں ہی ملاوٹ زدہ تھے۔ دونوں میں کھوٹ تھا۔ صنوبی کے لیے انصاف کا مطلب تھا وجیہہ کی موت۔۔۔ اور وجیہہ پر رحم کا مطلب تھا صنوبی کے ساتھ ظلم۔ میں اپنے آپ سے الجھتی نظریں چراتی اٹھ کھڑی ہوئی۔
اور اس رات مجھے لگا میرے بستر پر کوئی صبح تک بے چینی سے کروٹیں بدلتا رہا ہو۔ کون؟
"صنوبی یا وجیہہ!" یہ سوال میرے [illegible] سیدھا کھڑا ہو گیا جیسے کوئی [illegible] اپنا حال دل کہتا ہو۔

☼ ☼ ☼

"عصمہ! بیٹی!" ماما نے مجھے پیار سے پکارا۔ اب وہ کافی بہتر تھیں اور آج خود چل کر برآمدے میں بچھی کرسی تک آئی تھیں۔
"جی ماما!" میں جو وہاں پہلے سے بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھی، اٹھی اور انہیں ہاتھ تھام کے کرسی پر بٹھا دیا۔
"تم سے ایک بات کرنی تھی، اگر تم برا نہ مناؤ تو۔۔۔" وہ میری طرف بڑی ہی التجائیہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں، ان کی درد بھری تھکی تھکی سی نگاہیں مجھے پریشان کر گئیں۔
"کہیں نا ماما! کیا بات ہے؟" میں ان کے گھٹنوں پر اپنا چہرہ رکھ کے نیچے زمین پر بیٹھ گئی۔
"تمہاری عدت ختم ہو گئی ہے، اور میں دیکھ رہی ہوں کہ تم نے ماشاء اللہ خود کو صبر اور ہمت سے کافی حد تک سنبھال بھی لیا ہے۔" وہ کچھ تمہید سی باندھ رہی تھیں۔ میری چھٹی حس مچلنے لگی کہ ضرور کوئی بہت بڑی بات ہے جو ماما کہنے والی ہیں۔
"جی ماما۔" میں نے نظریں جھکا لیں۔
"بیٹی! میری صحت تمہارے سامنے ہے، لگتا ہے وقت اب مجھے زیادہ مہلت یہاں رہنے کی نہیں دے گا۔" وہ بے حد مغموم تھیں۔
"اللہ نہ کرے کہ آپ کو کچھ ہو۔" میں نے تڑپ کر انہیں دیکھا۔
"ہم سب اللہ ہی کے حکم کے تابع ہیں، ہماری ہر سانس بھی مقررہ وقت کی پابند ہے، اور وقت وہ تو اک نہ اک روز ختم بھی ہونا ہوتا ہے ہر کسی کا۔"
"ماما! پلیز ایسی باتیں تو نہ کریں۔" مجھے ان کی زندگی بے حد عزیز تھی، اور۔۔۔ چاہتی تھی کہ وہ عمر دراز پائیں۔
"عصمہ! نصیر احمد نے تمہارے لیے پھر سے پیغام بھیجا ہے۔" ماما نے اصل بات کو نہایت سادگی سے کہہ دیا، اور میں اسے سن کر پھر بھی جھٹکا کھائے بغیر نہ رہ سکی۔
"نصیر احمد نے؟" مجھے تو جیسے یقین ہی نہ آ رہا تھا۔
"ہاں عصمہ! اس نے ابھی تک شادی نہیں کی، اور اسے جب یہ خبر ملی کہ تمہارے ساتھ اتنا بڑا سانحہ ہو گیا ہے تو اس نے۔۔۔" ماما سانس لینے کو رکیں، پھر کہنے لگیں۔
"اس کی نیت میں تمہارے لیے خلوص ہے، بھلائی ہے، اسے دوبارہ غلط نہ سمجھنا۔" وہ مجھے سمجھا رہی تھیں اور میں چپ کی چپ۔ اس پیغام کے یوں اتنی جلدی آ جانے پر دنگ تھی کہ یہ کیسے ہو گیا تھا، اور کیوں؟ میں مشیت ازلی کی حکمت اور اس کی رحمت کے درمیان کو سمجھنے سے قاصر تھی۔
"تو پھر میں خاتون آپا کو کیا جواب دوں؟ تم مجھے سوچ کر جواب دے دینا۔" ماما نے مجھے چپ پا کر کہا۔
"جی ماما!" میں نے مختصراً کہا۔
"چائے بنا کر لاؤں آپ کے لیے۔" میں نے وہاں سے اٹھنے کا بہانہ کیا۔
"ہاں بنا لو۔" وہ مسکرا کے بولیں۔۔۔ میں نے ان کے چہرے کو پرسکون دیکھا تھا، وہ بھی مہینوں کے بعد۔ آج وہ واقعی بیمار نہ لگ رہی تھیں، مجھے ان پر بہت سارا پیار آ گیا۔
"میری ماما!" میں نے بے ساختہ ہی جھک کر ان کا بوسہ لیا اور چائے بنانے چل دی۔
"اللہ تمہیں آباد کرے، اور پھر کبھی کوئی آزمائش

تمہارے گھر کی دیواروں سے نہ جھانکے۔" ان کی دعا نے میری پشت پر تھپکی دی "یقیناً" وہ میری مسکراہٹ کو میری رضامندی سمجھ رہی تھیں۔ اور وہ غلط نہ تھیں "یہ میرا دل کہہ رہا تھا۔ حالانکہ میرے احساسات اس وقت کسی اور خوشی سے ہمکنار تھے۔

☆ ☆ ☆

آسمان سیاہ بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ آج صبح ہی سے ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ رکتی تھمتی اور پھر برستی بوندیں، ہلکی ہلکی چلتی ہوا اور تازگی سے بھرپور ٹھنڈک، میرا پسندیدہ موسم تھا۔ میں چھت پر چہل قدمی کر رہی تھی اور موسم سے خوب لطف اٹھا رہی تھی۔ جب میرے موبائل کی وائبریشن کے ساتھ اسکرین پر وجیہہ کا نام چمکنے لگا۔

"وجیہہ!" میں نے ایک طرف کو بیٹھ کر فون آن کیا۔

"والسلام علیکم۔" اس کی تازہ دم آواز بالکل ایسے محسوس ہوئی جیسے وہ پاس کھڑا خود سلام کر رہا ہو۔

"وعلیکم السلام کیسے ہو وجیہہ!" میں نے پوچھا۔

"الحمدللہ۔" اس کا انداز میرے والا تھا مجھے خوشی ہوئی۔

"کہاں ہو، کیا اپنے گھر میں۔" میں نے پوچھا۔

"نہیں میں تو اس وقت کویت میں ہوں۔" اس نے بتایا۔

"تم تو دبئی میں تھے پہلے، پھر پاکستان آگئے تھے اور اب۔"

"ہاں اب میں کویت میں ہوں، اور اگلے ہفتے سعودیہ جا رہا ہوں۔" اس نے ایک اور خبر دے دی۔

"سعودیہ۔" میرا دل اڑ کر مکہ کی حدود میں داخل ہو گیا۔

"ہاں دلنشیں! میں عمرہ کرنے جا رہا ہوں۔" اس کی آواز شدت جذبات سے رندھ گئی۔

"عمرہ۔" میرے ارمان بھی مچلنے لگے مجھے یاد آگیا شادی کے بعد جب وجیہہ نے مجھے ہنی مون پر جانے کا پوچھا تو میں نے اسے کہا تھا۔

"عمرہ کرنے چلتے ہیں وجیہہ۔"

"میں ہنی مون کا پروگرام بنا رہا ہوں توبہ استغفار کا نہیں۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

"ایسے بے ادبی سے نہیں کہتے۔" میں نے برا مناتے ہوئے اسے سمجھایا تھا۔

"سوری میرا وہ مطلب نہیں تھا۔ لیکن یار! تم بھی تو رومانس کے دنوں میں تقویٰ اور پرہیزی کی باتیں کر رہی ہو۔"

وہ شرارت سے میرے بال بکھیرتا ہوا بولا تھا۔ پھر سنجیدہ ہو کر مجھے سمجھانے لگا تھا۔

"چلیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ عمرے پر بھی چلیں گے، بلکہ حج پر چلیں گے، تم فکر کیوں کرتی ہو۔"

اور اب وہ جا رہا تھا، اکیلا، میرے بغیر، میرے دل پر چوٹ سی لگی تھی۔

"تم نے ہی مجھے بتایا تھا کہ وہاں پر جا کر مانگنے والے کو سب ملتا ہے اس کی کوئی دعا رد نہیں ہوتی۔" وہ مجھے پوچھنے کے انداز میں بتا رہا تھا۔

"ہاں۔ بے شک اللہ اپنے گھر سے کسی کو خالی نہیں لوٹاتا۔" میں نے اپنے گالوں پر پھسل کر گرنے والے اشکوں کو ہتھیلی پر اتارتے ہوئے کہا۔

"تم نے یہ بھی تو بتایا تھا کہ خانہ کعبہ پر پہلی نگاہ پڑتے ہی جو دعا لبوں سے نکلے وہ تو ہرگز رد نہیں ہوتی۔" وہ مجھے یاد کرا رہا تھا۔

"ہاں میرے اللہ کے پیارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے یہی فرمودات ہیں۔" میرا دل قطرہ قطرہ ہو کر ہونٹوں پر سے ٹوٹ رہا تھا۔

"تو بتاؤ دلنشیں! میں کیا مانگوں۔ مجھے دعا مانگنے کا سلیقہ نہیں ہے مجھے تو کچھ بھی پتا نہیں ہے۔ تم بتاؤ میں کیا مانگوں؟" وہ بھی شاید بمشکل اپنے آنسو سنبھالے ہوئے تھے۔ اس کی آواز کا بھاری پن بڑھ رہا تھا۔

"جو تمہارے دل میں ہو۔" میں نے اپنے دل کی بات دل میں ہی روک کر کہا۔

"میرے دل میں تو صرف تم ہو دلنشیں! میں تمہیں اپنی نظروں سے اوجھل کر کے جی نہیں پا رہا۔ مر رہا ہوں۔ قطرہ قطرہ۔ میں! تمہیں پانا چاہتا ہوں۔" آج پھر وہ جذباتی ہو رہا تھا۔

"وجیہہ!" میں سسک پڑی۔

"دلنشیں! میں تمہیں اللہ سے مانگنے جا رہا ہوں۔ میں تو بس اس کے سامنے سوال ڈالنے جا رہا ہوں۔ اس سے التجا کرنے اس سے مدد مانگنے جا رہا ہوں۔ کیا میں غلط کر رہا ہوں؟" وہ مجھ سے سوال کر کے مجھے امتحان میں ڈال رہا تھا۔ ایسے سوال جن کا جواب آسان نہ تھا۔

"وجیہہ! تم کعبے پر پہلی نگاہ پڑتے ہی اللہ سے اس کی محبت مانگنا کہ تمہیں اپنی محبت سے نواز دے۔ سوچو ذرا جسے وہ چاہے اس کا [illegible] یار ہے۔" میں اسے سمجھانے لگی۔

"اللہ کی محبت۔" وہ سوچ میں پڑ گیا۔

"مجھ جیسے گناہ گار اور خطا کار سے وہ محبت کرے گا۔" اسے یقین نہ آ رہا تھا۔

"پاگل! جو اس کے در پر چلا جاتا ہے اس کی بخشش پا لیتا ہے اور اپنے گناہوں سے ایسے پاک ہو کر لوٹتا ہے جیسے ماں کے پیٹ سے نومولود بچہ۔" میں اسے اسی طرح سمجھانے لگی جیسے کوئی کسی چھوٹے بچے کو سمجھاتا ہے۔

"اچھا۔" اس کے پاس جیسے لفظ ختم ہونے لگے۔

"وہ مجھے اور تمہیں ملا دے گا نا؟" اس کے اندر بے پناہ یاس تھی۔

"تم اپنا ایمان مضبوط اور اس پر بھروسہ کامل رکھو۔" میں نے اسے تسلی دی۔

"میرے لیے بھی دعائیں کرنا وجیہہ!" میں نے لالچ سے کہا۔

"ساری دعائیں تمہارے لیے ہی تو کروں گا۔ بس ان کا اثر اپنے لیے مانگوں گا۔" وہ روتے روتے ہنس دیا تھا۔

"پتا ہے میں نے باقاعدگی سے نماز جاری رکھی ہوئی ہے اور روز سورۃ یاسین بھی پڑھتا ہوں۔" وہ ایک بچے کی طرح خوش ہو رہا تھا۔

"پورے قرآن پاک کو بھی اس کی ترتیب سے پڑھنا چاہیے۔ میرا مطلب ہے پہلے پارے سے شروع کر کے روزانہ چند آیات پڑھو۔"

"اچھا اب ایسے شروع کروں گا۔ بلکہ وہیں پر قرآن ختم کر کے آؤں گا۔" وہ مان گیا۔

"وجیہہ!"

"ہوں!"

"وجیہہ! ماما کا خیال ہے کہ وہ اگلے جمعے میرا نکاح کرا دیں۔" میں نے ڈرتے ڈرتے بتایا۔ میرا خیال تھا وہ موڈ خراب کرے گا۔

"اچھا۔" وہ ناراض ہونے کی بجائے اداس ہو گیا۔ اور پھر اس نے مجھے اللہ حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔

☆ ☆ ☆

کل میرا نصیر احمد سے نکاح تھا۔ میں نے محسوس کیا تھا میرے بابا اور ماما کے چہروں پر گہرا اطمینان تھا اور وہ خوش تھے۔ اس کے باوجود مجھے ذرا سا محسوس نہیں ہوا تھا کہ یہ تو ان کی دیرینہ خواہش تھی جو اب جا کر پوری ہو رہی تھی۔

ایسا نہیں تھا۔ وہ میری وجیہہ کے ساتھ شادی کو بھی قبول کر کے خوش تھے۔ اور جب وجیہہ نے مجھے چھوڑا تب بھی وہ اسی قیامت سے گزرے تھے جو اس دنیا کے والدین پر ایسے سانحات کے بعد بیتتی ہے۔ اور انہوں نے وجیہہ کے اس عمل کی سخت مذمت کرنے کے باوجود نہ تو مجھے طعنے دیے تھے نہ بات بے بات وجیہہ کو برا بھلا کہا تھا۔ وہ صحیح معنوں میں حقیقت پسند انسان تھے اور عملی طور پر قرآن و سنت پر چلنے والے مسلمان تھے۔ تب ہی تو انہوں نے میرے عقد ثانی کا فیصلہ "فوراً" ہی کر لیا تھا۔ میری حالت عجیب سی تھی۔ میں خوش تھی نہ غم زدہ۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی خاتون آپا نصیر احمد کے ساتھ آ کر نکاح کا جوڑا اور کچھ ضروری لوازمات دے کر گئی تھیں۔

میں نے دیکھا جب وہ مجھے اپنے ساتھ لگا کر میرا ماتھا چوم رہی تھیں تو ان کے چہرے پر ایک بھی ایسا بل نہ تھا جو میرے لیے ناپسندیدہ ہوتا یا خوشدلانہ ہوتا۔ ان کے سادہ دل کا خلوص ان کے عمل سے ظاہر ہو رہا تھا۔ انہیں میں طلاق یافتہ ہو کر بھی اتنی پیاری لگی تھی جتنی اس وقت تھی جب وہ مجھے پہلا نگنے آئی تھیں۔

"اللہ تیرے نصیبوں میں میرے نصیر کی محبت اور میرے نصیر کے نصیبوں میں تیری محبت لکھ دے۔"

مجھے پیار کرنے کے بعد انہوں نے دعا دی۔ مجھے ان کی یہ دعا کچھ عجیب سی لگی تھی۔ اور شاید اچھی بھی نہ لگی تھی۔

"میری محبت اور نصیر کی محبت۔۔۔" مجھے کچھ الجھن سی ہوئی۔ اس وقت میرے دل نے چغلی کھائی۔

"نصیر احمد سے شادی آج بھی تمہاری مجبوری ہے ہے نا؟"

"شٹ اپ۔۔۔" میں نے اسے جھڑکا اور خاتون آپا کو مسکرا کر اللہ حافظ کہنے لگی۔

"جیتی رہو۔ آباد رہو۔" وہ دعائیں دیتی ہوئی چلی گئیں۔

اور میں اپنے دل کے چور سے نظریں چراتی ہوئی پھر سے وضو کرکے جائے نماز پر آگئی۔ میرے اندر جب بھی ندامت کے کانٹے چبھتے میں بھاگ کر اللہ سے رجوع کر لیتی تھی۔ میرا خیال تھا کہ جب وہ میرے دل کی حالت جانتا ہے تو پھر بہتر ہے میں خود ہی اپنی خامیوں کے اعتراف کرتی رہوں۔ اس طرح کم از کم میں اس سے بار بار معافی تو مانگتی تھی۔ اور وہ مجھے معاف کر دیتا تھا۔ میری دعاؤں کی قبولیت اس کی گواہ تھی۔ میں اس سے جو بھی مانگ رہی تھی وہ مجھے بغیر انتظار کی اذیت میں ڈالے دیے جا رہا تھا۔ اس کا صاف مطلب تو یہی تھا کہ مجھ سے وہ خفا نہیں ہے اور اگر وہ مجھ سے خفا ہوتا میں نے ایسے تو کوئی کام نہیں کیے تھے۔ میں تو اسی سے دست سوال پھیلائے ہوئے تھی۔

میں نوافل ادا کرکے دعا مانگ رہی تھی تو بے شمار سوچیں، بے شمار سوالات میرے دل و دماغ کو الجھا رہے تھے۔

"مجھے اعتراف تھا کہ میں بے حد گناہ گار بے حد کمتر ہوں۔

اگر اس دنیا سے نکل دی جاؤں تو "خس کم جہاں پاک" والا مقولا درست ہو جائے پھر بھی میرا رب مجھے چاہتا تھا۔

اور اس قدر چاہتا تھا کہ مجھے نوازتا جا رہا تھا۔

اس طرح جیسے کہ وہ صرف میرا ہی اللہ ہو۔"

میرے دل کی بے چینی کو کافی حد تک سکون مل گیا۔ اور میرے دل کا چور بھی جیسے کہیں منہ چھپا کر چھپ گیا۔

میں نے اٹھ کر وہ ساری چیزیں سنبھالیں جو خاتون آپا دے کر گئی تھیں۔ سرخ کامدانی غرارہ، سونے کی چھ چوڑیاں، ایک مناسب سے وزن کا یاقوت جڑا سیٹ۔ جو یقیناً" خاتون آپا کا ہوگا۔ اس کا ڈیزائن بتا رہا تھا۔ بڑا خوب صورت سیٹ تھا۔ میں نے یونہی اٹھا کر اسے گلے سے لگا لیا اور۔۔۔

ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ میرا عکس وہاں ڈول رہا تھا مجھے اپنے دو چہرے دکھائی دیے اور میں ڈر کے پیچھے ہو گئی۔

☆

"عصمہ"

"عصمہ" جیسے کوئی مجھے آوازیں دے رہا تھا۔

"عصمہ" میری آواز پر میں ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھی۔

"کک۔۔۔ کون؟" میں نے اندھیرے میں ادھر ادھر دیکھتے ہوئے گھٹی گھٹی سی آواز میں پوچھا۔

"میں دلنشیں! اٹھو میری بات سنو۔"

سامنے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے سے ایک چہرہ بول رہا تھا یہ وہی چہرہ تھا جو شام کو میں نے دیکھا تھا۔ میں ٹھیک اسی طرح ڈر گئی جیسے شام کو ڈر گئی تھی۔

"دیکھو! اس وقت کمرے میں میرے اور تمہارے

سوا کوئی بھی نہیں مجھے ایک بات بتاؤ۔" وہ چہرہ بے حد سنجیدہ تھا۔

"کیا۔۔۔؟" میں نے سوکھے ہوئے حلق کو اپنے تھوک سے تر کرتے ہوئے پوچھا۔

"تم نصیر احمد سے شادی کیوں کر رہی ہو۔" اس نے پوچھا۔

"میں۔۔۔ میں!" مجھے جواب سمجھ نہ آیا تھا۔

"کیا صرف اپنے والدین کے کہنے پر؟" وہ میری حالت کو نظر انداز کرکے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں ظاہر ہے۔" میں نے اسی جواب کو مناسب جان کر ہاں بھری۔

"اچھا کیا تم نے ہیشم کو بھلا دیا ہے؟" اس کا اگلا سوال بے حد تیکھا تھا جس کا جواب میرے پاس نہ تھا۔

میں چپ کی چپ رہی۔

"میرا خیال ہے کہ نہیں۔" وہ چہرہ طنز سے مسکرایا۔

"دیکھو عصمہ! اگر تم نصیر احمد کو اپنے بساط دل پر ایک مہرے کی طرح رکھنے جا رہی ہو تو سوچ لو کہ تم کیا کرنے جا رہی ہو۔"

"تم۔۔۔ تم بکواس نہ کرو تمہیں کیا خبر میرے دل کا حال، تم کیسے جان سکتے ہو؟" اس چہرے کی بڑھتی ہوئی جرات پر مجھے غصہ آگیا میں اسے جھڑکنے لگی۔

"تمہارا حال دل میں نہیں تو اللہ تو جانتا ہے نا۔ وہ اللہ جس کی محبت کا دم تم آج کل خود پر فخر کر کے بھرتی نظر آتی ہو۔" اس نے مجھے طعنہ دیا۔

"یہ میرا اور اللہ کا معاملہ ہے۔ تم سے مطلب؟" میں نے پھر بھی اپنے پروں پر پانی نہ پڑنے دیا۔

"اللہ اور بندے کا معاملہ کیا ہوتا ہے اس کے معنی ڈھونڈو عصمہ! اگر تم اللہ کی قربت کی دعوے دار ہو تو اس کی صفات پر بھی غور کرو بس یہی بات تھی جسے سمجھانے کے لیے میں نے تمہیں اس وقت جگایا تھا۔"

دلنشیں کا چہرہ آئینے میں ہی غائب ہو گیا اور میں اپنے پسینے سے شرابور جسم کو کانپتا ہوا محسوس کرنے لگی۔ حالانکہ آج سخت سردی تھی۔

"یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا تھا؟" میں سوچنے لگی۔ کچھ بے حد پراسرار۔۔۔ سٹ انوکھے واقعات۔

یہ دلنشیں کا چہرہ۔

یہ سب کیا تھا۔ حالانکہ میں ہی تو دلنشیں تھی اور میں ہی عصمہ۔۔۔ میں 'میں تو ایک ہی ہوں یہ تو میرے دو نام تھے اور میرے ہی کیا اکثر لوگوں کے دو نام ہوتے ہیں پھر میرے ساتھ ایسا کیوں ہوتا تھا کہ جب بھی میرے اندر سے آواز اٹھتی تو عصمہ کے نام سے اٹھتی۔۔۔ اور باہر کے ہیولے مجھے دلنشیں کے نام سے پکارتے تھے۔ کیا میرے ساتھ کوئی جن تھا۔

جن کا خیال آتے ہی میری گھگھی بندھ گئی۔

"نہیں نہیں یہ تو میرے واہمے ہیں۔۔۔ میں نے نفسیاتی طور پر اپنے مافی الضمیر کو اپنے اوپر طاری کر لیا ہے لہٰذا وہ شکل اختیار کرکے مجھ سے باتیں کرنے لگا ہے ورنہ اور کوئی چیز نہیں ہے۔ اور پھر جن کہاں سے لگ گیا میرے پیچھے۔۔۔؟" میں نے خود کو باور کرانا چاہا۔۔۔ حوصلہ دینا چاہا۔

تبھی میں نے محسوس کیا میرے وجود کا چوکھٹا لکڑی کا ہو گیا ہے اور میرے رگ رگ میں پانی بہنے لگا ہے میرے خیال پر اس لمحے ایک دھند میں لپٹی ہوئی مسجد آہستہ آہستہ واضح ہونے لگی۔۔۔ جس کے صحن پر سے ایک شخص کمبل کی بکل درست کرتا ہوا اٹھا اور میرے وجود کی دیواروں سے باہر نکل گیا۔۔۔ جب وہ اپنی بکل درست کر رہا تھا تو میری نظر اس کے چہرے پر پڑ گئی تھی اور میری ساری جان کھنچ کر میری شہ رگ میں آن پھنسی تھی۔

☆ ☆ ☆

میں دوسری بار دلہن بن چکی تھی۔ سرخ کامدانی غرارے اور یاقوت کے اس نیکلس سیٹ سے سجی عصمہ۔۔۔ پھر سے سرخ گلابوں کی سیج پر تھی اس وقت میری حالت ناقابل بیان تھی۔ میرے احساسات میری کیفیات اور یہ سارا ماحول میں ایک قیامت سے

دوچار تھی۔۔۔۔ میری حالت وہی عورت جان سکتی تھی جو میری طرح سے اپنا محبوب پیچھے چھوڑ کر آئی ہو اور یہ گوارہ نہ کر سکتی ہو کہ اسے سوائے اس کے محبوب کے کوئی اور چھوئے مگر وقت اسے اس آزمائش میں ڈال بھی دے۔

تازہ گلابوں کی مہک مجھے کاٹے دے رہی تھی اور کامدانی غرارے کی ہر تار تپے ہوئے لوہے کی تار لگ رہی تھی۔ جی چاہ رہا تھا کہ میں وہاں سے بھاگ جاؤں اسی لمحے کسی کے گلا کھنکھارنے کی آواز نے میرے اندر کے لاوے کو ہوا دے دی۔

"اسلام علیکم۔" وہ آکر میرے قریب بیٹھ گیا تھا۔ میں تو چاہتی تھی کہ اسے کوئی جواب نہ دوں۔ مگر میرے لبوں سے بے اختیار ہی نکل گیا۔

"وعلیکم اسلام۔۔۔" میرا حال چال دریافت کرنے کے بعد وہ بولا۔

"آپ آرام اور سہولت کے ساتھ بیٹھ سکتی ہیں۔ میں چاہتا ہوں ہم روایتی سے میاں بیوی بننے کی بجائے اچھے دوست بننے کی کوشش کریں۔" وہ بہت سلیقے سے بات کرتا تھا اس کی آواز ہو بہو جیسہ کی آواز جیسی تھی یہ مجھے آج محسوس ہونے والی پہلی بات تھی جو بری نہ لگ رہی تھی۔

"عصمہ! میں وعدوں اور دعوؤں پر انحصار کر کے خود کو اچھا ثابت کرنے والا مرد نہیں ہوں۔"

وہ کہہ رہا تھا۔۔۔ بڑے ٹھہراؤ اور بے تلے انداز میں۔

"میں تو بس ایک عام سا مرد ہوں۔۔۔ میرا ظاہر اور باطن ایک دوسرے سے مماثلت رکھتے ہیں اور میں اپنے جذبات کے اظہار پر یقین رکھتا ہوں۔" اس نے اپنی شخصیت کو مختصراً "واضح کرنے کی کوشش کی۔

"میں چاہوں گا کہ تم بھی۔۔۔ اچھا میں تم کہہ سکتا ہوں یہ "آپ" کے ساتھ لگا ہوا تکلف غیریت لگ رہا ہے۔"

اس نے مجھ سے تم کہنے کی اجازت طلب کی۔

"جی جیسے آپ کو مناسب لگے۔" میں نے خود کو اس سے متاثر ہوا پایا۔

"تم بھی مجھے آپ نہ کہو تو مجھے زیادہ خوشی ہوگی۔"

وہ تھوڑا سا بے تکلف ہوا اور کھسک کر اوپر ہو گیا اس نے تکیے کو بیڈ کی پشت پر کھڑا کر کے ٹیک لگائی تھی۔

"میں نے کہا تم ایزی ہو کر بیٹھ سکتی ہو۔ تاکہ ہم سکون سے باتیں کر سکیں۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر میرا دوپٹہ ذرا سر پر پیچھے کر دیا۔ کچھ لمحے اس کی نظروں کی تپش میرے چہرے پر رہی۔۔۔ پھر وہ گویا ہوا۔

"تم بہت حسین ہو بہت۔" اس کے لبوں پر میری تعریف تھی۔ میں نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"اچھا! یہ ایک چھوٹا سا تحفہ۔" اپنی دوستی کی ابتدا کرتے ہوئے اس نے اپنے کوٹ کی جیب سے ایک ڈبیا نکالی اور اسے کھول کر میرے سامنے کر دیا۔ ایک نازک سی چین میں اللہ کا لاکٹ دمک رہا تھا کوئی اور وقت ہوتا جیسے میں پہلے تھی تو نصیر احمد کو پینڈو اور کنجوس اور جانے کیا کیا کہتی مگر اب۔۔۔ اب تو مجھے اس لاکٹ میں دمکنے والے لفظ پر اپنا آپ پورا نچھاور ہوتا محسوس ہوا۔

"اگر برا نہ مناؤ تو۔۔۔" وہ میری آنکھوں میں دیکھ رہا تھا اس کی آنکھوں میں یہ لاکٹ خود مجھے پہنانے کی خواہش تھی۔ میں نے وہ لاکٹ ڈبیا سے اٹھا کر اس کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔۔۔ جس پر وہ مسکرا دیا۔۔۔ میں نے دیکھا وہ ایک عام سی [illegible] عورت کا مرد اپنے چہرے پر خاصی [illegible] ایک نادانستہ سی مسکراہٹ میں [illegible] اور میرے اندر جلنے والے الاؤ پر [illegible] کرنے لگی۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

☆ ☆

شعاع عمیر

جنت کے وارث

ایمان والوں نے فلاح پالی جو اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں جو لغویات سے منہ موڑتے ہیں اور جو زکوۃ ادا کرنے والے ہیں جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں جو اپنی امانتوں اور عہد کی حفاظت کرنے والے ہیں جو اپنی نمازوں کی نگہبانی کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو جنت کے وارث ہوں گے جہاں ہمیشہ رہیں گے۔ (المومنون)

سمیرا عبدالغنی بنت نذر نجف لودھرے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے پینے کے انداز

عادت طیبہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگا کر کھانا تناول نہ فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے۔

"میں بندہ ہوں اور بندوں کی مانند بیٹھتا ہوں اور ایسے ہی کھاتا ہوں جیسے بندے کھاتے ہیں۔"

(حضور کی نشست اس قسم کی تھی کہ گویا گھٹنوں کے بل ابھی کھڑے ہو جائیں گے۔) یعنی اکڑوں بیٹھ کر۔ (زاد المعاد)

ٹیک لگانے سے مراد جم کر بیٹھنا اور کھانے کے وقت چوکڑی مار کر سرین پر بیٹھنا "اس بیٹھنے کے مانند ہے جو کسی چیز کو اپنے نیچے رکھ کر ٹیک لگا کر بیٹھے۔ (قاضی عیاض)

صاحب مواہب کہتے ہیں "کھانے کے لیے اس طرح بیٹھنا مستحب ہے کہ دونوں رانوں کو کھڑا کرے اور دونوں قدموں کی پشت پر نشست کرے یا اس طرح کہ داہنے پاؤں کو کھڑا کرے اور بائیں پاؤں پر بیٹھے۔ ابن قیم نے بیان کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تواضع و ادب کی خاطر بائیں قدم کے اندر کی جانب کو داہنے قدم کی پشت پر رکھتے تھے۔ (مدارج النبوۃ)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ کھانے میں کبھی عیب نہ بتاتے تھے۔ اگر چاہا تو کھا لیا ورنہ چھوڑ دیا اور یہ کبھی نہ فرمایا کہ یہ کھانا برا ہے۔ ترش ہے۔ نمک زیادہ ہے یا کم ہے۔ شوربا گاڑھا ہے یا پتلا ہے۔ (مدارج النبوۃ)

صدف عبداللہ۔ یوا ے ای

کرن کرن روشنی

سیدنا شیخ حضرت عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

☆ جب کوئی بندہ گناہ کرتے وقت اپنے دروازوں کو بند کر کے پردے ڈال کر مخلوق سے چھپ جاتا ہے اور خلوت میں خالق کی نافرمانی کرتا ہے تو حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

"اے ابن آدم علیہ السلام! تو اپنی طرف دیکھنے والوں میں مجھ کو ہی سب سے کمتر سمجھتا ہے اور مجھ سے مخلوق کے برابر بھی شرم نہیں کرتا۔"

☆ کسی کی دشمنی یا کینہ پروری کے خیال میں ایک رات بھی مت گزار۔

☆ مومن اپنے اہل و عیال کو اللہ رب العزت پر چھوڑتا ہے۔ جبکہ منافق درہم و دینار پر۔

☆ اپنے عمل کرنے والے اخلاص پیدا کر! ورنہ مشقت فضول ہے۔

☆ مومن جس قدر بوڑھا ہوتا ہے اس کا ایمان طاقتور ہوتا ہے۔
☆ تیرے سب سے بڑے دشمن تیرے برے دوست ہیں۔
☆ موت کو یاد رکھنا نفس کی تمام بیماریوں کی دوا ہے۔
☆ اوروں پر ہر دم نیک گمان رکھ اور اپنے نفس پر بدظن رہ۔
☆ شروع کرنا تیرا کام ہے اور ختم کرنا اللہ کا کام ہے۔

انیقہ انا' چکوال

توبہ

حضرت عیسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ایک شخص بہت گناہ گار تھا۔ لوگوں نے مشورہ کر کے اسے بستی سے نکال دیا۔ وہ شخص بھوکا پیاسا بیماری کی حالت میں ایک جنگل میں چلا گیا۔ وہاں اس نے حق تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی توبہ کی اور اللہ تعالیٰ سے کہا۔
"اگر مجھے معاف کرنے سے تیری رحمت کے خزانوں میں کمی ہوتی ہے تو بے شک مجھے معاف نہ کر۔ اگر میری بخشش سے تیرے خزانوں میں کمی واقع نہ ہوئی تو مجھے معاف فرما دے۔" اللہ تعالیٰ اس کی اس بات سے نا صرف راضی ہوا بلکہ اس کی موت کے بعد حضرت عیسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم ملا کہ فلاں جگہ میرا ولی پڑا ہے اس کا جنازہ پڑھاؤ۔ آپ رضی اللہ عنہ اپنی قوم کو لے کر وہاں پہنچے تو لوگوں نے اس شخص کو دیکھ کر جنازہ پڑھنے سے انکار کر دیا۔
مگر آپ رضی اللہ عنہ کو چونکہ حق تعالیٰ سے حکم ملا تھا سو آپ نے جنازہ پڑھایا اور جنازے کے بعد اسے دفنا دیا گیا۔ حضرت عیسیٰ نے عرض کیا۔
"اتنے گناہ گار بندے کے لیے ایسا حکم کیوں کر؟"
اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔
"وہ بندہ تو بہت کم ظرف نکلا۔ اس نے مجھ سے توبہ کی تھی اور میں نے اسے بخش دیا۔ اگر وہ پوری انسانیت کے لیے دعا کرتا تو قبول کی جاتی تھی۔"

حرمت روا اکرم' ڈلوال

کام کی بات

○ میں نے اللہ سے طاقت مانگی اور اس نے مجھے مضبوط کرنے کے لیے مشکلات دیں۔
○ میں نے اللہ سے دانش مانگی اور اس نے مجھے حل کرنے کے لیے مسائل دیے۔
○ میں نے اللہ سے خوشحالی مانگی۔ اور اس نے مجھے کام کرنے کے لیے دماغ دیا۔
○ میں نے اللہ سے حوصلہ مانگا اور اس نے مجھے خطرات دیے کہ میں ان پر قابو پاؤں۔
○ میں نے اللہ سے محبت مانگی اور اس نے مجھے مصیبت زدہ لوگ دیے کہ میں ان کی مدد کروں۔
○ میں نے اللہ سے عنایات مانگیں اور اس نے مجھے مواقع دیے کہ میں ان سے فائدہ اٹھاؤں۔

ثنا نورین ' بوتالہ جھنڈا سنگھ

دکھ

اللہ تعالیٰ جس کو اپنا آپ یاد دلانا چاہتا ہے اسے دکھ کا الیکٹرک شاک دے کر اپنی جانب متوجہ کرتا ہے۔ دکھ کی بھٹی سے نکل کر انسان دوسروں کے لیے نرم پڑ جاتا ہے۔ پھر اس سے ایسے اعمال خود بہ خود اور باخوشی سرزد ہونے لگتے ہیں جو روحانیت کی سیڑھی ہے اس پر صابر و شاکر ہی چڑھ سکتے ہیں۔
(بانو قدسیہ کی کتاب دست بستہ سے انتخاب)
فوزیہ ثمرین بٹ ' گجرات

لاجواب

ایک روز مشہور شاعر داغ دہلوی نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک صاحب ان سے ملاقات کے لیے آئے اور انہیں نماز پڑھتے دیکھ کر لوٹ گئے اسی وقت داغ نے سلام پھیرا ملازم نے انہیں بتایا۔
"ایک صاحب آپ سے ملنے آئے تھے اور چلے

گئے۔" مرزا داغ نے ملازم سے کہا۔
"دوڑ کر جاؤ اور انہیں بلا کر لے آؤ وہ ابھی راستے میں ہوں گے۔" ملازم بھاگا بھاگا گیا اور ان صاحب کو بلا لایا۔
وہ صاحب کہنے لگے۔
"آپ نماز پڑھ رہے تھے اس لیے میں چلا گیا۔"
داغ صاحب فوراً بولے۔
"حضرت میں نماز ہی تو پڑھ رہا تھا لاحول ولا قوۃ نہیں پڑھ رہا تھا جو آپ بھاگ گئے۔"
سمیرا احمد بخش ' جھنگ

بڑے لوگ... بڑی بڑی باتیں

○ حفیظ جالندھری نے جب مزاح نگار ضمیر جعفری کی کتاب "مافی الضمیر" دیکھی تو بولے۔
"کتاب کا نام مشکل ہے یہ آسان ہوتا تو اچھا تھا۔"
ضمیر صاحب نے پوچھا! مثلاً؟ جالندھری صاحب کہنے لگے "مثلاً ـــــ ضمیر مردہ۔" ضمیر صاحب گویا ہوئے۔
"میں نے سوچا تھا مگر پھر اسے آپ کی کتاب کے لیے محفوظ کر لیا۔"
○ انجم رومانی کی کتاب کا نام "کوئے ملامت" تھا۔ سجاد باقر رضوی نے اسے دیکھ کر ناشر سے کہا "نام کچھ موزوں نہیں۔" ناشر نے وضاحت مانگی تو باقر صاحب بولے "خوئے ملامت ہوتا تو بہت اچھا ہوتا۔"

حرمت روا اکرم ـــ ڈلوال

مکمل نظم

نظم الجھی ہوئی ہے سینے میں
شعر اٹکے ہوئے ہیں ہونٹوں پر
لفظ کاغذ پہ بیٹھتے ہی نہیں
اڑتے پھرتے ہیں تتلیوں کی طرح
کب سے بیٹھا ہوا ہوں میں جانم
سادہ کاغذ پہ لکھ کے نام ترا
بس ترا نام ہی مکمل ہے
اس سے بہتر بھی نظم کیا ہوگی
(گلزار)

ارم آفتاب ـــ کراچی

سنہرے حروف

☆ اگر آپ سچے ہیں تو آپ کو ہر شخصیت اچھی لگے گی اور اگر آپ خود اندرونی کمزوریوں اور شخصی کمتری میں مبتلا ہیں تو آپ کو ہر شخص برا لگے گا۔
☆ محبت کا جذبہ بڑا سرکش' تند و تیز موجوں کی مانند ہوتا ہے' جو اپنی ذات کے آسمان کو پالے وہ کبھی اس جذبے کو غلط ترجیحات میں تول کر خود کو پستیوں کا مکین نہیں کرتا۔
☆ نہ سے بات شروع ہو تو پھر دامن ہی نہیں دل بھی تنگ ہو جاتا ہے' پھر دل میں جگہ ملتی ہے' نہ دامن میں۔
☆ جان پہچان دکھ دیتی ہے "جسے" جتنا اپنا سمجھو وہ اتنا گہرا دکھ دیتا ہے۔
☆ جدائی کے راستوں پر درد بسیرا کر لیتا ہے۔ مگر محبت انہیں سجاتی ہے خواہ آپ کی ہو خواہ کسی اور کی۔
☆ انسان بھی عجیب شے ہے بعض اوقات اس کی نظر میں وہ چیز بالکل بے وقعت ہو جاتی ہے۔ جس کے لیے وہ ساری زندگی جدوجہد کرتا ہے۔

نوشین اقبال نوشی ' گگو منڈی بدر مرجان

لفظوں کی خوشبو

☆ اگر زندگی میں سکون چاہتے ہو تو کبھی کسی پر توقع مت رکھو کیونکہ توقع کا پیالہ ہمیشہ ٹھوکروں کی زد میں رہتا ہے۔ (اشفاق احمد)
☆ تنگ نظر وہ ہے جسے دو برائیوں میں سے ایک کو منتخب کرنا پڑتا ہے۔ تو وہ دونوں کو اختیار کر لیتا ہے۔ (شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ)
☆ زندگی ایک ایسی خوب صورت تتلی ہے جو اپنے خوب صورت رنگین پر دکھا کر ہر انسان کو ورغلاتی ہے پھر دیکھتے ہی دیکھتے پھولوں سے لدی کیاری میں گم ہو جاتی ہے۔ (خلیل جبران)

☆ دنیا میں کوئی قوم اس وقت تک ترقی نہیں کرتی جبکہ اس قوم کی خواتین آگے نہ بڑھیں (قائداعظم)

☆ نام میں کیا رکھا ہے۔ گلاب کو کسی بھی نام سے پکاریں اس کے لفظ اور رنگینی میں کوئی فرق نہیں آتا (شیکسپیئر)

☆ سب سے بڑی خواہش ہر انسان کو خوش کرنے اور اسے متاثر کرنے کی خواہش ہے اور اس کی سزا یہ ہے کہ انسان نہ متاثر ہوں گے نہ خوش۔ (واصف علی واصف)

سدرہ وزیر، ناصرہ بتول، خوشاب

شاید آپ کے لیے

○ کوشش کیجیے جن کے ساتھ عمر گزارنے کا سودا طے کرنا ہو۔ ان سے دل ملیں نہ ملیں ذہن ضرور ملتے ہوں۔

○ کچھ چیزوں کی اہمیت وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھ جاتی ہے اور کچھ چیزیں وقت گزرنے کے ساتھ اپنی اہمیت کھو بیٹھتی ہیں۔

○ جو شخص آپ کی بے جا تعریف کرتا ہے۔ وہ بے جا تنقید بھی کر سکتا ہے۔

○ وقت صرف ان سے وفا کرتا ہے جو اس کی قدر کرتے ہیں۔

○ دور بھاگیے ایسے لوگوں سے جو کھیل کھیل میں زندگیوں سے کھیل جانے کے عادی ہوں۔

○ اپنی غلطی تسلیم کرنا مشکل ترین کاموں میں سے ایک ہے لیکن ناممکن کاموں میں سے نہیں۔

○ چھوٹا اور تاریک گھر قبول کر لو۔ لیکن چھوٹے اور تاریک ذہن کا ساتھ قبول مت کرو۔

فوزیہ ثمروٹ، گجرات

دل

اس دل پہ ایسی کیا بیتی
کیوں
زندگی سے دور ہوا
کیوں ہم ہیں تنہا تنہا سے
کیا قصہ مشہور ہوا
داستان کچھ بھی نہیں
بات تو ذرا سی ہے
نازک سا اک شیشہ تھا
اک ٹھیس لگی اور
چور ہوا

فوزیہ ثمروٹ، گجرات

فرشتہ اور شیطان

ایک مصور کو ایک مرتبہ فرشتے کی تصویر بنانے کا خیال آیا اس نے پوری دنیا چھان ماری مگر اسے کوئی فرشتے جیسا نہ ملا۔ آخر سخت کوشش کے بعد اسے ایک آٹھ سال کا نونہال ملا شکل و صورت میں کسی بھی فرشتے سے کم نہ تھا۔

مصور نے آخر اس کی تصویر بنا ڈالی۔ جب اس تصویر کی نمائش کی گئی تو خوب واہ واہ ہوئی۔ تیس سال بعد جب مصور بوڑھا ہوا تو اس نے سوچا کیوں نہ مرنے سے پہلے کوئی بڑا کام کر لیا جائے۔

چنانچہ اس نے سوچنا شروع کر دیا۔ آخر اس کے ذہن میں خیال آیا کہ کیوں نہ شیطان کی تصویر بنائی جائے۔ اس مقصد کے لیے اس نے شیطان کی تلاش شروع کر دی۔

اس کام کے لیے اسے زیادہ محنت نہ کرنی پڑی کیونکہ دنیا میں شیطان بہت ہیں ایک ڈھونڈو تو ہزار ملتے ہیں پھر بھی اس نے جیل میں ایک ایسے قیدی کو ڈھونڈ نکالا جو نہایت خونخوار لگ رہا تھا۔ اس کی شکل سے وحشت ٹپک رہی تھی۔

اس کی لال لال آنکھیں اسے اور زیادہ وحشت ناک بنا رہی تھیں مصور نے اسے تصویر بنانے کے لیے چن لیا اور جیل کے حکام سے اجازت لے کر اس کی تصویر بنانی شروع کر دی۔

مگر وہ شخص مصور کو دیکھتے ہی رونے لگا اس نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیا مصور کے پوچھنے پر اس نے جواب دیا۔

"کہ آج سے تیس سال پہلے آپ نے فرشتے کی تصویر بنانے کے لیے مجھے ہی پسند کیا تھا۔"

حرمت روا اکرم ..... ڈلوال

بشریٰ محمود

نمرہ اقراء کی ڈائری میں تحریر
ساغر صدیقی کی غزل

ہے دعا یاد مگر حرف دعا یاد نہیں
میرے نغمات کو انداز نوا یاد نہیں

میں نے پلکوں سے در یار پہ دستک دی ہے
میں وہ سائل ہوں جسے کوئی صدا یاد نہیں

ہم نے جن کے لیے راہوں میں بچھایا تھا لہو
ہم سے کہتے ہیں وہی عہد وفا یاد نہیں

کیسے بھر آئیں سر شام کسی کی آنکھیں
کیسے تھرائی چراغوں کی ضیا یاد نہیں

صرف دھندلائے ستاروں کی چمک دیکھی ہے
کب ہوا کون ہوا کس سے خفا یاد نہیں

زندگی جبر مسلسل کی طرح کاٹی ہے
جانے کس جرم کی پائی ہے سزا یاد نہیں

آؤ اک سجدہ کریں عالم مدہوشی میں
لوگ کہتے ہیں کہ ساغر کو خدا یاد نہیں

صدف عبداللہ کی ڈائری میں تحریر
پروین شاکر کی نظم

تمہاری سالگرہ پر

یہ چاند اور یہ ابر رواں گزرتا رہے
جمال شام تہہ آسماں گزرتا رہے

بھرا رہے تری خوشبو سے تیرا صحن چمن
بس ایک موسم عنبر فشاں گزرتا رہے

سماعتیں ترے لہجے سے پھول چنتی رہیں
دلوں کے ساز پہ تو نغمہ خواں گزرتا رہے

خدا کرے تیری آنکھیں ہمیشہ ہنستی رہیں
دیار وقت سے تو شادماں گزرتا رہے

میں خود کو دیکھ نہ پاؤں تو کچھ ملال نہیں
کہیں بھی ہو تو، ستارہ نشاں گزرتا رہے

مرا ستارہ کہیں ٹوٹ کر بکھر جائے
فلک سے تیرا خط کہکشاں گزرتا رہے

میں تجھ کو دیکھ سکوں آخری بصارت تک
نظر کے سامنے بس اک سماں گزرتا رہے

میں تیرا ساتھ نہ دے پاؤں پھر بھی تیرا سفر
گلاب و خواب کے ہی درمیاں گزرتا رہے

ندا، فضہ کی ڈائری میں تحریر
انور شعور کی غزل

ٹوٹا طلسم وقت تو کیا دیکھتا ہوں میں
اب تک اسی مقام پہ تنہا کھڑا ہوا ہوں میں

یہ کشمکش الگ ہے کہ کس کشمکش میں ہوں
آتا نہیں سمجھ میں بہت سوچتا ہوں میں

میں اہل تو نہیں ہوں کہ دیکھے کوئی مگر
دنیا! مجھے بھی دیکھ، ترا آئینہ ہوں میں

اکثر غبارِ فکر جب اُترا دماغ سے
میں دنگ رہ گیا کہ یہ کیا لکھ گیا ہوں میں

مجھ سے نہیں اُسے مرے فردا سے ہے امید
منزل ہے کوئی اور فقط راستہ ہوں میں

غافل اب اور کیا ہوں کسی سے کہ عمر بھر
آوارگی کی گود میں سوتا رہا ہوں میں

کیا یہ جگہ ہے جس کی تمنا میں آج تک
دن رات شہر شہر بھٹکتا پھرا ہوں میں

مشعل بدست گھومتے گزری ہے ایک عمر
اب کس کے انتظار میں ٹھہرا ہوا ہوں میں

نزہت جبیں ضیاء، کی ڈائری میں تحریر

احمد فراز کی نظم

اُس نے کہا تھا سن
عہد نبھانے کی خاطر مت آنا
عہد نبھانے والے اکثر
مجبوری یا مہجوری کی تھکن سے لوٹا کرتے ہیں
تم جاؤ
سمندر، سمندر یا پی پیاس بجھاؤ
جن آنکھوں میں اترو
جس دل میں ڈوبو
میری تنہائی تمہیں آواز نہ دے گی
مگر جب
میری خواہش اور چاہت کی لے
اتنی اونچی اور اتنی تیز ہو جائے
کہ دل رو دے
تو...
لوٹ آنا

خدیجہ سلیم، کی ڈائری میں تحریر

پرویز ساحر کی غزل

عجب قرینہ ہے لیکن یہ اک قرینۂ عشق
کہ طے کیا سفرِ آسماں بہ زینۂ عشق

ہزار شکر کہ غرقابی سے رہا محفوظ
کنارے آن لگا آپ ہی سفینۂ عشق

یہ اور بات کہ خود کو گنوا دیا میں نے
مگر یہ کم ہے کہ ہاتھ آ گیا خزینۂ عشق

مری مثال سب اہلِ نظر کے سامنے ہے
کہ زخم زخم رہا ہے ازل سے سینۂ عشق

اسی لیے تو یہیں رہ پڑا ہوں میں ساحر
پسند آیا ہے مجھ کو بھی یہ مدینۂ عشق

حرمت ردا اکرم، کی ڈائری میں تحریر

پیر نصیر الدین نصیر کی غزل

رنگ پر آئے جنوں خلق میں افسانہ بنوں
تم جو دیوانہ کہو مجھ کو تو دیوانہ بنوں

بے خودی [illegible] فرزانہ بنوں
کوئی صورت ہو مگر ان سے نہ بیگانہ بنوں

غم کی روداد بنوں درد کا افسانہ بنوں
تم جو ناؤ محبت میں تو میں کیا نہ بنوں

بادۂ حسن وہ چھلکائیں تو گلشن میں ذرا
ہر گلِ تر کی تمنا ہے کہ پیمانہ بنوں

مجھ کو مدت سے یہ ارمان ہے کہ اٹھیں وہ نقاب
دولتِ حسن خدا داد کا ندرانہ بنوں

سوز نے شمع کی مانند جلا رکھا ہے
پر بھی مل جائیں تو میں شمع سے پروانہ بنوں

وہ تو سو رنگ جنوں بخش گئے مجھ کو نصیر
اب یہ مجھ پہ ہے کہ دیوانہ بنوں یا نہ بنوں

زینب احسن زینی، کی ڈائری میں تحریر

آصف شہزاد کی غزل

یاد آتے ہیں تیرے شام ڈھلتے ہی
دل کی بستی کے چراغ جلتے ہی

غم کے دروازے کھل گئے مجھ پر
ہلکی ہلکی ہوا کے چلتے ہی!

خود کو تبدیل کر لیا تم نے
اک نیا ہم سفر بدلتے ہی

گر کے بھی ہم سنبھل گئے یارو
اور تم گر پڑے سنبھلتے ہی

پھیل جاتی ہے چاندنی ہر سو
چاند کے بام پر نکلتے ہی

لاکھ غم اور آ گئے شہزاد
ایک غم میرے سر سے ٹلتے ہی

سیدہ نسبت زہرا، کی ڈائری میں تحریر

نوشی گیلانی کی غزل

گریز شب سے، سحر سے کلام رکھتے تھے
کبھی وہ دن تھے کہ زلفوں میں شام رکھتے تھے

تمہارے ہاتھ لگے ہیں تو جو کرو سو کرو
وگرنہ تم سے تو ہم سو غلام رکھتے تھے

ہمیں بھی گھیر لیا گھر کے زعم نے تو کھلا
کچھ اور لوگ بھی اس میں قیام رکھتے تھے

یہ اور بات ہمیں دوستی نہ راس آئی
ہوا تھی ساتھ تو خوشبو تمام رکھتے تھے

نجانے کون سی رت میں بچھڑ گئے وہ لوگ
جو اپنے دل میں بہت احترام رکھتے تھے

وہ آ تو جاتا کبھی، ہم تو اس کے رستوں پر
دیے جلائے ہوئے صبح و شام رکھتے تھے

نوشین اقبال، کی ڈائری میں تحریر

میر واحد اعجاز و صلاتی

خواب،

ابھی ایک خواب میں آج تک
میں بندھا ہوں اس کے جال میں
کوئی شہر یار وفاؤں کا
کبھی آئے عشق کے تخت پر
مجھے مجھ سے چھین کے لے چلے
کہیں دور شہرِ جمال میں
مرے سر و جسم کو ڈھانپ دے
وہ سلگتی بانہوں کی شال میں
جہاں میں ہوں اس کے جواب میں
جہاں وہ ہو میرے سوال میں
نہ ہو ایک سانس کا بھی فاصلہ

شگفتہ سلیمان

نمرہ، اقراء ______ کراچی

جب خزاں آئے تو لوٹ آئے گا وہ بھی محسن
وہ بہاروں میں ذرا کم ہی ملا کرتا ہے

جاسمہ مریم نوید ______ کراچی

ایکلا وارث ہوں میں اس کی تمام نفرتوں کا محسن
وہ جو شخص سارے شہر میں پیار بانٹتا پھرتا ہے

ندا، فضہ ______ فیصل آباد

شکستہ دل ہوں مگر مسکرا کے ملتا ہوں
اگر یہ فن ہے تو آیا ہے اک عذاب کے بعد

آسیہ جاوید ______ علی پور چٹھہ

اپنے کھو جانے کا اس راہ میں امکان نہ تھا
تھا، مگر اتنا بھی اس کا مجھے ارمان نہ تھا
کچھ تصنع بھی تھا، ورنہ مرے غم پر وہ شخص
جتنا آتا تھا نظر اتنا پریشان نہ تھا

خدیجہ سلیم ______ کراچی

ہوں اس الجھن میں، عجب شخص تھا وہ بھی کہ مجھے
پہلے مسرور تھا اور کھو کے پشیمان نہ تھا
بارہا اس کو مناتے ہوئے سوچا ہے بہت
اپنے پندار پہ کیا مجھ کو بہت مان نہ تھا

صابرہ یار محمد ______ اسلام آباد

کیا کہیں کس کس نے لوٹا ہے بردہ اخلاص میں
جتنے قاتل تھے بہ انداز مسیحائی تھے

فرزانہ علی ______ کراچی

تھا جنہیں زعم وہ دریا بھی مجھی میں ڈوبے
میں کہ صحرا نظر آتا تھا سمندر نکلا
میں کہ صحرائے محبت کا مسافر تھا فراز
ایک جھونکا تھا کہ خوشبو کے سفر پر نکلا

نازیہ ______ لاہور

کتنی لمبی خاموشی سے گزرا ہوں
ان سے کتنا کچھ کہنے کی کوشش کی
ایک ہی خواب نے ساری رات جگایا ہے
میں نے ہر کروٹ سونے کی کوشش کی

صائمہ مہتاب ______ دبئی

ہم تھامتے ہی رہ گئے زنجیر وقت کو
آیا، رکا، ہنسا، مڑا اور ایک پل گیا
عد جنوں کو دیکھنا عادت ہے عشق کی
روشن رہا چراغ اور پروانہ جل گیا

مریم یوسف ______ کراچی

اس کو چاہا بھی تو اظہار نہ کرنا آیا
کٹ گئی عمر ہمیں پیار نہ کرنا آیا
اس نے مانگا بھی اگر کچھ تو جدائی مانگی
اور ہم تھے ہمیں انکار نہ کرنا آیا

نشا نورین ______ بوریالہ جھنڈا سنگھ

خود کو ہر بار نشانے پہ ترے رکھا ہے
میری خواہش ہے ترا وار نہ خالی جائے

حرمت ندا اکرم ______ ڈلوال

کچھ چنچل فطرتوں نے ہم کو بنا دیا ہے
دن نے سلا دیا ہے، تو شب نے جگا دیا ہے
دیوانہ ہم کو کہہ کر ہنستے ہیں لوگ ہم پر
سارے شہر کو ہم نے ہنس مکھ بنا دیا ہے

لائبہ، ایمن ______ آزاد کشمیر

موسم نے بال و پر تو سنوارے بہت مگر
اڑنے کہاں کو ہم ... تھے
محسن ہوا کے ... تھے بے شمار
جن میں تھا ... وہ دن بھی چند تھے

نادیہ ... ______ کراچی

طبیعت اپنی جب گھبراتی ہے سنسان راتوں میں
ہم ایسے میں تیری یادوں کی چادر تان لیتے ہیں

سدرہ نذیر ______ خوشاب

راستہ روکے کھڑی ہے یہی الجھن کب سے
کوئی پوچھے تو کہیں کیا کہ کدھر جاتے ہیں
نرم الفاظ، بھلی باتیں، مہذب لہجے
پہلی بارش ہی میں سب رنگ اتر جاتے ہیں

حورالعین اقبال ______ کراچی

جو نظر آتی ہیں تمہیں خشک اور ویران سی
اک سمندر تھا یہاں ان آنکھوں کے کنارے
یوں رس گھلا سماعت میں کہ محسوس یہ ہوا
جیسے الفاظ جن لائے کوئی قرآں کے بعد

کرن، تبسم ______ کراچی

پھر کبھی لوگوں کی باتوں میں نہیں آئے گا وہ
دیکھ لینا مجھ سے مل کر ... جائے گا وہ
صبح تو کرنے لگا آکے مجھ سے ... کے بعد
جب ملے گا بس یہی احسان جتائے گا وہ

سونیا بابا، تالی ______ قاضیاں محلہ بالا

کمال ... دکھائے مجھے
... جس نے وہ یاد آئے مجھے

سیدہ ... ______ کراچی

وصل کو کیسے معتبر سمجھیں
ہجر کا خوف دل پہ طاری ہے
آج تو دل کی بات کہنے دو
آج کی شام تو ہماری ہے

فوزیہ ثمر بٹ ______ گجرات

وہ ایک یاد کہ ہر لمحہ ذہن میں جاگی
وہ ایک ذکر کہ لہجہ بھی ہم بدل نہ سکے
وہ ایک نام کہ جس نام کو نہ بھولے کبھی
وہ ایک راہ کہ جس راہ سے نکل نہ سکے

عظمیٰ غلام نبی ______ کراچی

تم پاس نہیں ہو تو عجب حال ہے دل کا
یوں جیسے میں کچھ رکھ کے کہیں بھول گئی ہوں

حرا شاہ ______ شجاع آباد

وہ جن کو ہم تیری قربت میں بھول بیٹھے تھے
وہ لوگ تیری جدائی کے بعد یاد آئے
ہم اتنے بھی گئے گزرے نہیں تھے فراز
کہ تجھ کو ساری خدائی کے بعد یاد آئے

میر اعبدالغنی بٹ ______ درنجف لودھرے

دیکھا نہ تھا جب آپ کو دل کو سکون تھا
جب سے ملی نگاہ مصیبت میں پڑ گئی

زینب احمد زبیری ______ منصورہ آباد

پہلے تو خود میں کشش پیدا کرو
ہر شخص کو حسرت سے دیکھا نہیں کرتے
ہر شخص نہیں ہوتا ہر شخص کے قابل
ہر شخص کو اپنے لیے پرکھا نہیں کرتے

زینب ریاض ______ کراچی

جیسے کسی کی یاد نے سینے پہ ہاتھ رکھ دیا
جیسے کوئی دیا جلا آخر شب کے دشت میں

نوشین اقبال نوشی ______ گاؤں بدرہ مرجان

بہتر کو دیمک لگ جائے یا آدم زاد کو غم
دونوں ہی کو امجد ہم نے بچتے دیکھا کم
بہت غم پر بھی تو ہنس پڑتا ہے آدمی
بہت خوشی میں بھی تو آنکھیں بھر جاتی ہیں نم

نمل تاج ______ کراچی

عجیب چیز ہے یارو یہ منزلوں کی ہوس
کہ راہزن بھی مسافر کو رہنما سا لگے

الماس ______ لاہور

زندگی کب کی ہو گئی خاموش
دل تو بس عادتاً دھڑکتا ہے

نایاب اسلم ______ لاہور

کبھی یقین کی صورت کبھی گمان کی طرح
مزاج اس کا بدلتی ہواؤں جیسا ہے

شاہین شوقین ______ میرپور خاص

اپنے نصیب کا تو مل ہی جائے گا یارب
وہ چیز عطا کر جو تقدیر میں نہیں

حمیرہ مہتاب ______ سعودی عرب

میں دست کوزہ گر کے تخیل سے چاک تک
آیا ہوں آسمان سے ہو کر میں خاک تک

سرورق کی شخصیت

ماڈل ______ صائمہ
میک اپ ______ روز بیوٹی پارلر
فوٹوگرافر ______ موسیٰ رضا

ایک سے بڑھ کر ایک

"میرے باس کی بیوی کو تم نے پارٹی میں دیکھا تھا نا ــــ کس قدر خوب صورت ہیں۔" شوہر نے بیوی کو چڑانے کی غرض سے کہا۔

"کچھ روز سے میرے خوابوں میں آرہی ہیں۔"

"اکیلی ہی دکھائی دیتی ہوں گی؟" بیوی نے پریشان ہونے کی بجائے الٹا سوال کر دیا۔

"ہاں! لیکن تمھیں کیسے معلوم ہوا؟" شوہر نے حیران ہو کر پوچھا۔

"کیونکہ آپ کے باس میرے خوابوں میں آرہے ہیں۔" بیوی نے اٹھلا کر جواب دیا۔

شاہدہ ظفر ــــ گلشن حدید کراچی

بے خیالی میں

ایک صاحب کو مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا گیا۔ ٹریفک سارجنٹ نے ان کا چالان کیا تھا۔ مجسٹریٹ ان سے مخاطب ہوئے۔

"مجھے بتایا گیا ہے کہ ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی کرنے کے علاوہ آپ نے ٹریفک سارجنٹ سے نازیبا گفتگو بھی کی؟"

"میرے خیال میں تو ایسا نہیں ہے۔" وہ صاحب معذرت خواہانہ لہجے میں بولے۔

"دراصل ٹریفک سارجنٹ مجھے بالکل اس انداز میں ڈانٹ رہے تھے، جس طرح میری بیوی ڈانٹتی ہے، اس لیے بے خیالی میں میرے منہ سے نکل گیا 'تم ٹھیک کہہ رہی ہو جانِ من!' اس کے علاوہ تو میں نے کچھ نہیں کہا۔"

ساجدہ ــــ میرپور خاص

فرض شناس

ڈاکٹر صاحب پاگل خانے کے اسپتال کا معائنہ کرتے ہوئے ایک وارڈ میں پہنچے تو وہ بالکل خالی تھا۔

"کیا اس وارڈ میں کوئی مریض داخل نہیں ہے؟" ڈاکٹر صاحب نے حیرت سے پوچھا۔

"مریض تو موجود ہیں سر ــــ" ان کے ساتھ چلنے والے ڈیوٹی آفیسر نے بتایا۔

"تو پھر مجھے نظر کیوں نہیں آرہے؟" ڈاکٹر صاحب نے حیرت سے پوچھا۔

"دراصل اس وارڈ میں اتفاق سے صرف وہ پاگل مریض داخل ہیں، جو پیشے کے اعتبار سے موٹر مکینک ہیں۔ وہ سب اس وقت اپنے اپنے بیڈ کے نیچے گھسے ہوئے ہیں اور اپنے خیال میں گاڑی کی مرمت کر رہے ہیں۔" ڈیوٹی آفیسر نے بتایا۔

نجمہ ــــ کراچی

حصولِ دماغ

برسوں سے ترقی نہ ملنے کے سبب ایک اوسط درجے کا ایگزیکٹو فرسٹریشن کا شکار ہو کر اس امید پر دماغ کی ٹرانسپلانٹیشن کرنے والے ادارے جا پہنچا کہ دماغ کی تبدیلی کے بعد اس کا آئی کیو لیول بڑھ جائے گا۔ مختلف جسمانی اور نفسیاتی ٹیسٹوں کے بعد ادارے کے ڈائریکٹر نے اسے بتایا کہ وہ اس عمل سے گزر سکتا ہے۔

"واقعی! مگر میں نے سنا ہے کہ یہ آپریشن خاصا مہنگا ہے؟" ایگزیکٹو نے کہا۔

"جی سر! آپ نے ٹھیک سنا ہے۔" ڈائریکٹر کا جواب تھا۔

"ایک اکاؤنٹنٹ کا ایک اونس دماغ آپ کو ایک لاکھ روپے میں پڑے گا، ماہر معیشت کا ایک اونس دماغ دو لاکھ میں، کاروباری ادارے کے صدر کا پانچ لاکھ میں اور سیاست دان کے ایک اونس دماغ کے لیے آپ کو پچاس لاکھ روپے دینے ہوں گے۔"

"پچاس لاکھ روپے! سیاست دان کے ایک اونس دماغ کے لیے ـــ سیاست دان کا دماغ اتنا مہنگا کیوں؟" ایگزیکٹو کا رد عمل حیرت انگیز تھا۔

ڈائریکٹر نے گہری سانس لی اور کہا۔

"آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ ایک اونس دماغ کے حصول کے لیے ہمیں کتنے سیاست دانوں کو قتل کرنا پڑے گا۔"

شہلا ــــ کراچی

دل جلا

ٹرین نہایت سست رفتاری سے چل رہی تھی، اس دوران گارڈ ایک کمپارٹمنٹ میں آیا اور بولا۔

"جو مسافر نصیب نگر جا رہے ہیں، انھیں نہایت افسوس سے اطلاع دی جا رہی ہے کہ وہاں کا ریلوے اسٹیشن تباہ ہو گیا، وہاں آگ لگ گئی تھی۔"

ایک لمحے کے لیے خاموشی رہی، پھر ایک مسافر دوسروں کو تسلی دینے کے انداز میں بولا۔

"پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے، جب تک ہم نصیب نگر پہنچیں گے، اسٹیشن دوبارہ تعمیر ہو چکا ہو گا۔"

ذکیہ خان ــــ کورنگی

داؤ پیچ

چار سپاہی ایک دیہی ریستوران میں بیٹھے شراب پی رہے تھے۔ ان میں سے ایک جو پہلوان تھا، ساتھیوں کے منع کرنے کے باوجود کچھ زیادہ ہی پی گیا۔

وہ لوگ فارغ ہوئے تو انھوں نے گھر کی راہ لی۔

کھیتوں سے گزرتے ہوئے ان کا سامنا ایک سانڈ سے ہو گیا۔ بلانوش نے آگے بڑھ کر سانڈ کے دونوں سینگ پکڑ لیے اور اپنے داؤ پیچ آزمانے لگا۔ پانچ دس منٹ میں سانڈ میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔

پہلوان اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہوا۔

"تم لوگ ٹھیک ہی کہتے تھے کہ میں کچھ زیادہ ہی پی گیا، ورنہ اس سائیکل سوار بدمعاش کو نیچے گھسیٹ کر اس کی ہڈی پسلی ایک کر دیتا۔"

سفینہ طارق ــــ فیصل آباد

زعفرانی چوکے

اک میرے نام کا بھی خط نکالا اس نے
خوب بیچا اسے اور خوب ہی کمائی کی
میرے عاشق کا تو پرفیوم کا بزنس ہے جناب
اس نے خوشبو کی طرح میری پذیرائی کی
گیا پردیس پر برسوں ہوئے لوٹا ہی نہیں
پہلے بیکار تھا اور مار تھی مہنگائی کی
بھیج دیتا ہے میرا نام سے ہر ماہ ڈرافٹ
اک یہی بات ہے اچھی میرے ہرجائی کی

سونیا ربانی ــــ قاضیاں محلہ بالا

شہر ہے یا جہنم

کراچی شہر انھیں کسی طور اور کسی طرف سے اچھا نہیں لگا، جھنجلا کر بار بار کہتے۔

"اماں! یہ شہر ہے یا جہنم۔" مرزا کسی دانا کے قول

میں تصرف بے جا کر کے فرماتے ہیں کہ "قبلہ اس دارالمحن سے کوچ فرمانے کے بعد اگر خدانخواستہ وہیں پہنچ گئے جس سے کراچی کو تشبیہ دیا کرتے تھے تو چاروں طرف نظر دوڑانے کے بعد یہی ارشاد ہو گا کہ ہم نے تو سوچا تھا کراچی چھوٹا سا جہنم ہے۔ جہنم تو بڑا سا کراچی نکلا۔"

ایک دفعہ ان کے ایک بے تکلف دوست نے ان سے کہا۔

"تمہیں معاشرے میں خرابیاں ہی خرابیاں نظر آتی ہیں تو بیٹھے بیٹھے ان پر کڑھنے کے بجائے ان کی اصلاح کی فکر کرو۔" ارشاد فرمایا۔

"سنو! میں نے ایک زمانے میں پی ڈبلیو ڈی کے کام بھی کیے ہیں مگر دوزخ کی ایئر کنڈیشننگ کا ٹھیکہ نہیں لے سکتا۔"

(مشتاق احمد یوسفی از آب گم)
کرن عدنان۔ کراچی

موضوع

ایک مشہور ہدایت کار ایک خوب صورت ایکسٹرا لڑکی کو بازو میں سمیٹے اس کے کانوں میں میٹھے میٹھے بول کہہ رہا تھا۔

"تم میری روح ہو، میری زندگی ہو، تم سے مجھے اتنی محبت ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔" ایکسٹرا لڑکی نے امید بھرے لہجے میں پوچھا۔

"پھر کیا تم مجھ سے شادی کرو گے؟" ہدایت کار نے کہا۔

"تم عورتوں میں یہی ایک بڑی خرابی ہے، جھٹ موضوع بدل دیتی ہو۔"

رانی۔ لاہور

ایسا بھی ہوتا ہے

ایک سپاہی اتنا ڈرپوک تھا کہ جنگ چھڑتے ہی محاذ سے بھاگا تو پیچھے ہی بھاگتا چلا گیا۔ ایک افسر نے اسے دیکھ لیا اور روک کر اسے ڈانٹا۔

"تمہیں معلوم نہیں آگے محاذ پر گھمسان کی لڑائی ہو رہی ہے اور تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" سپاہی چپ رہا تو افسر نے پھر گرج کر کہا۔

"جواب تو دو، تمہیں پتا نہیں میں کون ہوں، میں تمہارا جنرل ہوں۔" یہ سن کر سپاہی چیخ پڑا۔

"خدا کی پناہ میں اتنا پیچھے آپہنچا۔"

امبر اسلم۔ پشاور

بطور احتیاط

ایک بار مرزا غالب کے ہاں ایک مہمان آئے ملاقات کے بعد وہ واپس جانے لگے تو مرزا غالب موم بتی لے کر دروازے تک انہیں چھوڑنے گئے۔ مہمان اس حسن وسلوک سے بہت متاثر ہوا اور اس نے کہا۔

"اس زحمت کے لیے بہت بہت شکریہ۔" مرزا غالب مسکرائے اور بولے۔

"جناب میں اس لیے آیا ہوں کہیں آپ میرا جوتا نہ پہن جائیں۔"

فرزانہ احمد۔ کراچی

کارستانی

ایک فرانسیسی کو ڈاکٹر نے بتایا۔

"تمہارے جسم میں پانی زیادہ ہے۔"

وہ بہت حیران ہوا اور بولا۔

"پانی زیادہ ہے لیکن میں نے تو زندگی میں کبھی پانی پیا ہی نہیں۔" پھر کچھ سوچ کر کہنے لگا۔

"او ہو یہ اس برف کی کارستانی معلوم ہوتی ہے جو میں کبھی کبھار شراب میں ملا کر پیا کرتا تھا۔"

رباب آفاق۔ کراچی

دسترخوان

خالدہ جیلانی

گلاب جامن

اجزا:

کھویا	ایک کپ
تیل (فرائنگ کے لیے)	حسب ضرورت
خشک دودھ	ایک کپ
چینی (پسی ہوئی)	ایک کھانے کا چمچہ
میدہ	ایک کھانے کا چمچہ
گھی	ایک کھانے کا چمچہ
انڈا	ایک عدد
الائچی	چھ عدد (پیس لیں)

شیرا بنانے کے لیے:

چینی	ایک کپ
الائچی (پسی ہوئی)	چار عدد

ترکیب:

گلاب جامن میں ایک باؤل میں کھویا، خشک دودھ، چینی، میدہ، انڈا، الائچی ڈال کر مکس کریں اور ہلکا سا دودھ کا چھینٹا دے کر گوندھ لیں۔ اس آمیزے کو پانچ منٹ تک گوندھنا ہے اور حسب پسند باؤل بنا کر آدھے گھنٹے کے لیے فریج میں رکھ دیں۔

دیگچی میں دو سے تین گلاس پانی ڈالیں اور اس میں ایک کپ چینی اور الائچی ڈال کر پکنے کے لیے رکھ دیں۔ دس سے پندرہ منٹ کے بعد چولہے کی آنچ ہلکی کر دیں۔ اب بنی ہوئی باؤل کو ہلکی آنچ پر ڈیپ فرائی کریں اور حسب پسند براؤن ہونے پر نکال کر پکتے ہوئے شیرے میں ڈالتی جائیں اور ہلکی آنچ پر پکنے دیں۔ مزے دار گلاب جامن تیار ہیں۔ ٹھنڈا یا گرم سرو کریں۔

بادام ٹرائفل

اجزا:

بسکٹ	آٹھ عدد
پائن ایپل سیرپ	چار کھانے کے چمچے
چینی	آدھا کپ
ونیلا کسٹرڈ	ایک چوتھائی کپ
بادام (ہوائیاں کٹی ہوئی)	آدھا کپ
پستے (ہوائیاں کٹی ہوئی)	چوتھائی کپ
انگور	200 گرام
چاکلیٹ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
دودھ	تین کپ

ترکیب:

بسکٹوں کو باریک ٹکڑوں میں توڑ کر ایک پیالے میں ڈالیں۔ اب ان بسکٹوں کو چار حصوں میں تقسیم کر کے علیحدہ علیحدہ چھوٹے پیالوں میں رکھیں پھر ان بسکٹوں کے اوپر پائن ایپل سیرپ ڈال کر چھوڑ دیں (یہاں تک

کہ بسکٹ تھوڑے نرم ہو جائیں) اب کسٹرڈ علیحدہ سے پکا کر تیار کریں۔

کسٹرڈ تیار کرنے کے لیے ڈھائی کپ دودھ اور چینی کو دیگچی میں ڈال کر گرم کریں۔ اس کے بعد اس میں کسٹرڈ کو آدھا کپ ٹھنڈے دودھ میں مکس کرکے آمیزے کو گرم دودھ میں ڈال کر چمچہ چلاتی جائیں۔ جب کسٹرڈ گاڑھا ہو جائے تو چولھے سے اتار لیں۔ نیم ٹھنڈا ہونے پر اس کسٹرڈ میں انگور اور چاکلیٹ پاؤڈر ڈال کر اچھی طرح مکس کرلیں۔ اس آمیزے کو بسکٹ والے چھوٹے پیالوں میں ڈال دیں۔ اوپر سے کٹے ہوئے بادام اور پستے چھڑک کر فریج میں رکھ دیں۔ ٹھنڈا ہونے پر سرو کریں۔ مزے دار بادام ٹرائفل تیار ہے۔

انڈوں کا شاہی حلوہ

اجزا :

انڈے	دس عدد
کھویا	ایک کپ
برفی	ایک کپ
چینی	حسب ضرورت
بادام	50گرام
پستہ	50گرام
اخروٹ	50گرام
سبز الائچی	چار سے پانچ عدد
دودھ	چار کھانے کے چمچے
گھی	60گرام

ترکیب :

کڑاہی میں گھی گرم کریں۔ الائچی ڈال کر کڑکڑائیں۔ انڈے ڈال کر پھینٹ لیں۔ انڈوں میں چینی اور دودھ بھی ڈال کر مکس کرلیں۔ برفی کے چھوٹے چھوٹے پیس کرلیں۔ بادام، پستہ اور اخروٹ کو باریک کاٹ لیں۔

کڑاہی میں انڈوں کا آمیزہ ڈال کر چمچہ چلائیں جیسے ہی انڈے ٹھوس شکل اختیار کریں اس میں کھویا، برفی اور باریک کٹے ہوئے بادام، پستہ اور اخروٹ ڈال کر چمچہ چلائیں۔ اس آمیزے کو ہلکی آنچ پر مزید دس منٹ پکائیں اور چمچہ برابر چلاتے رہیں۔ ڈش میں نکال کر اوپر سے پستہ، بادام، اخروٹ سے گارنش کریں۔ مزے دار انڈوں کا شاہی حلوہ تیار ہے۔

فروٹ کسٹرڈ پیسٹر ٹارٹ

اجزا :

میدہ	دو کپ
مکھن	ایک کپ (جما ہوا)
نمک	چوتھائی چائے کا چمچہ
انڈا	ایک عدد
ٹھنڈا پانی	گوندھنے کے لیے
دودھ	ایک کپ
چینی	دو کھانے کے چمچے
ونیلا کسٹرڈ پاؤڈر	دو کھانے کے چمچے
انگور، سیب، بادام، چیری	ایک کپ

ترکیب :

میدہ چھان کر تسلے میں ڈالیں۔ اس میں مکھن، نمک اور انڈا ڈال کر ہاتھ سے اچھی طرح مکس کریں۔ میدہ جب بریڈ کرمز کی طرح ہو جائے تو اس میں پانی ڈال کر گوندھ لیں۔ ٹارٹ ٹرے میں تیل لگا کر اسے چکنا کرلیں۔ میدے کی گول روٹی بیل کر گول ٹکڑے ٹکیاں سی کاٹ لیں اور ٹارٹ ٹرے میں رکھ کر سیٹ کریں۔ ٹارٹ ٹرے کو پہلے سے گرم اوون میں 200.C پر رکھ کر [illegible] منٹ تک بیک کریں۔

سوس پین میں دودھ اور چینی کو پکائیں۔ تھوڑے ٹھنڈے دودھ میں ونیلا کسٹرڈ پاؤڈر گھول کر پکتے ہوئے دودھ میں ڈال دیں مسلسل چمچہ چلائیں۔ گاڑھا ہونے پر اتار لیں ٹھنڈا ہونے پر اس میں انگور، سیب، کیلا، بادام اور چیری شامل کردیں۔ تیار کی ہوئی ٹارٹ میں بھریں، پگھلی ہوئی چاکلیٹ سے گارنش کریں۔

حسن و صحت

ادارہ

کسی بھی خاتون کی عمر کا اندازہ عموماً اس کی گردن سے لگایا جا سکتا ہے۔ اکثر و بیشتر گردن کی دیکھ بھال کی طرف سے غفلت برتی جاتی ہے حالانکہ اس پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے کیونکہ اس کی نمی بہت جلد خشک ہو جاتی ہے جس کے باعث اس پر جھریاں نمودار ہونے لگتی ہیں۔ گردن پر ضرورت سے زیادہ پرفیوم کا استعمال [illegible] اسے زیورات کا بوجھ برداشت کرنا [illegible] پھر دن بھر کا گرد و غبار جمتا رہتا ہے [illegible] ایک دن خشکی کا شکار ہو کر چہرے سے زیادہ [illegible] لگتی ہے۔

گردن کے اس نازک حصہ کی اچھی طرح دیکھ بھال کرنے کے لیے ہم نے چند ایسے سوالات ترتیب دیے ہیں جو عموماً پوچھے جاتے ہیں۔ ان میں ایسے سوالات بھی شامل ہیں جو شاید آپ کے ذہن میں نہ آتے ہوں۔

کیا گردن کی جلد چہرے کی جلد سے مختلف ہوتی ہے؟

پیدائش کے وقت دونوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ان میں تبدیلی آجاتی ہے۔ آپ کی گردن کی حفاظت اچھی طرح نہیں ہوتی اس لیے اس میں وہ خامیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

1 اس کی نمی کو برقرار رکھنے والی تہ بہت کمزور ہوتی ہے اور اسے روکے رکھنے میں کامیاب نہیں رہتی۔

2 ایپی ڈرمس نامی جلد کی دونوں پرتیں بہت باریک ہوتی ہیں۔ اس لیے وہ جلد کی نمی کو بخارات کے بننے سے نہیں روک پاتیں۔ اس لیے نمی کا خشک ہو جانا ایک سنگین مسئلہ ہے۔

کیا گردن بھی جلدی امراض کا شکار ہو سکتی ہے؟

جی ہاں، وہ جلدی امراض سے محفوظ نہیں۔ اگر آپ کی گردن پر خارش کا اثر ہے تو تمام زیورات اتار دیں اور کسی ماہر جلد سے رجوع کریں۔ اس بات کی جانچ بھی کریں کہ قمیص کی گردن پر استعمال ہونے والی

اشیاء جیسے فرکالز کیمیاوی لیبل یا نائیلون کے دھاگے آپ کی جلد پر جلن یا دانے تو پیدا نہیں کر رہے ہیں۔

گردن امراض کے لیے اتنی حساس کیوں ہے؟

اس لیے کہ آپ اس کے ساتھ بے توجہی برت رہی ہیں۔ بہت سی خواتین یہ بھول جاتی ہیں کہ اسے بھی کلینزنگ، موئسچرائزنگ اور چہرے کی طرح دوسری حفاظتوں کی ضرورت ہے۔ چہرے کے مقابلہ میں اس کے اندر مختلف اقسام کی حرکتیں بھی ہیں۔ اس لیے آپ کو جھریاں دور کرنے والی ورزشیں اور صحیح قسم کی کاسمیٹکس استعمال کرنے کی ضرورت ہے۔

گردن پر اچانک گول گول دائرے کیوں پڑنے لگتے ہیں؟

گردن کے اس حصہ کی جلد بہت باریک ہونے کے باعث بیرونی محرکات کے لیے بہت حساس ہے جیسے دھوپ، درجہ حرارت میں تبدیلی وغیرہ۔ وقت گزرنے کے ساتھ کولیجن کے ریشے اپنا لوچ کھو دیتے ہیں اور لچک دار ریشے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہونے لگتے ہیں۔ پہلے جھریاں نمودار ہوتی ہیں اور گردن کی حرکت کے ساتھ وہ مزید گہری ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ جلد سے نمی کا اخراج بڑھ جاتا ہے اور خشکی اثر انداز ہونے لگتی ہے۔

اس حصہ کی حفاظت کیسے ہو؟

چہرے کے دوسرے حصوں کی مانند گردن کی جلد کے ساتھ بھی وہی عمل دہرائیں جیسے موئسچرائزنگ کریم، نائیٹ کریم، جھریوں کو دور کرنے والی کریم، فرمنگ کریم اور آئی پیک کا استعمال۔ ان اشیاء کو استعمال کرنے سے قبل گردن کی جلد کو کلینزنگ ملک اور الکوحل سے پاک ٹونر کی مدد سے اچھی طرح صاف کر لیں۔

کیا کسی خاص کریم کے استعمال کی ضرورت ہے؟

گردن کے لیے خصوصی کریمیں دستیاب ہیں جو زیادہ موثر ہوتی ہیں کیونکہ اس کے اندر زیادہ فعال اجزا شامل ہوتے ہیں۔ وہ نا صرف موئسچرائز کرتے ہیں بلکہ مساموں کو آکسیجن بھی فراہم کرتے ہیں تاکہ وہ جھریوں کے خلاف اپنا دفاع مضبوط کر سکیں۔ گردن کی جلد پر چہرے کے مقابلہ میں دیر میں بڑھاپا نمودار ہوتا ہے لیکن ایک مرتبہ وہ نمودار ہو جائے تو پھر وہ بہت زیادہ نمایاں ہو جاتا ہے۔

کیا میک اپ کے ذریعے گردن کی خامیوں کو پوشیدہ رکھا جا سکتا ہے؟

اس کے اثرات کو کم نمایاں کرنے کے لیے گردن پر معمول سے ایک شیڈ کا زیادہ فاؤنڈیشن استعمال کریں۔

کیا گردن کے لیے لیپوسکشن کرایا جا سکتا ہے؟

گردن اور ٹھوڑی کی خامیوں کو دور کرنے کے لیے ان دنوں مائیکرو لیپوسکشن تکنیک استعمال کی جاتی ہے۔ اس تکنیک میں سرجن ٹھوڑی کے نیچے ایک ہلکا سا کٹ لگاتا ہے اور پھر ایک آلہ اندر داخل کر کے اضافی چربی کو کھینچ کر باہر نکال دیتا ہے۔

بہت لمبی گردن کو کس طرح کم کر کے دکھایا جا سکتا ہے؟

گردن پر ہلکی شیڈ کی [illegible] استعمال کریں اور بہت بڑی بڑی اور [illegible]

گردن کی حالت کو بہتر بنانے کے لیے کیا کوئی ورزش بھی ہے؟ معجزات کی توقع نہ کریں لیکن اچھے [illegible] یون اور گھریلو دیکھ بھال کے ذریعہ۔ مندرجہ ذیل ورزشوں سے گردن سڈول اور مضبوط ہو سکتی ہے۔

○ گردن کو ہمیشہ صحیح زاویہ پر رکھیں۔ دونوں ہاتھ سر کی پشت پر باندھ کر کہنیاں اندر افقی حالت میں کر لیں۔ اب اپنی گردن کو پیچھے کی طرف دھکیلیں۔ چند سیکنڈ کے بعد پر سکون حالت اختیار کر لیں اور پھر یہی عمل دوہرائیں۔ ایک ہاتھ ماتھے پر رکھ کر سر کو آگے کی طرف دھکائیں۔ چند سیکنڈ کے بعد نارمل حالت اختیار کر کے اس عمل کو پھر دوہرائیں۔

○ سیدھی کھڑی ہو کر سر اور کمر بالکل سیدھی کر لیں۔ اب سر کو داہنی طرف اور پھر بائیں طرف جھکائیں اور کندھے کو چھونے کی کوشش کریں۔ دونوں طرف اس عمل کو پانچ پانچ بار کریں۔ اس ورزش سے ذہنی دباؤ اور [illegible] میں بھی کمی واقع ہوتی ہے۔

گردن کی دیکھ بھال

○ گردن کا پچھلا اور نچلا حصہ بہت جلد سیاہی مائل اور میلا نظر آنے لگتا ہے۔ اس لیے نہاتے وقت گردن کے ان حصوں کو تولیے سے اچھی طرح رگڑ کر صاف کریں۔ تاہم زیادہ زور سے نہ رگڑیں اور نہ ہی اس پر لکیریں ڈالیں۔

○ بالوں کے نیچے گردن کی پشت پر ٹیلکم پاؤڈر چھڑکیں تاکہ وہ پسینہ خشک کرنے کے ساتھ ہی جسم سے نکلنے والی بو کو بھی رفع کرے۔ پلاسٹک سرجری کے ذریعہ گردن پر لٹکتی ہوئی ڈھیلی کھال کو کٹ کرا کے دور کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح آپ کی عمر کئی برس کم نظر آنے لگے گی۔ لیکن پرہیز علاج سے بہتر ہے۔ اس لیے کم عمری سے ہی گردن کی دیکھ بھال کرنا شروع کر دیں تاکہ اس پر جھریاں پڑنے نہ پائیں۔

○ اضافی چربی اور ڈھیلے پٹھوں کے باعث ٹھوڑی دوہری نظر آنے لگتی ہے۔ اس سے بچنے کے لیے سوتے وقت سرہانہ زیادہ اونچا نہ رکھیں۔ بلکہ بہتر تو یہی ہے کہ تکیہ کا استعمال ہی نہ کریں۔

○ لٹکتی ہوئی ٹھوڑی کو صحیح شکل میں لانے کے لیے یہ ٹوننگ ورزش کر لیں۔ سر کو سیدھا رکھیں۔ کندھوں کو پیچھے کی طرف ڈھیلا کر کے سکون سے کھڑی ہو جائیں۔ ٹھوڑی کی سطح ہموار ہونی چاہیے۔ شہادت کی انگلی کو دانتوں کے درمیان افقی شکل میں دبالیں اور پھر زبان سے اوپر کے دانتوں کو دھکا دیں۔ آپ کو ٹھوڑی کے نیچے کھنچاؤ محسوس ہوں گے۔ روزانہ دو منٹ تک یہ ورزش کرتی رہیں۔ گردن کے پٹھوں کو بھی مضبوط کرنے کی ورزشیں ہیں۔

○ اپنے منہ کو نصف کھلا رکھیں۔ ہتھیلی کو جبڑے کے نیچے لگالیں۔ انگلیوں کو دائرہ کی شکل میں اس طرح رکھیں کہ وہ آپ کے گالوں سے آہستہ سے چپکی رہیں۔ پھر ہاتھوں کی مزاحمت کے خلاف منہ کھولنے کی کوشش کریں۔

○ ایک ہتھیلی سر پر رکھیں اور دوسری ٹھوڑی کے نیچے۔ اب دونوں ہاتھوں میں دبے ہوئے سر کو آگے کی طرف بڑھانے کی کوشش کریں۔ اس عمل کے دوران کندھے سیدھے رکھیں اور آپ خود پر سکون رہیں۔

کہنیوں میں بہت جلد سیاہی مائل، خشک اور جھریوں دار بن جانے کی صفت پائی جاتی ہے۔ ان کی صفائی کے لیے نہاتے وقت ہفتہ میں ایک بار جھانوے سے گھسنا بہت فائدہ مند ثابت ہوتا ہے۔ رات کے وقت ان پر کولڈ کریم مل لینے سے کہنیاں چکنی ہو جاتی ہیں۔

○ گورا کرنے والی کریم کے استعمال سے آپ کہنیوں کے سیاہی مائل رنگ کو کاٹ کر صاف بنا سکتی ہیں۔ ایک دوسرا سستا اور آسان نسخہ یہ ہے کہ نصف لیموں کے دو ٹکڑے لے لیں اور اپنی کہنیوں کے ساتھ پندرہ منٹ تک دبا کر رکھیں۔ لیموں کا سائٹرک جوس کہنیوں کے سیاہ رنگ کو کاٹ کر انہیں گورا بنا دے گا اور اس عمل سے انہیں تازگی بخشے گا۔ خوب صورتی کا راز پورے جسم کی دیکھ بھال میں مضمر ہے۔ ہم اپنا قد، جلد کی رنگت اور خدوخال تو تبدیل نہیں کر سکتے۔ لیکن ان کی مناسب دیکھ بھال سے اور حفظان صحت کے اصولوں پر عمل کر کے انہیں تازگی اور صحت ضرور عطا کر سکتے ہیں۔

☆ ☆

محمود بابر فیصل نے یہ شگفتہ سلسلہ 1979ء میں شروع کیا تھا۔ ان کی یاد میں یہ سوال و جواب شائع کیے جا رہے ہیں۔

ذوالقرنین

نبیلہ امان۔۔۔ پشاور

س : ذرا یہ تو بتایئے کہ کیا آپ معلومات عامہ کی کتاب ہیں جو سب آپ سے سوالات پوچھتے ہیں؟
ج : "یہ تو سوال کرنے والوں سے پوچھو بی بی۔"

نورین عزیز۔۔۔ شکار پور

س : لفظ عورت کے اجزائے ترکیبی 'ع' سے عظیم، 'و' سے وقار 'ر' سے رتبہ اور 'ت' سے تابندہ' ذرا مرد کی خصوصیات بتائیں؟
ج : "م سے محسن 'ر' سے راست باز 'د' سے دیانت دار" آیا سمجھ میں۔

فرزانہ گل۔۔۔ لطیف آباد

س : "بھیا! اگر آپ نے اب میرے سوال کا جواب نہ دیا تو میں خودکشی کرلوں گی؟"
ج : "میرا احسان مانو کہ خودکشی سے بچالیا۔"

فریدہ۔۔۔ کراچی

س : میرے خیال میں رونے والا مرد بزدل ہوتا ہے آپ کا کیا خیال ہے؟
ج : میرے خیال میں وہ؟
س : اگر کوئی مسلسل جھوٹ پر جھوٹ بولے تو اس کے ساتھ کیا کرنا چاہیے؟
ج : آپ کی صحت پر کیا اثر پڑے گا بولنے دیں۔

نفیس مظفر۔۔۔ کراچی

س : بھیا! محبت کا آغاز کب ہوا؟
ج : حضرت آدم سے یہ غلطی ہوئی تھی۔

قمر سلطانہ۔۔۔ کراچی

س : نین بھیا! دل کو کھلونے سے کیوں تشبیہ دی جاتی ہے؟
ج : لوگوں نے کھیلنا جو شروع کردیا ہے۔

ثمینہ گل۔۔۔ سبی بلوچستان

س : نین جی آج کل تمہیں کیا ہوگیا ہے جب بھی گھر آتے ہو تو منہ کیوں پھولا رہتا ہے؟
ج : کھانا ڈھنگ کا نہیں ملتا گھر۔

ریحانہ بیگ۔۔۔ کراچی

س : "کس نام سے پکاروں کیا نام ہے تمہارا؟"
ج : "میں ... میرا نام ... لیجیے۔"

ممتاز کنول۔۔۔ کراچی

س : تغافل تیرا حد سے گزر گیا تو کیا ہوگا
اگر ہم بے نیازی پہ اتر آئے تو کیا ہوگا
ج : ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے
بے نیازی تیری عادت ہی سہی

بیلی۔۔۔ سمہ سٹہ

س : بھیا! سنا ہے جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے تو یہ اتنی جلدی پرواز کیسے کرتا ہے؟
ج : پروں سے۔

صبا جمیل احمد۔۔۔ کراچی

س : ذرا یہ تو بتایئے کہ بیوی کے نخرے اور قربانی کے بکرے میں کیا فرق ہے؟
ج : قربانی کا بکرا تو پھر بھی قربان ہو جاتا ہے۔
س : نین بھائی! آپ کی نظر میں اچھی اور بری چیز کیا ہے؟
ج : اچھی چیز اچھائی 'بری ... برائی۔

مسرت جبیں ... ۔۔۔ بلال پور پیروالا

س : آج کل ... لڑکے ... عقل ملوانے سے کیوں گھبراتے ہیں ... مونچھیں رکھنے کا کیا فائدہ؟
ج : مجھے معلوم ہے کہ تم جھوٹ بول رہی ہو۔

شگفتہ نور۔۔۔ سمہ سٹہ

س : کوئی چیز بھیج کر کب تک انتظار کرنا پڑتا ہے؟
ج : جب تک شائع نہ ہو جائے۔
س : اگر آپ کی جگہ میں ہوتی تو بہنوں سے پورا پورا انصاف کرتی؟
ج : سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میری جگہ تم ہوتی ہی کیوں؟

فرخندہ تبسم۔۔۔ گوجرانوالہ

س : لفظ شوہر کے لغوی اور اصطلاحی معنی کیا ہیں؟
ج : بیوی سے پوچھ کر بتاؤں گا۔
س : بھیا! جب ایک میان میں دو تلواریں، ایک شوہر دو بیویاں رکھ لیتے ہیں تو ایک کانچ میں دو ... کیوں نہیں ہوتے؟
ج : ایک میان میں دو تلواریں، ایک شوہر کی دو بیویوں کا حشر شاید تم نے نہیں دیکھا۔

لبنیٰ عنایت۔۔۔ پشاور

س : کیسے پہچانا؟
ج : تم کو نہ پہچانوں یہ کیسے ممکن ہے۔

کوثر جبیں سحر۔۔۔ کراچی

س : پکڑے گئے تم ذوالقرنین نہیں ایم بابر فیصل ہو' جبھی ہر جگہ تمہاری تصویر کے نیچے محمود بابر فیصل لکھا ہوتا ہے جاؤ اپنی اس تصویر کے ساتھ ملا لو جو کسے پہ دیا ہے کیسے ہو؟
ج : ... انھیں ٹیسٹ کراؤ۔

سیما جمیل احمد۔۔۔ کراچی

س : کیا تم حقیقت میں اتنے ہینڈسم 'اسمارٹ اینڈ بیوٹی فل ہو جتنے کہ تصویر میں نظر آتے ہو؟
ج : اس بات سے تمہارا کیا مطلب ہے؟
س : ارے نین پہلے یہ بتاؤ کہ تم اپنے آپ کو کیا طرم خان سمجھتے ہو؟
ج : طرم خان کہہ کر میری انسلٹ مت کرو۔

تمینہ کنول' روحیلہ کنول۔۔۔ نوشہرو

س : یہ زندگی کیا چیز ہے؟
ج : یہ تو میں بھی سوچ رہا ہوں۔

افشاں تبسم الفشی۔۔۔ کراچی

س : بھیا! زندگی اور موت میں کتنا فاصلہ ہے؟
ج : کچھ بھی نہیں۔

توحید صدیقی۔۔۔ کراچی

س : بادشاہوں کے محل معمار بناتے ہیں یہ بتایئے سپنوں کے محل کون بناتا ہے؟
ج : سپنوں کے محل معمار نہیں بناتے جبھی تو ٹوٹ جاتے ہیں۔

فرحت واحد علی۔۔۔ لطیف آباد

س : شرم و حیا عورت کا گہنا تصور کیا جاتا ہے۔ تو مرد کا گہنا کیا ہوتا ہے؟
ج : صرف تصور ہی کیا جاتا ہے نا۔

صفیہ خانم۔۔۔ ملکوال

س : شام کو چلنے والی مست خرام ہوا کا جھونکا تمہیں کسی کا کوئی پیغام نہیں دیتا؟
ج : کیا تم نے کوئی پیغام بھیجا تھا۔

☼ ☼

تابندہ منصور۔۔۔ مردان

میں کافی عرصے سے کرن کی قاری ہوں۔ کرن کی تحریروں کا معیار بلاشبہ ایک بہترین جریدے کا معیار ہے۔ جو اصلاح معاشرہ میں اپنا کردار بھرپور طریقے سے ادا کر رہا ہے۔ کرن کی تحریروں پر تبصرے تو خطوط بھی میں بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ میں ایک ریٹائرڈ لیکچرار ہوں جس نے اپنی عمر کے بیس پچیس برس اردو ادب کو پڑھاتے ہوئے اور بچوں کو اچھے ادب کے زندگیوں پر اچھے اثرات کے بارے میں سمجھاتے ہوئے گزارے ہیں۔ ابھی دو برس قبل میں ریٹائر ہوئی ہوں۔

مدیرہ صاحبہ! آج میں ایک تحریر پر تبصرہ کرنے کے لیے خط لکھ رہی ہوں اس تحریر پر اگر میں تبصرہ نہ کرتی تو میرے دل پر بڑا بوجھ رہ جاتا۔ "گوشہ عافیت" آپ کے جریدے پر اس وقت ایک دلہن کی پیشانی کے جھومر کی طرح چمک رہا ہے..... میں اپنے خط میں اس کی قارئین بچیوں کو بتانا چاہتی ہوں کہ دراصل ایک ناول کے کیا لوازمات ہوتے ہیں جو اسے حسین اور منفرد بناتے ہیں جن سے ایک اچھا اور معیاری ناول کتنا بڑا ناصح ہوتا ہے۔ "گوشہ عافیت" ایک ایسا ہی مکمل اور معیاری ناول ہے جس کا انداز تحریر جاندار، مکالمے سادہ مگر گہرے معانی سے گندھے ہوئے ہیں۔ یہ کوئی عام ناول نہیں ہے جس میں محض ایک لڑکے اور لڑکی کا عشق ہوا یا گھریلو جھگڑوں کی داستان اس ناول میں ایک زندگی کے سارے رنگ ہیں اور اس کے کردار حقیقی دنیا کے زندہ کردار ہیں..... وجیہہ اور عصمہ دراصل پورے انسان ہیں نیکی اور بدی کے برابر خمیر سے گندھے ہوئے۔

اس لیے قارئین سے میری گزارش ہے کہ وہ اس کی گہرائی اور اس میں پوشیدہ سبق کو سمجھیں اور اپنی زندگیوں کے لیے اس سے زاد راہ لیں..... عصمہ جیسی لڑکیاں جب عشق مجازی میں مبتلا ہوتی ہیں تو اپنے گھر اور والدین بھی تیاگ دیتی ہیں مگر زندگی کا آئینہ جب انہیں اصل صورت دکھاتا ہے تو وہ مجاز سے حقیقی کی طرف کا سفر طے کرتی ہیں کس طرح سے "متصوف" کی منزلوں کو چھونے لگتی ہیں یہی اس ناول کا درس ہے۔ وجیہہ جیسا [illegible] اور [illegible] جب سچ مچ کسی کی محبت میں مبتلا ہو جائے تو [illegible] کی طلب سے نکل کر روح کی پہچان کیسے [illegible] سفری لطافت کو اگر محسوس کریں تو [illegible] "گوشہ عافیت" پڑھنے کا سرور ملے گا۔ [illegible] بار بار پڑھا ہے ان کی ہر تحریر میرے [illegible] ہے..... میں کرن کو مبارک دیتی ہوں [illegible] لکھنے والوں میں ایسے لکھنے موجود ہیں اور [illegible] بھی مبارک ہو جسے اللہ نے ایک منفرد سوچ عطا کی ہے جو یقیناً دوسروں سے بہت ہٹ کر ہے۔

میرا یہ خط لکھنے کا مقصد "کرن" کی قارئین بچیوں کو خصوصاً یہ احساس دلانا ہے کہ وہ اس تحریر کو اپنے دل میں محسوس کر رہیں تاکہ وہ بھی اس کے ساتھ ساتھ اپنے عشق حقیقی کو پہچانیں مجھے "نوابزادی سو گئی" کے خطوط بہت اچھے لگتے ہیں وہ ایک اچھی قاری ہی نہیں تجزیہ نگار بھی ہے اس نے "گوشہ عافیت" کو محسوس نہیں کیا مجھے حیرت ہے بہرحال مدیرہ صاحبہ! آپ سے بھی التماس ہے کہ ایسی جاندار تحریروں سے کرن کے گوشے منور کرتی رہیے گا باقی ہر رائٹر اپنی جگہ بہت اچھا لکھتی ہے اور یقیناً "معاشرے کی اصلاح میں اپنا حصہ ڈال رہی ہے سب کو مبارکباد کرن کے لیے بہت دعائیں۔

حرمت روا اکرم۔۔۔ ڈاول

کرن اس دفعہ تو فروری کو ملا۔ سالان [illegible] کی حمد و نعت کا مطالعہ کیا اور اپنے دل کو [illegible] اور [illegible] کے پیارے حبیب حضرت محمد [illegible] علیہ وسلم کی حمد و نعت سے منور کیا۔ [illegible] پڑھا۔ بہت زبردست لکھا [illegible] خصوصاً علیحہ کے مرنے اور [illegible] نے رلا دیا۔

لیکن کیا [illegible] کی وجہ ان سے شادی کروا دی جاتی۔ [illegible] کہانی میں مزہ اور رنگ بڑھ جاتے۔ نور الہدیٰ کا [illegible] کے لیے پیار اور شدید محبت نے بہت متاثر کیا تھا۔ اک اور بات کہ پلیز اب شایان اور نائیہ کی شادی ضرور کروا دیجیے گا سعدیہ جی اس ماہ اینڈ کریں اس ناول کا پلیز اور اینڈ بھی اچھا ہونا چاہیے۔

نبیلہ عزیز کا "در دل" پڑھا۔ وہ بھی اچھا جا رہا ہے اس قسط میں پہلے والی اقساط سے زیادہ جان تھی اب جیسے ناول آگے بڑھے گا تو ہی اندازہ ہو گا کہ نبیلہ جی کتنی کامیابی سے اس ناول کو لکھ سکیں۔ ایک بات اور پوچھنی تھی کہ نبیلہ کا کوئی مکمل ناول کب تک شائع ہو رہا ہے۔ کچھ نیا اور کڑاکے دار تو ہونا چاہیے۔

کرن ہمیشہ سے لکھنے والوں کی کافی حوصلہ افزائی کرتا ہے مگر لکھنے والوں کا بھی کام ہے کہ وہ بھی کہانی کے ساتھ مکمل انصاف کریں۔

آصفہ عنبرین قاضی کا مکمل ناول "خوشبو کی بشارتیں" ایک دم بور لگا۔ ہزاروں دفعہ نہیں بلکہ لاکھوں دفعہ اس موضوع پہ لکھا جا چکا ہے کہ ہیرو کچھ وجوہات کی بنا پر اپنے گھر والوں سے دور ہو جاتا ہے اور غصہ بھی دکھاتا ہے۔ پھر اک کرن صاحبہ اسے سیدھے راستے پہ لاتی ہیں تو ان کا کڑاکے دار بات کا فیر اور انجام شادی.....

کیا یار ہم لوگ کچھ نیا پڑھنا چاہتے ہیں۔ آج کل کے مسائل پہ بات کریں ایسا لکھیں جس سے ہم لوگوں کو کچھ سیکھنے کو ملے تاکہ ہم لوگ صرف ایک ناول کے لیے اپنا وقت برباد کریں [illegible] آپ لوگوں کو میرا مطلب ہے رائٹرز کو برا [illegible] آپ کی مرضی مگر مجھے آصفہ کا ناول رتی برابر بھی اچھا نہیں لگا۔

[illegible] کا افسانہ پڑھا۔ آج کل کے حالات و واقعات [illegible] کو ہم روزانہ سنتے اور دیکھتے ہیں مگر ہمارے ذہن میں اٹھنے والے سوالات کا کوئی جواب نہیں ملتا۔

ہزاروں ڈاکٹر مہران روزانہ ناکردہ گناہوں کی سزا جھیلتے رہتے ہیں اور لاکھوں حمید بابا سڑکوں پر ایڑیاں رگڑتے رگڑتے مر جاتے ہیں مگر ان کا پرسان حال کون ہے؟ ایوانوں میں بیٹھے ہمارے ناخدا ہمارے ان گناہوں کی سزا ہیں جو روز ہم کرتے ہیں، کسی معصوم انسان کو اپنی مصنوعی فرض شناسی کے ہاتھوں مار دینا گناہ ہی تو ہے مگر ہم سے پوچھنے والا کوئی نہیں.....؟

"مہوش افتخار" کا ناول پڑھنا ابھی باقی ہے اس لیے تبصرہ کرنے سے قاصر ہوں۔ نازیہ کنول کا ناول پڑھا اچھا لکھا تھا انہوں نے مگر اسٹارٹ میں عبیرہ کے ڈائیلاگ کچھ اچھے نہیں لگے۔

اک بات کہ اگر عبیرہ نے سعید کو موحی سے شادی پر مجبور کیا تھا تو بعد میں اس سے اتنی جیلس کیوں تھی۔ وہ تو موحی کی ضد پہ اس سے کورٹ میرج کر لی ورنہ وہ اگر اس سے شادی نہ کرتی تو بھی سعید کو دل آویز سے بات چیت سے اسی طرح روک لیتی۔ جو کچھ بھی ہو مگر ناول اچھا تھا۔ فوزیہ احسان رانا کا افسانہ بھی اچھا تھا اور حقیقت پر مبنی بھی۔

"بول کہ لب آزاد ہیں تیرے" میں اس دفعہ سب نے اچھا لگا مگر شاید بولنے کی آزادی بھی حد میں ہی ہے؟ ہے نا

"نور عین عاصم بشیر" اور "جواد احمد" کا انٹرویو پڑھ کر مزا آیا مگر "دو کا پہاڑا" میں فہیم خان نے حد سے کچھ زیادہ بونگیاں ماری تھیں۔ بلکہ مجھے تو لگا کہ شاید فہیم خان صاحب انٹرویو دینے کے لیے سیریس ہی نہیں تھے خوامخواہ وقت برباد کیا۔ البتہ "عادل مراد" کا انٹرویو اچھا لگا تھا مستقل سلسلے بھی سارے اچھے تھے۔ کرن کو سالگرہ کی بہت بہت مبارکباد ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ (آمین)

سمیرا ابطی۔۔۔ شہداد پور

"کرن" سے منسلک تمام لوگوں کو میرا اسلام قبول ہو۔ کرن سے ہمارا ڈیڑھ سالہ رشتہ ہے 2009ء میں پڑھنا شروع کیا تھا جب میں فرسٹ ایئر میں تھی کسی بھی رسالے میں میرا پہلا خط ہے۔ اب کی دفعہ کرن تو تاریخ کو ملا۔

کرن کے سارے سلسلے اچھے ہیں پر مجھے "بول کہ لب" یہ سلسلہ پسند نہیں پلیز کوئی دوسرا سلسلہ شروع کریں اسے پڑھ کر بوریت ہو جاتی ہے سلسلہ وار کہانیوں میں فوزیہ یاسمین کا ناول زبردست ہے نبیلہ جی کی کہانی میں تو حویلی لازمی ہوتی میں نے تو آج تک حویلی نہیں دیکھی نبیلہ عزیز کہاں سے اتنی حویلی لے آتی ہیں "گوشہ عافیت" اب بور کرنے لگی ہے اس کو جلدی ختم کریں اب کی دفعہ مکمل ناول متاثر نہیں کر سکے نازیہ کنول نازی کا تو عجیب ہی تھا مہوش افتخار کا ناول پھر بھی پسند آیا کوئی سبق تو تھا افسانوں میں "تم میری ہو" اچھا لگا۔

تنزیلہ ریاض جی جانے کہاں غائب ہیں پلیز واپس آجائیں ایک زبردست سی کہانی کے ساتھ ہمیں آپ کی تحریروں کا انتظار ہے باقی تمام سلسلے بہت زبردست ہیں۔ ایک فرمائش 101.FM انٹرنیشنل کے آرجے احمد بلال 101 اور حیدر آباد کے عامر عقیل کا انٹرویو ضرور شائع کریں اور "دنیا کا گھر پیارا" میں "فہد مصطفیٰ بمع فیملی کی تصویروں کے انٹرویو دے دیں اب اجازت آئندہ ماہ مکمل تبصرے کے ساتھ حاضر ہوں گی۔

انیقہ انا ۔۔۔ چکوال

سرورق اس بار بس ٹھیک ہی تھا۔

مستقل سلسلوں میں انٹرویوز کے علاوہ دیگر بھی سلسلے اچھے رہے۔ "نامے میرے نام" میں کئی ایک نئے نام دیکھنے کو ملے اور "بول کہ لب" مجھے اتنا پسند نہیں آیا۔۔۔ تبھی تو تا حال لکھا نہیں۔ خیر دیکھیے اب شکایات کا بند ٹوٹتا ہے۔

افسانے اس بار نہیں پڑھے "لہٰذا تبصرہ کرنے سے قاصر ہوں۔ "گوشہ عافیت" بھی اسی نہج پر جا پہنچا ہے جس کا تصور ہم پہلے سے کر چکے تھے یہ ضرور ہے کہ عصمد اور وجیہہ کے لیے دل حد درجہ اداس ہے "میرا نہیں خیال ہے ان کے ملنے کی کوئی سبیل ہوگی تاہم شگفتہ [illegible] کوئی دوسرا بیروت سے آ جائے گا۔ انشاء اللہ [illegible] کے بعد کوئی دوسرا عصمد کے لیے ہم قبول نہیں کریں گے۔

سعدیہ راجپوت "کا مکمل ناول کچھ زیادہ ہی طویل ہوتا جا رہا ہے۔ میں نے ابھی تک ایک بھی حصہ نہیں پڑھا "فرصت کے لمحات تلاشیں گے اور پڑھیں گے۔ اصفہ عنبرین کا ناول مجھے کچھ خاص نہ لگا۔ اگرچہ رتبہ نے ایک شخص کی بد گمانیاں دور کر کے دلوں کے مابین در آئے فاصلے مٹانے کا نیک کام سرانجام دیا بس سو سو لگا۔

مہوش افتخار کافی عرصے کے بعد جلوہ گر ہوئیں۔ ایک اچھے موضوع کو زیر بحث لائیں۔ میں یہ نہیں سمجھ پائی کہ مرد کی دوسری شادی کو لوگ لڑکی پر ظلم کیوں گردانتے ہیں؟ مذہب میں کہیں بھی تو دوسری شادی کی ممانعت ہے نا گناہ ہے۔ آخر لوگ کیوں ظلم تصور کرتے ہیں۔

زیر بحث ناول میں بھی پہلے تو ولید کی بزدلی پر غصہ آیا۔ ایک مرد با شعور عقل مند ہے کہلاتا ہے تو اپنی فیملی سے اتنا بھی کیا ڈرنا کہ۔۔۔ اسماء کی موت اگرچہ دل دکھا گئی مگر ماما نے بھی جو کیا صحیح کیا۔ میں دوسری شادی کی مخالفت نہیں کرتی مگر ماما کے رویے کو بھی حق بجانب سمجھتی ہوں۔ معاف کرنے کا حوصلہ بھی کم کم ہوتا ہے۔ ویسے اگر ماما ولید کو معاف کر دیتی تو ممکن تھا کہ ولید "اسماء سے شادی کو مستقبل میں ماضی کی فاش غلطی تصور کرتا۔ مرکزی خیال سے کردار و مکالمات تک کہانی زبردست تھی۔

نازیہ کنول نازی۔ کے ناول اگرچہ مجھے کچھ پسند نہیں آتے۔ خاصی فلمی سی سچویشن ہوا کرتی ہے۔ مگر اس بار ان کا ناول پڑھ کر میں بہت روئی "پتا نہیں کیا [illegible] نوری کے دکھ پہ روئی کہ عبیرہ کے مرنے پہ [illegible] اندر کی وہ اسی [illegible] جو ناول کو پڑھتے [illegible] ہوئی۔ رشتوں کے چکر [illegible] اگرچہ [illegible] مگر اس بار نازیہ مجھے متاثر کر گئیں [illegible] نازیہ کے ناول میں مماثلت بہت [illegible] دونوں ناول اچھے رہے۔

فوزیہ یاسمین پہلے تو شادی کی مبارک دیجیے۔ اب ذکر خیر ہو جائے ناول کا فوزیہ نہایت خوش اسلوبی اور روانی سے ناول کو نبھا رہی ہیں اور سب کے کردار اچھے ہیں۔ علاوہ ازیں مزید تبصرہ وقتاً "فوقتاً" جاری رہے گا۔ مارچ کا مہینہ شروع ہونے والا ہے۔ کرن کی اور میری سالگرہ اسی مہینے ہے۔ لگے ہاتھوں مبارک قبول کیجیے اور مجھے بھی مبارک دیجیے۔ اب اجازت دیں۔ اپنا خیال رکھیے گا۔

فوزیہ ثمرت ۔۔۔ گجرات

سولہ فروری عید میلاد والے دن کرن ملا۔ آج سارا شہر پر رونق تھا۔ ہر زبان پہ درود پاک کا ورد ہو رہا تھا۔ ساری فضا پر نور اور معطر ہو رہی تھی۔ ہر چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔ سونے پہ سہاگہ کرن کا خوشنما ٹائٹل مزید خوشی سے دوچار کر گیا۔ دھیمی دھیمی مسکراہٹ لیے ماڈل صاحبہ بہت پیاری لگ رہی تھیں۔ حسب عادت اداریہ اور فہرست کو چیک کیا۔ کون کون سی رائٹرز جلوہ افروز ہیں۔ [illegible] نا کسی باقی آئندہ کے والا جی اس بار کرن کا [illegible] گیا۔

سب سے پہلے حمد باری تعالیٰ [illegible] آپ سے ایک درخواست ہے [illegible] مشہور نعت خواں "انشاد" [illegible] کریں۔

انٹرویوز میں [illegible] ملاقات اچھی رہی۔ وحید مراد ہمارے [illegible] خوب صورت اور منجھے ہوئے اداکار تھے جو [illegible] دلوں میں راج کر رہے [illegible]

[illegible] میں تہمیم خان کو پڑھا۔ موصوف کی باتوں میں خود پسندی کا عنصر زیادہ تھا اور کافی بولڈ بھی۔ ایسی لفظوں میں دھڑلے سے بولنے والی "شخصیت" بھی کم دیکھے۔

"بول کہ لب آزاد ہیں" طلاق ایسے موضوع میں لکھا جا چکا ہے۔ یہ سلسلہ اور کتنی دیر تک چلے گا اور کیا میں دوبارہ اس میں شرکت کر سکتی ہوں۔

ناول میں سب سے پہلے "عشق آتش" کو شروع کیا جس کا بے چینی سے انتظار تھا۔ اس بار تو سعدیہ جی نے اداس کر دیا۔ آنکھیں اشک بار ہو گئیں۔ کہانی تو بھی سو از اختیار کر چکی ہے۔ اگر ملیحہ کی ذہنیت ہو چکی الحق تو پھر قصر فاروقی میں اس کا ذکر نا قابل برداشت کیوں ہے۔ کیوں نور الہدیٰ اور اظہر فاروقی کھل کر اس معاملہ میں بات نہیں کرتے۔ کیوں وجدان کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور کیا شایان "وجدان کا لے پالک بیٹا ہے تو پھر شایان کیوں ملیحہ کو اپنی ماں کہتا ہے پوری قسط میں ماہیہ اور شایان کا کہیں ذکر نہیں تھا۔

سعدیہ جی اس تمام گتھی سے پردہ اٹھا دیں۔ اب مزید صبر نہیں ہوتا عجیب کشمکش ہے۔ پلیز آئندہ ماہ اس کا اختتام کر دیں۔

"حسرتوں کا شمار کر" مجھے یہ ناول اچھا لگا ہے مگر ماما کا فیصلہ ٹھیک نہیں تھا کیا تھا اگر ولید نے غلطی کر لی تھی

وہ واپس تو آ گیا تھا۔ چلو یہ اس کی مجبوری تھی اس کی واپسی ہوئی اور کیا گارنٹی تھی کہ [illegible] مستقبل میں [illegible] ولید سے بہتر شخص [illegible] ساتھ ملتا اکیلے تو زندگی گزارنی نہیں تھی تو ولید کو اپنا لیتی۔ ولید کی محبت نہ سہی اپنی محبت کو بچا لیتی۔ پورا [illegible] تھا۔ مگر ایڈیٹر نے سارا مزا خراب کر دیا۔

[illegible] کی بشارت تھیں "بھی ٹھیک ہی [illegible] معید خان کی دور ساختہ سوچیں اسے اپنے محسنوں سے متنفر اور باغی بنا رہی تھیں۔ رتبہ کی مہربانی سے معید خان احسان فراموش کہلانے سے بچ گیا۔ ناولٹ "گوشہ عافیت" "لشین صاحب لاڈی سائیں کی محبت میں گرفتار نظر آئیں۔ کیا محبت میں انسان یونہی نکما ہو جاتا ہے۔ وجیہہ صاحب نے پہلے جذبات میں آکر شادی کی اور پھر دباؤ میں آکر اپنی محبت کا گلا گھونٹ دیا۔ ایسے جذباتی لوگ اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کی زندگی مشکل بنا دیتے ہیں۔ وجیہہ کو ایک بار لشین سے بات تو کرنی چاہیے مرد نے تو عورت کو کھلونا سمجھ رکھا ہے جب چاہا محبت، شادی اور جب چاہا تین حرف ہاتھ میں تھما دیے۔ اس کہانی کو بھی اب اختتام پذیر ہو جانا چاہیے تھی۔

افسانہ "تم میری ہو" عائشہ نصیر کی تحریر بچکانہ سی تھی۔ یہاں پر بھی مرد کی ازلی خود غرضی کہ اسے اپنی سے بڑی عمر کی لڑکی سے محبت ہو جاتی ہے اور اپنی محبت کو پانے کے لیے وہ اس سے شادی کر لیتا ہے عام حالت میں مرد کو سو نقص نظر آتے ہیں۔

"کوئی بتلاؤ کہ ۔۔۔" ہاں یہی کچھ تو ہو رہا ہے۔ ہمارے ملک میں کسی بھی بات کی تصدیق کیے بغیر ہی آگے فارورڈ کر دی جاتی ہے۔ یہ سوچے سمجھے بغیر کہ اس بات کے کیا نتائج مرتب ہوں گے۔ مستقل سلسلے اچھے تھے اس بار تو مسکراتی کرنوں نے حقیقت میں مسکرانے پہ مجبور دیا۔

"یادوں کے دریچے" سے "صائمہ اور نسرین خان کی ڈائری اچھی لگی۔ شاعری میں امامہ حبیب کے نام کی طرح اس کا شعر بھی خوب صورت تھا۔

"نامے میرے نام میں" "حرمت زرا" کا تبصرہ اچھا ہوتا ہے اور کیا مارچ سالگرہ نمبر میں نادیہ امین کے کسی ناول کی امید رکھی جا سکتی ہے اور مستقل سلسلوں میں کوئی نیا سلسلہ شروع کریں دوستوں کے نام اپنا پیغام یہ سلسلہ یقیناً کرن کا لطف دوبالا کر دے گا۔

ماہ نور سعد ۔۔۔ ڈیرہ اسماعیل خان

اس ماہ کا کرن دس کو ملا اور ٹائٹل کی کیا بات کروں بڑا ہی زبردست اور خوب صورت اب ذرا قسط وار ناول کی طرف آجاتے ہیں لیکن میں نے جو سب سے پہلے پڑھا وہ ناولٹ "گوشۂ عافیت" تھا اف اف کتنا زبردست! اس کہانی نے نیا موڑ لیا بہت اچھا لگا پچھلے ماہ اس لیے خط نہیں لکھا تھا کہ دل اداس تھا کہ لاڈی نے کیوں دلنشین کو طلاق دی اس بار تسلی ہو گئی فوزیہ یاسمین کا "دست کوزہ گر" پڑھا اچھی قسط تھی پھر سب سے زیادہ پاور فل ناول پڑھا زبردست اس کی تعریف کے لیے الفاظ نہیں مل رہے "عشق آتش" سعدیہ راجپوت بہت خوب۔ ناول بہت زبردست ہے لیکن بلیحہ کے ساتھ اتنا برا ہوا کہ دل ہول اٹھا اور وجدان پر تو کسی بھی انسان کو رونا آجائے کیا دنیا میں لوگوں کو اتنا صبر ہوتا ہے۔ بس پھر ہم نے اس بار تمام مکمل ناول پڑھے کیونکہ اس مرتبہ "کرن" ناول نمبر جو تھا سب سے زبردست جو ناول لگا وہ نازیہ کنول نازی جی کا "دل آویز" اور عبیرہ کے کردار کی تو کیا بات ہے پھر تمام کرن پڑھا سوائے افسانوں کے وہ پھر کبھی پڑھ لیں گے اور آپ سے میری ایک ریکوسٹ ہے کہ "شاہد خان آفریدی" کو دو کا پہاڑہ میں جگہ دیں ابھی تو پاکستان کی ٹیم ورلڈ کپ کے لیے گئی ہوئی ہے ان شاء اللہ جب جیت کے آئے گی تب ضرور ضرور ان کا انٹرویو لیجیے گا اور دعا کریں کہ پاکستان ورلڈ کپ جیت جائے۔

اب اجازت دیں آئندہ ماہ پھر حاضر ہوں گی۔

تحریم بخاری ـــــ مظفر گڑھ

فروری کا شمارہ اس وقت میرے ہاتھ میں ہے۔ اس ماہ کا ٹائٹل مجھے بہت اچھا لگا۔ حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پڑھ کر روح کو جو سکون ملا وہ میں بتا نہیں سکتی۔ عادل مراد اور جواد احمد کا انٹرویو بہت پسند آیا۔ "بول کہ لب آزاد ہیں تیرے" میں زوبیا ایم قادری کی باتیں اچھی لگیں۔ رمشا خالد کا افسانہ "کوئی بتلاؤ کہ ہم" دل کے بہت قریب لگا۔ فوزیہ احسان رانا کی تحریر "مصاف کو" بہت اچھی تھی۔ نازیہ کنول نازی کا ناول "تیرے آسمان تلے" اچھا تھا۔ نازیہ کنول سے ایک بات کہنا چاہوں گی کہ روز وہ کھل کر نہ لکھا کریں۔ اس ماہ کا سب سے اچھا ناول "خوشبو کی بشارتیں" بہت زیادہ اچھا لگا۔ آصف عمرین کی بہت اچھی کاوش ہے۔ میں ان کی جتنی بھی تعریف کروں وہ کم ہے۔ اتنی اچھی منظر کشی کرتی ہیں کہ بندہ خود اس میں کھو جاتا ہے۔ مہوش افتخار کا ناول "حسرتوں کا شمار" بہت زبردست کہانی ہے۔ سلسلے وار تحریریں ابھی میں نے پڑھی نہیں ہیں۔ باقی تو سارا ڈائجسٹ ہوتا ہی زبردست ہے..... میں نے اپنی دو تحریریں "رنگ حنا" اور "آرزو خواب" بھیجی ہیں۔ اگر قابل اشاعت ہو تو ضرور شائع کیجیے گا۔

میری شادی ہونے والی ہے۔ اوائل مارچ کے دنوں میں اس سلسلے میں ہماری گھر میں مہمانوں کی آمد و رفت بڑھ گئی ہے۔ وقت ہی نہیں مل رہا۔ شاید یہ میرا آخری خط ہو۔ پتا نہیں شادی کے بعد میں خط لکھ سکوں گی یا نہیں۔ میرے لیے دعا کیجیے گا۔ میں آپ سے رابطہ نہیں کر سکتی پلیز میرے افسانے کے بارے میں ضرور بتائیے گا۔ زیادہ تفصیل سے نہیں لکھ سکتی۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو خوشحال اور آباد رکھے۔ (آمین)

سائرہ پروا کرن ـــــ کوٹ چھٹہ

فروری کا کرن حسب معمول جلد ہی مل گیا۔ ٹائٹل کو دیکھ کر دل نے ونڈرفل کہا۔

کافی عرصے کے بعد "کرن" کی اس محفل میں شرکت کر رہی ہوں (وجہ، میری شادی ہو چکی ہے) ناول نمبر دیکھ کر دل بے انتہا خوش ہوا۔ "دو کا پہاڑہ" میں نعیم خان کے جوابات بہت فضول لگے۔ جواد احمد سے گفتگو اچھی رہی۔

پھر ناول "دردل" پڑھا۔ مجھے اس میں آویز، عدیل اور ولی اور شاہ کا کریکٹر بہت زیادہ پسند آیا۔ "دست کوزہ گر" بھی بہت فنٹاسٹک جا رہا ہے۔ حرم اور کمیل کی سرد جنگ آخر کب ختم ہوگی؟ فوزیہ جی پلیز ان دونوں میں فرینڈشپ کروا دیں اور "تیرے آسمان تلے" نازیہ کنول نے بہت رومانٹک ناول لکھا ہے اور بہت پیارا بھی.....!

"گوشۂ عافیت" کا ذکر کرنا تو میں بھول ہی گئی، وجیہہ الحسن نے دلنشین کو طلاق دے کر ہم سب کو دکھی کر دیا۔ دلنشین اور وجیہہ الحسن کا کپل بہت زیادہ پسند ہے مگر شگفتہ آپی نے ان دونوں کو جدا کر کے ہمارے دلوں کو اداس کر دیا ہے۔ اب نجانے آگے کیا ہوگا عصمت تو وجیہہ کو پانے کے لیے حلالہ کے لیے بھی تیار ہے۔